جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

فکرِ فاروقی

(ماہنامہ "جہانِ رضا" لاہور کے مدیر پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی کے اداریوں کا گلدستہ)



مرتّبہ

محمد عالم مختارِ حق

مکتبہ نبویہ ○ گنج بخش روڈ ○ لاہور

کتاب پر ایک نظر

نام کتاب	...------...	فکر فاروقی
موضوع	...------...	جہان رضا کے اداریے بقلم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی
مرتب	...------...	محمد عالم مختار حق
سال طباعت	...------...	۲۰۰۶ء
باہتمام	...------...	مجلس ادارت جہان رضا لاہور
ناشر	...------...	مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور
صفحات	...------...	۶۲۴
قیمت	...------...	۳۰۰/= روپے

ملنے کے پتے

رابطے: مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

0300-4235658 موبائل 7213560

اِنتساب

یہ نیاز کیش اپنی اِس کاوش کو گلشنِ رضویت کے گُلِ سر سبد
حضرت علامہ **کوکب نُورانی** اوکاڑوی مدظلہ العالی کے
نامِ نامی و اسمِ گرامی سے مُعنوَن کرنے کی سعادت حاصل
کرتا ہے :

کہ گوہر سپُردم بگوہر شناس

محمد عالم مختارِ حق

بلغ العلیٰ بکمالہ

کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلوا علیہ وآلہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

مکتبہ نبویہ ۔ لاہور

" جہانِ رضا " کے صفحات پر حضرت علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی زیدہ مجدہٗ کے قلم حقیقت رقم سے نکلے ہوئے معرکہ آراء اداریوں کے مجموعہ بہ عنوان " فکر فاروقی "

مرتبہ جناب محمد عالم مختار حق

قطعۂ تاریخ (سال طباعت)

۲۰۰۶ء ۱۴۲۷ھ

...... " خوب تحاریر " ......
۱۴۲۷ھ

دانش فروز و آگہی افزا اداریے — تحریر دلپذیر کئے کیا اداریے
آئینہ دار ہیں یہ دلی سوز و درد کے — یہ اپنی نوعیت کے ہیں یکتا اداریے
اخلاص ان میں جو ہے کہیں اور ہے وہ کم — لکھتے ہیں اور لوگ بھی زیبا اداریے
نکلے ہیں جو بھی ان کے قلم سے ہیں منفرد — احوالِ شہرِ شاہِ امم یا اداریے
صفحات پر " جہان رضا " کے ہوئے طلوع — پرمغز یادگار توانا اداریے
ہر صاحبِ قلم کے نہیں ہے یہ بس کی بات — خون دل و جگر سے یوں لکھنا اداریے
روشن ہے وہ دماغ، قلم ہے وہ تابناک — جس نے کئے ہیں ایسے مہیا اداریے
شکلِ کتاب میں انہیں یکجا کیا گیا — لکھتے رہے جو حضرت والا اداریے
ان سے ضرور لیں گے اثر جو ہیں اہل دل — ٹکڑے دلِ حزیں کے ہیں گویا داریے

تاریخ اس کتاب کی " جامع " سے یوں کہی
۱۱۴

" احساس خیز و جاذبہ آرا اداریے "
۲۰۰۶ء = ۱۸۹۲ + ۱۱۴

محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری
حسن ابدال

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ شَانِ حَبِیْبِہٖ ﷺ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

اَللّٰھُمَّ

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی

اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

فہرست مضامین

جہان رضا کے اداریوں کے

گلہائے صدرنگ

پروفیسر محمد اکرم رضا

روزنامہ ہو یا، ہفت روزہ، اخبار ادبی مجلّہ ہو یا باقاعدہ اشاعت رکھنے والا ماہنامہ، جس طرف بھی دیکھیے اداریہ محض جذبات نگاری نہیں بلکہ ادبی اور اشاعتی ضرورت بن کر سامنے آتا ہے۔ اداریے کے ذریعہ مدیر اور قاری کے فکری رشتے کا آغاز ہوتا ہے۔ قارئین معلوم نہیں کہاں کہاں کے ہوتے ہیں مگر اداریہ کی وساطت سے ایڈیٹر اپنا مافی الضمیر غیر محسوس طریقے سے تمام پڑھنے والوں تک پہنچا دیتا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ تعلق اس قدر مضبوط، ہمہ گیر اور پائیدار ہو جاتا ہے کہ ہر قاری ایڈیٹر کے قلم کی ادبی اور صحافتی فکر افروزیوں کو اپنی دھڑکنوں میں محسوس کرنے لگتا ہے۔

تاریخ ادب وصحافت شاہد ہے کہ بعض اخبارات اور رسائل محض اپنے مدیران کے قلم کی جولانیوں کے سبب سے ہی فروخت ہوتے رہے ہیں۔ یعنی ان جرائد کے مدیران اس قدر علم پرور ادب نواز اور حقائق آشنا ہوتے تھے کہ ان کے قاری ان کی تحریروں اور نظریات سے والہانہ عقیدت رکھنے لگتے تھے۔ یہی عقیدت انہیں ہر شمارے کے لیے محوِ جستجو رکھتی تھی۔ انگریزی اخبارات ورسائل میں اس نوعیت کی مثالیں اپنی جگہ مگر پاک وہند میں بھی ادبی اور صحافتی لحاظ سے ایسے بلند قامت مدیر دکھائی دیتے ہیں۔ جن کے اداریوں کے جملے ہی نہیں کئی کئی پیراگراف قارئین کو حفظ ہو جاتے تھے۔ مدیریوں تو مکمل طور پر رسالے یا اخبار کی اشاعتی بلندی یا پستی کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا مگر اداریے کی پر لطف

،حقائق آفریں، زبان و بیان کی رعنائیوں سے آراستہ تحریر بطور خاص مدیر کا کمال سمجھی جاتی تھی۔ اداریے کو ایک نظر دیکھتے ہی جہاں قلم کی چاشنی اپنی لطافت لٹاتی تھی وہاں رسالے میں شائع شدہ مواد کا اجمالی تعارف بھی قارئین کے ذوق نظر کی بالیدگی کی علامت بنتا تھا۔

اس تناظر میں جب ہم ماہنامہ ''جہان رضا'' کے مدیر شہیر معروف ادیب اور محقق پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کے اداریوں کا جائزہ لیتے ہیں تو اداریے کی جامعیت اور مدیر کی فکری بلند پروازی کے امتزاج سے ترتیب پانے والا خوشگوار تاثر بے اختیار قلب ونظر کو اپنی جانب متوجہ کرنے لگتا ہے۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی علم وفضیلت کے لحاظ سے معروف شخصیت ہیں۔ ایک بلند پایہ مصنّف، مایہ ناز مترجم، قابل فخر مقالہ نگار اور باصلاحیت مدیر شہیر کی حیثیت سے مدتوں سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں۔ باوقار ملازمت کا زمانہ ہو یا ریٹائرمنٹ کے بعد کی مصروفیات کا زمانہ انہوں نے ہر گام پر احساس دلایا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں نقیب ملّتِ اَحناف ہیں ان کی مصروف زندگی کی تمام تر توانائیاں مسلک اہل سنت و جماعت کے لیے وقف ہیں۔ ''مکتبہ نبویہ'' کے مہتمم کی حیثیت سے آپ نے جو مے خانۂ ادب آباد کیا ہے اس سے بے شمار اہل ذوق فیض یاب ہو رہے ہیں۔ علماء ادباء، مفکرّین، شارحین، نقاد حضرات غرضیکہ جو آتا ہے اپنی داستان شوق سناتا ہے۔ اور ان کے سحابِ لطف وکرم کی رم جھم کا حقدار بن کر مستقل طور پر ان کی محبتوں کا امین بن جاتا ہے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کے والد گرامی حضرت مولانا انور پیر فاروقی رحمۃ اللہ علیہ علامہ اقبال کے عقیدت مندوں میں سے تھے آپ نے اپنے بیٹے کا نام اقبال اسی عقیدت کی روشنی میں رکھا۔ علامہ اقبال ۱۹۳۸ء میں فوت ہوئے تو مولانا انور پیر فاروقی گجرات سے چل کر لاہور آئے۔ اور شاعر مشرق کے مزار پر حاضری دی اس حاضری کے وقت اپنے بیٹے اقبال کو ساتھ لائے تھے پھر لاہور میں ہی دینی تعلیم کے لیے فاضل اجل

حضرت مولانا محمد نبی بخش حلوائی مؤلف ''تفسیر نبوی'' کی درسگاہ میں داخل کرایا۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے اسی درسگاہ سے دینی علوم کے بحر زخار سے حصہ پایا اور لاہور سے ہی درس نظامی کی تکمیل کی۔ جامعہ عباسیہ بہاول پور سے ۱۹۴۲ میں علامہ کی ڈگری پا کر لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل و مولوی فاضل کیا، پنجاب یونیورسٹی اورینٹیل کالج سے ہی ایم اے فارسی کیا، گورنمنٹ لاء کالج سے ایل ایل بی کیا، وکالت کا پیشہ اختیار کرنے بجائے علمی مجالس سے استفادہ کرتے رہے۔ پنجاب گورنمنٹ کے ایک محکمہ لیبر ویلفیئر میں (Compensation Commissioner) رہے۔ ۱۹۸۸ء میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کا ساری زندگی علمائے اہل سنت اور مشائخ عظام سے علمی اور روحانی تعلق رہا وہ اکثر علماء کرام کی مجالس کی جان ہوتے تھے اور مشائخ کے زاویوں کی کنج نشینی کا شرف حاصل کرتے رہے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کی تمام مسلمہ حیثیات اپنی جگہ، ان کے علمی و عملی جوہر اس وقت کھلے جب انہوں نے مجدد اہل سنت الشاہ احمد رضا محدث بریلوی کی محبت سے سرشار ہوکر ''مرکزی مجلس رضا'' کے ہراول دستے میں فعال کارکن کی حیثیت سے شمولیت اختیار کی، حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے والہانہ جذبہ ایمانی نے ان کے ذوق جستجو کو تیز تر کر دیا۔ پھر کیا تھا، ان کے لیے سنیت اور رضویت کا گلشن جان نواز بہار دوام کا امین بن گیا۔ یہ خادم بھی تھے اور راہنما بھی۔ جب ''جہان رضا'' کی ادارت سنبھالی تو ان کا قلم جو پہلے ہی حقائق اور صداقتوں کی کہکشاں لٹانے کا عادی تھا اور زیادہ برق رفتاری سے منزل حق کی طرف جادہ پیمائی کرنے لگا۔

جہان رضا ۱۹۹۱ء میں مطلع صحافت پر طلوع ہوا تو مدیر کی حیثیت سے انہوں نے بطور خاص اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مضامین، شائع کرنا شروع کیے۔ اس سلسلے کو اتنی وسعت اور ہمہ گیری عطا کی کہ آج ''جہان

رضا'' پاکستان میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان سمیت دنیا بھر میں عشاق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کا تارا بن چکا ہے۔ نظم ونثر کا انتخاب اور اشاعت اپنی جگہ اس ادبی صحیفے کو مقبولیت کی سند عطا کرنے میں بہت بڑا ہاتھ ان کے دل نشین ''اداریوں'' کا بھی ہے۔ وہ اداریے جو حق وصداقت کی آواز ہیں، جو ادب وصحافت کے لیے وجہ ناز ہیں، وہ اداریے کہ جنہیں پڑھ کر جہاں اہل شوق فرط مسرت سے ان کا استقبال کرتے ہیں وہاں منافقت اور ریاکاری کے طلسم کو چاک چاک کرنے کا سبب بھی بنتے ہیں۔

اقبال احمد فاروقی سا مرد درویش ہر قسم کی ستائش اور صلے کی تمنا سے بے نیاز ہو کر صحرائے رضویت کے حدی خواں کا کردار ادا کرتا ہے اس جذبے کے ساتھ کہ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی حکم اذاں کی تعمیل میں، خواب گراں میں کھوئے ہوئے علماء ومشائخ کو بیدار کرنے کا مسلسل اہتمام کیے جا رہے ہیں۔ بعض اوقات علماء ومشائخ کے مصلحت آمیز خواب گراں کو دیکھ کر انہیں درد اور سوز کی کیفیات سے گزرنا پڑتا ہے۔ مگر حکمِ اذاں کی تعمیل ان کے قلم کو بوجھل، اعصاب کو شل اور علمی جذبوں کو مضمحل نہیں ہونے دیتی، بگڑنے والوں کا بگڑنا اپنی جگہ مگر یہ عصر حاضر کی تاریکیوں میں شمع حقائق جگمگانے کے عمل سے کبھی دستبردار نہیں ہوتے ان کا عزم مصمم ان کے اداریوں میں علمی ونظری بانکپن بن کر جھلکتا ہے کہ

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی
خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اقبال احمد فاروقی حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے جس حد درجہ عقیدت ومحبت

رکھتے ہیں وہ کبھی بھی کسی مصلحت کا شکار نہیں ہونے پائے۔ آپ ان تمام معرکہ آرائیوں اور حقائق افروزیوں سے بخوبی آگاہ ہیں جن کی بدولت اعلیٰ حضرت کا وجود مہرِ عالمتاب بن کر زمانے کو منور کرتا ہے۔ جب تک محبّ اپنے محبوب کے حسن کمال کی ظاہری تابانیوں اور باطنی محاسن سے بخوبی آگاہ نہ ہو اس وقت تک وہ کمالِ عقیدت کا حسن دکھلا نہیں سکتا، محبوب صفات و کمالات کے لحاظ سے جس قدر دلآویز اور ہمہ گیر ہوگا، محبّ صادق کا جذبہ بھی اسی قدر والہانہ ہوگا۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت شخصیّت سے آگہی ہی ان کے اداریوں کی بلند فکری، مقبولیت، اور دل پذیری کا سبب بنی ہے۔ ''جہان رضا'' کا نام بذات خود فاضل بریلوی کے کمالات فقہی و علمی سے عبارت ہے اس لیے ایک ذمہ دار مدیر کی حیثیت سے حضرت اقبال فاروقی نے اعلیٰ حضرت کے فکری، فقہی، نظری، علمی اور روحانی کمالات کے اظہار سے کما حقہ انصاف کیا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ معاندین اعلیٰ حضرت کی بھی خوب خوب خبر لی ہے۔ ایک مدیر کی حیثیت سے انہوں نے معروف محققین اور مقالات نگاروں کا بھرپور تعاون حاصل کیا ہے۔ جب کہ اداریہ نویس کی حیثیت سے تلخ ترین حقائق کو بھی انشائے لطیف کا حسن بخش کر قبولیّت عام کا روپ بخشنے کی کامیاب سعی کی ہے۔

فاضل مدیر، عربی اردو اور فارسی سمیت کئی زبانوں کی ادبی چاشنی سے فکر و قلم کو ہر دلعزیزی کی صورت عطا کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ برجستہ فقرات، برمحل تشبیہات و استعارات، مقصد آفرین اشعار، عبارت آرائی کے لوازمات اور خوبصورت ادبی تراکیب کی بدولت ان کے اداریے کمال درجے کی مضمون آفرینی کے مظہر معلوم ہوتے ہیں بعض مقامات پر کمال درجے کی بلاغت کا احساس ہوتا ہے، انشائے لطیف کی رم جھم برستی محسوس ہوتی ہے۔ ان کا انداز نیا نہیں بلکہ مستقل طور پر ان کے قلم کا اعزاز بنا ہوا ہے۔ ہم ''جہان رضا'' کے دوسرے شمارے کے اداریہ سے چند سطور درج کر رہے ہیں۔

''مرکزی مجلس رضا'' کے آغازِ نو کی آواز پر لبیک کہنے والوں کی خوش کن آوازوں نے ہمیں تازہ جذبہ بخشا ہمارے دلوں کو ایک نیا ولولہ عطا کر دیا اور ہمیں تسلیم کرنا پڑا کہ مرکزی مجلس رضا کے بانی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی کا خلوص کتنا پاکیزہ تھا کہ چار سال کی خاموشی کے بعد بھی وادی رضویت میں ایک ہی صدا سے بہار آ گئی سارا چمن مہک اٹھا، سارے ستارے جگمگانے لگے۔ سارے دل دھڑکنے لگے اور سارے نغمے گونج اٹھے ؎

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستان

''جن لوگوں نے ہماری کوششوں کو سراہا ہے، ہم ان کا کس زبان سے شکریہ ادا کریں، جن اراکین نے ہمیں آگے پڑھنے کا حوصلہ دیا ہے ہم کس قلم سے ان کا شکریہ بجا لائیں، جن معاونین نے ہماری اپیل پر لبیک کہا ہے۔ ہم کن الفاظ میں انہیں ہدیۂ تحسین پیش کریں۔ جن بزرگوں نے مرکزی مجلس رضا کے دفتر میں بذات خود تشریف لا کر ہمارے کندھوں پر ہاتھ رکھا ہے۔ ان کے قدموں میں ہم نے آنکھیں بچھائیں، اگر ان سب حضرات کے الفاظ، خطوط، بیانات، مقالات اور جذبات جمع کیے جائیں تو ایک دفتر بھر جائے ؎

تیرے آنے سے گلستاں میں بہاریں آ گئیں

(جلد ا جون ۱۹۹۱ء شمارہ ۲)

اقبال احمد فاروقی کی تمام زندگی حق و صداقت کی وادیوں میں سفر کرتے گزری ہے۔ حق و صداقت کے حوالے سے ان کی وفاداری بھی مسلمہ ہے اور استواری بھی کیونکہ یہی جزو ایمان ہے۔ ان کے مضامین اور کتب اپنی جگہ انہوں نے ''جہان رضا'' کے اداریوں میں ہر گام پر صداقتوں کے ستارے بکھیرے ہیں جن کی روشنی ابدی بھی ہے اور لافانی بھی، ان کی محبت کسی مصلحت کی پابند نہیں، ان کا خلوص کسی مخصوص فضا کی پیداوار نہیں، یہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جن کا جینا اور مرنا حق کے لیے ہوتا ہے، زمانہ ادھر سے

ادھر ہو جائے مگر ان کی محبت اور خلوص کی مہک حق وصداقت کے گلشن سے پھوٹتی ہے اور ان کے اداریوں میں اپنی بہار دکھاتی ہے۔

''جہان رضا'' کے اداریوں میں کئی عشروں کی معلومات، نکتہ آفرینی، صداقت شعاری، ملت اسلامیہ کے اقبال وادبار کی داستان، ملّت احناف کی خدمات جلیلہ کے تذکرہ شوق سمیت کیا کچھ نظر نہیں آتا؟ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وقت کے قاضی نے حالات کی نبضوں سے صداقت کشید کر کے عصر حاضر تک پہنچانے کا عہد کر رکھا ہو، وقت کے قاضی کی صدائے صد رنگ، علامہ اقبال احمد فاروقی کے قلم سے پھوٹتی ہوئی ''جہان رضا'' کے اداریوں میں اپنا جلوہ دکھاتی ہوئی قارئین کے افکار کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ ہر اداریہ احساس دلاتا ہے کہ ''جہان رضا'' کا مدیر خلوص فکر کے ساتھ یہ تہیہ کیے ہوئے ہے کہ

؎ ''دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے''

اقبال احمد فاروقی نے کیا کچھ نہیں دیکھا، پاکستان کا ظہور میں آنا علماء ومشائخ اہل سنت کی قیام پاکستان کے لیے سعی بے بہا، قیام پاکستان کے بعد علماء ومشائخ کی غفلت کیشی، جہاد زندگی کا پرچم لہرانے والوں کا حجروں میں عافیت تلاش کرنا، اپنوں کی غفلت شعاری اور اغیار کی ستم کاری، وقفے وقفے سے علماء ومشائخ کی بیداری اور پھر وادی غفلت میں گراں خوابی، سیاست دوراں کی نیرنگی اور ان لوگوں کا منزل بکنار ہونا جو شریک سفر نہیں تھے، سیاسی اور مذہبی راہبروں کی طالع آزمائی، عظیم ماضی رکھنے والے بزرگان ملت احناف کی وقت کے تقاضوں سے بے خبری، غرضیکہ ''جہان رضا'' میں ایک جہانِ حیرت آباد جلوہ گر ہے کہ جس کی طلسم کاریوں میں ایک مرتبہ کھو جائیے تو واپس آنے کو جی نہ چاہے۔ یہ اس بات سے بے نیاز ہیں کہ انہیں کوئی چاہتا ہے یا ان کی خدمات سے اغماض برتتا ہے۔ یہ تو اس مسافر شوق کی طرح ہیں جو دین اور سیاست کے امتزاج سے عبارت

اپنے قلم کو حقائق کے صحرائے پرخار میں مسلسل آبلہ پائی کا جنون خیز انداز بخش رہا ہے۔

ہم نے اقبال احمد فاروقی کی جملہ ادبی علمی اور نظریاتی خدمات سے جان بوجھ کر پہلو تہی کرتے ہوئے اپنی تحریر کو فقط ان کے اداریوں تک محدود رکھا ہے۔ یوں سمجھیے کہ ہم ایک وسیع گلشن سے قطع نظر کرتے ہوئے چند گلہائے فکر نواز کو ہی محور قلم بنائے ہوئے ہیں اور یہاں پر بھی یہ حیرت انگیز انکشاف ہوتا ہے کہ ان چند پھولوں میں سے ہر پھول اپنی عنبر فشاں مہک کی بدولت ایک نیا گلستاں آباد کیے ہوئے ہے، اس خوشگوار انکشاف کی بدولت قاری کا ذہن جزو سے کل کی طرف پرواز کرتے ہوئے ان کی دیگر ادبی وفکری اور قلمی وفقہی خدمات کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ علم وحکمت اور فکر و دانش کی تجلیات نور سے اکتساب فیض کے بغیر ''اداریوں'' کو اس قدر ہمہ گیری، جاذبیت دلکشی اور دل نوازی عطا نہیں کی جا سکتی۔ عکس سے شخصیت کا احساس ہونا ہی کمال آگہی ہے اور اقبال احمد فاروقی کے اداریوں کی فکر انگیزی کا خوگر خود بخود ان کی بھرپور شخصیت کے کمالات کو جاننے کا تمنائی بن جاتا ہے۔

لفظوں سے کھیلنا ایک ہنر ہے مگر یہ ہنر اس وقت تک نصیب نہیں ہوتا جب تک الفاظ خون دل سے کشید نہ کیے گئے ہوں۔ کاغذی پھول عارضی طور پر تو ناظر کی بصارت کو متوجہ کر سکتے ہیں مگر یہ لمحاتی حسن فوراً اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے۔ جب کہ حقیقی پھولوں کی نظر نوازی، فقط بصارت ہی نہیں بلکہ بصیرت کو بھی جمال آشنا کر دیتی ہے۔ فاروقی صاحب نے اپنے اداریوں میں لفظوں کی جو سحر کاری دکھائی ہے اس کا تاثر کسی طور پر بھی عارضی سطحی یا لمحاتی نہیں بلکہ یہ تو حقیقی پھولوں کی خوشبوئے جان نواز لیے ہوئے ہے۔ وہ خوشبوئے جاں نواز جو فقط محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت عطا ہوتی ہے۔ جب ''جہان رضا'' کے مدیر کے دل و جان محبت رسول خدا علیہ الصلوۃ والسلام سے آباد رہیں گے تو نوک قلم سے بقائے دوام کے گلاب کیوں نہ مہکیں گے۔

ہمیں اقبال احمد فاروقی کی علمی وفکری کاوشوں سے ایک طویل عرصہ سے آشنائی کا شرف حاصل ہے اور ہم نے جواب آن غزل کے طور پر ان سے زبردستی اپنی شناسائی کی تمنایا کوشش کبھی نہیں کی اور یہی امر ہماری اس تحریر کو بے لاگ بنانے کا سبب بنا ہوا ہے۔ یہ علیحدہ امر ہے کہ ان کی محبت سمیٹنے کے جو چند لمحات میسر آتے ہیں وہ اپنی لطافت آمیزی کو برسوں کی غیر محسوس آشنائی پر محیط کر دیتے ہیں۔ ایک سادہ لباس اور ظاہری وضع قطع میں درویش منش انسان ''مکتبہ نبویہ'' کی کتابوں کے حصار میں گم ہو تو کوئی بھی راہ نورد ان کے ظاہری سراپا سے کوئی تاثر لیے بغیر آگے گزر جاتا ہے۔ مگر جونہی وہ راہرو چند لمحے گزارنے کے لیے اس درویش منش کی مجلس میں بیٹھ جاتا ہے تو کتابوں کے علم کدے میں محصور اس سادہ وضع انسان کے چند جملے ہی اس راہ رو کو اپنا اسیر بنا لیتے ہیں۔ اور پھر جو یہاں چند لمحے گزارنے یا کتاب شنائی کے لئے آیا تھا۔ یا کتاب آشنائی کے لیے آیا تھا وقت گزرنے کے تاثر سے بے نیاز ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس مرد درویش کی گفتگو اور اس کے ذوق جستجو میں گم ہو جاتا ہے اور پھر جانے والا جہاں بھی جائے اس تاثر سے بے نیاز نہیں ہوسکتا کہ

؎ اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

''مکتبہ نبویہ'' کا مرد درویش یہی اقبال احمد فاروقی اپنے اداریوں میں ایک طویل عرصہ کی ادب پیمائی کے حسن کو اپنے قارئین تک پہنچا رہا ہے۔ انہوں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ ان کے اداریے کسی طور پر بھی رسمی نظر نہ آئیں بلکہ ان کی بدولت قارئین کو حقائق سے آشنائی ہو۔ اس ضمن میں وہ ادبی ہنر آزمائی سے اس طور کام لیتے ہیں کہ بعض اوقات تلخ ترین حقائق کی ''کونین'' کو ادب وانشاء کی چاشنی میں سمو کر اپنے مخاطب کے دل میں اتار دیتے ہیں کہ اسے ایک لمحہ کے لیے بھی تلخ کامی کا احساس نہیں ہوتا۔ یہی تو وہ خوبی ہے جس نے مرد درویش اقبال احمد فاروقی کے اداریوں کو اپنوں اور بیگانوں کی توجہ کا مرکز بنا رکھا ہے۔

مرزا غالب کے خطوط کئی حوالوں سے یادگار حیثیت رکھتے ہیں ان کی ایک اہم خصوصیت ان کا تاریخی تاثر ہے۔ غالب حکومت انگلشیہ کے عتاب کے دور میں اپنے خطوط کے ذریعہ جملوں میں ملفوف ایسے بے شمار حقائق عوام تک پہنچا گئے جنہیں وہ عام زبان میں بیان کرنے سے قاصر تھے۔ اسی طرح فاروقی صاحب کے اداریے تاریخی حقائق کے امانت دار ہیں۔ قاری پہلی نظر میں انہیں سطحی انداز سے پڑھتا ہے مگر جونہی ان اداریوں کے جمال ادب سے جھانکتی ہوئی حقیقت اس پر آشکارا ہوتی ہے تو وہ اس تحریر کو ازسرنو پڑھتا ہے اور جہاں اس اداریے کے ادبی محاسن سے حظ اندوز ہوتا ہے۔ وہاں ان اداریوں کے بین السطور سے جلوہ ریز ہونے والے حقائق سے بھی بخوبی آگاہ ہونے لگتا ہے۔ فاروقی صاحب بھی بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ وہ تمام تاریخی حقائق جو ان کی یادوں کا حصہ اور گزرے ہوئے وقت کا ورثہ ہیں انہیں کمال دیانتداری اور فکری خلوص کے ساتھ قارئین تک پہنچائیں۔ اس لحاظ سے ان اداریوں کا زیرنظر مجموعہ جب مکمل شکل میں قارئین تک پہنچے گا تو انہیں اپنے ماضی کے بے شمار دریچے کھلتے ہوئے محسوس ہوں گے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی دوقومی نظریہ کے پرستار اور اسلامی تشخص کے علمبردار ہیں انہیں اس نظریہ سے محبت کا سبق حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا فاضل بریلوی سے عطا ہوا ہے۔ وطن عزیز پاکستان دوقومی نظریہ کی عملی پہچان ہے۔ اس لیے ہمارے اسلاف نے اس کے حصول کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ فاروقی صاحب اپنے اسلاف کے جذبۂ ایثار سے آگاہ ہیں اس لیے وہ مئے خواب میں سرمست سجادہ نشینوں کو جھنجھوڑتے اور انہیں عظیم اسلاف کی جدوجہد سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں وہ کسی سمجھوتے یا مصلحت کیشی کے قائل نہیں۔ اس لیے جہان رضا کے اداریوں میں ان کا قلم نام نہاد حجرہ نشینوں کی دستاروں کے پیچ کھولتا ہے ایسے حجرہ نشین جو شاہینی پرواز کو فراموش کر کے زاغ وزغن کے بزدلانہ ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں۔ دوقومی نظریہ پر ضرب لگے تو پھر ان کا قلم عصائے موسوی بن جاتا ہے۔ وہ وقت کے فرعونوں کو بھی فاروقی للکار کے تیور دکھا جاتے ہیں۔ ہر خوف اور داد و دہش سے بے نیاز شاعر مشرق کے

81167

لفظوں میں

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

فاروقی صاحب فکر احمد رضا کے نقیب ہیں۔ اس ضمن میں وہ اپنے اداریوں میں ان تمام محققین، مصنفین اور قلم کاروں کی جی بھر کر حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ جو فاضل بریلوی پر تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں۔ ان کا قلم شعلہ و شبنم کی تاثیر لیے ہوئے ہے۔ شعلے کی تابش اغیار کے لیے اور شبنم کی دلآویزی فکر رضا کو مشعل راہ بنانے والے احباب فکر وفن کے لیے۔ ان کے اداریوں کا مطالعہ اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ انہوں نے طویل ادبی ادارتی مسافت میں کبھی اپنی راست فکری سے دستبردار ہونا قبول نہیں کیا۔ عالم اسلام کی عظیم شخصیت حضرت شاہ احمد نورانی سے ان کی محبت والہانہ پن لیے ہوئے تھی۔ حضرت نورانی ہمیشہ اقتدار سے کوسوں دور رہے مگر ہر دور کے نمرود ان کی بانگ خلیل اللّٰہی سے لرزتے تھے۔ ان کی یہی ادا حضرت فاروقی کو بھا گئی۔ ہمیشہ حق گوئی کے اس قافلے کے ساتھ چلے، قلم کے اسلحے اور حسن زبان و بیان کے اثاثے کے ساتھ۔ الشاہ احمد نورانی کے جانشینوں سے خطاب کرتے ہوئے ان کے قلم کا بانکپن دیکھیے۔

''الشاہ احمد نورانی اس دنیا سے رخصت ہو گئے، آج علمائے اہل سنت کا بکھرا ہوا کارواں سیاست کے صحراؤں میں بھٹک رہا ہے۔ اپنا گھر اجڑ گیا تو بیگانوں نے بھی انہیں پاس نہ بیٹھنے دیا۔ جب پتے درخت سے جھڑ جاتے ہیں تو خس و خاشاک کے ڈھیروں میں جا گرتے ہیں۔ جب اچھے گھروں کے لاڈلے اپنے گھر سے روٹھ کر نکل جاتے ہیں تو وہ مزاروں کے لنگروں کی روٹیوں پر گزارا کرتے ہیں۔ جو لوگ اپنے قافلے سے جدا ہو جاتے ہیں، وہ غول بیابانوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آج ان علماء کو سیاسی بھیڑیوں نے چیر پھاڑ دیا ہے۔ جو کبھی جمعیت العلماء پاکستان کا لشکر تھا'' (مارچ ۲۰۰۵ء شمارہ ۱۲۴)

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے جب خیابان سیاست میں قدم رکھا تو انہیں قائد اہل

سنت الشاہ احمد نورانی کی قیادت ملی، قائد اہل سنت نے آپ کی ایسی تربیت کی اور وہ استقامت کی راہوں پر ایسے چلے کہ ساری زندگی ان کے پائے استقلال کو لغزش نہ آئی وہ قائد اہل سنت کے قریبی اور اعتمادی ساتھیوں میں سے تھے۔ ۱۹۸۹ء میں لیبیا کے سر براہ کرنل قذافی کی دعوت پر جمعیت العلماء پاکستان کا چالیس رکنی وفد طرابلس گیا تو اس وفد کا امیر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کو مقرر کیا گیا۔ یہ قائد اہل سنت کے اعتماد کی مثال تھی کہ آپ تین ماہ تک طرابلس کے ''گرین ہاؤس'' میں جمعیت العلماء پاکستان کی ترجمانی کرتے رہے۔ آپ کو اردو، عربی اور انگریزی زبان پر جو دسترس تھی اس کی روشنی میں لیبیا کی انقلابی قیادت اور مختلف اسلامی ممالک سے آئے ہوئے اعیان مملکت کے سامنے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا اور پاکستان کے علاوہ تمام عالم اسلام میں نظام مصطفیٰ کے قیام کی اہمیت کو واضح کرتے رہے۔

علامہ فاروقی شاعر نہیں مگر حد درجہ کے شعر شناس ہیں۔ چالیس برس سے زائد عرصہ سے ادب وانشاء اور شاعری میں بھرپور زندگی گزارنے والا یہ فقیر (محمد اکرم رضا) بلاخوف تردید کہہ سکتا ہے کہ فاروقی صاحب نثر میں شاعری کرتے ہیں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ان کے مضامین اور کتب سے قطع نظر ان کے اداریوں کا مطالعہ کیجیے درجنوں نثری شہپارے شعری حسن لٹاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بعض ثقہ حضرات کو یہ کہتے ہوئے پایا ہم تو ''جہان رضا'' کو فاروقی صاحب کے اداریوں کی خاطر پڑھتے ہیں۔ اگرچہ فاروقی صاحب کو دیگر مضمون نگاروں کی حق تلفی کے خوف سے یہ خراج تحسین پسند نہیں آئے گا۔ مگر تعریف تو تعریف ہوتی ہے۔ جو عہد حال کے افق پر جگمگاتی اور ماضی کا حصہ بننے سے پہلے مستقبل پر اپنے نقوش مرتب کر جاتی ہے۔ اور پھر ان اداریوں میں اقبال احمد فاروقی جا بجا اشعار ایسے سجاتے ہیں کہ ان کی تعریف کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ شاعرانہ نثر لکھتے ہوئے شعر کو اس طرح پیوستہ کرتے ہیں کہ بے اختیار یہ احساس ہونے لگتا

ہے کہ یہ شعر اسی تحریر اور مخصوص ادبی فضا کے لیے تخلیق ہوا تھا۔

جہان رضا کے ان اداریوں کی اشاعت کی بدولت فاروقی صاحب نے جہاں علمی اور صحافتی ادب کو ایک بڑا سرمایہ دیا ہے وہاں ان کے حوالے سے کتنی فکر آفرین داستانیں بھی سنا ڈالی ہیں۔ انہوں نے ان کی بدولت محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نظریاتی سرفرازی، حب الوطنی، ملت احناف کی بیداری، اصحاب ذوق کی ادبی جگمگاہٹ، حکومتی اور دینی رہنماؤں کی علم آفرینی کے کتنے ہی دروازے کھول دیے ہیں۔ آپ کسی بھی دروازہ سے داخل ہوں تو آپ کو "جہان رضا" کی بدولت معلومات وحکمت وموعظت کا ایک جہاں آباد نظر آئے گا۔ فاضل اداریہ نگار نے ان اداریوں میں حقائق اور صداقتوں کا علم لہراتے ہوئے کہیں بھی عبارت کو بوجھل نہیں ہونے دیا۔ سچ پوچھیے تو ان کے اداریئے نثر لطیف اور انشاء پردازی کے نمونے ہیں۔ یہی انشائے لطیف تلخ حقائق اور سچائیوں کو قارئین کی فہم وبصیرت کی زینت بنانے میں اہم کردار ادا کرے گی۔ پہلے یہ اداریئے الگ الگ وجود رکھتے تھے۔ اس لیے ان کی ہر اکائی غیر معمولی لطف دیتی تھی لیکن اب جب کہ تمام اداریے کتابی صورت میں شائع ہو رہے ہیں۔ تو بعض مقامات پر مضامین ومفاہیم اور اشعار کی تکرار قارئین کو کھٹکے گی۔ مگر یہ ادارتی مجبوری ہے۔ کئی مرتبہ ایک جیسی صورت حال کئی مہینوں پر محیط ہوتی ہے یا ایک جیسی قیامت خیز گھڑی لوٹ لوٹ کر آتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ بلند فکر قارئین اس لحاتی تکرار سے بھی حظ اندوز ہوتے ہیں کہ حسن کی بار بار جلوہ گری زیادہ شدت کے ساتھ احساسات کی دنیا پر نقش ہو جاتی ہے۔

ہم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کو ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہیں کہ ان اداریوں کی صورت میں انہوں نے ہمارے ماضی اور حال کو یکجا کر دیا ہے تا کہ ہم ان کی روشنی میں تابناک مستقبل کی بنیاد رکھ سکیں۔ میری یہ تحریر یقیناً فاروقی صاحب سے مانوس قارئین کے لیے مصنف اور کتاب کے درمیان یکجائی کے لیے اہم ذریعہ ثابت ہوگی اس تحریر کے ذریعہ قارئین سے فاروقی صاحب کا تعارف کروایا ہے کیونکہ ان کا حقیقی تعارف تو

اداریوں کے اس مجموعے میں انشائے لطیف کے شہپارے کروائیں گے۔ میں نے ان اداریوں کے علمی اور فکری محاسن کے پہلو بہ پہلو ان کے ادبی مقام وحیثیت کی جستجو کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ ذوق جستجو آنے والے دور کے مورخ کے لیے فاروقی صاحب کے ادبی قد وقامت کے تعین کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کرے گا۔ ہماری دعا ہے کہ رب کریم ان کے علم وفکر کو مزید بالیدگی، قلم کو مزید شوکت تحریر اور ذہن رسا کو مزید حقیقت کشائی عطا کرے۔ تا کہ مکتبہ نبویہ کے ایوان علم وادب میں شمع روشن کی طرح جلوہ گر یہ مرد درویش اسی جذبۂ تحقیق وتحریر کے ساتھ مطلع وقت کو مدتوں ایمان افروز تابشیں بخشتے ہوتے گلستان رضویت کے پھولوں کی آبیاری کرتا رہے۔

آمین بحرمۃ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم

مرتب کتاب کی باتیں

گزارشِ احوالِ واقعی

محمد عالم مختار حق

حکیم محمد موسیٰ امرتسری بانی ''مرکزی مجلس رضا'' لاہور سے چالیس سال سے زیادہ عرصہ سے نیاز مندی رہی ہے۔ انہوں نے جن دنوں ''مرکزی مجلس رضا'' کی بنیاد رکھی تو مجھے مسلسل ان کی مجالس میں شرکت کا موقع ملتا رہا۔ مرحوم ایک عالم دین، مفکر، اور سنیت کا درد رکھنے والے انسان تھے۔ انہوں نے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات کی اشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ ایک وقت آیا کہ ان کے رفیق مجلس پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب نے اشاعتی امور کو سنبھالا تو ''مرکزی مجلس رضا'' کا ترجمان ماہنامہ ''جہان رضا'' جاری ہوا۔ آج پندرہ سال گزر گئے ہیں ''جہان رضا'' پیغامِ رضا لیکر اہل علم و فضل کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔ یہ پاکستان کا واحد رسالہ ہے جو سارے برصغیر پاک و ہند کے علاوہ عالم اسلام اور مغربی ممالک کے رضوی حضرات تک پہنچتا ہے۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے ''جہان رضا'' کے صفحات پر مختلف موضوعات کے علاوہ بڑے پر مغز اداریئے لکھے۔ جن کی سارے عالم اسلام کے وسیع حلقوں میں پذیرائی ہوئی آپ کے لکھے ہوئے ''اداریئے'' ان کے قلم کا شاہکار بھی ہیں اور دنیائے اسلام کے سیاسی، دینی، تمدنی، تہذیبی، اور معاشرتی حالات پر رائے زنی بھی ہے۔ ان کا قلم کہیں گوہر بار ہے کہیں اشک بار، کہیں شور صدائے صحرا ہے اور کہیں نغمہ کہسار ہے۔

مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں ''جہان رضا'' کا قاری بھی ہوں اور مجلس

ادارت کا رکن بھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ''جہان رضا'' کے اداریئے ترتیب دینے کی سعادت بخشی ہے۔ اور اس طرح قارئین کے لیے گلدستہ رنگین بنا کر ....''پئے دوستاں ارمغانے برم'' کا تحفہ پیش کر رہا ہوں۔

میرے نزدیک کسی اخبار یا رسالے کی کامیابی کا راز مدیر، کی فہم و فراست پر ہی منحصر نہیں ہوتا بلکہ اس کی کامیابی کا دارومدار اس بات میں مضمر ہے کہ لکھنے والا کس موضوع پر لکھے۔ اس کے متعلق مندرجہ ذیل امور کو سامنے رکھا جانا چاہیے۔

۱۔ اس کی معلومات کا دائرہ خاصا وسیع ہو۔

۲۔ جو کچھ لکھے اس کے ساتھ خلوص اور موضوع سے وفاداری کی روح کارفرما ہو۔

۳۔ اسے اپنا مافی الضمیر بلاخوف وخطر بیان کرنے پر قدرت حاصل ہو۔

۴۔ قاری اس کے متعین کردہ لائحہ کو عملی جامہ پہنانے یا اس پر غور و تدبر کرنے کے لیے مجبور ہو جائے۔

۵۔ حالات حاضرہ کے تجزیہ کے لیے وہ غواصی انداز سے کام لیتا ہوا واقعہ کی تہ تک پہنچ جاتا ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قدرت نے ادارت کے یہ حواس خمسہ مدیر'' جہان رضا'' پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کی سرشت میں بڑی فیاضی سے ودیعت کر رکھے ہیں۔ وہ جب ''اداریہ'' لکھنے پر آتے ہیں تو اپنے منتخب کردہ موضوع کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ ان کے قلم سے نکلے ہوئے اداریئے، ہمارے اس دعوی پر شاہد عدل ہیں۔ خاص طور پر جب وہ ملک کے سیاسی بحران پر خامہ فرسائی کرتے ہیں تو ان کی رگِ فاروقیت پھڑک اٹھتی ہے اور وہ ''رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن'' بن کر اصحاب بست و کشاد و صاحبان ذوی الاقتدار کے لیے'' رضا کے نیزے کی مار'' ثابت ہوتے ہیں اور بلاخوف وخطر اپنے دل کی بات زبان قلم پر لا کر بیان کر دیتے ہیں۔ میں نے کئی بار کہا

''فاروقی صاحب! ہاتھ ہولا رکھیں'' کیونکہ ''نازک مزاج شاہاں تابِ سخن ندارند'' مبادا کسی ناخوشگوار صورت سے دو چار ہونا پڑے، مگر وہ میری بات پر کہاں کان دھرتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کے لیے کسی قسم کی رو رعایت یا مداہنت کے قائل نہیں بلکہ اسے اپنے مشن کی تکمیل کی راہ میں زہر ہلال گردانتے ہیں اور بقول اقبال ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

اس کی مثالیں ان کے ''اداریوں'' میں جستہ جستہ نہیں بلکہ دستہ دستہ نظر آئیں گی اور قارئین ''جہان رضا'' اس سے نابلد نہیں ہیں۔ لیکن جب اس کے برعکس وہ علماء کرام کی یادوں کو تازہ کرتے ہیں تو ''ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم'' کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتے ہیں۔

خوانندگان گرامی! میرا دل چاہتا ہے کہ میں لکھتا چلا جاؤں اور قارئین پڑھتے چلے جائیں مگر کتاب طباعت کے لیے تیار ہے میری آنکھوں کا آپریشن ہوا ہے۔ میری نوشت و خواند کا سلسلہ تعطل کا شکار ہے اور '' جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی!'' والا معاملہ ہے۔ میں پیرزادہ صاحب کے فن اداریہ نویسی پر کماحقہ اظہار خیال نہیں کر سکا۔ البتہ میں نے ایک مختصر سا تعارفی خاکہ ان کی اداریہ نویسی پر ''جہان رضا'' کے ایک شمارے میں سپرد قلم کیا تھا۔ میں نے اسی کو تمہید بنا کر یہ چند سطریں سپرد قلم کی ہیں۔ مجھے جناب پروفیسر محمد اکرم رضا کی وہ تحریر بڑی پسند آئی جو انہوں نے اپنے مقدمے میں اس موضوع پر تفصیلی انداز میں لکھی۔ میں قارئین کو دعوت مطالعہ دیتا ہوں وہ اس تحریر سے لطف اندوز ہوں گے۔ اگر مجھے فرصت ملی تو پیر زادہ صاحب کی صرف اداریہ نویسی پر ہی نہیں بلکہ ان کی ہمہ جہت شخصیت پر تفصیل سے کتاب مرتب کروں گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

برادر محترم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب نے ''ماہنامہ جہان رضا'' لاہور کے اجراء مئی ۱۹۹۱ء سے دسمبر ۲۰۰۵ء کے اختتام تک جتنے بھی اداریے جہان رضا میں حوالہ قلم و قرطاس کیے ان سب کو زیر مطالعہ صفحات میں محفوظ کر لیا گیا ہے مگر رسالوں کے نمبر شماروں پر جب نظر پڑتی ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس میں بعض شماروں کے اداریئے غیر موجود ہیں جس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ شاید مرتب کو یہ شمارے دستیاب نہیں ہوئے جب کہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ مدیر رسالہ چونکہ ''مرکزی مجلس رضا'' کے سربراہ بھی ہیں اس لیے وہ بعض مرتبہ کسی شمارہ کی جگہ مرکزی مجلس رضا کے کھاتہ میں کوئی نہ کوئی کتاب چھاپ دیتے ہیں تاکہ

باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی!

اور یوں مرکزی مجلس رضا بھی اپنے وجود کا احساس دلاتی رہتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات کسی دوسرے مدیر کی عزت افزائی کے لیے اسے اداریہ لکھنے کی دعوت دیتے ہیں اور یوں وہ شمارہ ان کے اداریہ سے محروم رہ جاتا ہے۔

متعدد مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ مدیر کو سفر حرمین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی تو انہوں نے اداریہ پر ''شہر محبت'' کی یادوں کو ترجیح دی۔ اور قارئین کو ''اے خنک شہرے کہ درو ے دلبر است'' کے نظاروں سے شادکام کیا۔ ہم ذیل میں غیر حاضر اداریوں کی جگہ لینے والی تحریروں کی تفصیل فراہم کر رہے ہیں تاکہ قارئین پر کوئی امر مشتبہ نہ رہے۔

شمارہ نمبر ۸: اداریہ ''ترجمہ قرآن کنز الایمان'' پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایم اے

شمارہ نمبر ۱۴: اداریہ ''عید میلاد النبی'' ...... ایضاً

شمارہ نمبر ۱۹: اے خنک شہرے کہ درو ے دلبر است (روداد سفر حرمین شریفین از مدیر)

شمارہ نمبر ۲۰: ایضاً

شمارہ نمبر۲۱: جہان رضا کو منظوم خراج عقیدت، نتیجہ فکر مولانا غلام مصطفیٰ مجدّدی شکر گڑھ

شمارہ نمبر۲۲: نمبر غیر موجود ہے۔

شمارہ نمبر۲۳: ''مولدالنبی'' از مدیر

شمارہ ۲۵،۲۶: ''کعبۃ اللہ'' از مدیر

۲۶-۲۷: مولدالنبی (اطراف مکہ مکرمہ) از مدیر

شمارہ ۲۸: کلام رضا سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول!

شمارہ ۳۰: ''پھر آنے لگیں شہر محبت کی ہوائیں'' از مدیر

شمارہ ۳۱: کتاب کنزالایمان کے خلاف پاکستانی وغیر پاکستانی وہابیہ نجدیہ کی سازش اور اس کا مثبت جواب از مجاہد ملت حضرت علاّمہ محمد عبدالستار خاں نیازی

۳۲: خطبات یوم رضا (مورخہ ۹ جنوری ۱۹۸۰ء) از محمد عالم مختار حق

۳۳-نمبر غیر موجود ہے۔

۳۴-امام احمد رضا اور خواجہ حسن نظامی سجدۂ تعظیمی کا تقابلی مطالعہ از ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ،استاذ ،شعبہ تقابل ادیان ،ہمدرد یونیورسٹی دہلی

۳۵-نمبر غیر موجود ہے۔

۳۸-۳۷-اداریہ، مولانا محمد اکرم رضوی شہیدؒ، مولانا ابوداؤد محمد صادق رضوی

۴۱-اداریہ ندارد (سبب نہ معلوم)

۴۲-''پھر آنے لگیں شہر محبت کی ہوائیں'' از مدیر

۴۳-اداریہ ندارد (سبب نا معلوم)

۵۵- حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں! از سعید بدر

۵۷-مجدّدالف ثانی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں از مولانا غلام مصطفیٰ مجدّدی

۶۰- بارگاہ رضویت میں ایک تاریخی منظوم ہدیۂ تحسین از مولانا ابو المسالکین ضیاء

الدین پیلی بھیت۔

۶۵۔اعترافیہ مرکزی مجلس رضا کے بانی حکیم محمد موسیٰ امرتسری دامت برکاتہم العالیہ کی خدمات علمیہ اور اعتقادیہ پر ایک خصوصی اشاعت

۷۲۔اداریہ۔عرب مجاہد اسامہ بن لادن کون ہے؟ از خالد محمود قادری ایم اے

۱۰۱۔اداریہ،صدر مملکت کا خطاب اور دینی مدارس'' مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی

۱۰۷۔(عاشقان رسول کے درود وسلام از مولانا محمد نبی بخش حلوائی نقشبندی

۱۱۱۔آفتابِ قدس نکلا نور برساتا ہوا (میلادی اشعار کا انتخاب)

۱۲۰۔''شرابِ کہن پھر پلا ساقیا'' شمارہ نمبر۲ کا اداریہ بطور قند مکرر پیش کیا گیا ہے۔

۱۲۳۔ ذکر رضا (اوّلین منظوم سیرت از مولانا مولوی الشاہ محمود جان جام جود

۱۲۷۔اداریہ جنگ آزادی میں علماء اہل سنت کا کردار۔از مولانا سرفراز احمد (انڈیا)

جو اداریئے شامل طباعت نہیں ہو سکے ہم نے ان کی نشاندہی کر دی ہے۔لیکن کتاب کے صفحات پر پھیلے ہوئے گلہائے رنگا رنگ ہیں جو ایڈیٹر کے قلم خوش خرام نے علم و ادب کے گلدستے بنا کر سجائے ہیں۔علمی اور ادبی ذوق کے مالک حضرات فاضل اداریہ نگار کو ہدیۂ تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ جب یہ اداریئے چھپتے تھے تو ان کے قارئین اپنے تاثرات پیش کیا کرتے تھے۔جنہیں ''جہان رضا'' کے نفاست ناموں کے نام سے شائع کیا جاتا رہا ہے۔ان تاثرات سے پتہ چلتا ہے کہ اہل علم وفکر نے انہیں کتنی دلچسپی سے پڑھا۔مگر آج ہم ان بکھرے ہوئے پھولوں کو گلدستہ بنا کر یکجا پیش کرر ہے ہیں۔

بیا اے بلبلاں شیریں مقالاں بذوق سرمدی خواں ایں مقالاں

حرفِ سپاس

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ایڈیٹر ماہنامہ ''جہان رضا'' لاہور

ماہنامہ ''جہان رضا'' اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات کا ترجمان ہے۔ اعتقادی ناہمواریوں کی اصلاح کے لئے اس نے دنیائے صحافت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ افکارِ رضا کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ''جہان رضا'' کے اداریوں نے ملکی، مسلکی اور عالمی سطح پر رونما ہونے والے واقعات و مسائل پر اپنے تاثرات نقش کیے ہیں جسے اہل علم و قلم نے نہ صرف پسند کیا بلکہ اپنے تاثرات ریکارڈ کرا کر حوصلہ افزائی فرمائی۔

محمد عالم مختار حق صاحب ایک دانشور اور صاحب قلم دوست ہیں وہ ''مرکزی مجلس رضا'' کے بانی حکیم اہل سنت، حکیم محمد موسیٰ امرتسری نور اللہ مرقدہ کے رفقاء میں سے ہیں۔ ایک عرصہ تک جلیس مجلس رہے ہیں۔ کتابوں سے محبت کرتے ہیں نادر و نایاب کتابوں کے خزانہ کے مالک ہیں۔ دوسرے لفظوں میں عمدہ کتابوں کے ''ذخیرہ اندوز'' ہیں۔ ہمارے ایک کتابی دوست نے ان کا ذخیرۂ کتب دیکھا تو فرمانے لگے محمد عالم مختار حق ''اہل کتاب'' ہیں اس کتابی ذوق کی دولت کے باوجود ہم پر کرم فرماتے ہیں۔ جہان رضا پر نظر کرم ہی نہیں تعاون فرماتے ہیں۔ ''نکتہ چینی'' کے بجائے جہان رضا کی کبھی کبھی ''حروف چینی'' بھی کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ذخیرہ کتب سے ''جہان رضا'' کے اداریے مرتب کیے کتابت کرائی اور ایک کتابی شکل میں لے آئے ہیں۔

ہم ان کی اس کاوش کی قدر کرتے ہیں سپاس گزار ہیں، ممنون ہیں، مفتون

ہیں۔ ہمارے بکھرے اوراق، ہمارے اداریئے، ہمارے خزاں دیدہ شذرات جمع کر کے ایک گلدستہ بنالائے ہیں اور اعلان کرتے ہیں۔

بخوبی لاف می زد گل بہ

پیشت بستہ آوردم!

پھر ہمارے عزیز از جان دوست علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی مدظلہ العالی اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود ہماری تحریروں کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ اور قلمی لغزش کی ناہمواریوں سے درگزر کرتے ہوئے کرم فرماتے ہیں ہمارے ولی شکریہ کے مستحق ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نعتیہ کلام پر خوبصورت کلام کرنے والے پروفیسر محمد اکرم رضا، محبت سے آگے بڑھے اور قلم وفکر کی روشنیاں لیے ہوئے گوجرانوالہ سے لاہور آئے اور اداریوں کے قافلہ کو روک کر کہنے لگے۔ ''مقدمہ میں لکھوں گا'' مقدمہ لکھا۔ دل خوش کردیا ان کی سپاس گزاری کن الفاظ میں کی جائے۔

ہمیں ان اہل محبت کا بھی شکر گزار ہونا ہے جو سابقہ پندرہ برسوں سے ''جہان رضا'' کا مطالعہ کرتے رہے ہیں پھر اداریوں کو خصوصی توجہ سے پڑھتے رہے ہیں۔ اور داد دیتے رہے ہیں۔

قارئین محترم! یہ ہمارا تحفہ ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ آپ کے درِدل پر دستک دے رہا ہے آپ کے ذوق کو دعوت مطالعہ دے رہا ہے۔

بحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

آن ختمِ رُسل امیرِ ایوانِ وجود
دارائے سریرِ حسن و سلطانِ وجود

از بابِ کتابِ آفرینش پرسی
آن نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم است عنوانِ وجود

وہ جو تمام انبیاءؑ پر آخری مُہر ہیں وہی وجود کے محل (کائنات) کے دُولہا ہیں وہی اِس کائنات کے مرکز اور خوبصورتی کے تخت پر جلوہ فرما ھیں دُنیا کی ابتداء کی کتاب سے اگر تو پُوچھے تو (جواب ملیگا کہ) وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اِسم گرامی ہے۔ جو عنوانِ ہستی ہے

انا النبی لا کذب
انا ابن عبد المطلب

حدیث

ہاں میں (خدا کا) نبی ہوں اس میں ذرہ بھر جھوٹ نہیں
ہاں میں ہی عبداللہ بن عبدالمطلب کا فرزندِ دلبند ہوں

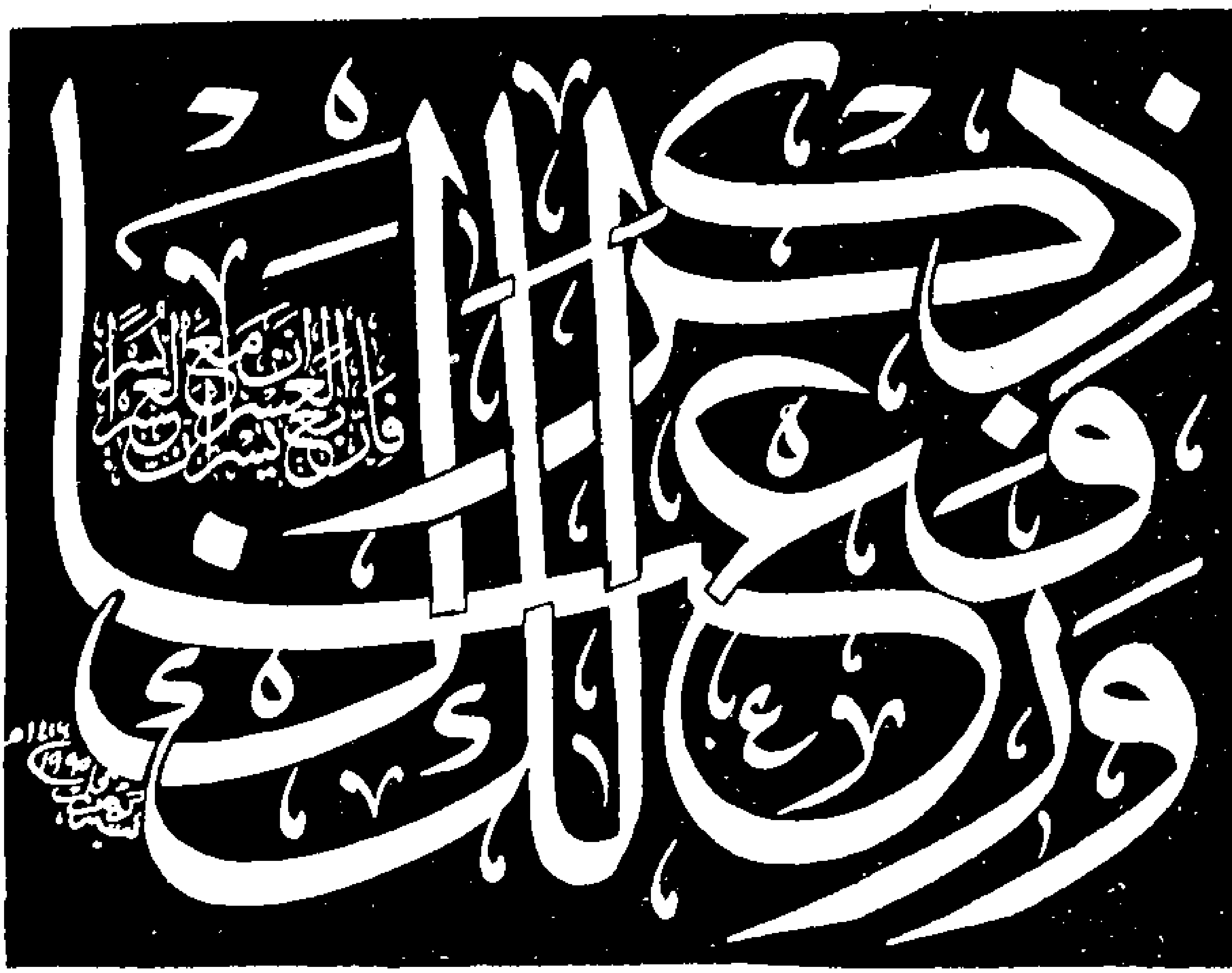
نوازشِ دلِ ما کن کہ دل نواز توئی

میرے دِل پر بھی کرم ہو کہ دلوں کو نوازنا آپ کی فطرت ہے

بساز کارِ غریبان کہ کارساز توئی

ہم غریبوں کا کام بھی بنادیں کہ کارسازی آپ ہی فرماتے ہیں





بسم الله الرحمن الرحيم



أليس الله بعزيز ذى انتقام

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستان

جلد نمبر ا.................مئی ۱۹۹۱ء...................شمارہ نمبر ا

الحمد للہ، آج پاکستان کا گوشہ گوشہ ذکر رضا سے معمور ہے۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کی سیکڑوں کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر آ رہی ہیں۔ ''کنز الایمان'' اور ''فتاویٰ رضویہ'' کے کئی کئی ایڈیشن آب و تاب کے ساتھ پاک و ہند میں چھپ کر اہل علم کی راہنمائی کر رہے ہیں۔ آپ کی دوسری تالیفات و تصنیفات کے بیسیوں ایڈیشن برصغیر کی علمی دنیا کو درخشاں کر رہے ہیں۔ آپ کی اپنی تحریروں کے علاوہ آپ کی شخصیت، آپ کے احوال اور آپ کے علوم و فنون پر ہزاروں کتابیں چھپ کر پھیل رہی ہیں۔ ماہنامے، ہفت روزے اور روز ناموں کے خصوصی کالم امام اہل سنت کو ہدیۂ تحسین پیش کرنے میں پیش پیش ہیں آپ کے یوم ولادت اور یوم وصال کی تقاریب سے شہروں اور قصبوں کے در و دیوار درخشاں ہونے لگے ہیں۔ آپ کے لکھے ہوئے سلام ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' سے پاکستان اور ہندوستان کی فضائیں گونج رہی ہیں۔ آج سے ہم امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے افکار و اذکار کو ''ماہنامہ جہان رضا'' کے صفحات پر سجا کر اپنے قارئین تک پہنچانے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس ماہنامہ کو حاصل کرنے کے لیے کوئی قیمت، کوئی ہدیہ، کوئی چندہ اور کوئی روپیہ پیسہ خرچنے کی ضرورت نہیں صرف تین روپے کی ڈاک ٹکٹ بھیج کر ''ماہنامہ جہان رضا'' کا شمارہ مفت منگوائیں اور مطالعہ کریں ہاں آپ کے پاس ''جہان رضا'' کے لیے کوئی خبر ہو تو ہمیں لکھ کر بھیجیں آپ کی اس کرم نوازی کیلئے ہماری آنکھیں فرش راہ ہونگی (ایڈیٹر)

''جہان رضا'' کی دنیائے رضویت نے پذیرائی کی

جلد ا............جون ۱۹۹۱............شمارہ نمبر ۲

''جہان رضا'' کا یہ دوسرا شمارہ ہے۔ پہلا شمارہ جلدی میں چھپا۔ چھپتے چھپتے چھپ گیا۔ پھر دفتری کی مشین پر آیا تو کٹتے کٹتے کٹ گیا۔ لطف نہ آیا مگر ''مرکزی مجلس رضا'' لاہور کے تشنہ لب قارئین نے اسے بھی ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جوش محبت میں پسند کیا، تعریف کی۔ داد دی۔ تحسین کی۔ پھر مبارک باد کے خط لکھے۔ دفتر میں خطوں کا ڈھیر لگ گیا۔ ہم خوش ہو گئے۔ حوصلہ بلند ہوا۔ عزائم توانا ہو گئے۔ آگے بڑھنے کا حوصلہ ہو گیا۔ آج یہ دوسرا شمارہ آپ کے ہاتھ چوم رہا ہے اور آپ کی نظریں اسے نواز رہی ہیں۔

''مرکزی مجلس رضا'' کے بکھرے ہوئے احباب جمع ہونے لگے۔ مایوس دوستوں کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ معاونین مجلس مبارک بادی کے ہار لیے آگے بڑھے۔ خاموش زبانیں وا ہوئیں تو سارا چمن مہک اٹھا۔ جہاں رضا میں رونقیں آ گئیں۔ ٹکٹوں سے لفافے بھر گئے ہمارا عملہ پارسلوں کے قافلے ڈاک خانے تک پہنچانے میں مصروف ہو گیا۔ ''مرکزی مجلس رضا'' کے آغاز نو کی آواز پر لبیک کہنے والوں کی خوش کن آوازوں نے ہمیں تازہ جذبہ بخشا۔ ہمارے دلوں کو ایک نیا ولولہ عطا کر دیا۔ اور ہمیں تسلیم کرنا پڑا کہ ''مرکزی مجلس رضا'' کے بانی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی کا خلوص کتنا پاکیزہ تھا کہ چار سال کی خاموشی کے بعد بھی وادی رضویت میں ایک ہی

صدا سے بہار آ گئی۔ سارا چمن مہک اٹھا۔ سارے ستارے جگمگانے لگے۔ سارے دل دھڑکنے لگے۔ اور سارے نغمے گونج اٹھے۔

؎ گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستان

جن لوگوں نے ہماری کوششوں کو سراہا ہے ہم ان کا کس زبان سے شکریہ ادا کریں۔ جن اراکین نے ہمیں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا ہے ہم کس قلم سے ان کا شکر بجالائیں۔ جن معاونین نے ہماری اپیل پر لبیک کہا ہے ہم کن الفاظ میں انہیں ہدیۂ تحسین پیش کریں! جن بزرگوں نے ''مرکزی مجلس رضا'' کے دفتر میں بذات خود تشریف لا کر ہمارے کندھوں پر ہاتھ رکھا ہے ان کے قدموں میں ہم نے آنکھیں بچھائیں، اگر ان سب حضرات کے الفاظ ،خطوط ،بیانات، مقالات اور جذبات جمع کیے جائیں تو ایک دفتر بن جائے۔

؎ تیرے آنے سے گلستاں میں بہاریں آ گئیں۔

''جہان رضا'' کا یہ دوسرا شمارہ آپ تک پہنچ رہا ہے اس مختصر سے عرصے میں ہم اپنی ابتدائی مشکلات پر قابو پا چکے ہیں۔ ہم پتھروں کی راہوں سے چل کر ایک خوشگوار وادی میں قدم رکھ رہے ہیں۔ ہم بے سروسامانی کے عالم کا سفر طے کر کے ایک خوش کن شاہراہ پر گامزن ہو رہے ہیں اور ایک ایسے بلند مقام پر آ کھڑے ہوئے ہیں۔ یہاں سے چاروں طرف نظر ڈالیں تو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ کی ہزاروں کتابیں ورق در ورق دکھائی دیتی ہیں اور ہم فیصلہ کر رہے ہیں کہ اس بحر بیکراں سے کن کن موتیوں کو اٹھائیں اور کون کونسی کتابیں زیور طبع سے آراستہ و پیراستہ کر کے اپنے قارئین تک پہنچائیں۔

آج خیابان رضویت میں ہزاروں پھول کھلے ہوئے ہیں۔ آج جہان رضا ایسی انجمنوں سے معمور ہے جو اعلیٰ حضرت کے فیض کو عام کر رہی ہیں۔ آج دنیائے رضویت میں بیسیوں ایسے ادارے قائم ہو چکے ہیں، جو اعلیٰ حضرت کی ناد

کتابوں کی اشاعت میں دن رات مصروف ہیں۔ آج ہزاروں ایسی لائبریریاں قائم ہو چکی ہیں جو فاضل بریلوی کی کتابوں کا ذخیرہ بن گئی ہیں۔ آج بے شمار اشاعتی ادارے قائم ہو چکے ہیں جو شب و روز ''امام اہل سنت'' کے نظریات کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ اس سارے باغ رضویت کی رونق اور اس سارے علمی اور انقلاب کی تحریک صرف ''مرکزی مجلس رضا'' ہے جس نے اپنی مطبوعات کو ایک خاص مقام دیا اور اپنی شبانہ روز کاوشوں سے دوسرے اداروں کو زندگی بخشی۔ ''مرکزی مجلس رضا'' کی خدمات کو سنیوں کے ہاں جس طرح قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے وہ کسی دوسرے ادارے کو نصیب نہیں ہوا۔ ''مرکزی مجلس رضا'' کی کتابوں کو جس تشنگی سے طلب کیا گیا ہے وہ دوسرے اداروں کے حصے مین نہیں آئی۔ آج ہم ایک لمبے عرصے کی تعویق کے بعد اپنے قدم آگے بڑھا رہے ہیں اور اپنی منزل کی طرف نئے سفر کا آغاز کر رہے ہیں۔ ہمارے اس سفر میں ہمارے قارئین، ہمارے معاونین، ہمارے اراکین اور ہمارے محسنین برابر کے شریک ہیں۔ وہ ہمارے رفیق کار ہیں۔ ہم ان کی رفاقت اور شراکت میں اس اشاعتی کام کو آگے لے جانا چاہتے ہیں۔

''مرکزی مجلس رضا'' کے آغاز نو پر جہاں ہمارے پرانے معاونین نے سیکڑوں خط لکھے ہیں وہاں ملک کے علماء اہل سنت و جماعت نے بھی اظہار مسرت فرمایا ہے یہ وہ علماء کرام ہیں جو اہل سنت کے خلاف اٹھنے والے دینی فتنوں کے طوفانوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ البتہ ہمیں ایسے علماء کرام سے ایک بھی خط موصول نہیں ہوا۔ جو علم کو پیشہ اور مدارس و مساجد کو ''صنعت'' کا درجہ دیے ہوئے ہیں۔ ایسے علماء کو ان کی مجبوریاں کسی ایسے کام کی طرف توجہ دینے یا حوصلہ افزائی کرنے کی اجازت نہیں دیتیں جو ان کے ذاتی مفاد میں نہ ہوں۔ ورنہ اعلیٰ حضرت کے نام پر روٹیاں توڑنے والوں اور تنور شکم تاپنے والوں کا تو اوّلین فرض بنتا ہے کہ وہ ''مرکزی مجلس رضا''

کی سرپرستی کرتے۔ الحمدللہ "مرکزی مجلس رضا" انسنیوں کے جذبہ پر قائم ودائم ہے۔ جو فقیر ہیں اور جو وقت کی مصلحتوں کے بوجھ سے بے نیاز ہیں۔

میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں!

ہم نے "جہانِ رضا" کے پہلے شمارہ میں "گزارشات" کے عنوان سے کچھ گزارشات کی تھیں۔ الحمدللہ ان گزارشات کے جواب میں ہمیں بڑی حوصلہ افزاء پذیرائی ملی۔ عمدہ عمدہ تجاویز سامنے آئیں۔ اچھے مشورے آئے اور بہت ہی قابل عمل سے نوازا گیا۔ ہم اپنے ایسے بزرگوں کی تحریروں کی روشنی میں اپنا راستہ متعین کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ ان کی رفاقت اور شراکت سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے مجلس رضا کے بانی اراکین نے تو ہمیں بڑا سہارا دیا ہے ان کے تجربات کی روشنیوں نے ہمارے دلوں کو روشن کر دیا ہے۔

"مرکزی مجلس رضا" کے مالی معاونین ابھی تک آگے نہیں بڑھے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے صرف مجلس سے رابطے کی درخواست کی تھی ابھی مالی معاونت کے لیے استدعا نہیں کی تھی۔ اب ہم نے ابتدائی کام کو سنبھالا دے دیا ہے لہٰذا اب ان معاونین سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنا کردار ادا کریں جو حضرات ماہانہ چندہ دیا کرتے تھے وہ یہ سلسلہ دوبارہ شروع کریں۔ جو سالانہ چندہ جمع کراتے تھے وہ جمع کرائیں۔ اگرچہ ہم بعض افراد کو رکنیت فارم بھیج رہے ہیں مگر ہم عام معاونین کی آسانی کے لیے درخواست کریں گے کہ وہ فارم رکنیت کا انتظار کرنے کے بجائے اپنا دستِ تعاون بڑھائیں اور اولین فرصت میں مجلس کے لیے چندہ بھیجیں۔ جو منی آرڈر یا ڈرافٹ نہیں بھیج سکتے وہ ڈاک ٹکٹوں کی صورت میں اپنا چندہ پہنچائیں انہیں باقاعدہ رسید بھیجی جائے گی۔ معاونین کے علاوہ وہ قارئین جو چندہ بھیجنے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ تین روپے کا ڈاک ٹکٹ بھیج کر کتابیں منگوا سکتے ہیں۔ ایسے قارئین جو ٹکٹ بھی

نہیں بھیج سکتے وہ صرف اپنا پتا لکھ کر بھیج دیں، ہم انہیں بھی کتابیں بھیجیں گے یہ ان کا حق ہے اور مجلس ان کے لیے بھی دامن خدمت بچھائے رکھتی ہے۔

ہندوستان میں بسنے والے کئی علماء کرام اور دینی مدارس نے ''مرکزی مجلس رضا'' کی نشاۃ ثانیہ پر تازہ مطبوعات بھیجنے کا لکھا ہے ہم ان حضرات کے لیے کتابیں پہنچانے کے ذرائع تلاش کر رہے ہیں تاکہ ہم ڈاک کے گراں محصول سے بھی بچ جائیں اور ان حضرات تک ہمارا لٹریچر بھی آسانی سے پہنچ جائے۔ ہندوستان میں جو حضرات اعلیٰ حضرت پر کام کر رہے ہیں وہ بہر حال ہم سے رابطہ کریں انہیں ہر طرح سے مجلس کا تعاون حاصل رہے گا۔

پاکستان کے وہ سکالرز، ادارے یا علماء کرام جو اعلیٰ حضرت پر کام کر رہے ہیں ہمیں اپنے کاموں کی اطلاع دیں تاکہ ہم ''جہان رضا'' کے قارئین تک ان کی آواز کو پہنچا سکیں۔ ایسے اشاعتی ادارے جو اس سلسلے میں کوئی علمی کام سامنے لانے کا ارادہ رکھتے ہوں اطلاع دیں تاکہ ہمارے قارئین تک خبر پہنچے۔

آخر میں ہم اپنے معاونین اور قارئین کو اپنی خدمات کا یقین دلاتے ہیں اور پورے اعتماد کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ ''مرکزی مجلس رضا'' کی مطبوعات انہیں گھر بیٹھے ملیں گی۔ آپ لوگوں کے ہوتے ہوئے ہم کسی دولت مند، کسی وزیر، کسی امیر کے دروازے پر دستک نہیں دیں گے۔ ہاں اپنے قارئین اور معاونین سے پر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس عظیم الشان کام کو جاری رکھنے کے لیے کسی قسم کے تساہل کے بغیر مجلس کی مالی معاونت کریں۔

مسلہ نہ شاہوں سے توقع رکھ نہ دنیا کے امیروں سے
عظیم الشان ہے یہ کام نکلے گا فقیروں سے

مجلس رضا کا ابتدائی دور اور موجودہ علماء کا کردار

جلد اول.......... ماہ جولائی ۱۹۹۱.......... شمارہ ۳

مرکزی مجلس رضا کا آغاز آج سے تقریبا چوبیس سال پہلے لاہور میں ہوا تھا اس مجلس کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ اہل سنت و جماعت کا اعتقادی اور نظریاتی لٹر شائع کیا جائے ۔ خصوصاً اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے اعتقادی اور نظریاتی افکار کو لوگوں تک پہنچایا جائے ۔ اور بدعقیدہ اہلِ قلم کے اس پروپیگنڈہ کا جواب دیا جائے جو اہل سنت و جماعت کے اعتقاد اور نظریات کو ''بریلوی اعتقادات'' کا نام دے کر عوام کو گمراہ کر رہے تھے ''مرکزی مجلس رضا'' کے ان مقاصد کی تکمیل کی ذمہ داری لاہور کے چند علماء نے سنبھالی ۔ جن میں بانی مجلس حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی پیش پیش تھے ۔ انہوں نے اس مجلس کے انتظامی معاملات کو منظم کیا ۔ علماء اہل سنت کا ایک بورڈ قائم کیا ۔ جو قابل اشاعت مسوّدات کو تیار کرتا تھا ۔ اور اسے طباعت کے لیے پیش کرتا تھا پھر حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری ایک مختصری ٹیم کے ساتھ ان مسوّدات کو زیور طبع سے آراستہ کر کے عوام تک پہنچانے میں مصروف رہتے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مرکزی مجلس رضا بے سروسامانی کے عالم میں ایک عظیم الشان کام کو آگے بڑھانے میں مصروف تھی ۔ وسائل کی کمی عام لوگوں کی بے حسی اور علمی اور اعتقادی تحریروں کے مطالعہ سے دوری کے باوجود حکیم موصوف اپنے کام میں شب و

روزمصروف رہتے وہ لاہور کے ایک بلند پایہ طبیب ہونے کی وجہ سے اپنے مریضوں کے درمیان بڑی مصروف زندگی گزار رہے تھے۔ مگر انہوں نے مرکزی مجلس رضا کے اشاعتی امور کو اپنی توجہ کا مرکز بنالیا تھا شب و روز کی طبی مصروفیات کی پرواہ کیے بغیر اپنے سفر پر رواں دواں ہوئے میں نے کئی بار دیکھا کہ وہ مرکزی مجلس رضا کا مطبوعہ لٹریچر لوگوں تک پہنچانے کے لیے سارا سارا دن لفافے بناتے، ان پر پتے لکھتے، خود حوالۂ ڈاک کرتے۔ وہ عام اہلسنت کے علاوہ ان اہل علم کو اعلیٰ حضرت کی کتابیں پہنچاتے جو اعلیٰ حضرت کا نام لینا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ ''یوم رضا'' کے اشتہارات لاہور کے درودیوار پر چسپاں کرنے کے لیے ساری ساری رات شہر کے گلی کوچوں میں بذات خود سیڑھی اٹھائے پھرتے ان کی اس دیوانہ وار لگن نے علماء اہل سنت کو بیداری بخشی ان میں سے چند علماء کرام آگے بڑھے۔ اور اس قافلہ علم و اعتقاد میں شریک ہوتے گئے پھر اپنی تحریروں کو سامنے لاتے گئے اس طرح کے کارواں رضویت کا حصہ بنتے گئے، بایں ہمہ حکیم صاحب ایک دن کے لیے بھی ''مرکزی مجلس رضا'' کی صف اول میں نہ کھڑے ہوئے نہ صدر نشین ہوئے۔ انہوں نے ہمیشہ علماء کرام اور اہل علم کو صف اول میں جگہ دی اور صدر نشین کیا۔ اور خود اعلیٰ حضرت کے کوچہ علم و فضل کے خادم کی حیثیت سے اہل علم کی خدمت میں دست بستہ کھڑے رہتے ''یوم رضا'' کی شاندار اور باوقار تقریب پر علماء کرام صدر نشین ہوتے مگر حکیم صاحب جلسہ گاہ کے دروازے پر کھڑے آنے والوں کا استقبال کرتے اور انہیں خوش آمدید کہتے۔

یہ تھا مرکزی مجلس رضا کا ابتدائی دور۔ یہ تھے مرکزی مجلس رضا کے بانی کے شب و روز اور یہ تھیں حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی خدمات جس نے آج ''مرکزی مجلس رضا'' کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ اس کی ایک کتاب چھپتی ہے تو ملک کے گوشے گوشے سے اہل محبت کے خطوط کا تانتا بندھ جاتا ہے اور مجلس کے لٹریچر کے انتظار میں

آنکھیں فرش راہ ہو جاتی ہیں۔ ایک عرصہ تعطل کے بعد ''مرکزی مجلس رضا'' نے دوبارہ کام شروع کیا تو ہر طرف سے صدائے تحسین بلند ہوئی کتابوں کے طالب گار آگے بڑھے۔ سابقہ اراکین اور نئے اہل ذوق مرکزی مجلس رضا کے کام کو جاری رکھنے کے لیے اسی کارواں میں شریک ہونے لگے۔ جو حکیم محمد موسیٰ صاحب بانی مرکزی مجلس رضا کی قیادت میں آگے بڑھا تھا مرکزی مجلس رضا کے آغاز نو سے تو یوں محسوس ہوا گویا گلستان رضویت میں پھول کھل اٹھے۔

وہ آگئے تو جاں سی کلیوں میں پڑ گئی
وہ مسکرا دیے تو بہاریں امنڈ پڑیں

''مرکزی مجلس رضا'' نے اپنا مختصر سا ماہنامہ ''جہان رضا'' نکالا تو اسے اتنا پسند کیا گیا کہ پورا مہینہ گزرنے کے باوجود قارئین کے ذوق طلب میں کمی نہیں آئی اور چاروں طرف سے خطوط کے قافلے دفتر میں پہنچتے رہتے ہیں۔

''جہان رضا'' کا یہ تیسرا اشارہ ہے جو آپ تک پہنچ رہا ہے اس میں بعض اہل علم حضرات کی تجاویز کی روشنیوں میں آہستہ آہستہ تبدیلیاں کی جا رہی ہیں۔ اس کی طلب کے اور پسندیدگی کے پیش نظر اسے مزید مفید بنانے کے لیے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ پھر بعض اہل قلم نے اپنے قلمی تعاون کو جس جذبے سے پیش کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب ''جہان رضا'' اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ آسمان سنیت پر چاند بن کر چمکے گا اور اپنی ضیاء پاشیوں سے دل و دماغ کو روشن کرے گا اور ہمیں مزید کہنے کی اجازت دیں کہ مستقبل قریب میں ان شاء اللہ اہل سنت کی اعتقادی تربیت میں ''جہان رضا'' ایک اہم کردار ادا کرے گا۔

''مرکزی مجلس رضا'' کی مطبوعات طلب کرنے والوں کے ذوق نے ہمیں بے حد متاثر کیا ہے۔ ان میں اہل ذوق اور اہل محبت کی ایک خاصی تعداد ہے ان میں

مالی تعاون کرنے والے بھی ہیں۔اور نادار طالب علم بھی، وہ طالب علم جن کی نگاہیں اپنی غربت کے باوجود مرکزی مجلس رضا کی ڈاک پر لگی رہتی ہیں۔ یہ لوگ ہماری ملت کا سرمایہ ہیں جن کے ذوق کی آواز پر مرکزی مجلس رضا کے کارکن لبیک کہنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ ہمارے اراکین کا حلقہ بڑھتا جا رہا ہے اور یہ اراکین ہیں جو اپنے مالی تعاون سے اپنے لیے۔ اعزازی اراکین کے لیے پھر گلستان رضویت کے ان نونہالوں کے لیے لٹریچر مہیا کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں جو تین روپے کا ٹکٹ بھیجنے سے بھی قاصر ہیں معاونین مجلس میں چند ایسے حضرات بھی آگے بڑھے ہیں جو علماء کرام کو کتابیں بھیجنے کے لیے ٹکٹ خود بھیجتے ہیں ایسے بھی ہیں، جو تعاون کرتے ہیں مگر اپنا نام ظاہر کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے ایسے بھی ہیں جو دعاؤں کے ساتھ حوصلہ دیتے ہیں اور ہمارے ایقان واعتماد کو قوی بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بعض اہل قلم نے اپنی قلمی خدمات پیش کی ہیں۔ کئی حضرات نے اپنے مسوّدات چھپوانے کا کہا ہے کئی مقامات پر ایسے حضرات نے ''جہان رضا لائبریریاں'' قائم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ کئی اداروں نے ''یوم رضا'' منانے کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ کئی طلبہ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر کام کرنے کے لیے لٹریچر طلب کیا ہے ملک کے کئی نامور محققین نے اپنے گراں قدر مقالے لکھنے کے لیے ہماری علمی امداد طلب کی ہے۔

آج پاکستان کے عوام کی اعتقادی اور نظریاتی تربیت کی بڑی ضرورت ہے۔ آج علماء اہلسنت کو آگے بڑھ کر عوام کو دینی قیادت مہیا کرنی چاہیے۔ آج علماء اہلسنت کو اپنے روائتی تساہل کو چھوڑ کر نوجوان نسل کی اعتقادی پرورش کے لیے آگے بڑھنا چاہیے۔ آج کی نوجوان نسل کو بے دینی اور فحاشی کے طوفانوں کا ہی سامنا نہیں وہ اعتقادی فتنوں کی بھی زد میں ہے۔ آج کا عام مسلمان اعتقادیات کی غذا سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ آج کا مسلمان اپنی اعتقادی عمارت کی حفاظت سے غافل ہوتا جا رہا

ہے۔ آج علماء اہل سنت کا اولین فرض ہے کہ وعظ فروشی، زکوۃ اندوزی اور شاہان وقت کی وقتی مدح سرائی کے مکروہ کاروبار کو چھوڑ کر عوام کی اعتقادی رہنمائی کریں۔
پاکستان کا ہر دردمند سنی یہ محسوس کر رہا ہے کہ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی رہنمائی سے غفلت برتی جارہی ہے۔ یہ صرف غفلت ہی نہیں مجرمانہ غفلت ہے جسے علماء اہل سنت کو ترک کرنے کے لیے ہمت کرنا چاہیے۔ ہزاروں لاعلم سنی غیر محسوس طریقے سے رافضی اور شیعہ بنائے جارہے ہیں۔ لاکھوں سنی گھرانے دیوبندیت کی زد میں ہیں۔ لاکھوں اہل سنت تبلیغی جماعت کے قافلوں کے بستر اٹھائے عشق رسول سے بیگانہ ہوتے جارہے ہیں۔ ملک میں پھیلائی جانے والی مختلف خرافات کے نتیجے میں نوجوان اسلام سے ہی دور ہوتے جارہے ہیں وہ اس دور کا ایک علیحدہ بڑا المیہ ہے۔ اندریں حالات علماء اہل سنت کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ان گرتی ہوئی اعتقادی دیواروں کو سہارا دینے میں اپنا کردار ادا کریں۔

ہم نے اوپر کی سطروں میں اعتقادی اور دینی فتنوں کا ذکر کیا ہے جو عوام اہل سنت کے نظریات کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں مگر ہمیں سب سے زیادہ قلق ان سنی علماء کرام کے روّیہ پر ہے جو سنی ہوتے ہوئے کبھی جناب آیت اللہ خمینی کے سالانہ عرس پر ایران جا پہنچتے ہیں اور کبھی دیوبندی علماء کے پیچھے نمازیں برباد کرتے نظر آتے ہیں پاکستان کے دوسرے شہروں کے علاوہ صرف لاہور سے تیں علماء اہل سنت کا ایک قافلہ خمینی کے سالانہ عرس پر ایران پہنچا اور ''اعتقادی خیر سگالی'' کے جذبے سے سرشار ہوکر پاکستان کے سنی عوام کی نمائندگی کرتے رہے ہیں۔ لاہور کے بعض جید علماء اہلسنت اعتقادی رواداری کے جذبہ سے معمور ہوکر دیوبندی علماء کی قیادت میں اپنی نمازیں برباد کرتے رہے ہیں۔ ایسی اعتقادی شکست وریخت آج سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی کہ کعبہ سنیت کے پاسبان مصلے اٹھا کر گستاخان رسول اور شاتمان صحابہ کے بت

خانوں میں سربسجود ہو جائیں۔ اس صورت حال پر ہم جس قدر ماتم کریں کم ہے۔ جس قدر اشک باری کریں کم ہے، جس قدر نوحہ خوانی کریں کم ہے۔

وعظ کس منہ سے دو گے مولانا !
شرم تم کو مگر نہیں آتی

علماء کرام کے اس رویئے کی ہم مذمت تو کر سکتے ہیں مگر انہیں اس گراوٹ سے واپس نہیں لا سکتے۔ ان کے اس رویئے پر افسوس تو کر سکتے ہیں مگر انہی سمجھا نہیں سکتے کیونکہ وہ خود گراوٹوں سے بچانے والے اور خود دوسروں کو سمجھانے والے ہیں۔ ان علماء اہل سنت کا بڑا دل گردہ ہے کہ وہ گستاخان رسول کے پیچھے نماز ادا کرنے کے بعد اور شاتمان صحابہ کی مجالس میں نوحہ خوانی کرنے کے باوجود وہ کس منہ سے اپنی اپنی مسجدوں میں اہل سنت کی امامت کریں گے اور کس دل گردے سے اپنی مسجدوں کے محراب و منبر کو نبی پاک ﷺ کی عظمت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت سے آباد رکھیں گے۔

تفو! بر تو اے چرخِ گرداں تفو!

''مرکزی مجلس رضا'' لاہور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی کی اعتقادی قیادت میں پاکستان کے سنی مسلمانوں کی خدمت میں کام کر رہی ہے۔ الحمدللہ وہ خالص اعتقادیات پر ماضی میں سات لاکھ ستر ہزار کتابیں چھپوا کر تقسیم کر چکی ہے اور اس نے ملک کے اندر اور ملک کے باہر سنی اعتقادیات اور عشق رسول کے جذبوں کو بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے وہ آج بھی اپنی بے سرو سامانی کے باوجود اس شاہراہ پر گامزن ہے اور ان شاء اللہ اس شاہراہ پر قدم بڑھاتی جائے گی۔

وہ اپنے معاونین سے ازسرنو اپیل کرتی ہے کہ وہ بھرپور طریقہ سے مرکزی مجلس رضا کو مالی تعاون بہم پہنچائیں تاکہ وہ اپنے اشاعتی میدان میں موثر کردار ادا کر سکے۔

مرکزی مجلس رضا لاہور نے ''جہان رضا'' کے اس ایڈیشن کے ساتھ اعلیٰ

حضرت کا ایک تازہ رسالہ ''زمین ساکن ہے'' چھپوایا ہے جو مستقل رکنیت رکھنے والے حضرات کو بلا طلب پہنچ رہا ہے عام حضرات تین روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر عام معمول کے مطابق یہ رسالہ حاصل کر سکیں گے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ ایک سائنس دان سکالر کے استفسار پر لکھا گیا تھا۔ جس نے موجودہ سائنس دانوں کے اس نظریہ پر کہ زمین گرداں ہے کا مسئلہ معلوم کرنے کے لیے کہا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے فقہی اور اعتقادی تحریر سے ہٹ کر سائنس دانوں اور علوم فلکیات کے ماہرین کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت سے قلم اٹھایا ہے ہم یہ رسالہ سائنس سے واقف نوجوان سکالروں۔ محققین اور مغربی علوم سائنس کے متاثرین کو خصوصیت سے ارسال کر رہے ہیں۔ علماء کرام بھی اگر اس کا بغور مطالعہ کریں گے تو ان پر بھی اعلیٰ حضرت کے علوم کا ایک پہلو واضح ہوگا کہ وہ ایک عالم دین ہوتے ہوئے علم فلکیات، فضا، خلا اور سائنسی علوم پر کتنا عبور رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ مرکزی مجلس رضا کی اس کوشش کو بہ نظر تحسین دیکھا جائے گا۔

مرکزی مجلس رضا کی یہ تمام تر کوششیں اور مقاصد اسی صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتے ہیں کہ اس کے معاونین سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے مالی وسائل میں اضافہ کریں اور اپنے ہر قسم کے عطیات سے امداد کریں۔ ان کی توجہ سے مجلس کا اشاعتی کام وسیع ہوگا اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوہ کتابیں حاصل کر سکیں گے جن کی آج سخت ضرورت ہے لہٰذا ہم اپنے معاونین سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ آگے آئیں مجلس کو سنبھالا دیں، اس کے تبلیغی کاموں میں حصہ لیں اور اپنے مالی اعتبار سے اتنا مضبوط بنائیں کہ اسے گرد و پیش دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ جو حضرات رکنیت فارم نہ پا سکیں وہ بھی ٹکٹوں، نقدی، منی آرڈر یا ڈرافٹ کی شکل میں تعاون کریں۔ انہیں رسید پہنچائی جائے گی۔

؎ عظیم الشان ہے یہ کام نکلے گا فقیروں سے

امام اہل سنت کے علمی کارنامے

جلد نمبرا..........اگست۱۹۹۱ء..........شمارہ نمبر۴

امام اہل سنت حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ احمد رضا خان قادری قدس سرہ مورخہ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ۔ ۱۸۵۶ء بریلی (یوپی) میں پیدا ہوئے اور بروز جمعہ جون مورخہ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو اس خاک دان ارضی سے رخصت ہوکر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوئے۔ آپ کی اڑسٹھ سالہ زندگی کے شب وروز خدمت دین میں گزرے۔ صبح وشام کا سفر خدمت دین کا سفر رہا۔ آپ نے اس عرصے میں بے شمار کتابیں لکھیں۔ بے شمار (فتاوٰی) لکھے اور ہزاروں لوگوں کو اپنی علمی مجالس اور گفتگو سے متاثر کیا۔ آپکا زمانہ برصغیر پاک وہند میں اعتقادی افراتفری کا دور تھا۔ انگریز ۱۸۵۷ء کی ناکام جدّ وجُہد کے بعد سارے برصغیر میں اپنی اقتداری قوتوں کے ساتھ چھاچکا تھا۔ اس نے اسلامی سلطنت کی تباہی وبربادی کے علاوہ جہاں جہاں غیر مسلم ہندو، سکھ یا مرہٹہ سیاسی قوتیں تھیں انہیں بھی نیست ونابود کردیا۔ ان تمام عسکری اور سیاسی قوتوں میں سے اسے مسلمانوں کی قوت سے بڑا خطرہ تھا کیونکہ مسلمان کئی سو سال اس سرزمین میں شاندار حکمرانی کے نقش قائم کرچکے تھے اور جنگ آزادی میں مسلمانوں نے ہی انگریز کے خلاف بڑھ چڑھ کر علم بغاوت بلند کیا تھا۔

انگریزوں نے اپنی استعماری قوت کو مضبوط کرنے کے لیے برصغیر میں اسلامی قوت پر خصوصی نظر رکھی اور اگر کسی کونے گوشے سے اسلام کے نام لینے والے کسی رنگ

میں ابھرے تو انہیں پارہ پارہ کرنے میں کوتاہی نہ کی۔ وہ مسلمانوں کی قوت سے خائف تھے۔ انہوں نے استعماری اور اقتداری قوت آزمائی کیساتھ ساتھ مسلمانوں کے ایمانی جذبے کو فرو کرنے اور اسے اعتقادی طور پر کمزور کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر انتظامات کیے۔ اس نے مغربی ممالک سے عیسائی پادریوں کو درآمد کر کے سارے بر صغیر میں پھیلا دیا اور انہیں اپنی پشت پناہی میں ہر جگہ توانائی دی تاکہ کھلے بندوں عیسائیت کی تبلیغ کر سکیں۔ ان پادریوں نے ایسے مشنری ادارے قائم کیے جو بر سر عام اسلام اور ہادی اسلام کے خلاف زہر چکانی کرتے۔ عیسائیت کے اس طوفان نے مسلمانوں کو نظریاتی طور پر پریشان کر دیا۔ دوسری طرف انگریز مقامی طور پر اسلام کے اندر ہی اعتقادی فتنے بیدار کر دیے ان کی خفیہ طور پر پرورش کی اور ہر بدعقیدہ کو اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے کی جرات دے دی۔ اس طرح وہ اسلام کو ٹکڑوں میں بانٹنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس دور میں مسلمانوں کے اندر سیکڑوں اعتقادی فتنے ابھرے، نیچریت، دیوبندیت، وہابیت اور چکڑالویت جیسے کئی فتنے زبانوں سے قرآن وحدیث سناتے ہوئے طوفان بن کر اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اہل ایمان تو کیا ان میں مرزائیت ایک ایسا فتنہ تھا جسے انگریز کی نہ صرف تائید اور سرپرستی حاصل تھی بلکہ اسے مفاد پرست ملاں، بدعقیدہ علماء بھی انگریز کا ''خودکاشتہ پودا'' کہنے لگے۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ اس فتنہ نے نہ صرف ختم نبوت سے انکار کیا بلکہ بڑی جرأت کے ساتھ ایک ''نبی'' بھی سامنے لا کھڑا کیا۔ یہ سارے خانوادے اہلسنت کے قافلہ حق سے ٹوٹ ٹوٹ کر علیحدہ ہوئے تھے اور انگریز کی شہ پر اہل سنت کی اعتقادی عمارت کی جڑیں کاٹنے میں لگے تھے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس پُرفتن دور میں ابھرے۔ انگریزوں کی چالوں کو دیکھا، پادریوں کی ریشہ دوانیوں پر نگاہ ڈالی پھر اپنوں کو دیکھا جو کٹ کٹ کر مختلف فرقوں اور

نظریات میں بٹتے جارہے تھے پھر یہ لوگ ہی علماء کی شکلوں میں، شعراء کی شکلوں میں، ادباء کی شکلوں میں معلّمین اور متکلّمین کی شکلوں میں بڑھ چڑھ کر فوج درفوج، موج درموج اور قطار در قطار قلعہ سنّیت پر حملہ آور ہونے لگے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے یہ صورت حال دیکھی تو تڑپ اٹھے۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر رسول اللہ ﷺ کا علم اٹھایا اور سنّیت کے قلعہ کی دیوار پر کھڑے ہوگئے اور برصغیر کے تمام سنیوں کو پکارا کہ آگے بڑھو اور ان فتنوں کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ۔ آپ کی اس آواز پر راس کماری سے لے کر خیبر تک تمام سنی علماء کرام اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کی آواز پر لبیّک کہا اور آپ کی زیر کمان عقائد اہل سنت کی حفاظت کے لیے صف بستہ ہوگئے۔ وہ اپنے امام کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے یکجان ہوگئے۔

آپ کی موجودگی میں بریلی کے اس حلقہ علم میں دنیائے سنیت کے وہ آفتاب و ماہتاب جمع ہوئے جنہوں نے آگے چل کر برصغیر پاک و ہند کو چکا چوند کر دیا۔ بدعقیدہ علماء کا مقابلہ کیا اور عقائد اہل سنت کی حفاظت میں زندگیاں وقف کر دیں۔ یہ مجمعے، یہ مجلسیں اور یہ مناظر دیدنی تھے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی جلوہ فرما ہیں۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی موجود ہیں۔ مولانا عبدالسلام جبل پوری کھڑے ہیں، مولانا امجد علی اعظمی (صاحبِ بہارِ شریعت) مجلس کی زینت ہیں، صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی مجلس کی جان ہیں، مولانا ابوالمحمود احمد اشرفی جیلانی محفل کا حسن ہیں، سید دیدار علی شاہ الوری موجود ہیں، مولانا عبدالعلیم میرٹھی صدیقی (والد مکرم شاہ احمد نورانی مدظلہ العالی) دست بستہ ہیں۔ منشی محمد لعل محمد خان قلمدان انتظام سنبھالے بیٹھے ہیں۔ مولانا حامد رضا خان علماء کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہیں۔ مولانا برہان الحق جبل پوری، تشریف فرما ہیں۔ مولانا حسنین رضا خان مسوّدات کو نقل کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا حسن رضا خان بریلوی نعت رسول کے گلدستے لیجا رہے ہیں (رحمۃ اللہ

علیہم اجمعین) حلقہ اعلیٰ حضرت کے یہ اہل علم ودانش اپنے ہزاروں شاگردوں کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں پھیل کر عقائد اور نظریات کی نشو ونما میں مصروف ہو گئے ۔عیسائی پادریوں اور دوسرے بدعقیدہ لوگوں کے حملوں کا دفاع کرنے لگے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ان جاں نثار علماء کرام اور ان کے ہزاروں شاگردوں نے ملک کے گوشے گوشے میں اپنے دینی مراکز قائم کیے، درس گاہیں بنائیں ارشاد و تبلیغ کی بارگاہیں سجائیں اور جگہ جگہ پہنچ کر عوام کے عقائد کی درستگی کا فریضہ سرانجام دیا۔ آج پاک و ہند کے مسلمانوں میں محبت رسول ﷺ کی ساری خوشبوئیں، گلستان رضویت (بریلی) کی نسیم بہار کا ثمرہ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی آج سنیت کی سند ہے اور آپ کے نظریات اہل سنت کے لیے ایک ایسا سرٹیفکیٹ ہے جسے عالم اسلام میں تسلیم کیا جاتا ہے۔

فاضل بریلوی نے ملک کے گستاخان رسول مولویوں کے تیور دیکھے تو للکارا

؎ اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو ! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

آپ کی اس للکار نے ان فتنہ سامانوں کو مزید تیز کر دیا وہ طوفان بن بن کر اہلسنت کی اعتقادی دیواروں سے ٹکرانے لگے۔اب انگریز بہادر خوش تھا کہ

ع۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے !

مرزائی، شیعہ، نجدی، وہابی، رافضی، چکڑالوی، نیچری جیسے سیکڑوں فرقے اعلیٰ حضرت کی نگاہ میں تھے آپ ان سے چوکھی لڑائی لڑے۔آپ کی تحریر، آپ کا بیان، اور آپ کا قلم نشتر بن کر ان بدعقیدہ لوگوں کے سینے میں اترتا گیا۔

؎ وہ رضا کے نیزے کی مار ہے
کہ عدو کے سینے میں غار ہے

آج اگر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی تمام تحریروں، مقالات، فتاوٰی، مکتوبات، ملفوظات، تعاقبات، تنقیدات، تنقیحات، جوابات کو سامنے رکھا جائے تو آپ محسوس کریں گے کہ اسلام کا ایک جاں نثار عظمت مصطفیٰ کا جھنڈا اٹھائے چاروں طرف دشمنان اہل سنت میں گھرا ہوا ہے اور انہیں للکار رہا ہے۔

آج کا مورخ اس نابغہء روزگار ہستی کے کمالات اور قوت کو داد دیے بغیر نہیں رہ سکے گا جب وہ دیکھے گا کہ اعلیٰ حضرت نے ان دینی فتنوں کی سرکوبی کے لیے کتنی طویل جنگ لڑی۔ آج کا نوجوان (بعض سنی علماء کرام بھی اور سیاست دان) بھی اپنے امام اہل سنت کی پامردی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ جس نے برصغیر کے اعتقادی طوفانوں کا سخت جاں کوشی اور پامردی سے مقابلہ کیا تھا اعتقادی تاریخ میں شاید ہی اعلیٰ حضرت سے بڑھ کر کوئی مثال مل سکتی ہو۔ آج کا سنی اپنے اعتقادی ورثہ کا مالک تو ضرور ہے مگر اسے غالباً یہ اندازہ نہیں کہ اس ورثہ کو محفوظ کرنے کے لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور ان کے ساتھیوں نے کتنے مصائب کے سمندر عبور کیے۔ آج ہم اپنی مسجدوں اور خانقاہوں میں ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی دل آویز صداؤں سے قلب وروح کو تازہ تو کر لیتے ہیں مگر ہمیں ان تاریخی تلخیوں کا اندازہ نہیں جن سے گزر کر یہ نغمہ جان فزا ہم تک پہنچا تھا۔ آج کے کچھ علماء اہل سنت ڈھیلے ڈھالے اور بھولے بھالے ہیں۔ وہ موجودہ حالات کے پیش نظر دبے دبے، لچے لچے، سہمے سہمے اور پریشان نظر آتے ہیں۔ حالانکہ ان کا قافلہ سالار تو ہندوستان اور پاکستان کے سارے فتنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر للکارا کرتا تھا۔ آج کے بعض علماء اہل سنت دیوبندیوں رافضیوں اور بے دینوں کی مجلسوں میں رواداری اور صلح کوشی کی چادر اوڑھے ہم پیالہ وہم نوالہ ہوتے جارہے ہیں اور دبی دبی آواز میں بلاضرورت روادارانہ تقریریں کرنے اور اس کے بعد اغیار کے ہاں دعوتیں اڑاتے دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ اعلیٰ

حضرت تو ان دیو بندیوں اور رافضیوں کے ''شیخ الکل والکل'' کہلانے والے اور ''مجتہد العصر والزماں'' بننے والوں کے ساتھ کلمہ حق کہنے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا یوم وصال آرہا ہے۔ آج تمام سنی حضرات کو بلا جواز بلاضرورت اپنی مصلحتوں، راواداریوں، اور صلح جوئیوں کو چھوڑ کر عہد کرنا چاہیے کہ ہم اپنی اعتقادی عمارت کی حفاظت کریں گے اور موجودہ زمانہ کے خوف و ہراس، ترغیب وتحریص سے بے نیاز ہو کر اعلیٰ حضرت کے مسلک پر گامزن رہیں گے۔

مرکزی مجلس رضا لاہور ان تمام سنیوں کے جذبات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے جنہوں نے مرکزی مجلس رضا کی مطبوعات کی آمد پر اظہار مسرت کیا۔ اسے حاصل کرنے کے لیے خط لکھے۔ انہیں پڑھنے کے لیے بے پناہ ذوق کا اظہار کیا۔ اس کی رکنیت حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھے، اس سے تعارف کے لیے لوگوں کو تیار کیا مجلس کے آغاز نو پر دعائیں دیں اور اپنی علمی خدمات پیش کی۔ ''مرکزی مجلس رضا'' ان حضرات کی خصوصی طور پر ممنون ہے جنہوں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی کتابوں کی اشاعت میں عملی اقدام کیے جنہوں نے رضا لائبریریاں قائم کیں۔ جنہوں نے اپنی لائبریریوں میں ''شعبہ رضا'' کا اختصاص کرایا جنہوں نے مختلف اخبارات و رسائل میں اعلیٰ حضرت پر مضامین لکھے۔ کتابچے چھاپے، اشتہارات چھاپے اور ''یوم رضاؒ'' منانے کے اہتمام کیے۔ ہم ان نوجوانوں کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ جنہوں نے کالجوں، درس گاہوں، یونیورسٹیوں میں اعلیٰ حضرت بریلوی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مقالے لکھنے کا اہتمام کیا۔ ہم ان مدیران جرائد اہل سنت کی خدمات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جنہوں نے اعلیٰ حضرت کی تعلیمات، نظریات کی اشاعت کی، سنیوں میں بیداری پیدا کی۔ ہم ان معاصرین کے بھی دلی طور پر سپاس گزار ہیں جنہوں نے مرکزی مجلس رضا اور ''جہان رضا'' کی خبروں کو اپنے کالموں میں جگہ دی اور عوام کو آگاہ کیا۔

تین ہستیوں کی یادیں

جلد نمبر ۱..................ستمبر ۱۹۹۱..................شمارہ نمبر ۵

صفر المظفر ، ایسا مبارک مہینہ ہے کہ جو برصغیر پاک وہند کی تین ایسی عظیم ہستیوں کی یادیں لے کر آیا جن کے سامنے آفتاب و ماہتاب بھی جھک کر گزرتے ہیں۔ حضرت سید ابوالحسن ہجویری الغزنوی المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس اسی ماہ منائے گئے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر ہزاروں نہیں لاکھوں عقیدت مند آپ کے آستانہ فیض عالم پر پہنچتے ہیں اور ''گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا'' الاپتے ہوئے سر نیاز خم کرتے جاتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا دربار سرہند شریف (پنجاب بھارت) میں مرجع خلائق ہے اور ان دنوں وہ زیارت گاہ خواص وعوام بن جاتا ہے۔ پاکستان کے زائرین کے وفد کے علاوہ عالم اسلام کے گوشے گوشے سے اہل عقیدت کے وفود پہنچتے ہیں۔ اور ہندوستان کے لاکھوں مجدّدی حضور کے روضہ اقدس پر مراقبہ میں سر جھکائے، حضرت مجدّد کے جلال فاروقی کے سامنے سر تسلیم خم کیے بیٹھتے ہیں۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پر انوار بریلی شریف (یوپی۔ بھارت) میں ہے۔ جہاں ہندوستان کے سنی دور دراز سے سمٹ

کرعرس کی تقریبات میں حصہ لیتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی خدمات

☆ ان تینوں بزرگوں کے مزارات، مراکز انوار و تجلیات ربانی ہیں۔ مگر اس صدی میں جس شخصیت نے اپنی علمی ضیاؤں سے برصغیر کو درخشاں کیا تھا، وہ امام اہل سنت مجدد دین وملت، عظیم البرکت رفیع الدرجت، محی السنۃ ماحی الفتنہ، شیخ الاسلام والمسلمین، عمدۃ المحققین، تاج الفحول المدققین، غیظ المنافقین، قالع اساس النجدیین، قامع المرتدین، سموالمکانۃ والمکان، اعلیٰ حضرت مولانا الحاج القاری الشاہ محمد احمد رضا خان قادری بریلوی رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات تھی۔ آپ کے عرس کی تقریبات صرف آپ کے مزار پر انوار تک محدود نہیں رہتیں بلکہ پاک و ہند کے بڑے بڑے شہروں، قصبوں، قریوں، دیہاتوں، حتیٰ کہ کوہساروں اور وادیوں میں:

ع۔ ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام''

کی دلنواز گونجوں کے جلو میں اہل محبت وعقیدت ہدیۂ تحسین پیش کرتے سنائی دیتے ہیں۔ ہم نے اپنی بساط کے مطابق ایک ناقص سروے کیا تو ہمیں یہ معلوم کرکے بے پناہ مسرت ہوئی کہ صرف پاکستان میں تین ہزار سے زیادہ مقامات پر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجالس منعقد ہو رہی ہیں۔ ان مجالس میں وزراء امراء کے اجتماع، علماء کرام اور مشائخ عظام کے حلقے، دانشوروں اور اساتذہ کے دائرے، فقیروں اور بے نواؤں کے دوارے، نعت خوانوں اور منقبت سراؤں کی مجلسیں اور صلوٰۃ وسلام کی محفلیں ذکر رضا سے معمور ہیں۔ پاکستان کے علاوہ ہندوستان کے مسلمان تو خصوصی طور پر بڑی آب وتاب سے ''یوم رضا'' کا اہتمام کرتے ہیں۔ پھر برصغیر پاک و ہند سے نکل کر عالم اسلام میں جہاں جہاں سنی آباد ہیں اعلیٰ حضرت کے اذکار کو تازہ کرنے

کے لیے محفلیں جماتے ہیں۔عرب ریاستوں میں اور یورپ کے شہروں میں بھی پاکستان وہندوستان سے گئے ہوئے سنی، اپنے امام کو ہدیۂ تحسین پیش کرنے کے لیے مجالس منعقد کرتے ہیں۔دعوتیں دیتے ہیں اور مساکین وغرباء میں کھانا تقسیم کرتے ہیں۔

ع۔ گونج گونج اٹھے ہیں ''نغمات رضا'' سے بوستان!

آج پاکستان کے اخبارات، ماہنامے، میگزین اور رسالے، فاضل بریلوی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر'' خصوصی نمبر'' نکال رہے ہیں۔ انکی نعتوں سے اپنے صفحات کو مزین کررہے ہیں۔ان کے اشعار سے اپنے مضامین کو سجا رہے ہیں۔انکے ''قصیدہ صلوٰۃ وسلام'' کو صفحہ اول پر جگہ دے رہے ہیں۔وہ اپنے کالموں کو ذکر رضا کی حلاوت سے شیریں بنا رہے ہیں۔وہ اپنے مقالات کو رضا کے جملوں سے وقیع بنا رہے ہیں اور اپنی تحریروں کو رضا کی زندگی کے واقعات سے سجا سجا کر پیش کررہے ہیں ۔وہ اپنے تنقیدی مقالوں کو رضا کے زوردار شعروں سے آتش بیان بنا رہے ہیں۔وہ اپنے معاندین کو رضا کی للکار سے سرنگوں کرنے کے لیے زبان قلم سے تلوار کا کام لے رہے ہیں۔

کلکِ رضا ہے خنجر خونخوار و برق بار
اعداء سے کہہ دو، خیر منائیں، نہ شر کریں

امام احمد رضا بریلوی نے زندگی بھر ناموس مصطفیٰ کا علم بلند رکھا۔حضور ﷺ کی شان وشوکت کا جھنڈا لہرائے رکھا۔حضور ﷺ کی عظمتوں کے پرچم کو سب سے اونچا رکھا۔حضور ﷺ کے عشق کو زندگی کا سامان بنائے رکھا حضور ﷺ کی محبت کو حرز جاں بنائے رکھا۔حضور ﷺ کی سنت کو مشعل راہ بنائے رکھا۔حضور ﷺ کی غلامی کو دو جہاں کی بادشاہی جانا۔حضور ﷺ کی خیرات کو غذائے جان بنایا۔حضور ﷺ کی گلی کو قبلۂ حاجات سمجھا اور کوچہ محبوب کی گدائی پر ناز کیا۔

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں!

اس فاضل یگانہ امام اہل سنت کی بارگاہ میں سب سے بڑا نذرانہ آپ کی کتابوں کو زیور طبع سے آراستہ کر کے عوام تک پہنچانا ہے ان کتابوں کے عالمانہ اور مشکل مضامین کو آسان اور عام فہم انداز میں پھیلانا ہے۔ آپ کی بارگاہ میں سب سے بڑا ہدیہ آپ کے نظریات کی اشاعت میں بھرپور حصہ لینا ہے۔ آپ کے حضور سب سے بڑی عقیدت کا اظہار ان کے جذبۂ حب رسول کو پاکستان کے مسلمانوں کے دلوں کی گہرائیوں میں نقش کرنا ہے۔ آپ کی یادگار ایک اعلیٰ طریقہ یہ بھی ہے کہ آپکے علوم پر تحقیقاتی ادارے قائم کیے جائیں اور آپ کے نظریات کو لوگوں تک پہنچایا جائے آج لوگ پھر ان مولویوں کے باطل پراپیگنڈہ کی زد میں ہیں۔ جن کے بڑوں کے سینوں میں '' رضا کے نیزے کی مار سے غار بن گئے تھے'' آج گستاخان رسول پھر پاکستان کے عوام کو اپنی پوپلی سی باتوں سے مقام مصطفیٰ سے دور لے جا رہے ہیں آج اعلیٰ حضرت کے خلاف پھر انہی بے بنیاد اور مکروہ الزامات کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے جو کبھی رضا کی ایک ٹھوکر سے غبار راہ بن کر رہ گیا تھا۔ آج گستاخان رسول پھر نئے نئے انداز میں نئے نئے لباسوں میں اور نئے نئے ٹولوں میں اکٹھے ہو کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ آج اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں سب سے بڑا نذرانہ یہ بھی ہے کہ علماء اہل سنت اٹھیں۔ اپنی روایتی سستی اور کاہلی کو چھوڑ کر ایسے فتنوں سے عوام کو محفوظ کریں آج اعلیٰ حضرت کے شعروں کو ہدیۂ تحسین پیش کرنے کا ایک یہ بھی انداز ہے کہ عوام کے دلوں کو مرکز مہر و وفا بنا دیا جائے۔ عوام کے سینوں کو مصطفیٰ جان رحمت کی محبت کا خزینہ بنا دیا جائے اگر ہم اس عظیم الشان کام کے لیے مشائخ اہل سنت کی طرف نگاہیں اٹھائیں تو وہ یقیناً اس فریضہ کو بدرجۂ احسن سرانجام دے سکیں گے ان کی مجالس میں

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی شریعت پر سختی کی وجہ سے جو گرانی محسوس ہوتی ہے اسے محبت رسول کے زمزم سے دھو کر لوگوں کو محبت رسول کا صحیح راستہ دکھائیں۔

''مرکزی مجلس رضا'' ایسے تمام اداروں کی خدمات کی قدر کرتی ہے۔ جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر کام کر رہے ہیں مرکزی مجلس رضا ایسے تمام حضرات کو خراجِ تحسین پیش کرتی ہے جنہوں نے یوم رضا منائے یا امام احمد رضا کی کانفرنسوں کا اہتمام کیا۔ ''مرکزی مجلس رضا'' ان تمام اہل قلم کو ہدیۂ تبریک پیش کرتی ہے جنہوں نے بارگاہ رضویت میں اپنی تحریروں کے پھول نچھاور کیے۔ مرکزی مجلس رضا ان تمام اہل محبت کو مبارک باد کہتی ہے۔ جنہوں نے ذاتی یا اجتماعی طور پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں کوئی بزم کوئی مجلس یا کوئی محفل بپا کی ہے۔ مرکزی مجلس رضا ان علماء کرام اور نعت خوانوں کا شکریہ ادا کرتی ہے جنہوں نے اعلیٰ حضرت کی یاد میں منعقد کیے گئے جلسوں میں تقاریر کیں اور نعتیں پڑھیں۔ آخر میں مجلس رضا اپنے ان تمام معاونین قارئین اور متفقین کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے جنہوں نے ''ماہنامہ جہان رضا'' کو ڈاک کے ذریعے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت پیش کیا اور مرکزی مجلس رضا کی خدمت کو قدر اور محبت کی نگاہ سے دیکھا۔

آج پاکستان کے اہل سنت اعلیٰ حضرت کو اپنا امام مانتے ہیں۔ ان کے نظریات کو سنت مصطفیٰ کی دلیل تصور کرتے ہیں۔ آپ کے عقائد کو حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کا عکس جمیل جانتے ہیں۔ آپ کی کتابوں سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ آپ کے فقہی فیصلوں سے اپنے معاشرتی اور سماجی مسائل کا حل نکالتے ہیں۔ آپ کی تشریح اور تفسیر کو سند کے طور پر تسلیم کرتے ہیں اور پھر آپ کے بارگاہ رسول میں کہے ہوئے اشعار کو غذائے روح جان کر پڑھتے ہیں۔ آج وقت کا تقاضا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے نظریات اور تعلیمات کو عام کریں۔ عوام تک پہنچائیں۔ زندگی کے مختلف

مراحل میں ان سے راہنمائی حاصل کریں۔آج وقت کی پکار ہے کہ علماء اہل سنت اٹھیں اور قوم کو وہ قیادت مہیا کریں۔جس کے لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی وقف کر دی تھی۔آج علماء اہل سنت کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھ کر عوام کو دینی قیادت مہیا کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔آج ضرورت ہے کہ علماء اہل سنت اعلیٰ حضرت کی عالمانہ اور مشکل کتابوں کو آسان کر کے عوام تک پہنچائیں۔ آج علماء اہلسنت کا فرض ہے کہ وہ تساہل اور تکاہل کے دلدل سے نکل کر قوم کو یقین کے راستے کی طرف لے چلیں۔آج علماء اہلسنت میں ایک ایسی منظم جماعت کی ضرورت ہے جو اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ اور دوسری کتابوں کو آسان اور عام فہم زبان دے کر نو جوانوں کو صحیح دین پر چلنے کے لیے مدد کرے۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستان

جلد نمبر ا.........ماہ اکتوبر ۱۹۹۱ء.........شمارہ نمبر ۶

ستمبر کا مہینہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کی تقاریب کا گہوارہ بنا رہا۔ ملک کے گوشے گوشے میں ''رضا کانفرنسیں'' ''یوم رضا'' ''یادرضا'' ''ذکر رضا'' اور ''سلام رضا'' کی نورانی محفلیں منعقد ہوتی رہیں۔ حضرت فاضل بریلوی کے عقیدت مندوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اس عاشق رسول کو ہدیۂ تحسین اور خراج عقیدت پیش کرنے کا بھرپور اہتمام کیا۔ اذکار رضا سے سینوں کے سینے ٹھنڈے ہو گئے۔ ان کی آنکھیں نور عقیدت سے جگمگا اٹھیں۔ انکے دل ذکر رضا میں جھوم اٹھے۔ ان کے دماغ انوار رضا سے روشن ہو گئے۔ ان کے چہروں کی تابانیاں، ان کی پیشانیوں کی جلوہ سامانیاں، ان کے لبوں کی نغمہ سنجیاں اوران کے ہونٹوں کی واشگافیاں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی بارگاہ میں خلوص ومحبت کے پھول نچھاور کرتی رہیں۔ یہ مناظر، یہ محافل، یہ مجالس اور یہ اجتماع دیدنی تھے اور ان میں تقریریں، خطابات، بیانات اوراذکار شنیدنی تھے۔ جہاں ہر شاہ وگدا، ہر ادنیٰ واعلیٰ، ہر عامی ونامی ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے دلنواز نغمات سے معمور دکھائی دیتا تھا۔

آؤ قدم بڑھا کے چلیں کوئے یار میں

یہ جذباتی مناظر، یہ ایمان افروز محفلیں، یہ نورانی مجلسیں، بڑی قدرومنزلت

اور شان وشوکت کی حامل ہیں۔ مگر ان کے ساتھ ساتھ امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات اور تصنیفات کو عوام الناس تک پہنچانا اس عقیدت ومحبت کی عملی صورت ہے جس کا ہم اظہار کرتے رہے ہیں۔ آج ہم لاکھوں سنی اور کروڑوں سنی مسلمانوں کے اعتقادی ورثہ کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں ۔ جو بداعتقادیوں کے طوفانوں کی زد میں ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی زندگی میں جن اعتقادی فتنوں کا زور تھا آج پاکستان کے عوام کو انہیں فتنوں کا سامنا ہے۔ مرکزی مجلس رضا مسلمانوں کی اعتقادی عمارت کو ان طوفانوں سے بچانے میں مصروف ہے ۔ اسے ایسے صحیح العقیدہ مخیّر حضرات کی ضرورت ہے جو آگے بڑھ کر اس کی مالی مشکلات میں ہاتھ بٹائیں اور اسے ایسے وسائل مہیا کریں جو اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو پاکستان کے گوشے گوشے تک پہنچانے میں کامیاب ہوسکیں۔ مجلس رضا جس بے سروسامانی کے عالم میں اس فریضہ کو سرانجام دے رہی ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں اب اسے مالی وسائل کے نہ ہونے کی وجہ سے ان مقاصد کی تکمیل کے لیے بے پناہ مشکلات کا سامنا ہے جس کے لیے ''مرکزی مجلس رضا'' کے اراکین دن رات کوشاں ہیں۔

بیا تا کار ایں ملت بسازیم!

مرکزی مجلس رضا کے سامنے ایک عظیم اشاعتی پروگرام ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کو از سرِ نو زیورِ طبع سے آراستہ کر کے عوام تک پہنچایا جائے ، اس کی یہ بھی تمنا ہے کہ یہ مطبوعات اتنی خوبصورت اور جاذبِ نظر ہوں کہ انسان دیکھتے ہی پڑھنے کے لیے بے اختیار ہاتھ بڑھائے ۔ اس کی یہ بھی خواہش ہے کہ ان مطبوعات کو آسان حواشی اور سلیس ترجمے سے مزین کر کے عوام کے مطالعے کے لیے پھیلایا جائے ۔ یہ مقاصد اسی صورت میں پورے ہو سکتے ہیں اگر

ہمارے مخیّر اور اہل ثروت سنی حضرات ایمانی جذبے سے سرشار ہوکر آگے بڑھیں اور مجلس کی مالی معاونت کریں۔

قفس اداس ہے یاروصبا سے کچھ تو کہو
کہیں سے بہرخدا آج ذکرِ یار چلے

اعلیٰ حضرت کی یادوں کی روشنیاں پاکستان کی جیلوں کے تاریک گوشوں تک بھی پہنچنا شروع ہوگئی ہیں۔ چنانچہ ہزاروں قیدیوں نے اپنے افسران مجاز کی وساطت سے ''مرکزی مجلس رضا'' کوایک عرض داشت پیش کی ہے کہ انہیں جیل کے اندر قرآن پاک کے تراجم پڑھنے اور جاننے کا موقع دیا جائے۔ انہوں نے نہایت دلسوزی سے لکھا ہے کہ ان کے سامنے دیوبندی، وہابی، جماعت اسلامی اور دوسرے عقائد کے لوگ قرآن پاک کے ناقص ترجمے پہنچا کران کے عقائد کومسخ کرنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں ایسے سنی قیدیوں نے اعلیٰ حضرت کے ترجمہ ''کنزالایمان'' حاصل کرنے کے لیے ''مرکزی مجلس رضا'' کی وساطت سے ملک کے سنیوں سے اپیل کی ہے کہ وہ جیلوں میں اپنے ہم مسلک قیدیوں کے لیے کنزالایمان کی جلدیں فی الفور پہنچائیں۔ مرکزی مجلس رضا قیدیوں کی اس اپیل پرلبیک کہتی ہے اوران کی اس علمی اور اعتقادی امداد کے لیے مخیّر حضرات پر زور دیتی ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ''کنزالایمان'' کی زیادہ سے زیادہ جلدیں خرید کرمجلس کوآگاہ کریں تاکہ ان مجبور مگر مضبوط عقیدہ رکھنے والے قیدیوں تک پہنچائی جاسکیں۔ یہ اتنابڑا کارخیر ہے جس کے ثواب کااندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

سوانح امام اعظم کی طباعت کی اپیل

بوحنیفہ بد امام باصفا
آں سراجِ امت خیر الوریٰ

''جہان رضا'' کے ستمبر کے شمارے میں ہم نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات پر حضرت قبلہ ابوالحسن زید صاحب فاروقی مجددی دہلوی مدظلہ العالی کی مشہور کتاب امام اعظم سوانح بے بہا کی پہلی قسط شائع کر کے اس کتاب کا تعارف کرایا تھا۔ الحمد للہ اس سلسلہ اشاعت کو ہمارے قارئین نے بے حد پسند کیا اور اسے جاری رکھ کر پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ ''جہان رضا'' کے ایک قاری نے ہمیں لکھا ہے کہ اگر یہ گراں قدر کتاب انہیں دے دی جائے تو وہ ایک ہزار جلدوں کا ایڈیشن چھپوا کر مفت تقسیم کرنے کو تیار ہیں۔ ماشاءاللہ یہ اقدام نہایت ہی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس ارادے کی تکمیل کی توفیق دے۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتاب کے فاضل مولف سے رجوع کر کے اجازت لے لیں تو یہ عظیم کارنامہ پاکستان کے مسلمانوں کی راہنمائی کا باعث بنے۔ اگر ''مرکزی مجلس رضا'' کے اراکین و معاونین ایک ایڈیشن کی طباعت کے اخراجات برداشت کر سکیں تو ''مرکزی مجلس رضا'' کی طرف سے بھی ایک پورا ایڈیشن چھپوا کر مفت تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

''مرکزی مجلس رضا'' کے سامنے اعلیٰ حضرت کے بہت سے نادر اور نایاب رسالے پڑے ہیں جو ایک عرصہ سے نہیں چھپ سکے۔ ایسے رسالوں کو ''مرکزی مجلس رضا'' طباعت کے لیے تیار کر رہی ہے علماء کرام اور دانشوران اہل سنت کا ایک بورڈ ان رسالوں میں مشکل عربی عبارات کے تراجم میں مصروف ہے پھر عنوانات اور پیرابندی کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ پیراستہ کر کے اپنے قارئین تک پہنچانے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اس کار خیر میں حصہ لینے والے حضرات اگر ایک ایک رسالے کی طباعت کے اخراجات اپنے ذمہ لے لیں تو ہمارا اشاعتی قافلہ تیزی کے ساتھ رواں دواں ہو سکتا ہے۔ ہمیں ایسے حضرات کی طرف سے مثبت جوابات کا انتظار رہے گا۔

اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی اشاعت میں مرکزی مجلس رضا کا کردار

جلد نمبر ا............ ماہ نومبر ۱۹۹۱............ شمارہ ۷

مرکزی مجلس رضا کا کاروان اشاعت اپنی شاہراہ پر رواں دواں ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ کئی سال کے تعطل کے بعد اس کی آواز پر اس کی معاونین اور قارئین نے لبیک کہا ہے۔ اس کا حلقہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے اور اس کے خاموش معاونین اس کے شریک کار ہوتے جا رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت سے عقیدت مندوں کے ہزاروں خطوط مسرت وانبساط کے جذبات لے کر ''مرکزی مجلس رضا'' کے دفتر میں پہنچتے ہیں تو اس کے کارکنوں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور انہیں اعتماد ہوتا ہے کہ پاکستان میں سنیوں کی ایک خاصی تعداد فاضل بریلوی کی کتابوں کے مطالعہ کے لیے بے تاب ہے یہی وہ روشنی ہے جس میں ''مرکزی مجلس رضا'' بھی اپنے اشاعتی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے شب و روز کوشاں ہے۔

''ماہنامہ جہان رضا'' نے مجلس کے کام کی رفتار سے اپنے قارئین کو آگاہ کرنے کے لیے ایک اہم کردار ادا کیا ہے ''جہان رضا'' مجلس کے اراکین و معاونین میں رابطہ کا ایک خوبصورت ذریعہ بنا ہے۔ پھر اس کے محدود صفحات میں بعض بلند پایہ

مضامین، اہل قلم کا تعارف، جہان رضویت کی خبریں، اہل علم وفضل حضرات کی تحقیقات ونگارشات سے آگاہی اور اہل قلم میں بیداری پیدا کرنے میں بڑا موثر کردار ادا کیا ہے۔ جہان رضا کی ان کوششوں کو ارباب فکر ونظر نے تحسین وآفرین سے نوازا ہے۔

''مرکزی مجلس رضا'' کے کارکن علماء کرام اور اہل قلم اس رجحان سے بے حد متاثر ہوئے ہیں اور انہوں نے مجلس کی اشاعتی کوششوں میں شرکت کا اعلان کیا ہے ہمارے پاس بہت سے علماء کرام کے ایسے خطوط موصول ہوئے ہیں کہ وہ اعلیٰ حضرت پر لکھے ہوئے مضامین، مقالات اور رشحات ''مرکزی مجلس'' کو بلا کسی معاوضے کے بھیجنے کے لیے تیار ہیں پھر اکثر سنی اہل قلم نے مختلف موضوعات پر لکھنے کیلئے اپنی عالمانہ اور محققانہ خدمات پیش کی ہیں۔ سب سے بڑھ کر ہمیں ان حضرات علم وفضل کا ممنون ہونے کا موقع ملا ہے جنہوں نے فاضل بریلوی کے علوم وفنون پر ڈاکٹریٹ کے مقالے لکھے اور اصرار کیا ہے کہ انہیں ''مرکزی مجلس رضا'' زیور طبع سے آراستہ کرے اس سلسلے میں ان کی یہ پیش کش اعزازی ہے اور بہ طیب خاطر اپنی تحقیقات کو شائع کرنے کے لیے اعلان کر رہے ہیں۔ اہل علم ودانش کی یہ توجہ ''مرکزی مجلس رضا'' کی خدمات پر ایک قسم کا پورا اعتماد اور ہدیۂ تحسین ہے جو انہوں نے اپنے جواہر پاروں کو ہمارے سامنے لا رکھا ہے۔ اہل قلم کی یہ بیداری پھر شبانہ روز کی کاوش اور سالہا سال کی تحقیقات کے ثمرات کو ''مرکزی مجلس رضا'' کی جھولی میں ڈال دینے کا اقدام ہے ہم اس بات پر جتنی تعریف وتحسین کریں وہ کم ہے ان شاء اللہ وہ وقت آئے گا کہ ان حضرات کی پیش کش کو سر آنکھوں پر رکھتے ہوئے ہم اشاعت کا سلسلہ شروع کریں گے۔

کنز الایمان ترجمہ قرآن قیدیوں کو پہنچایا گیا

''جہان رضا'' کے سابقہ شمارے میں جیل کے ہزاروں قیدیوں کی ایک اپیل شائع کی گئی تھی ان کی خواہش تھی کہ انہیں ''کنز الایمان'' کے نسخے پڑھنے کا موقع دیا

جائے اور انہیں جیل کے اندر ہی پہنچائے جائیں۔ الحمد للہ اس اپیل کا بہت اچھا اثر ہوا۔ مخیّر حضرات آگے بڑھے اور ''کنز الایمان'' کے نسخے جمع ہونے لگے۔ اس سلسلے میں ہم علامہ مقصود احمد صاحب خطیب جامع مسجد داتا گنج بخش لاہور کی کوششوں کے خصوصی طور پر ممنون ہیں کہ انہوں اپنے حلقہ اثر میں لوگوں تک یہ پیغام پہنچایا اور اب تک وہ ''کنز الایمان'' کے تین سو نسخے پہلی قسط کے طور پر ''مرکزی مجلس رضا'' کی معرفت قیدیوں تک پہنچانے کا اہتمام کر چکے ہیں۔ بایں ہمہ ہم قارئین ''جہان رضا'' سے پھر اپیل کرتے ہیں کہ وہ فرصت اول میں ''کنز الایمان فنڈ'' میں رقوم بھیجیں یا خود خرید کر مرکزی مجلس رضا کے دفتر میں پہنچائیں۔

(رابطہ کے لیے: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے
نگران مرکزی مجلس رضا نعمانیہ بلڈنگ لاہور)

''جہان رضا'' حضرت علامہ شاہ ابوالحسن زید مجددی فاروقی دہلوی مدظلہ العالی کی شہرۂ آفاق تصنیف ''سوانح بے بہا امام اعظم'' بالاقساط شائع کر رہا ہے اس سلسلہ کو بے حد پسند کیا گیا بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ اسے کتابی شکل میں شائع کر کے تقسیم کیا جائے ایسے علماء کرام نے صرف مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ مالی تعاون کا بھی اعلان کیا ہے ہم ان حضرات کی تجویز کو نہایت اہم تصور کرتے ہیں اور قارئین ''جہان رضا'' سے اپیل کرتے ہیں کہ اس مفید کتاب کی اشاعت کے لیے مالی شرکت کا اعلان کریں اور ''مرکزی مجلس رضا'' کو آگاہ کریں تا کہ کتاب کی اشاعت کے لیے عملی اقدام کیے جائیں (ایک ہزار جلدوں کی مکمل اشاعت کا تخمینہ پندرہ ہزار روپیہ ہے)

خیابان رضا کے گلہائے خوش رنگ

''ماہنامہ جہان رضا'' اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی

بارگاہ میں ہدیہ تحریر پیش کرنے والے قلمکاروں کا ایک تعارفی سلسلہ شروع کررہا ہے آپ کی تالیفات طبع کرانے والے، آپ کے احوال و مقامات پر کام کرنیوالے اور آپ کی شخصیت پر تحقیقی مقالے لکھنے والوں کا مختصر تعارف کرانے کا مقصد یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت سے محبت رکھنے والے اگر ان حضرات سے براہ راست رابطہ کرنا چاہیں تو انہیں آسانی ہو یہ سلسلہ مکمل ہوا تو غلامانِ اعلیٰ حضرت کی ایک ڈائریکٹری تیار ہو جائے گی۔ یہ تعارفی سلسلہ ''خیابان رضا کے گلہائے خوش رنگ'' کے عنوان سے شروع کیا گیا ہے۔ ہم ان حضرات کے دلی طور پر ممنون ہوں گے۔ جو اعلیٰ حضرت پر کام کر چکے ہوں یا کر رہے ہوں۔ تو ہمیں اطلاع دیں تا کہ وہ بھی ''خیابان رضا کے گلہائے خوش رنگ'' میں نمایاں نظر آئیں۔

جہان رضا کی خدمات

جلد نمبر ا.......... جنوری ۱۹۹۲ء.............. شمارہ نمبر ۹

''مرکزی مجلس رضا'' کو دوبارہ اشاعتی کام کا آغاز کیے آٹھ ماہ کا عرصہ ہو رہا ہے۔ اس مختصر سے عرصے کے دوران مجلس کو اس کے معاونین نے اپنے مالی تعاون سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنا دیا ہے مجلس کی مطبوعات کے قارئین کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ امام اہل سنت کے کئی رسالے چھپ کر تقسیم کیے جا چکے ہیں اور قارئین نے اس عظیم الشان اشاعتی ادارہ کی دوبارہ کارکردگی پر نہ صرف اطمینان کا اظہار کیا ہے بلکہ تحسین و مسرت کے جذبات سے نوازا ہے۔ ہم ان کرم فرمائیوں کا بے پناہ شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے ہمارے سفر پر ہمارا ساتھ دیا حوصلہ بڑھایا اور تیز رفتاری سے کام کرنے کا مشورہ دیا..........

مرکزی مجلس رضا'' کی علمی اور اشاعتی خدمات کو روشناس کرانے کے لیے مجلس کے لیے ''ماہنامہ ''جہان رضا'' نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہمارے لیے یہ ایک ایسے رابطے کا ذریعہ بنا جس سے ملک کے گوشے گوشے میں ''مرکزی مجلس رضا'' کے معاونین اور شائقین نے ہماری آواز کو سنا اور اپنی خواہش کے مطابق کتابیں طلب کیں۔ ''جہان رضا'' نے جہاں اپنے صفحات کے دامن میں امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال و مقامات پر بلند پایہ مضامین سمیٹ کر قارئین تک پہنچائے ہیں وہاں ان

حضرات کی آراء، تجاویز اور خبروں کو بھی لوگوں تک پہنچایا ہے۔ ''جہان رضا'' اپنی تنگ دامانی کے باوجود دور دور تک پہنچتا ہے۔ ملک بہ ملک سفر کرتا ہے۔ اور دنیا کے گوشے گوشے میں اپنے شائقین تک اپنی آواز پہنچاتا ہے۔ پاکستان سے باہر ہندوستان، انگلستان، ہالینڈ، ماریشس، جنوبی افریقہ، ہانگ کانگ، بنکاک، متحدہ عرب امارات اور سری لنکا میں بسنے والے کئی حضرات نے ''جہان رضا'' کو حاصل کرنے کے لیے خط لکھے ہیں۔ الحمدللہ ہمارے عملہ نے بھی بیرونی ڈاک کے اخراجات کی پرواکیے بغیر ہر خط کے جواب میں ''مرکزی مجلس رضا'' کی مطبوعات پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی۔ ''جہان رضا'' کے قارئین کی خواہش ہے کہ اس کے صفحات کی تعداد بڑھائی جائے اور اس کی اشاعت کو وسیع کیا جائے۔ ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ ''جہان رضا'' کو اب ایک قدم اور آگے بڑھانا چاہیے۔

کنز الایمان جیلوں میں قیدیوں تک پہنچایا گیا

''مرکزی مجلس رضا'' نے پچھلے دنوں قیدیوں کے لیے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن ''کنز الایمان'' ہدیہ دینے کی اپیل کی تھی۔ الحمدللہ اس اپیل پر اچھا اثر ہوا۔ حضرت داتا گنج بخش لاہور کی جامع مسجد کے خطیب علامہ محمد مقصود احمد صاحب قادری مدظلہ العالی نے اس سلسلے میں زبردست تعاون کیا اور حضرت ابوالحسن عثمان بن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار گوہر بار کے زائرین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آج تک آٹھ سو سے زائد جلدیں جیل کے افسران کے حوالے کی جاچکی ہیں جو قیدیوں میں تقسیم کر رہے ہیں ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ ''مرکزی مجلس رضا'' کی اس خدمت کو ہر شخص نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور پس دیوار زنداں قرآن کے مطالعے کے مشتاق زندانیوں نے اس بے مثال تحفے کو بڑی خوشی سے اپنایا ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ ''مرکزی

مجلس رضا'' کے معاونین اپنے اپنے حلقۂ اثر میں ''کنز الایمان'' کی مزید جلدوں کو جمع کر کے ہم تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں گے۔

مرکزی مجلس رضا کی اشاعتی سرگرمیاں

''جہان رضا'' کے صفحات پر حضرت پیر طریقت علامہ ابو الحسن زید فاروقی مجددی دہلوی مدظلہ العالی کی بلند پایہ تالیف ''سوانح بے بہا امام اعظم ابوحنیفہ'' کو قسط وار چھاپا جا رہا ہے اس کار خیر میں چند حضرات نے اپنے مالی معاون کے ساتھ یہ تجویز پیش کی ہے کہ اسے علیحدہ کتابی شکل میں چھپوا کر تقسیم کیا جائے۔ ''مرکزی مجلس رضا'' ایسا تو نہ کر سکی مگر اس تحریک کا ایک خوشگوار اثر یہ ہوا کہ لاہور کے دو اشاعتی ادارے اس کتاب کی طباعت کے لیے آگے بڑھے اور تجارتی فروخت کے ساتھ ساتھ مفت تقسیم کا اعلان بھی کر رہے ہیں۔ یہ بات ''مرکزی مجلس رضا'' کے لیے باعث صد افتخار ہے کہ اس کی تحریک پر اس کتاب کی اشاعت و تقسیم کے لیے مثبت قدم اٹھایا جا رہا ہے...... ''جہان رضا'' کے بعض قارئین کا یہ اقدام ہمارے لیے انتہائی قابل احترام ہے کہ وہ ہمارے دفتر میں ملک کے بعض علمائے کرام، دانش ور حضرات کے نام اور پتے بھیج کر حکم دیتے ہیں کہ انہیں ''جہان رضا'' اور مجلس کی دوسری مطبوعات بذریعہ ڈاک بھیجی جائیں۔ ہماری مالی مشکلات کو محسوس کرتے ہوئے بعض حضرات تو ایسا حکم دیتے وقت ڈاک کے ٹکٹ بھی اپنی طرف سے بھیج دیتے ہیں مگر اکثر حضرات اتنی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے کہ وہ اپنے حکم نامہ کے ساتھ زر تعاون نہ سہی، ڈاک ٹکٹ تو بھیج دیا کریں۔ اگرچہ یہ سلسلہ ترسیل ہمیں زیر بار کرتا ہے مگر ان کے خیر سگالی کے جذبے کا احترام کرتے ہوئے ہم مختلف ناموں پر کتابیں بھیج دیتے ہیں۔ ''مرکزی مجلس رضا'' کے حلقے کو وسیع کرنے کے لیے ان حضرات کا یہ اقدام ان کی محبت اور دلچسپی کی علامت ہے مگر ہم ان

حضرات کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ جنہیں وہ ایسے ''فرمائشی'' رسالے بھیجنے کا حکم دیں تو وہ براہ راست ''مرکزی مجلس رضا'' کے دفتر سے رابطہ کر کے اپنی خواہش کے مطابق کتابیں طلب کریں ''مرکزی مجلس رضا'' کے لیے یہ بات نہایت خوش آیند ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت پر بعض ارباب قلم وعلم نے مقالات لکھ کر ہمیں بھیجنے شروع کر دیے ہیں تا کہ انہیں زیور طباعت سے آراستہ کر کے لوگوں تک پہنچایا جا سکے۔ ان حضرات علم وفضل کا یہ اقدام نہایت ہی قابل ستائش ہے مگر ہم کوشش کرتے ہیں کہ ان کے گراں قدر مقالات ملک کے دوسرے سنی جرائد میں بھی چھپ جائیں۔ یہ سلسلہ قابل صد ستائش ہے اور ہمارے اہل قلم اور ارباب تحریر حضرات کا ایک مضبوط حلقہ قائم ہورہا ہے ہمیں ایسے حلقہ تحریر کی بے حد ضرورت تھی۔ اور اس کمی کو محسوس کر رہے تھے آج پھر ہم ملک کے ان دانشوروں کو دعوت تحریر دیتے ہیں جو اعلیٰ حضرت پر مقالات لکھ کر ہمیں ایک ایک نقل ارسال کریں تا کہ موقع آنے پر ان کی طباعت کا اہتمام کیا جا سکے۔

سیّد ریاست علی قادری کی المناک رحلت

جلد نمبر ۱.........فروری ۱۹۹۲ء.........شمارہ نمبر ۱۰

سال نو کی صبح طلوع ہوئے ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ تیر قضا نے ہمارے ایک ممتاز اور مستعد رفیق کو ہم سے جدا کر دیا۔ سید ریاست علی قادری (رحمۃ اللہ علیہ) ''ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی'' کے بانی اور صدر تھے، بھری محفلوں کو چھوڑ کر عالم بقا کو چلے گئے۔ انکی موت نے سنی حلقوں کو ویران کر دیا اور خیابانِ رضویت کا ایک مہکتا ہوا پھول شاخ زندگی سے ٹوٹ کر ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا۔

ع۔ اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

سید ریاست علی قادری کی رحلت پر ''مرکزی مجلس رضا'' کے علمی حلقوں نے بڑا دکھ محسوس کیا، اظہار غم کے لیے خط لکھے۔ ایصال ثواب کی محفلیں منعقد کیں پھر اس ناقابل تلافی نقصان پر بڑے ہی ملال کا اظہار کیا۔ تعزیت نامے لکھے۔ غمنامے لکھے۔ المنامے لکھے اور آنسوؤں کی جھڑیوں کے ساتھ رنج وغم کے سیلاب بہا دیے۔ موت کے سامنے یہ ساری کیفیتیں کتنی بے بس ہوتی ہیں۔ جانے والے لوگ چلے جاتے ہیں اور واپس نہیں آتے۔

ع۔ نہ بزورو نہ بہ زاری نہ بزری آید!

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی بارگاہ میں ''مرکزی مجلس رضا لاہور'' کی شبانہ

روز خدمات سے متاثر ہو کر سید ریاست علی قادری نے ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا'' کی بنیاد رکھی تھی اور اعلیٰ حضرت بریلوی کی شخصیت پر بلند پایہ تحقیقی مقالات شائع کر کے ملک میں تقسیم کرنا شروع کیے تھے۔ ''مرکزی مجلس رضا'' کا حلقہ علماء و مشائخ، سنی غرباء اور اعلیٰ حضرت کے بے پناہ عقیدت مندوں کا حلقہ تھا مگر ''ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا'' نے ''مرکزی مجلس رضا'' کی آواز کو اقتدار اور شاہی ایوانوں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ وہ اپنی کوشش میں بے حد کامیاب رہے۔ انہوں نے سربراہان مملکت کو فاضل بریلوی پر پیغامات بھیجنے پر آمادہ کیا۔ انہوں نے پاکستان کی عدلیہ کے صدر نشینوں کو مقالات لکھنے پر تیار کیا، انہوں نے پاکستان کے بڑے بڑے اداروں کے کرسی نشینوں کو اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں لا کھڑا کیا پھر ان پیغامات، مقالات اور خطابات کو بڑے شاندار انداز میں چھپوا کر اہل علم و دانش کے ہاں تقسیم کیا ان کی خدمات کا جس انداز میں اعتراف کیا جائے کم ہے۔ انہوں نے ''مرکزی مجلس رضا'' کی خدمات کو نہ صرف سراہا بلکہ ہمیشہ ہدیۂ تحسین و تبریک پیش کیا اور اس کی پھیلائی ہوئی روشنی میں اپنا راستہ بنایا۔ آج ہم اس ناقابل تلافی نقصان پر جس قدر اظہار ملال کریں کم ہے۔ جس قدر اظہار رنج کریں تھوڑا ہے، جس قدر تعزیت کریں، بے حقیقت ہے جس قدر آہ و زاری کریں حق ادا نہیں ہوگا۔

بیا خستہ دلاں باہم بنالیم
بہ ہجران ''گلِ رعنا'' بنالیم

مذہبی خون خوار جماعتیں پاکستان میں

پاکستان میں سابقہ چند برسوں میں جہاں سیاسی زندگی میں ''مار دھاڑ'' کی حکمرانی کا آغاز ہوا وہاں ملک کی کچھ مذہبی جماعتیں بھی اسی انداز زندگی کو اپنانے لگی

ہیں۔وہ اپنے اپنے حلقوں میں قتل وغارت کی تنظیمیں بنانے میں مصروف ہیں۔ایم کیو ایم''لسانی خون لے کر سامنے آیا۔''سندھو دیش'' کے خون خوار جیالے بھی اسی انداز میں تیغ وسناں لیکر آگے بڑھے ہیں۔''فقہ جعفریہ''میں ''حسن بن صباح'' کے جانشین خنجر لیکر نکلے ہیں تو''سپاہ صحابہ'' کے شکرے بھی انسانی جانوں پر جھپٹنے لگے ہیں۔اس رجحان نے مذہبی جماعتوں کا دینی اور روحانی تشخص پامال کر کے رکھ دیا ہے۔'' وہابیوں'' کے ایک زبان دراز طبقہ نے اپنے مخالفین کو جس زبان سے للکارا اسے اسی زبان میں جواب ملا اوران کی کئی قیمتی جانیں خاک وخون کی نذر ہو گئیں۔اس انداز فکر نے پاکستان کے کئی علماء، خطباء، مجتہدین اور راہنماؤں کی قیمتی جانیں خون خوار نوجوانوں کا نذرانہ بنا دیں۔اب ان جانوں کو''شہید'' کہیں یا''قتیل'' کہیں مگر مذہبی راہوں میں خون ریزی کسی طرح بھی قابل ستائش نہیں ہے۔حال ہی میں حکومت کے چند''وظیفہ خوار''اور''مدح سرا''مولویوں کو اکٹھا کر کے''اتحاد بین المسلمین'' کی بنیاد رکھی گئی ہے مگر دلوں کی نفرتیں اور گردنوں کے تناؤ میں کمی نہیں آئی۔ہمارے سنی طبقوں میں الحمدللہ آج تک ایسا کوئی حلقہ نہیں بنا جو دہشت گردی کو اپنا شعار بنا کر مخالفین کے خون سے اپنی پیاس بجھانے کے درپے ہو۔دینی کام کرنے والوں کے صبر وتحمل کا رویہ قابل ستائش ہے اور ہم اس استقامت کی دولت پر جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔اگرچہ ہمارے بعض گرم خون نوجوان سنیوں نے اس صبر وتحمل کو''بزدلی'' کا نام دیا ہے تاہم ہمارے مذہبی اور دینی طبقوں کی یہ''بزدلی''ہی ان کی شناخت ہے اور یہی راہ دیرپا ہے۔''اہل سنت وجماعت''دہشت گردی کی راہوں سے ہٹ کر کام کر رہی ہے تاہم وہ اس دور کے ایک بدترین سانحہ سے دوچار ہے۔یہ حضرات باہمی انتشار وافتراق کا شکار ضرور ہیں مگر خونخوار نہیں ہیں۔''اہل سنت وجماعت'' کے دو دھڑے ہیں۔جمعیت علماء پاکستان کے دو گروپ ہیں۔''سنی طلبہ'' کے دو لشکر ہیں۔''جمعیت مشائخ'' کے دو

حلقے ہیں حتیٰ کہ ''نعت خوانوں'' کے دو حصے ہیں۔ ''قاریوں'' کے دو طبقے ہیں۔ ''وعظ فروشوں'' کے دو قافلے ہیں۔ ''زکوٰۃ خوروں'' کے دو گروہ ہیں۔ حکومت کے ''مدح سراؤں'' کے دو گروپ ہیں۔ ملک کی اتنی بڑی اکثریت دوئی کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ سانحہ اتنا افسوس ناک ہے کہ اس پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ پاکستان کی اتنی طاقتور اکثریت اتنی قربانی دینے والی قوم، عشق رسول پر جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والی ملّت، پارہ پارہ ہو کر رہ گئی ہے اور ''یارسول اللہ'' کے نعرے بلند کرتے ہوئے کئی ٹکڑوں میں بٹ گئی۔

ع۔ آندھیاں غم کی یوں چلیں باغ اجڑ کے رہ گیا!

یہ بکھرے ہوئے قافلے، یہ بٹے ہوئے کارواں، یہ بھولے بھالے مسافر، یہ درماندہ راہ راہی۔ یہ راستے میں بھولی ہوئی علمی شخصیتیں، ایک ہی دین کی ترجمان ہیں اور ایک ہی نظریہ کی پاسبان ہیں۔ ہر ایک کی زبان پر ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی دلنواز صدا ہے تو کیا یہ سب حضرات اس ''امام احمد رضا خان قدس سرہ'' کے ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہو سکتے جس پلیٹ فارم سے عشق رسول کے ترانے بلند ہوتے ہیں۔

''مرکزی مجلس رضا'' راہوں پر بھٹکے ہوئے ان قافلوں کو دعوت اتحاد دیتی ہے اور استدعا کرتی ہے کہ یہ سارے بزرگ وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے ''جان واحد'' بن کر آگے بڑھیں اور دنیا کے مختلف حصوں میں کھلتے ہوئے دروازوں تک پہنچیں اور انہیں دینی اور روحانی قیادت بہم پہنچائیں۔

قانون دان طبقہ میں سنی علمائے کرام پر ایک تاثر

جلد نمبر ا.......... مارچ ۱۹۹۲............شمارہ نمبر ۱۱

پچھلے دنوں ہمیں قانون دانوں کے ایک ایسے پینل کے سامنے "مرکزی مجلس رضا" کی اشاعتی خدمات پر گفتگو کرنے کا موقع ملا جو ملک میں اعتقادی اور نظریاتی قدروں کو مضبوط دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ یہ حضرات ملک کی بڑی بڑی عدالتوں میں مختلف مقدمات میں لوگوں کی قانونی رہنمائی کرتے ہیں مگر اعتقادی طور پر ایسے راسخ العقیدہ سنی ہیں جو امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نظریات کو موجودہ دور میں اہل سنت کی اساس قرار دیتے ہیں۔ ان حضرات نے پاکستان میں عوام کی بگڑتی ہوئی اعتقادی حالت پر بڑے دکھ سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت کے اکثر علمائے اہل سنت عوام کو اعتقادی قیادت دینے کے فرائض سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ یہ علماء خود اپنے عقیدہ پر سختی سے عمل نہیں کرتے اور معمولی سی ترغیب وتحریص پر بدعقیدہ علماء کے مجالس میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس طرح "رواداری" کے زعم میں ان کی تقریریں سنتے ہیں بعض اوقات ان کی ہاں میں ہاں میں ملاتے ہیں اور اگر نماز کا وقت آجائے تو ان بدعقیدہ مولویوں کے پیچھے نمازیں خراب کرنے سے بھی نہیں شرماتے۔ حالانکہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی زندگی اور ان کی تحریریں ایسے "مذبذب" حضرات کو اہل سنت کی مجلس میں کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔ سنی علماء کرام کا یہ

رویہ پاکستانی عوام کے اعتماد کو کمزور کر رہا ہے اور وہ اپنی سادہ لوحی میں کبھی ''تبلیغی جماعت'' کے ''بستر بندوں'' کے ساتھ ہو لیتے ہیں اور کبھی ''یا علی'' ''یا علی ! یا علی !'' ''حق !علی'' کا ورد کرتے ہوئے رافضیوں کی مجالس میں جا پہنچتے ہیں۔اور افضیلت'' مولا علی'' کے ذکر میں تمام صحابہ کرام کو نظر انداز کرتے جانے والوں کے حصہ دار بن جاتے ہیں۔کبھی دیوبندیوں کی مساجد میں صف در صف کھڑے ہوتے ہیں اور ''اتحاد بین المسلمین'' کی پلیٹیں صاف کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اگر چہ ہمیں ان دردمند قانون دانوں کے خدشات سے سوفی صد اتفاق تو نہیں مگر جب ہم اپنی اعتقادی دیواروں کو آئے دن گرتے دیکھتے ہیں تو ہمیں ان سے قدرے اتفاق کرنا پڑتا ہے اور جس صورت حال کو وہ محسوس کر رہے ہیں ہم ان کو یکسر مسترد بھی نہیں کر سکتے۔

ماہ فروری کے شمارے میں ہم نے سنیوں کے مختلف طبقوں میں اختلاف و انتشار کی حکمرانی کی طرف اشارہ کیا تھا اس پر ''جہان رضا'' کے کئی حساس قارئین نے اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے۔یہی تشویش ان قانون دانوں کی مجلس میں سامنے آئی ہے۔یہ کام صرف ''مرکزی مجلس رضا'' کا نہیں بلکہ سارے سنی علماء کرام کا ہے۔سنی علماء کرام کم از کم اپنے ایک اعتقادی نقطہ پر اتفاق کر لیں اور سر جوڑ کر عوام کی بگڑتی ہوئی اعتقادی صورت حال پر غور کریں اور اس کے علاج کے لیے لائحۂ عمل تیار کریں اور اس پر سختی سے عمل کرنے کا پروگرام مرتب کر لیں تو بڑا ہی کام ہو سکتا ہے۔خدا کا شکر ہے ابھی ہمارے علماء کرام میں ایسے ارباب علم و یقین موجود ہیں جو عوام کی راہنمائی کے سلسلے میں بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ابھی ایسے علماء موجود ہیں جنہیں ابھی تک مفاد پرستی اور لالچ کی چڑیل نے اپنا دودھ نہیں پلایا۔ابھی ایسے درویش صفت علماء موجود ہیں جو ''نان جوین'' کھا کر ''قوت حیدری'' سے اعتقادی عمارت کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

ایسے ارباب بصیرت ابھی موجود ہیں جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نظریات کی روشنی میں دلوں میں عشق رسول کی شمعیں روشن کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگر ایسے علماء کرام آگے بڑھیں تو ''مرکزی مجلس رضا'' ان کی نہ صرف قدر کرے گی بلکہ ان کے پرچم کے نیچے کھڑے ہو کر ان کے اشاعتی پروگرام کو عملی جامہ پہنائے گی۔

کیمونزم کے بت منہ کے بل گر گئے

روس میں کیمونزم کے ستر سالہ پرانے قلعہ کی دیواریں ٹوٹ گئیں۔ بے دینوں کے نظریاتی ''سپر محلات'' ویران ہو گئے۔ ماسکو اور کریملن کے بت کدہوں میں خاک اڑنے لگی۔ آج مسلمانوں کی ایک عظیم آبادی مختلف آزاد ریاستوں کی شکل میں ہمارے سامنے آئی ہے۔ یہ انقلاب کسی مسلمان فاتح کی لشکر کشی کا نتیجہ نہیں۔ کسی مبلغ کی تبلیغ سے نہیں آیا کسی مسلمان جماعت کی تحریکی کوششوں سے نہیں آیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے اپنے خصوصی فیصلے سے دنیا کی کایا پلٹ گئی ہے۔ 'بیدہ الملک وھو علی کل شئی قدیر'' کی تفسیر بن گئی۔ یہ معجزہ نہیں تو قدرت کا اعجاز ضرور ہے۔ جو اس صدی کے آغاز میں زمانے کی آنکھوں نے دیکھا۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ قومیں کس طرح تباہ ہوتی ہیں اور کس طرح آزاد ہوتی ہیں۔ غلامی کے قبالوں کو قوت کی دیمک کس طرح چاٹ کر بے اثر کر دیتی ہے۔ الحمدللہ آج قازقستان، تاجکستان، اوزبکستان اور آذربائیجان کے مسلمانوں کے چہرے دنیائے اسلام کی روشنیوں میں جگمگانے لگے ہیں۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں اسلامی تہذیب کے مراکز تھے۔ جہاں سے روحانی خانقاہوں کی روشنیاں ساری دنیا میں پھیلیں۔ ان ریاستوں میں ہمارا ''بلخ'' ہے، ہمارا ''بخارا'' ہے، ہمارا ''سمرقند'' ہے، ہمارا ''بدخشاں'' ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون کتنا زبردست قانون ہے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کتنا پختہ فیصلہ ہے۔ ان مسلمان ریاستوں کی

اقتصادی امداد کے مسائل اپنی جگہ مگر نظریاتی اور اعتقادی فتح کی روشنیاں مشرق و مغرب کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہیں ۔ ان لوگوں کی اعتقادی رہنمائی کے لیے عالم اسلام کا بچہ بچہ خوش آمدید کہتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہے۔ ایران کے شیعہ رہنما'' آذر بائیجان'' کے علاقوں میں اپنا لٹریچر پھیلا رہے ہیں ۔ سعودیہ کے وہابی قرآن پاک کے لاکھوں نسخے چھپوا کر ان ریاستوں میں تقسیم کر رہے ہیں ۔ سعودی جہاز ان ریاستوں کے حاجیوں کو مکہ مکرمہ میں لانے کے لیے قطار در قطار کھڑے ہیں ۔ ادھر'' تبلیغی جماعت'' والے نئے بستر بند سلوا رہے ہیں تا کہ'' اپنی جماعتیں'' وہاں بھیج سکیں ۔

ایک نظریاتی تجزیہ نگار نے لکھا ہے کہ شیعہ لٹریچر'' آذر بائیجان'' سے آگے نہیں جا سکے گا ۔ کیونکہ روسی ریاستوں کے مسلمان سنی العقیدہ ہیں ۔ وہاں ایسے نظریات کو مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا ۔'' وہابی عقائد'' بھی آگے نہیں بڑھ سکیں گے کیونکہ روسی ریاستیں امام ابو حنیفہ اور حضرت خواجہ نقشبند کی فقہ اور روحانیت سے آشنا ہیں ۔ دیوبندی عقیدے بھی مقبولیت نہیں پا سکیں گے کیونکہ وہ بھی'' وہابیت کی بد بو'' لے کر پہنچ رہے ہیں ۔ صرف ترکی ایک ایسا مسلمان اور سنی العقیدہ ملک ہے جو پورے ترکستان میں اپنے نظریات کے ساتھ آگے بڑھے گا اور اس کی پذیرائی بھی ہو گی ۔ دوسری طرف پاکستان ایک واحد ملک ہے جہاں سے سنی اور حنفی لٹریچر ان ریاستوں کے لوگوں کو متاثر کرے گا ۔ اور'' آملیں گے سینہ چاکان وطن سے سینہ چاک''!

آج علماء اہل سنت کے لیے بہترین موقع ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی سرزمین کا رخ کریں اور وہاں کے لوگوں کو روحانی تعلیمات بہم پہنچانے کے لیے مثبت اور مربوط پروگرام بنائیں ۔ سنی علماء کرام کے ساتھ ساتھ اقتدار پر براجمان'' سنی سیاسی رہنماؤں'' اور ملک کے'' سنی امراء'' کا بھی فرض ہے کہ وہ اس پروگرام کو لے کر آگے بڑھیں اور کیمونزم کے مارے ہوئے یہ لوگ اگر رافضیوں ، وہابیوں ، دیو بندیوں اور تبلیغیوں

کی زد میں آ گئے تو ''آسمان سے'' سے گرا کہ ''کھجور'' میں اٹک جائیں گے۔ پاکستان کے مشائخ خاص طور پر سلسلہ ''نقشبندیہ مجدّدیہ'' کے بزرگ اس سلسلے میں بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی زمین ہے، یہ ان کے اپنے لوگ ہیں، یہ ان کے مخدوم زادے ہیں، یہ ان کے پیرزادے ہیں، یہ سنی ہیں، یہ حنفی ہیں، یہ نقشبندی ہیں اور یہ مجددی ہیں۔

مدینہ پاک میں ''مرکزی مجلس رضا'' کے تذکرے

جلد نمبر ا.......... ماہ اپریل، مئی جون جولائی ۱۹۹۲..... شمارہ نمبر ۱۲

''جہان رضا'' کے مشتاق قارئین اور ''مرکزی مجلس رضا'' کی ڈاک کے بیتاب منتظرین نے تین ماہ کی ''خاموشی'' پر بڑے خط لکھے۔ ان خطوط میں شکوہ نامے۔ گلہ نامے، شکایت نامے، احتجاج نامے، تلخ نامے، انتظار نامے، یاد نامے، فریاد نامے، حتی کہ نوازش نامے، اکرام نامے، محبت نامے بھی اور نفاست نامے موجود ہیں۔ ہم نے سب کو پڑھا ایک ایک کا جواب دیا اور اب ''جہان رضا'' کے کالم کی وساطت سے ان قارئین ''جہان رضا'' سے معذرت کرتے ہیں جنھوں نے اتنی لمبی انتظار کی گھڑیاں گنتے گنتے وقت گزارا۔ ہم معذرت کرتے ہیں اپنی غیر حاضری پر، اپنی غفلت پر، اپنی خاموشی پر، اپنی کوتاہی پر! اور اپنی بے اعتنائی پر'' **والعذر عند کرام الناس مقبول** ''

قارئین ''جہان رضا'' کی یہ ساری نوازشیں ان کی محبت اور خلوص کی علامتیں ہیں وہ ''مرکزی مجلس رضا'' کی اشاعتی رفتار کو رکتا نہیں دیکھ سکتے۔ وہ ''مرکزی مجلس رضا'' کی مطبوعات کے لیے چشم براہ رہتے ہیں۔ وہ ''مرکزی مجلس رضا'' کی ڈاک اور ڈاکیے کو ''ایشیائی معشوق کے نامہ بر'' کا مقام دے کر آنکھیں فرش راہ کرتے ہیں۔

آمد سنی کسی کی تو واللہ رے اشتیاق
آنکھیں بچھائیں ہم نے جہاں تک نظر گئی

قارئین کے ذوق و انتظار کا ہم جن الفاظ میں بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔ ان شاء اللہ ہم اپنی اشاعتی رفتار کو ان کے اعتماد کے مطابق تیز کریں گے اور کوشش کریں گے کہ انہیں مستقبل میں زحمت انتظار سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

مدینہ پاک کی حاضری کے دوران ''مدیر جہان رضا'' کو مختلف ممالک کے علماء کرام اور سنی اہل ذوق سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے ''مرکزی مجلس رضا لاہور'' کی اشاعتی خدمات سے پہلے ہی متعارف تھے انہوں نے مجلس کے کام کو سراہا، مجلس کے عملہ کی محنت کی، تعریف کی پھر اللہ کے محبوب کے گھر میں بیٹھے مجلس کی کامیابی اور ترقی کے لیے بڑی دعائیں کیں۔ بڑی حوصلہ افزائی فرمائی اور اپنے اپنے ملک میں ''مرکزی مجلس رضا'' کے لٹریچر کو پہنچانے کی ضرورت پر زور دیا۔ بعض احباب نے ایڈیٹر جہان رضا کو مغربی ممالک میں دورہ کرنے کی دعوت دی۔ بعض نے ہوائی جہاز کے ٹکٹ اور دوسرے اخراجات پیش کرنے کا ثواب حاصل کیا۔ بعض نے دوسرے ممالک کے لیے ''مرکزی مجلس رضا'' کی مطبوعات خصوصی انداز میں طبع کرا کر بھیجنے کی ضرورت پر زور دیا۔ دو بزرگ ایسے تھے جو بانی ''مرکزی مجلس رضا'' حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کو اپنی کانفرنسوں میں صدارت کے لیے بلانے کے خواہشمند ہیں۔ الحمد للہ آج اعلیٰ حضرت کے نظریات اور تعلیمات کی صدائے بازگشت سے دنیا کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے۔ مشرق اور مغرب کی فضائیں اس پیغام سے آشنا ہو چکی ہیں جو عشق مصطفیٰ کو لے کر اٹھا تھا۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستان

ہم ایسے حضرات سے رابطہ کر کے انہیں اپنی ٹیم کے اراکین بنا رہے ہیں اور جہاں جہاں ''تعلیماتِ رضا'' کے مراکز قائم ہوں گے ''مرکزی مجلس رضا'' کی خدمات پہنچیں گی۔

مدیر ''جہان رضا'' کی ملک سے عدم موجودگی میں بعض سنی اہلِ ذوق حضرات نے ''مرکزی مجلس رضا'' سے مالی تعاون فرمایا اور مجلس کے اکاؤنٹس میں ڈرافٹ بھیجے ہیں۔ یہ معاونین علمائے دین تو ہیں مگر ''امیر علمائے دین'' نہیں۔ یہ علماء عشاق اعلیٰ حضرت ہیں۔ نہ سرکاری زکوٰۃ لیتے ہیں نہ صدقات، نہ شاہی انعامات کے طلب گار ہیں اور نہ ''سرکاری استقبالیوں'' کی اگلی کرسیوں کے کرسی نشین ہیں۔ وہ اپنی غربت اور بے سروسامانی کے باوجود ''مرکزی مجلس رضا'' کی شمع کو روشن دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے خون جگر سے روغن مہیا کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض علماء تو ایسے ہیں جنہوں نے سختی سے اپنا نام شائع کرنے سے بھی روک دیا ہے۔ سنی علماء کرام کا یہ اقدام دولت مند سنیوں کے لیے ایک مثالی اقدام ہے۔ اہل ثروت علماء کرام تو ابھی زکوٰۃ خیرات اور صدقات کے جمع کرنے کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ اعلیٰ حضرت بریلوی کے فلسفہ زندگی ''میرا دین پارۂ ناں نہیں'' کو کب اپنا سکتے ہیں۔ ابھی ان علماء کرام نے اعلیٰ حضرت کے نام پر روٹیاں توڑنی ہیں اور کاریں خریدنی ہیں۔ ہاں غریب سنی اپنے اپنے حلقے میں ''مرکزی مجلس رضا'' کی کتابوں کی اشاعت بڑھانے میں دن رات مصروف ہیں اور ہمارے دل ان کے احترام اور جذبہ سے معمور ہیں۔ ''مرکزی مجلس رضا'' انہی کے جذبہ ایثار سے آگے بڑھ رہی ہے۔

نہ شاہوں سے توقع رکھ نہ دنیا کے امیروں سے
عظیم الشان ہے یہ کام نکلے گا فقیروں سے

''جہان رضا'' کی رفتار پر ایک تجزیہ

جلد اول .... ماہ اگست ۱۹۹۲ء .... شمارہ نمبر ۱۳

الحمد للہ'' جہان رضا'' اپنی بارہ منزلیں طے کر چکا ہے اور بڑی کامیابی سے اپنے قارئین کو علمی اور نظریاتی خدمات بہم پہنچاتا رہا ہے۔ ابتدائے کار میں کئی ایک تجربہ کار احباب صحافت نے اس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ موجودہ زمانے میں طباعتی اخراجات کی زیادتی اور گرانی کی وجہ سے ماہ نامہ کا مسلسل جاری رہنا مشکل ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج '' جہان رضا'' اپنی دشواریوں اور راستوں کی ناہمواریوں کی پروانہ کرتے ہوئے اپنے سفر پر رواں دواں ہے۔ ان بارہ منزلوں کے دوران اس نے اپنے دامن میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی قدس سرہ پر اہل علم سے بلند پایہ علمی مضامین کے جواہر پارے سمیٹ کر اپنے قارئین کے ذوق کی تسکین کی ہے۔ وہ اپنے ملک اور بیرونی ممالک کے مقتدر اربابِ علم وفضل کے خیالات کو اپنے حلقہ مطالعہ میں اتنی کامیابی سے پھیلانے میں کامیاب ہوا کہ آج اس کا ہر قاری اس کی آمد کا انتظار کرتا ہے۔ دیر ہو جانے کی صورت میں دفتر کو یاد دہانی کراتا ہے، پھر جب یہ خوبصورت جریدہ اس کے ہاتھوں میں پہنچتا ہے تو اس کو پڑھ کر خوشی سے جھوم اٹھتا ہے'' جہان رضا'' کے بعض مشتاقانِ مطالعہ تو اس کی مسلسل فائل تیار کر کے محفوظ کر لیتے ہیں تا کہ اس کا کوئی شمارہ نظر سے اوجھل نہ رہے۔ ہم '' جہان رضا'' کی اس

کامیابی کو ان اہل قلم حضرات کی کرم نوازیوں کا ثمرہ کہیں یا ''جہان رضا'' کے قارئین کے ذوق وشوق کا صلہ، حقیقت یہ ہے کہ دونوں وجوہات اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی دلیل ہیں اور فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی تصرف کی علامت ہیں کہ اپنی بے سروسامانی کے باوجود ''جہان رضا'' اپنے مقاصد میں کامیاب رہا۔

''جہان رضا'' کے علمی اور قلمی معاونین نے اسے بہتر سے بہترین بنانے کے لیے بڑا تعاون کیا ہے، ہمارے پاس بلند پایہ مضامین کے دفتر موجود ہیں جنہیں ہم اپنی تنگ دامانی کی وجہ سے زیور طبع سے آراستہ نہیں کر سکے۔ ہمارے پاس ان مقالات کا خاصہ ذخیرہ پہنچ چکا ہے جسے چھاپنے کو جی چاہتا ہے مگر وسائل اجازت نہیں دیتے۔ ہندوستان کے ایک سنی عالم دین نے ''جہان رضا کا ایک ایڈیشن'' اشعار میں مرتب کرنے کے لیے اجازت مانگی ہے کہ ایک ''شعری نمبر'' شائع کرنے کا اہتمام کریں تو وہ مسودہ بھیج دیں۔ سندھ کے ایک ''رضوی عالم دین'' عربی زبان میں ایک ''پورا نمبر'' مرتب کر کے بھیجنا چاہتے ہیں تاکہ اسے صرف اہلِ علم وفضل کی نذر کیا جائے۔ ایک نوجوان عالم دین نے عدلیہ کے بلند پایہ کرسی نشینوں کے مضامین پر مشتمل ایک ''اعلیٰ حضرت نمبر'' تیار کیا ہے ان کی خواہش ہے کہ پاکستان کے جج حضرات کے ان گرانقدر مقالات کو یکجا کر کے زیور طبع سے آراستہ کیا جائے۔ کئی اہل قلم حضرات نے اعلیٰ حضرت کے کہے ہوئے سلام..... مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام پر مفصل تضمینیں لکھی ہیں۔ بعض اہل قلم نے تشریحات قلم بند کی ہیں بعض نے سلام رضا کا پنجابی میں ترجمہ کیا ہے اور بعض نے عربی زبان میں سلام کو پیش کرنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ ساری نوازشیں یہ ساری کرم نوازیاں یہ ساری کاوشیں، اور یہ ساری عنایتیں ''جہان رضا'' کی کامیاب خدمات کا اعتراف ہیں۔

ع۔ یہ عظمتیں ہیں مقدر کسی کسی کے لیے

''جہان رضا'' کے کالموں میں ''دنیائے رضویت'' کا مختصر ''خبر نامہ'' ایک منفرد انداز رکھتا ہے اس سے نہ صرف ''اعلیٰ حضرت'' کی ذات والا صفات کے متعلق علمی معلومات بہم پہنچ رہی ہیں بلکہ اہل علم کا ایک حلقہ متعارف ہونے لگا ہے۔ ہمارے ایک قاری نے ''جہان رضا'' صرف اسی ذوق کی آبیاری کے لیے مسلسل منگوانے کے لیے چندہ بھیجا ہے کہ ان صفحات میں ''گلستان رضویت'' کی خوشبوئیں دل و دماغ کو تروتازہ کرتی رہتی ہیں۔ چند ایک اہل ذوق حضرات نے ''خیابان رضا کے گلہائے خوش رنگ'' کو بیحد پسند کیا ہے ان کی خواہش ہے کہ ان خطوط پر اہلِ قلم کی ایک مکمل ڈائریکٹری تیار کی جائے۔

علماء و مشائخ وزیر اعلیٰ کے دربار میں

پچھلے دنوں حکومت پنجاب کے وزیر اعلیٰ کو خدا جانے کیا سوجھی کہ اس نے ''جماعت اسلامی'' کا ستارہ ٹوٹ جانے کے بعد پنجاب کے ''مشائخ عظام'' اور ''صلح کل علماء کرام'' کو جمع کیا اور لاہور کے ''الحمرا ہال'' میں لا کر ان کی ''نمائش'' کا اہتمام کر دیا۔ یہ وہ مشائخ کرام تھے جن میں گدی نشین، سجادہ نشین، صاحبزادے، پیرزادے اور شیخ زادے صف بہ صف جلوہ فرما تھے۔ سب کچھ تھے مگر ''گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے'' کا جانشین ایک بھی نظر نہ آیا۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ ''درویش وزیر'' کہلاتے ہیں اس ''درویش بے ریش و بے گلیم'' وزیر نے ان مشائخ کو خوش کرنے کی حد کر دی۔ تعریف کی، ان کا ماضی یاد دلایا، ان کی تشکیل پاکستان میں خدمات کا اعتراف کیا۔ ان کی مسلم لیگ کے ساتھ وابستگی کی یادوں کو تازہ کیا پھر ان کے درباروں تک ''پکی سڑکیں'' بنانے کا اعلان کر کے ہر ایک کو خوش کر دیا۔ مشائخ حضرات بھی خوش ہو گئے کہ ایک طرف تو وزیروں کے وڈیروں کی طرح ان کی

خانقاہوں تک پکی سڑکیں بن جائیں گی پھرانہوں نے سوچا اس گئے گزرے زمانے میں کوئی ''مغل اعظم'' کا جانشین تو ہے جو ''شیخ ابوالفضل'' اور ''شیخ فیضی'' جیسے مشائخ کرام کو دربار میں بلاکر عزت افزائی کررہا ہے مشائخ بڑے خوش خوش لوٹے اور شاد شاد گئے اور زبان پر دعائیں دیتے گئے۔

ع۔ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

علماء کرام ''۳ اگست کو جمع ہوئے اگرچہ ''اللہ والوں'' کی اس ''نمائش'' میں سنی ،دیوبندی ،شیعہ اور وہابی ایک ہی صف میں ''محمود وایاز'' بن کر جلوہ فرما تھے۔مگر ان کے تیور بتارہے تھے کہ وہ اتنے بھی بھولے نہیں کہ وزیراعلی پنجاب اپنی ''زبان دانی'' سے انہیں رام کرسکیں۔ان میں بعض زباں دراز علما ''تلخ وشیریں'' زبان کا استعمال کرتے رہے۔کچھ بدمزگی پیدا کرنے میں ''کڑوے بادام'' ثابت ہوئے۔اس کے باوجود خفیہ محکمہ کا ایک چالاک افسر کہہ رہا تھا کہ مسلم لیگی قیادت کو ''ہارس ٹریڈنگ'' کا اتنا وسیع تجربہ ہے کہ اس نے ان علماء کرام کے لیے سونے ، چاندی اور زکوٰۃ کی ملمع سازی کی ''لگامیں'' تیار کررکھی ہیں جو ان کو عنقریب چڑھادی جائیں گی اور ان شاءاللہ یہ علما دولتیاں جھاڑنے کی بجائے ''خوش رفتاری'' کا مظاہرہ کریں گے۔

پرانے بزرگ کہا کرتے تھے کہ '' آتشی جنوں'' کو قید کرنے کے لیے بڑے عملیات ہیں اور کئی عامل بزرگ تو جنوں ، بھوتوں کو قید کرکے ''ہانڈیوں'' میں ڈال کر جلا بھی دیا کرتے تھے۔مگر ''اہل علم جنوں'' کو قابو کرنے کے لیے صرف اور صرف سونے چاندی کی لگامیں ہی کام آتی ہیں۔

ع۔ جہاں ''زنجیریں'' چل جاتی ہیں ''تقریریں'' نہیں چلتیں

ہمیں ان مشائخ کرام اور علماء کرام کی ''درباری حاضری'' دیکھ کر بڑا رونا آتا ہے کیونکہ یہ سب ہمارے ہی ہیں۔ہمارے ہی آسمان کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

ہماری ہی سرزمین کے قبلہ وکعبہ ہیں ہماری ہی دنیا کی جان وایقان ہیں اور ہماری ہی فضاؤں کے شاہین وشہباز ہیں حضرت مولانا جامی نے اپنی کتاب ''زلیخا'' میں شاید انہیں بزرگوں کے لیے کہا تھا۔

توئی آں دست پرور مرغِ گستاخ
کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی
چوں دوناں چغد ایں ویرانہ گشتی

وقت کے مشائخ عظام اور علماء کرام اس ''ویرانے کے مرغ'' بن کر رہ گئے ہیں جن کی نگہبانی ''میاں چنوں'' کے جناب غلام حیدر وائیں کررہے ہیں جو نہ جنرل ضیاء الحق مرحوم کی طرح ''چوگا'' ڈالنے کا یارا رکھتے ہیں اور نہ علماء کرام کی اسلامی تجاویز پر عمل کرنے کی ہمت کے مالک ہیں۔ وہ ''درویش'' ہیں اور وہ بھی ''درویش بے ریش'' اگر یہ درویش بے ریش اخوش ہیں کہ میں نے ''صلح کل علماء'' اور ''محروم روحانیت'' مشائخ زادوں کو ''جماعت اسلامی'' کی توڑی ہوئی کرسیوں پر لا بٹھایا ہے اور حکومت کی دینی ساخت کو سہارا دے دیا ہے تو انہیں بھولنا نہیں چاہیے کہ ایسی کشتیاں جن میں اندھے، لولے، کوڑھے اور گھوڑوں بندروں والے (سنی، دیوبندی، وہابی، شیعہ) یکجا سوار ہوں وہ کنارے نہیں پہنچا کرتیں۔ لہٰذا مسلم لیگ کو علماء و مشائخ کا سہارا لینے سے پہلے اللہ اور رسول سے وفاداری کا عملی ثبوت دینا ہوگا ورنہ یہ کشتیاں ڈوب جائیں گی۔

سہارے ڈھونڈنے والو سہارے ٹوٹ جائیں گے!
کنارے ڈھونڈنے والو کنارے ڈوب جائیں گے

دیوبندی، وہابی اور شیعہ حضرات سے تو ہمیں کوئی سروکار نہیں لیکن ہم اپنے ''سنی علماء'' اور ''پیرزادوں'' سے التماس کرتے ہیں کہ وہ وزیر اعلیٰ پنجاب کی غلام

گردشوں سے نکل آئیں۔ یہ الحمرا ہال، یہ وزیراعلیٰ ہاؤس، یہ مشائخ ونگ کا "مفروضہ سیکرٹری ایٹ" آپ کو کہیں کا نہیں چھوڑے گا، آپ اپنی مسجدوں، اپنی خانقاہوں کو عوام کی دینی تربیت گاہوں اور علمی درسگاہوں میں بدل دیں۔ عوام کو چھوڑ کر، عقیدت مندوں سے منہ موڑ کر، اپنوں سے دور رہ کر، ٹھگوں کے ٹولے اور لٹیروں کے قافلوں کے ساتھ چلنا آپ کے بس کا روگ نہیں۔ یہ لوگ آپ کو ایسے صحرا میں لا کر تنہا چھوڑ دیں گے جہاں کوئی پانی پلانے والا بھی نہ ہوگا۔ آپ اپنی بارگاہوں کو روشن کریں۔ اپنے مدرسوں کو آباد کریں، اپنے عوام کی دینی تربیت کریں اور ان کے ساتھ رہیں۔ اپنے شاگردوں اور مریدوں کو مستقبل کی قیادت کے لیے تیار کریں۔ آپ کن اندھیروں میں جا گھسے ہیں۔

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی!

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار

جلد نمبر ا.........اکتوبر ۱۹۹۲.........شمارہ نمبر ۱۵

ستمبر کا مہینہ اس سال پاکستان کے بہت سے علاقوں میں ''ستم بر'' ہو کر آیا۔ پنجاب کے دریاؤں نے ایک لمبے عرصے کے بعد اپنے کناروں سے نکل کر اپنے ہی کنارہ نشینوں کو لپیٹ میں لے لیا۔ دریائے جہلم جو صرف منگلا کے جمع شدہ پانی کو ملکی نہروں تک پہنچانے میں مصروف رہتا تھا۔ بپھرا اور آپے سے باہر ہو کر شہروں، بستیوں، کھیتوں اور وادیوں کو روندتا ہوا چلا گیا۔ بارونق شہر، بستی ہوئی بستیاں، لہلہاتے ہوئے کھیت اور دور دور تک پھیلے ہوئے صحرا اس کی موجوں کی زد میں آ گئے۔ موسمی سائنس دانوں کے تخمینے حکومت کے انتظامات اور ان کی انتظامی تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں۔ سیلاب کی موجوں کے سامنے انسانی جانیں، شہری رونقیں، لہلہاتے کھیتوں کی بہاریں اور پھیلتے ہوئے میدانوں کی وسعتیں، امواجِ بلا کی لپیٹ میں آ گئیں۔ ہزاروں قیمتی جانیں پانی کی نذر ہو گئیں۔ لاکھوں، مویشی اور جانور خس و خاشاک کی طرح بہ گئے۔ سیکڑوں قصبے تالاب بن گئے اور حد نگاہ تک پھیلے ہوئے کھیت سمندر کا نقشہ پیش کرنے لگے۔ حکومت پاکستان نے ڈرتے ڈرتے اقوام متحدہ کو جو رپورٹ پیش کی ہے اس میں لکھا ہے کہ سیلابوں نے ساٹھ لاکھ انسانوں کو بے گھر کر دیا ہے۔ ایک ہزار افراد ہلاک ہو گئے۔ ایک لاکھ ستر ہزار مکانات تباہ ہو گئے۔ ایک ارب ڈالر (۲۶ ارب روپے) کا مالی نقصان ہوا۔ اور ہزاروں دیہات پانی میں بہ گئے۔

یہ نا قابل تلافی جانی نقصان، یہ نا قابل برداشت شہری تباہی، یہ نا قابل

تصور بربادی، قیامتِ صغرا سے کم نہیں اور اس بربادی پر جس قدر اظہارِ غم کیا جائے کم ہے۔اس پر جس قدر رویا جائے کم ہے۔ اس پر جس قدر نالۂ الم بلند کیا جائے تھوڑا ہے۔اس پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔

ع۔ زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے !

انسان اپنی عقلی اور فطری سوچ میں کتنی بے بسی میں جکڑا ہوا ہے۔ کہ انسانوں پر بلا خیز قیامت ٹوٹتی ہے تو وہ اپنے اعمال بد اور سرکشیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے عجیب وغریب توجیہات کا سہارا لیتا ہے۔ ''نادان انجینئروں نے منگلا بند کے دروازے کھول دیے'' حکومت نے لوگوں کو اطلاع نہ دی'' ''انتظامیہ سوئی رہی'' ''فلاں وزیر نے اپنا علاقہ بچانے کے لیے پانی کا رخ دوسری طرف موڑ دیا'' ''فلاں افسر نے فلاں قصبے کو بچانے کے لیے فلاں ہیڈ کے دروازے کھول دیے'' ''اگر واپڈا بے قوف نہ ہوتا تو منگلا ڈیم کے پیٹ میں پانی جمع کر رکھتا'' اگر'' انتظامیہ سوئی ہوئی نہ ہوتی تو لوگوں کو قبل از وقت خبردار کیا ہوتا'' اگر'' وزراء اسلام آباد میں مست الست نہ ہوتے تو فلاں فلاں شہر بچ جاتا۔'' اگر فلاں فلاں افسر چاک وچوبند ہوتا تو فلاں فلاں علاقہ محفوظ ہوتا۔'' یہ عقل وخرد کے فرزانے، یہ فکر ونظر کے ماہرین یہ انتظام وانصرام کے ناخدا، صدیوں سے ایسے اندازے لگاتے آئے ہیں۔ مگر انہیں قوموں کی سرکشی اور قوموں کے سربرآوردہ افراد کی مجرمانہ حرکتوں اور اجتماعی بداعمالیوں پر جو عبرت ناک سرزنش ہوتی ہے۔اس کی طرف کبھی خیال نہیں آتا۔ یہ لوگ ایمان وایقان کی روشنیوں سے محروم ہیں۔ ایسے افراد عذاب الٰہی کی علامتوں کو انجینئروں اور انتظامیہ کی کوتاہیوں کا نتیجہ قرار دے کر اللہ کے عذاب سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور کچھ عرصہ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے سامنے ایک ایسا معاشرہ ہے جو اللہ اور رسول سے عہد کر کے معرضِ وجود میں آیا ہے۔ اور وہ خدا ورسول کے احکام پر چلنے کا پابند ہے۔ مگر اس

معاشرے کے ارباب اقتدار علی الاعلان سود کو جاری و ساری رکھنے کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اللہ و رسول کے نام پر حاصل کی گئی زمین پر اجتماعی بدکاری کے واقعات دہرائے جاتے ہیں۔ اللہ کے دیے ہوئے شہروں میں شراب خوری کے اجازت نامے (پرمٹ) سرکاری مُہروں کیساتھ جاری کیے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے شہروں میں بدکاری کے اڈوں کے سرکاری لائسنس جاری کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ کیا خدا و رسول سے یہ بغاوت نہیں ہے؟ پھر ان لوگوں کی طرف سے جو اللہ اور رسول کی پناہ میں زندگی بسر کرنے کا عہد کر کے آئے ہیں۔ ایک مذاق ایک تمسخر اور ایک جنگ نہیں ہے؟ اور کیا یہ حرکات عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے لیے کافی نہیں؟

قدرت کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ اللہ کی رحمت اور اللہ کا عذاب اجتماعی شکل میں آتا ہے۔ اس کی زد میں کوئی بھی آجائے وہ اس کی تمیز نہیں کرتا۔ آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ بارش صرف ان گھروں پر برسے، جہاں سے بارش کی طلب کی دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھتے ہیں۔ بلکہ جب بارش آتی ہے تو ہر جگہ برستی ہے پھر ایسا بھی کبھی نہیں ہوتا دیکھا ہوگا کہ عذاب الٰہی صرف اس گھر پر ٹوٹے جہاں اللہ کے عذاب کو دعوت دی جارہی ہو وہ تو سب کو اپنی لپیٹ میں لے گا۔ اور اس کی زد میں نیک و بد اجتماعی طور پر آئیں گے۔ آج پاکستان کی سرزمین ارباب اقتدار کے اعلانوں سے اللہ و رسول کے ساتھ جنگ کرنے کا میدان کارزار بن چکی ہے۔ اگر جہلم کی موجیں یا دریائے سندھ کی لہریں پاکستان کے کسی علاقے کو نشانہ بنا کر ملت پاکستانیہ کو ایک عظیم عذاب سے آگاہ کر رہی ہیں تو یہ قانون قدرت کے عین مطابق ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ، ہم خصوصاً اہل اختیار و اقتدار اپنے روزمرہ اعمال پر نظر ڈالیں اور ان اعمال سے اللہ کے عذاب کو دعوت نہ دیں۔ آج ہمیں خصوصاً ارباب حکومت کو اپنا رویہ درست کرنے کی ضرورت ہے ورنہ یہ نشانِ عبرت ہماری اجتماعی سرکشی کی طرح اجتماعی عذاب کی صورت بھی بن سکتا ہے۔

ڈاکٹر مسعود احمد مظہری لاہور تشریف لائے ہیں

جلد ۱...... ماہ نومبر ۱۹۹۲...... شمارہ نمبر ۱۶

؎ آمد سنی کسی کی تو واللہ رے اشتیاق
آنکھیں بچھائیں ہم نے جہاں تک نظر گئی

حضرت مولانا ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب، مجددی ایم اے، پی ایچ ڈی، سابق ایڈیشنل سیکرٹری تعلیم، حکومت سندھ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ ایک عرصہ سے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر کام کر رہے ہیں۔ ان کی قلم کے انوار سے اہل ذوق قارئین کے سینے روشن ہوتے رہتے ہیں۔ آپ نے دنیائے رضویت میں جہاں بے پناہ کام کیا ہے وہاں ''مرکزی مجلس رضا لاہور'' اور اس کے ترجمان ''جہان رضا'' لاہور کے لیے گراں قدر مضامین لکھے جو قارئین ''جہان رضا'' کے مطالعہ میں آئے۔ آپ پچھلے ماہ ایک علمی دورے پر لاہور تشریف لائے تو ''مرکزی مجلس رضا'' لاہور کے دفاتر کو بھی شرف باریابی بخشا چونکہ آپ ''مرکزی مجلس رضا'' کی اشاعتی خدمات کے معترف اور تحسین گزار اور معاون ہیں اس لیے آپ نے مجلس کے اشاعتی اور انتظامی معاملات پر بڑی پر خلوص گفتگو کی۔ عملے کے ایک ایک فرد کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ مطبوعات کو دیکھا مستقبل کے اشاعتی پروگرام پر معلومات بہم پہنچائیں اور قیمتی مشورے دیے۔ آپ نے ''مرکزی مجلس رضا''

کی کارگزاری کو سراہا اس کی خدمات کو ہدیۂ تحسین پیش کیا اور اس کی مسلسل قلمی معاونت کا وعدہ فرمایا۔

آپ ''مرکزی مجلس رضا'' کے دفتر جو ''دارالعلوم نعمانیہ'' کی شاندار لائبریری میں واقع ہے میں کافی عرصہ تشریف فرما رہے۔ ''دارالعلوم نعمانیہ'' کے اساتذہ وتلامذہ سے مختلف موضوعات پر گفتگو فرمائی۔ انجمن نعمانیہ کے منتظمین وارا کین سے معلومات حاصل کیں۔ ''دارالعلوم نعمانیہ'' کے تدریسی شعبہ کے منتظم حضرت مولانا باغ علی صاحب نسیم، فاضل حزب الاحناف لاہور اور مولانا محمد صدیق صاحب صدر مدرس نعمانیہ سے تدریسی معاملات پر سیر حاصل گفتگو کی۔ مولانا نسیم صاحب نے اس قدیم دارالعلوم کی تعمیر نو کے سلسلے میں حالیہ خدمات کا ذکر کیا تو آپ نے بے پناہ مسرت کا اظہار فرمایا۔ ''دارالعلوم نعمانیہ'' کے قدیم کتب خانہ میں نادر ونایاب کتابوں کو دیکھ کر مشورہ دیا کہ اس قدیم دارالعلوم کی ایک تاریخ مرتب ہونی چاہیے۔ ان اساتذہ کا تذکرہ تیار ہونا چاہیے جنہوں نے خون جگر دے کر اس شمع کو روشن رکھا تھا۔ انہوں نے بعض بزرگان ملت کا تذکرہ کیا جو اس چشمہ علم وادب سے سیراب ہو کر زندگی میں علم و فضل کی ضیائیں بکھیرتے گئے تھے۔

''دارالعلوم نعمانیہ'' کی لائبریری میں ان محفوظ رسائل کا سن کر بڑے متاثر ہوئے جو اعلیٰ حضرت بریلوی نے اپنی زندگی میں اپنے دستخطوں کے ساتھ دارالعلوم نعمانیہ لاہور کو تحفتاً دیے تھے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان کے پاس بھی اعلیٰ حضرت کے کئی قلمی رسائل موجود ہیں۔ جو ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے۔ آپ نے مجلس رضا کے نگران پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کو پیش کش کی کہ اگر ''مجلس رضا'' ان میں سے کوئی رسالہ چھاپنے کا اہتمام کرے تو انہیں اس کا مسودہ دے دیا جائے گا۔

حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کی تشریف آوری سے جہاں ''مرکزی

مجلس رضا'' کے دفتر کے عملہ کی حوصلہ افزائی ہوئی وہاں اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون پر گہری نظر رکھنے والے سکالر کو اپنے درمیان پا کر اراکین مجلس نے بڑے فخر ومباہات کا اظہار کیا۔

جناب پروفیسر صاحب نے لاہور کی ان علمی شخصیات سے ملاقاتیں بھی کیں جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر کام کررہی ہیں۔ خصوصاً بانی مرکزی مجلس رضا حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری مدظلہ العالی کی بارگاہ رضویت میں علمی اور اشاعتی خدمات کو ہدیۂ تحسین پیش کرنے کے لیے ان کے مطب میں تشریف لے جا کر ملاقات کی اور کافی دیر تک حکیم صاحب اور ان کے احباب کی مجلس میں رہے۔ حکیم صاحب کی مجلس اہل علم وتحقیق کا ایک ایسا حلقہ ہے جہاں پاکستان اور بیرون پاکستان کے اہل علم وفضل آتے رہتے ہیں۔

قبلہ پروفیسر صاحب نے لاہور کے ان ناشرین سے خصوصی طور پر ملاقاتیں کیں جو اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' اور آپ کی دوسری تصانیف کی طباعت میں مصروف ہیں۔ آپ نے ان حضرات کی خدمات کو سراہتے ہوئے انہیں دوسرے زاویوں پر کام کرنے کا مشورہ بھی دیا۔ ان ناشرین نے رضویت کے اتنے بڑے سکالر کی تشریف آوری پر تشکر ومسرت کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی ایم اے پی ایچ ڈی کا یہ سفر ایک علمی سفر تھا جس سے اعلیٰ حضرت کے عقیدت مندوں کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔ ''مرکزی مجلس رضا'' آپ کی اس تشریف آوری پر ہدیۂ تشکر پیش کرتی ہے اور امید کرتی ہے کہ وہ آئندہ بھی اپنی تشریف آوری سے جلد از جلد سرفراز فرمائیں گے۔

ع۔ چہ شود اگر بدیں ساں دو سہ بار خواہی آمد

پاکستان کے اعتقادی حالات پر ایک نظر

پاکستان میں چند سال سے سنیوں کے اعتقادی حالات میں بڑی تبدیلی آرہی ہے اعتقادات اور نظریات کی عظیم الشان عمارت کی دیواروں میں شکست و ریخت کا عمل شروع ہے۔ برصغیر میں مسلمانوں کی اکثریت کو فکر و نظر کے ساتھ ساتھ روحانیت کا سبق دینے والی قیادت ان فرقوں اور بدعقیدہ ٹولوں کے قائدین کے ساتھ کچھ ایسے معاہدے کرنے میں مصروف ہے جس پر راسخ العقیدہ سنی بے حد پریشان ہیں۔

''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی'' کے تربیت یافتہ علماء اٹھتے جارہے ہیں اپنے عقیدہ پر مر مٹنے والے علماء کرام اور فاضلانِ وقت ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں۔ اب پاکستان میں علماء اہل سنت کی جو کھیپ رہ گئی ہے یا علماء کرام کی شکل و صورت میں جو لوگ محراب و منبر پر قابض ہیں ان میں سے اکثریت درباری اور سرکاری کاسہ لیسوں کی ہے۔

ع۔ گردن نہ جھکی جن کی جہانگیر کے آگے

والے علماء کرام ابوالفضل اور فیضی کی حویلیوں سے نکل کر سیدھے دربار میں جا پہنچتے ہیں۔ اور اخبارات تصویریں چھپوا کر اپنے عقیدت مندوں سے پوچھتے رہتے ہیں کہ ''ہماری تصویر دیکھی ہے یا نہیں''

دوسری طرف ہماری سیاسی قوت بھی بڑی شکست خوردگی کا شکار ہے۔ انہیں شکایت ہے کہ ہمارے علماء کرام کی ایک خاصی تعداد ہمیں ''چوب خشک صحرا'' سمجھ کر اسلام آباد اور سیون کلب روڈ کے طواف میں مصروف ہو گئی ہے۔ اب ہم اپنی قوت کو بحال رکھنے کے لیے اضطراری کیفیت سے گزر رہے ہیں اور اپنے آپ کو زندہ رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سنیوں کی عظیم قیادت ''جمعیت علماء پاکستان'' (نورانی گروپ)

''بریلویہ'' کے رسوائے زمانہ مصنف احسان الٰہی ظہیر کے معنوی فرزند عبد القدیر خاموش کو ساتھ لیے پھرتی ہے۔ مفتی محمود (جنہوں نے پاکستان بنانے کے'' گناہ'' میں حصہ نہیں لیا تھا'') کے فرزند ارجمند مولانا فضل الرحمٰن کو اونچی کرسی پر بٹھانے میں مصروف ہے۔ پھر نواب زادہ نصر اللہ خان، غلام مصطفیٰ کھر، حنیف رامے اور پیپلز پارٹی کے بے دین اور اسلام نا آشنا لیڈروں کے علاوہ رافضی اور بدعقیدہ مولویوں اور سیاست دانوں کو دعوتیں دینے میں مصروف ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا نام آج تک نہ کسی سیاسی تختی پر لکھا دیکھا گیا ہے اور نہ کسی دینی درس گاہ کی پہلی جماعت میں نظر آئے ہیں۔

جمعیت علماء پاکستان (نورانی گروپ) سے دو قدم آگے سنیوں کے ایک بطل جلیل مجاہد ملت مولانا عبد الستار نیازی اپنی'' جمعیت علماء پاکستان'' کے ایوان کو مولانا سمیع الحق دیوبندی اور سجاد نقوی جیسے رافضی لیڈروں کو اپنی محفل کے گلدستے بنائے بیٹھے ہیں جن لوگوں کو نیازی صاحب عقیدہ کی پروا کیے بغیر اپنے حلقے میں بٹھا رہے ہیں ان کی دینی اور سیاسی حیثیت کا یہ عالم ہے کہ

ع۔ نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

سیاسی اور دینی میدان میں ہمارے علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی زبان و بیان سے مسلح ہو کر'' ترنگا'' اٹھائے'' پاکستان عوامی تحریک'' کے علمبردار بنے تو انہوں نے سنی، دیوبندی، وہابی اور رافضی کی تمیز اٹھا کر

ع۔ ہندو مسلم سکھ عیسائی۔ آپس میں ہیں بھائی بھائی!

کا نعرہ مستانہ بلند کیا تو پاکستان کے سنی نوجوان بڑی خوش فہمی سے ان کے قدموں میں جا پہنچے کہ اب'' ادارہ منہاج القرآن'' سے امام فخر الدین رازی اور علامہ جلال الدین سیوطی کے علم و فضل کی نہریں جاری ہو جائیں گی۔ یہ سارے بزرگ

بڑے قدآور سیاست دان اور مقتدر علماء وقت ہیں ان کا اپنا اپنا مقام ہے ان کا ماضی ہے۔ ان کا تحریک پاکستان میں ایک کردار ہے ان کا علمی اور اعتقادی دنیا میں ایک نام ہے یہ اپنے مقام سے نیچے آتے نظر آ رہے ہیں لیکن جن دیو بندیوں، وہابیوں اور رافضیوں کو چند سیاسی معاہدوں میں اپنے ساتھ ملا رہے ہیں وہ ملک کی دینی اور سیاسی زندگی میں کیا مقام رکھتے ہیں؟ انہیں ان کے ساتھ مل کر بڑی ترقی ملی وہ ایک طرف قائد اہل سنت الشاہ احمد نورانی کے دفاتر میں کلانچیں بھرتے دکھائی دیتے ہیں اور اسی قماش کا ایک دوسرا طبقہ (دیوبندی اور رافضی) ایوان وزارت امور مذہبیہ اسلام آباد کے باغوں میں پھول توڑتا نظر آتا ہے۔

ع۔ تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو

اب سنیوں کا گھر اجڑا تو کئی برخود غلط ''پیرزادے'' مشائخ زادے اور مولوی زادے، قیادت کی جھنڈیاں اٹھائے جماعتیں بنا کر سیاست کے کوچہ و بازار میں رسوا ہو رہے ہیں۔

اس صورت حال پر ابوداؤد مولانا محمد صادق صاحب رضوی، صاحبزادہ سید محمد عرفان شاہ مشہدی اور بانی ''مرکزی مجلس رضا'' حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری جیسے کئی پرانے سنی چیختے چلاتے رہیں اور اپنی مجلسوں میں کہتے رہیں کہ ہمارے علماء ہمارے مشائخ اور ہمارے سیاسی رہنما قوم کو کدھر لے جا رہے ہیں تو ان ''رجعت پسندوں'' کی کون سنتا ہے۔ یہ ہے وہ مسئلہ جسے ہمارے علماء اہل سنت خواہ سیاسی ذہن کے مالک ہوں یا دینی دولت سے مالا مال ہوں، نے اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنانا ہے ورنہ!

ع۔ ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

قارئین ''جہان رضا'' کے جذبات

جلد نمبر ۱.......... ماہ دسمبر ۱۹۹۲.......... شمارہ نمبر ۱۷

میرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستاں کا

''جہان رضا'' کے پچھلے شمارے میں ہم نے نہایت دل سوزی کیساتھ اپنے اعتقادی اور سیاسی حالات کا ایک جائزہ پیش کیا تھا۔ جس کا قارئین ''جہان رضا'' نے گہری توجہ سے نوٹس لیا۔ بعض حضرات نے ہمارے سوز دل سے ہمنوائی کرتے ہوئے تائید کی۔ بعض نے اپنے خطوں میں اس سلسلے کو مزید پھیلانے پر زور دیا۔ بعض نے اپنے تاثرات کو بڑے دردمندانہ انداز میں قلم بند کر کے ہمیں بھیجا۔ بعض علماء کرام بنفس نفیس ہمارے پاس تشریف لائے اور سنیوں کے موجودہ سیاسی اور اعتقادی حالات پر ہماری ہمنوائی کی۔ اکثر حضرات بے جوش بے خروش ان رہنمایانِ اہل سنت کو ہدف تنقید بناتے گئے جو موجودہ حالات میں اپنی عاقبت نااندیشیوں سے اہل سنت کے تشخص کو پامال کر رہے ہیں۔ ان احساسات کے اظہار میں نوجوان علماء کی اکثریت تھی، پرانے علماء کرام اور بزرگ اہل علم وفضل کی آنکھوں میں ہم نے آنسو بھی دیکھے پھر ایک مایوس کن خاموشی بھی نظر آئی۔ مگر بعض ایسے علماء کرام سے بھی ملاقات ہوئی جو اس اداریہ کو پڑھنے کے بعد فرما رہے تھے۔

ع۔ نئے زمانے میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں

ان کا ''نظریہ'' ہے کہ اب دنیا بہت آگے بڑھ چکی ہے زمانہ بدل چکا ہے۔ سیاسی اور اعتقادی قدریں بدل گئی ہیں۔ آپ لوگ ابھی تک اعتقادی عصبیت سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اگر آپ لوگ وقت کی رفتار کا ساتھ نہیں دیں گے تو زندگی کے قافلے تو آپ کے لیے رکیں گے نہیں۔

ہم مجموعی اعتبار سے اپنے سنی علماء کرام کی اکثریت کو اپنی اعتقادی اور سیاسی شکست وریخت پر نالاں پاتے ہیں اور غیروں کی دریوزہ گری پر انہیں ماتم کناں دیکھا ہے ہم نے ان کی باتوں سے محسوس کیا ہے کہ ان کے ہاں ''احساس زیاں'' موجود ہے اور وہ موجودہ صورتحال کو سنیوں کے مستقبل کیلئے تباہ کن خیال کرتے ہیں۔ بعض دردمند سنی موجودہ صورتِ حال کو یکسر بدلنے کے خواہاں ہیں۔ اور وہ ایک ایسے سنی رہنما کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جو ان کے اعتقادی تشخص کو از سرنو بحال کرے۔ ان کی پریشانی کی قلبی کیفیت، ان کی تڑپ، ان کے جذبات دیکھ کر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ایک دن ایسا ضرور آئیگا جب ہمارا اعتقادی تشخص واضح ہوگا اور ہم اپنا کھویا ہوا مقام پالیں گے۔ آج کے ''انتشار زدہ'' سیاسی رہنما آج کے ''زکوٰۃ خور'' علماء کرام آج کے ''درباری ملا'' آج کے ''مدح سرایانِ اقتدار'' آج کے ''کاسہ لیسانِ حکومت'' اور آج کے ''نعرہ بازانِ میاں و بی بی'' ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر اہلِ سنت کی اعتقادی اور سیاسی قوت کو مضبوط کریں گے۔

ع۔ آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک

اعلیٰ حضرت بریلوی اور ملک العلماء ظفر الدین رضوی

''جہان رضا'' کے پچھلے شمارے میں دو بڑے پُر مغز اور علمی مضامین چھپے، ایک تو ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی پر تھا

جسے ان کے فاضل فرزند جناب ڈاکٹر پروفیسر مختار الدین احمد صاحب مدظلہ العالی وائس پرنسپل علی گڑھ یونیورسٹی، علی گڑھ، انڈیا نے تحریر کیا تھا۔ اور دوسرا مضمون ہمارے قابل قدر دانشور جناب مولانا عبدالحق ظفر چشتی کی کاوش قلم کا نتیجہ تھا جو انہوں نے امام اہل سنت کی غیر مطبوعہ کتابوں پر سپرد قلم کیا تھا۔ دونوں مضامین کو اہل علم حضرات نے بے حد پسند فرمایا اور اس سلسلے میں دفتر میں بہت سے خطوط آئے۔ بعض حضرات نے امام اہل سنت کی غیر مطبوعہ کتابوں کو جلد از جلد زیور طبع سے آراستہ نہ ہونے پر سینوں کی بے حسی پر ماتم کیا کہ اعلیٰ حضرت کے اتنے ''خزانے'' ابھی تک الماریوں میں بند پڑے ہیں لیکن ایک طبقے نے ہمیں لکھا ہے کہ وہ ایسی غیر مطبوعہ کتابوں کے فوٹوسٹیٹ بھیجنے کو تیار ہیں جو آج تک نہیں چھپ سکیں بشرطیکہ ''مرکزی مجلس رضا'' لاہور انہیں چھپوا کر تقسیم کرے۔ ''جہان رضا'' کے بعض سادہ لوح قارئین نے خط لکھے ہیں کہ ان غیر مطبوعہ کتابوں میں سے فلاں فلاں کتاب ہمیں فوری بھیج دیں۔

''مرکزی مجلس رضا'' ان تمام حضرات کے احساس، جذبات اور علمی محبت کا شکریہ ادا کرتی ہے اور اپنے معاونین کو یقین دلاتی ہے کہ اگر وہ مالی تعاون سے آگے بڑھیں تو یہ کتابیں یکے بعد دیگرے چھپتی جائیں گی۔

''مرکزی مجلس رضا'' نے پچھلے ماہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نادر اور نایاب رسالہ ''جذام اور جذامی'' چھپوا کر تقسیم کیا تھا۔ اس رسالے کو بے حد پسند کیا گیا۔ خاص کر میڈیکل سائنس کے محققین نے اس کی بہت سی کاپیاں منگوائیں۔ سب سے بڑھ کر ہم ہفت روزہ ''احوال'' کراچی کے جذبے کی قدر کرتے ہیں کہ اس کے فاضل ایڈیٹر نے اپنے موقر ہفت روزہ میں ''جذام اور جذامی'' کو قسط وار چھاپنا شروع کر دیا ہے تاکہ اعلیٰ حضرت کے طبی نظریات کو عوام تک پہنچایا جا سکے۔

''مرکزی مجلس رضا'' نے اپنے پروگرام کے پیش نظر ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی

طباعت شروع کر دی ہے اور اسی ماہ پہلی قسط کی تقسیم شروع ہو گئی ہے۔ جن حضرات نے اپنے نام رجسٹرڈ کرائے ہیں انہیں یہ کتاب پہنچنا شروع ہو گئی ہے لیکن جو حضرات اپنی رجسٹریشن کرانا چاہیں وہ بیس روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال فرما کر گھر بیٹھے کتاب حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن جو حضرات رجسٹریشن نہیں کرا سکتے وہ بھی دس روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر کتاب مفت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح وہ ہر ماہ ٹکٹ بھیج کر کتاب کی ہر جلد منگوا سکیں گے۔

فرزندانِ توحید اپنے آپ کو سنبھالیں

جلد۲..........جنوری ۱۹۹۳ء..........شمارہ ۱۸

پچھلے سال نے ہم سے جدا ہوتے وقت عالم اسلام کو اپنی نگاہ واپسیں سے بڑے تیکھے انداز میں دیکھا۔ ہندوستان کے جنونی ہندوؤں کے ہتھوڑوں سے ''بابری مسجد'' شہید ہوگئی جس سے عالم اسلام کے جذبات بری طرح مجروح ہوئے۔ ''بوسنیا کے لاکھوں مسلمان'' غیر مسلموں کی جارحیت کا نشانہ بنے۔ روس کی نو آزاد مسلمان ریاست '' تاجکستان'' کے ہزاروں مسلمانوں کو گھربار چھوڑ کر افغانستان کی برفانی وادیوں میں آنا پڑا۔ ''فلسطین'' کے چار سو سے زیادہ مسلمانوں کو اپنے گھروں سے نکال کر بے سروسامان زمین **No Man,s Land** میں پھینک دیا گیا۔ ''عرب ریاستوں' کے ہزاروں مسلمانوں کو تادیبی طور پر بے روزگار کر دیا گیا۔ غرضیکہ فرزندان اسلام جہاں جہاں بھی تھے۔ وقت کی برق باریوں کی زد میں آتے رہے۔ کیا یہ حالات، یہ حادثے، یہ مصائب، یہ ابتلائی مرحلے کفر کی سوچی سکیم کا نتیجہ تھے یا ہنگامی اور اتفاقی مصائب کا حصہ تھے؟ آج ''**الکفر ملت واحدة** '' کی صورت میں عالم اسلام کے خلاف نبرد آزما ہے کہیں کھلی جارحیت کے مظاہرے ہیں اور کہیں خفیہ سازشوں کے جال بچھائے جا رہے ہیں۔ اگر چہ عالم اسلام بیداری کے لیے ایک نئی کروٹ لے رہا ہے، مگر اسے ہر خطہ زمین میں آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

اغیار کی ان یلغاروں اور سازشوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اپنے اندرونی خلفشار اور اختلافات اس قدر بھیانک صورت اختیار کر چکے ہیں کہ ان کی اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ دنیا کے دوسرے اسلامی خطوں کو چھوڑیے۔ خود ''پاک سرزمین مملکت خدا داد پاکستان'' کے اندر مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کی جو حالت زار ہے وہ

گلہ وفائے جفا نما جو حرم کو ''اہل حرم'' سے ہے
کبھی بتکدے میں بیاں کروں، تو کہے صنم بھی ہری، ہری!

سیاسی جماعتیں ایک طرف اقتدار کے حصول کے لیے سڑکوں اور ایوانوں میں جناتی ناچ ناچ رہی ہیں دوسری طرف اقتصادی اور معاشی میدان میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ غریب کا نام لینے والے ہی غریبوں کو لوٹ رہے ہیں۔ عزتوں کے محافظ ہی عزتوں کو نیلام کر رہے ہیں۔

چھین کر دولتیں غریبوں کی خود کو ''دولت مآب'' کہتے ہیں!
لوٹ کر عزتیں غریبوں کی خود کو ''عزت مآب'' کہتے ہیں!

یہ کھیل تو ان دنیا داروں کے ہیں جو اس ''مردار کے طالب'' بن کر ''کلاب الدّنیا'' کہلاتے ہیں۔ مگر ہم دین کا نام لینے والے، ہم ملک میں دین کا نفاذ کرنے والے، ہم دین کو ''انسانیت کے لیے پیغام امن'' قرار دینے والے کہاں کھڑے ہیں؟ ہمارا کردار کیا ہے؟ ہمارے ''تبلیغی اجتماع'' ہمارے ''دینی جلوس'' ہماری ''روحانی مجالس'' اور ہمارے ''محراب و منبر'' کیا کر رہے ہیں؟

یہ کوچے، یہ گلیاں، یہ منظر دکھاؤ — بلاؤ ! خدایانِ دیں کو بلاؤ
خدایان تقدیس مشرق کہاں ہیں؟ — خدایانِ تقدیس دیں کو بلاؤ

پاکستان کی مسلمان آبادی میں سب سے بڑی اکثریت ''اہل سنت و جماعت''

کی ہے اسی اکثریت کے رہنما سب سے زیادہ انتشار زدہ ہیں۔ اسی اکثریت کے علماء سب سے زیادہ اختلاف زدہ ہیں۔ اسی اکثریت کے مشائخ سب سے زیادہ دریوزہ گر بن گئے ہیں۔ راہ حق سے بھٹکی ہوئی چند ٹولیاں آج ملک کی دینی قیادت کے لیے علم اٹھائے کھڑی ہیں۔ جو آزادیِ ملک کے قافلہ کیساتھ ایک قدم بھی نہ چلے تھے وہ منزل کے دعویدار بن کر کھڑے ہیں۔ ہم نے پچھلے ایک شمارے میں اپنے سنی علماء و مشائخ کی غیرت کو پکارا تھا کہ وہ کیا تھے مگر کہاں کھڑے ہیں؟ وہ کون تھے اور کن کے پاس جا رہے ہیں؟ اور کس بلندی پر تھے اور کس پستی کو چھو رہے ہیں؟ آخر انہیں کب ہوش آئے گا وہ کب خواب گراں سے اٹھیں گے وہ کب احساس زیاں کو زندہ کریں گے۔ وہ کب غیروں کے ''بت کدہ دل'' کو چھوڑ کر اپنے ''کعبۂ ایمان'' کو آباد کریں گے؟ وہ جن گلیوں میں رسوا ہو رہے ہیں وہ ان کی گلیاں نہیں ہیں۔ وہ جن کوچوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں وہ ان کے کوچے نہیں ہیں۔ وہ جن کی پناہیں تلاش کر رہے ہیں وہ ان کی پناہ گاہیں نہیں۔ وہ جن کے سہارے چل رہے ہیں وہ ان کے سہارے نہیں، انہیں تو پناہ اپنے اللہ کی چاہیے، انہیں تو سہارا اپنے نبی کا چاہیے۔ انہیں تو کوچۂ کوچۂ جاناں چاہیے'' انہیں تو منزل ''نظام مصطفیٰ'' کی چاہیے۔ ہم ان انتشار زدہ عالموں، فاضلوں، پیروں، مرشدوں اور سنیوں سے بڑی انکساری سے سوال کرتے ہیں۔

ما غرک بربک الکریم الذی خلقک ؟

پاکستان میں سیاسی اور دینی جماعتوں کی کشمکش

جلد نمبر ۳..........جنوری وفروری ۱۹۹۴ء..........شمارہ ۲۹

پاکستان کے عام انتخابات کے نتائج کے بعد اسلام دشمن حلقوں نے بڑا شور مچایا کہ پاکستان کے عوام نے دینی جماعتوں کو مسترد کر دیا ہے اور اسلام سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ بے دین طبقوں کی یہ منطق صرف اسلام دشمنی کی بناء پر تھی۔ ورنہ انتخابات میں اگر دینی جماعتوں کی شکست ہوئی ہے تو بہت سی غیر دینی سیاسی جماعتوں کا بھی براحشر ہوا ہے۔ دینی جماعتیں نہ سہی الحمدللہ پاکستان میں دینی قوتیں ابھی تک اپنا کردار ادا کر رہی ہیں اور مستقبل قریب میں وہ اپنا کردار ادا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہیں۔ انتخابات میں کامیاب دونوں طبقے اگر کسی قوت سے خائف ہیں تو دینی قوت ہے جو پاکستان کے عوام کی جان اور ایمان ہے۔

انتخابی فیصلوں کا مینڈیٹ لے کر جو قوتیں اسمبلیوں میں پہنچیں، انہوں نے اپنے عملی کردار سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ قانون سازی یا عوامی مسائل حل کرنے کی صلاحیتوں سے عاری ہیں اور ایک دوسرے کو ننگی گالیاں دینے کے علاوہ ان کے پاس کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ لہٰذا پاکستان کے عوام آج بھی یہ سمجھتے ہیں کہ

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

دین آج بھی پاکستان کے بارہ کروڑ عوام کا سرمایۂ زندگی ہے اور ان کے مسائل کا حل صرف اور صرف دین اسلام کے نفاذ میں ہے۔ پاکستان میں مختلف سیاسی اور دینی جماعتیں اپنی اپنی جگہ بجا طور پر اسلامی قوانین کے نفاذ کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن ''اہل سنت و جماعت'' کو پاکستان میں جو فوقیت اور اکثریت حاصل ہے وہ کسی دوسری دینی جماعت کو حاصل نہیں۔ شیعہ، وہابی، دیوبندی، جماعت اسلامی، اپنی اپنی تنظیمی صلاحیتوں کی وجہ سے اگرچہ اپنی اہمیت کو نمایاں کر رہی ہیں مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس اسلامی ملک میں اہل سنت و جماعت ہی اپنے کردار اور اکثریت کے اعتبار سے مستقبل قریب میں ایک اہم دینی اور سیاسی رول ادا کرنے والی ہے۔

پاکستان کے عوام کی اکثریت نظریاتی لحاظ سے ''اہل سنت و جماعت'' سے وابستہ ہے مگر اعتقادی بدنظمی اور نظریاتی ناپختگی کی وجہ سے ملک کی یہ عظیم اکثریت غیروں کے سیاسی محلات میں ''شمع انجمن'' بن کر اپنی صلاحیتوں کو ''نثار رہ غیرے کروم'' کی تصویر بن گئی ہے۔ اس عظیم جماعت کے راہنما اپنا مقام کھو چکے ہیں۔ اس پاکیزہ جماعت کے اکثر علماء و مشائخ غیروں کی چوکھٹ کے دریوزہ گر بن کر رہ گئے ہیں۔ اس طبقہ کے اکثر دانشور غیروں کی ثناء خوانی میں مشغول نظر آتے ہیں۔ اس اکثریت کے اکثر باصلاحیت افراد غیروں کے اقتدار کے محلات کا پہرہ دے رہے ہیں۔

آج اس اکثریتی جماعت کے خطیب کچھ ''وعظ فروشی'' میں ''روز و شب اندر سفر'' دکھائی دیتے ہیں۔ اس اکثریتی جماعت کے کچھ معلم زکوۃ و صدقات کی ''تملیک'' و ''حلت'' کے لیے ''کتاب الحیل'' کے حافظ بن چکے ہیں اس اکثریتی جماعت کے کچھ نعت خوان، نعتوں کی مجالس میں ''اہل دول'' کے نوٹوں کی بارش کے نیچے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو حضرت ''حسان'' اور حضرت ''کعب'' کا جانشین کہلاتے ہیں۔ اسی اکثریتی جماعت کی کئی مساجد کے محراب و منبر کے مالک دنیاوی احتیاج کے پیش نظر''

روباہ مزاج'' بن گئے ہیں۔اس اکثریتی جماعت کی کئی درسگاہوں کے سربراہ زکوۃ، صدقات اور خیرات کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کے جواز کے فتویٰ جاری کرنے میں مصروف ہیں۔

؎ زکوۃ صدقہ و خیرات و لطف اہل دول
تیری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس طبقے کے بعض علماء کو پہلے اوقاف کی ''تنخواہوں'' نے مارا، پھر جنرل ضیاء کی ''زکاتوں'' نے مفلوج کر دیا۔بعض کو نواز شریف کے ''پلاٹوں'' نے دفن کر دیا، بعض کو پیپلز پارٹی کے ''وعدوں'' نے شکستہ پا کر دیا۔جوان بلاؤں سے بچ گئے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بے جان ہو گئے۔آج ہمارے ''اوقافی'' علماء دو طبقوں میں بٹ گئے ہیں۔آج ہمارے ''زکواتی'' مدارس دو طبقوں میں تقسیم ہو گئے، آج ہمارے ''نعت خوان'' کئی ٹولیوں میں بکھر گئے ہیں، آج ہمارے ''قاری'' کئی زمروں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔آج ہمارے ''سیاسی قائد'' کئی گروہوں میں کھڑے دکھائی دیتے ہیں، آج ہمارے ''اعتقادی راہنما'' کئی صفوں میں الجھے ہوئے ہیں۔آہ

ع۔ زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے !

اس صورت حال کو ملت کا ہر فرد دیکھتا ہے تو خون کے آنسو روتا ہے۔اہل سنت کا ہر رکن دیکھتا ہے تو دل پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے، ملک کا ہر سنی دیکھتا ہے تو دل گرفتہ ہو جاتا ہے۔''تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم''جس قوم کے راہنما ''بے راہ'' ہو جائیں وہ قوم کدھر جائے گی؟ جس ملت کے خضر'' ہی راستہ بھول جائیں وہ ملت کس منزل کو پائے گی؟ جس کشتی کے ناخدا ہی سو جائیں وہ کشتی گرداب بلا سے کس طرح پار ہو گی، جس قافلے کے قافلہ سالار ہی احسان زیاں سے عاری ہو جائیں وہ قافلہ کب منزل مقصود پر پہنچے گا۔

پچھلے دنوں اہل سنت و جماعت کے چند نوجوانوں کے دلوں میں اس احساس نے کروٹ لی کہ اس تباہ حال جماعت اور اس خستہ حال قافلہ کے راہنماؤں اور قافلہ کے سالاروں کو پکارا جائے، جھنجھوڑا جائے اور جگایا جائے۔ یہ نوجوان ''انجمن طلباء اسلام'' کے نوجوان تھے۔ (اگرچہ یہ نوجوان بذات خود دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے) اٹھے اور علماء عصر کی مسجدوں، مدرسوں اور حجروں کے دروازوں پر دستک دینے جا پہنچے۔ انہوں نے دوڑ دھوپ کر کے ملک بھر کے علماء اہل سنت کی ایک خاصی تعداد جمع کر لی اور ''دارالعلوم حزب الاحناف'' لاہور میں ایک بھرپور اجلاس برپا کر دیا۔ ہم اگرچہ ایسے سیکڑوں اجلاس منعقد ہوتے دیکھتے آئے ہیں، مگر ''مرکزی مجلس رضا'' کے معاونین اور ''جہان رضا'' کے قارئین کی تسلی کے لئے ان علماء کرام کو ہدیہ تبریک پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں، جو شریک اجلاس ہوئے، اور یہ بات ریکارڈ میں آ جائے کہ اگر مستقبل میں یہ لوگ پھر بھی یکجا نہ رہیں اور کام نہ کریں تو ہم کہہ سکیں

لاؤ نہ ''قتل نامہ'' ذرا ہم بھی دیکھ لیں
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

''اوقاف کی تنخواہوں'' کی وجہ سے اہل سنت و جماعت کے اجتماعی کاموں میں ان علمائے کرام میں اکثریت ایسے حضرات کی ہے جو تساہل پسندی کا وطیرہ اپنائے ہوئے ہیں۔ ان میں بعض وہ علمائے کرام بھی ہیں جو زکوۃ کی ''تملیک'' سے گزر اوقات کرتے ہیں، وہ علمائے کرام بھی ہیں جو صدقات کو ''ہدیہ'' میں تبدیل کرنے کے ماہر ہیں، وہ علمائے کرام بھی ہیں جو ''وعظ فروشی'' کے خوگر ہیں، پھر وہ علمائے کرام بھی ہیں جو محراب و منبر کے مقدس مقام کو پامال کرتے ہیں اور اقتدار کی کرسیوں کا طواف کرتے نہیں شرماتے۔ وہ علماء کرام بھی ہیں جو ''سیاہ کار دولت مندوں'' کی خوشامد کے خوگر ہیں وہ علماء کرام بھی ہیں جو اپنوں سے بیگانگی اور بیگانوں سے ''اتحاد بین المسلمین''

کے دستر خوان بچھائے رہتے ہیں، بایں ہمہ ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ یہی مقدس حضرات ہیں جن کے ہاتھ میں اہل سنت کی اعتقادی باگ ڈور ہے۔ ہم اس حقیقت کا فخر سے اعتراف بھی کرتے ہیں۔ کہ ان میں وہ علماء کرام بھی ہیں جو اہل سنت و جماعت کی راہنمائی میں پیش پیش رہے ہیں۔ ان میں وہ علماء بھی ہیں جو اہل سنت و جماعت کی قیادت میں صف اول میں کھڑے ہیں۔ ان میں وہ علماء کرام بھی ہیں کہ سنیوں کا ہر فرد کہیں نہ کہیں ان سے وابستہ ہے، ان سے عقیدت رکھتا ہے اور ان کے حکم پر کام کو تیار رہتا ہے۔ ان میں وہ علماء کرام بھی ہیں جو نانِ جویں کھا کر "اہل سنت" کی خدمت کرتے ہیں۔

یہ مقتدر حضرات اے ٹی آئی کے نو جوان طلباء کی بچھائی ہوئی مسند پر "دار العلوم حزب الاحناف" لاہور میں سترہ جنوری ۱۹۹۴ء کو جمع ہوئے اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے بیک زبان، بیک دل و جاں اہل سنت کی زبوں حالی پر اتفاق کیا اور اس کے مستقبل کو تابناک بنانے کا عہد کیا اور اپنی سابقہ کوتاہیوں اور تساہل کے اعتراف کے بعد اہل سنت کے اعتقادی اور نظریاتی تحفظ کے لیے ہر قسم کی قربانی کا اعلان کیا۔ حضرت صاحبزادہ حاجی فضل کریم صاحب (ایم پی اے) ابن شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمد فیصل آباد (رحمۃ اللہ علیہ) نے پہلا قدم اٹھایا اور "جماعت اہل سنت" کے اپنے گروپ کی راہنمائی سے استعفادے دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ اپنی "جماعت اہل سنت" کو توڑنے کا اعلان کرتے ہیں۔ ان کے اس اعلان کے بعد ان کی "جماعت اہل سنت" کے تمام اراکین نے بھری محفل میں استعفادیا اس کے بعد حضرت صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی صاحب (سابق ایم این اے) ابن غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اٹھے اور انہوں نے اپنی "جماعت اہل سنت" کی سربراہی سے استعفیٰ دے دیا اور علمائے اہل سنت کے اس نمائندہ اجلاس کے مقتدر علماء کرام سے اپیل کی کہ وہ اہل سنت کے مستقبل کے لیے جو اقدام کریں وہ اس کی

تائید کریں گے۔اس موقع پر سندھ کی ''جماعت اہل سنت'' کے سربراہ شاہ تراب الحق صاحب (سابق ایم این اے) اٹھے اور انہوں نے بھی اپنی سربراہی سے دستبرداری کے ساتھ کراچی کی ''جماعت اہل سنت'' کو توڑنے کا اعلان کیا۔

ان علمائے اہل سنت کے میدان سے ہٹ جانے کے اعلانات نے علماء اہل سنت کو موقع دیا کہ وہ اپنے اعتقادی اور سیاسی مستقبل کا فیصلہ کریں اور ایک نئی عمارت کی بنیاد رکھیں جو سابقہ کوتاہیوں اور خرابیوں سے پاک ہو اور سارے سنی متحد ہو کر سیاسی تشخص نہیں تو کم از کم اپنے ''دینی تشخص'' کو برقرار رکھ سکیں۔ علماء کرام کے اس جذبہ یکجہتی اور مل کر چلنے کے اعلانات کو ہر شخص نے سراہا ہدیۂ تحسین پیش کیا اور اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب بھیروی الازہری مدظلہ العالی نے اٹھ کر علمائے کرام کو نہایت خوبصورت الفاظ میں مبارک باد پیش کی اور ان کے اس جذبہ کو سراہا۔ سید ریاض حسین شاہ صاحب، خطیب، ''اتفاق مسجد'' لاہور نے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ صاحبزادہ پیر منظور احمد شاہ صاحب جامعہ فریدیہ ساہیوال نے ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ پروفیسر علامہ سعید احمد صاحب اسعد (جمعیت علماء پاکستان) فیصل آبادی نے ان اعلانات کا خیر مقدم کیا۔ مولانا غلام محمد صاحب سیالوی کراچی نے اظہار مسرت فرمایا۔ صاحبزادہ علامہ سید محمود احمد صاحب رضوی رئیس انجمن ''حزب الاحناف'' لاہور مدظلہ العالی نے آنسوؤں میں ڈوبے ہوئے الفاظ سے خوشی کا اظہار کیا۔ صاحبزادہ سید محفوظ صاحب مشہدی آف بھکھی شریف نے بے پناہ تعریف کی۔ صاحبزادہ غلام صدیق احمد صاحب نقشبندی، حافظ محمد عالم صاحب سیالکوٹی، علامہ محمد افضل صاحب مراڑیاں، گجرات، جناب محمد اقبال صاحب اظہر ملتان (جمعیت علماء پاکستان) پیر مختار جان صاحب سرہندی مجددی (سندھ) مولانا عبد الکریم صاحب حیدری رحیم یار خاں، علامہ محمد ظاہر شاہ صاحب سرحد، صاحبزادہ عتیق الرحمان صاحب

آزاد کشمیر، صاحبزادہ سید منور حسین صاحب علی پوری اور مفتی محمد خان صاحب قادری نے تو علماء اہل سنت کی اس محفل میں کھڑے ہو کر تائید و تصدیق کے ساتھ ساتھ اپنے پر مسرت جذبات کا اظہار کیا۔

یہ اجتماع ''اتحاد بین المسلمین'' کا نہیں تھا، بلکہ اتفاق بین السنین کا تھا، ان علمائے کرام نے ''بہ طیب الخاطر العاطر'' یہ فیصلہ کیا کہ آج سے سنیوں کے اعتقادی اور نظریاتی معاملات کو درست کرنے کے لیے ایک ''سنی سپریم کونسل'' بنا دی جائے جو مستقبل میں فیصلے کرنے کی با اختیار اتھارٹی ہوگی اور اپنی صوابدید کے مطابق اہل سنت کی راہنمائی کرے گی۔ چنانچہ اسی مقتدر نمائندہ اجلاس میں ایک بارہ رکنی سپریم کونسل کا انتخاب کیا گیا جن میں مندرجہ ذیل بزرگان اہل سنت کے نام سامنے آئے۔

۱۔ جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب بھیروی مدظلہ العالی
۲۔ شیخ الحدیث مولانا محمد شریف صاحب رضوی مدظلہ العالی
۳۔ حضرت مولانا محمد افضل صاحب مراڑیاں گجرات
۴۔ حضرت مولانا غلام محمد صاحب سیالوی کراچی
۵۔ حضرت صاحبزادہ سید مظہر قیوم صاحب مشہدی بھکھی شریف
۶۔ حضرت پروفیسر محمد سعید اسعد احمد صاحب فیصل آباد
۷۔ حضرت صاحبزادہ محمد اقبال صاحب اظہری، شجاع آباد، ملتان
۸۔ حضرت محمد یعقوب صاحب قادری، ایڈووکیٹ نواب شاہ سندھ
۹۔ حضرت پیر مختار جان صاحب سرہندی مجددی۔ سندھ
۱۰۔ حضرت صاحبزادہ سید مظہر سعید صاحب کاظمی۔ ملتان
۱۱۔ حضرت مفتی محمد عبد القیوم صاحب ہزاروی نظامیہ لاہور
۱۲۔ حضرت صاحبزادہ سید عتیق الرحمان صاحب۔ آزاد کشمیر

اس بارہ رکنی ''سپریم کونسل'' کے نگران اور سرپرست جسٹس پیر محمد کرم شاہ بھیروی ہوں گے۔

''مرکزی مجلس رضا'' علمائے اہل سنت کے اس تاریخ ساز فیصلے کا خیر مقدم کرتی ہے اور توقع رکھتی ہے کہ یہ حضرات سابقہ تساہل اور بے راہ روی کو چھوڑ کر اہل سنت کے دینی معاملات کو درست کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لاکر پاکستان کی عظیم نظریاتی اکثریت کی راہنمائی کریں گے۔ اس مسرت وافتخار کے موقع پر ''مرکزی مجلس رضا'' ان خدشات کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتی جس کی مثالیں ایسے اجلاسوں کے نتائج ''نشستند گفتند و برخاستند'' پر منتج ہوا کرتے ہیں۔ ہمارا یہ خدشہ (غلط ثابت ہونا چاہیے کیونکہ ہماری کشتی کے ٹوٹے ہوئے تختوں کو از سر نو اکٹھا کرنے کے لیے اہل سنت کی ناخدائی کے پتوار جن ہاتھوں میں دیے گئے ہیں وہ اپنی سابقہ کوتاہیوں، تساہل اور بعض اوقات ان وارداتوں (جن کا ہم نے ابتداء میں ذکر کیا ہے) کا شکار رہے ہیں۔ اور اب یہ حضرات ان پر شور موجوں سے اپنے بیڑے کو ساحل مراد تک پہنچانے میں کامیاب ہوں گے۔ کروڑوں سنیوں کی نگاہیں ''سنی سپریم کونسل'' کے باہمت افراد پر لگی ہوئی ہیں جن پر اہل سنت کے تمام علماء کرام نے بالاتفاق اظہار اعتماد کیا ہے۔ اب ان کے سامنے ذاتی مصلحتوں کے چراغ نہیں جلنے چاہیں۔ اب ان کے سامنے دوسروں کے کردار کی رکاوٹیں نہیں آنا چاہییں۔ اب ان کے سامنے یہ عذر لنگ نہیں آنا چاہیے کہ ہمیں ''بڑے بڑے بت'' کام نہیں کرنے دیتے۔ اب انہیں اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے سیاسی راہنماؤں کی ''سیاسی بے بصیرتی'' کا رونا نہیں رونا چاہیے۔ اب انہیں ''جمہور اہل سنت'' نے منتخب کیا ہے اختیارات دیے ہیں اور سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر اب انہیں ''سیاسی اور دینی'' مصلحتوں کی چمک دمک نے کام کرنے سے روک دیا تو شاید کئی برسوں تک انہیں ایسا موقع نہیں ملے گا۔

کیا ہم ''دہشت گرد ہیں'' یا ''دہشت زدہ''؟

جلد۴.................جولائی۱۹۹۴.............شمارہ ۳۶

جب سے مسلمانوں نے مغربی قوموں کی غلامی سے نجات حاصل کی ہے اور وہ دنیا کے مختلف خطوں میں اپنی اقتصادی اور معاشی بقا کی جدّ و جہد میں مصروف ہوئے ہیں ۔ مغربی ممالک خصوصاً یہودی لابی انہیں اپنے لیے مستقبل کا ایک خطرہ تصور کررہی ہے۔ چنانچہ گزشتہ بیس سالوں سے ان قوتوں نے مسلمان ممالک کو سیاسی اور معاشی طور پر اپنے زیراثر لانے اور اپنے مقاصد کی تکمیل پر آمادہ رکھنے کی مہم چلا رکھی ہے۔ گزشتہ دہائی میں دنیا کے کسی گوشے سے اگر کوئی مسلمان ملک اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے کوئی قدم اٹھاتا ہے تو اسے دہشت گرد قرار دے دیا جاتا ہے اور اسی ''دہشت گردی'' کے جرم میں نہ صرف اسے اقتصادی اور معاشی پابندیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے بلکہ اسے کچلنے کے لیے فوجی اور عسکری حملوں سے نیست و نابود کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ لیبیا کے کرنل قذافی نے سر اٹھایا تو اسے اقتصادی اور معاشی بائیکاٹ کا نشانہ ہی نہیں بنایا۔ بلکہ ہوائی حملوں سے مفلوج کرنے سے بھی گریز نہ کیا گیا۔ فلسطین کے مسلمانوں کے شہروں کو گزشتہ کئی سالوں سے بمباری سے تہس نہس کیا جارہا ہے۔ افغانستان اور عراق کو جس تباہی سے دوچار کیا گیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ۔ کشمیر اور بوسنیا کے مسلمانوں کو جس انداز سے کچلا جارہا ہے وہ مغربی

طاقتوں کا ایک ظالمانہ اور مجرمانہ کارنامہ ہے۔ عراق کی تباہی، وسطی ایشیا پر فوجی تسلط کے بعد اب استعماری قوتیں امریکہ کی قیادت میں ''ورلڈ آرڈر'' کے نفاذ کے لیے دنیا کے تمام ممالک کو دہشت زدہ کر رہی ہیں۔ روس کی تباہی کے بعد امریکہ دنیا کی واحد ''سپر پاور'' بن کر مختلف قوموں پر ظلم و ستم کے ریکارڈ قائم کر رہا ہے۔

ان تمام بالا دستیوں کے باوجود امریکہ عالم اسلام کی ابھرتی ہوئی قوتوں سے خائف ہے اور اسے جہاں کہیں اسلام کی بیداری کے نشانات نظر آتے ہیں انہیں دہشت گرد قرار دیتا ہے اور اس کے خلاف ہر قسم کی جارحانہ کارروائی کو جائز قرار دیتا ہے۔ اگرچہ تمام مسلمان ممالک کے حکمران اس کے سامنے ہاتھ باندھے، پیادوں کی طرح کھڑے ہیں تاہم اسے ان ممالک میں کوئی مسلمان یا مسلمانوں کے چند افراد اسلام کا نام لیتے دکھائی دیتے ہیں تو انہیں دہشت گرد قرار دے کر اپنے جارحانہ عزائم کی تعمیل و تکمیل کی راہ ہموار کی جاتی ہے۔ ''الجزائر'' کے مسلمان اپنے ملک پر مسلمان بن کر رہنا چاہتے ہیں تو وہ ''دہشت گرد'' ہیں۔ مصر کے مجاہدین اپنے گھر میں مسلمان بن کر رہنا چاہتے ہیں تو وہ ''دہشت گرد'' ہیں۔ ''فلسطین'' کے مسلمان اپنے علاقہ میں مسلمان کی حیثیت اختیار کرنا چاہتے ہیں تو وہ ''دہشت گرد'' ہیں۔ کشمیر کے مسلمان اپنی آزادی کے لیے جانیں قربان کر رہے ہیں تو وہ ''دہشت گرد'' ہیں۔ پاکستان کا کوئی نوجوان کشمیر بوسنیا یا مصری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی میں اپنے طور پر شریک جہاد ہوتا ہے تو وہ ''دہشت گرد'' ہے۔ آج یہ شیطانی قوتیں مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کے تصور سے بھی لرزہ براندام ہیں۔ وہ اپنے حلیفوں اور اتحادیوں سے باہمی مشورہ کر کے فیصلہ کرتی ہیں کہ اسلام کے نام لیواؤں کو کہیں سر نہ اٹھانے دیا جائے۔

؎ وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین کر
آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو
اقبالؔ کی غزل سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

یہ ''اقبال'' کون ہے؟ یہ اقبال وہی مسلمان ہے جس کے بدن میں ''روح محمد'' ہے اور دنیا میں اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ ''کشمیر کا مجاہد'' ہے وہ ''بوسنیا کے مسلمانوں کا دست راست ہے'' وہ ''الجزائر کے مسلمانوں کا حلیف ہے'' وہ مصر کے مجاہدین کا مداح ہے۔ وہ فلسطین کے مظلوموں کا نوحہ خواں ہے اور وہ اپنے ممالک کے ''بے دین حکمرانوں کے اقتدار کیلئے خطرہ ہے'' یہ ہے وہ ''دہشت گرد'' جس سے دنیائے مغرب کانپ رہی ہے یہ ہے وہ ''دہشت گرد'' جس سے امریکہ کے ''ورلڈ آرڈر'' کو خطرہ ہے یہ ہے وہ ''دہشت گرد'' جس کے سامنے یہود و نصاریٰ لرزہ براندام ہیں۔

آج پاکستان کے مسلمانوں کو زمانہ کے طوفانوں کے سامنے کھڑے ہو کر سوچنا ہے کہ کیا ہم ''دہشت گرد'' ہیں یا ''دہشت زدہ'' آج پاکستان کے نوجوانوں نے فیصلہ کرنا ہے کہ آیا ہم نے ''دہشت گر'' بن کر زندہ رہنا ہے یا ''دہشت زدہ'' ہو کر جینا ہے۔ آج پاکستان کے مجاہدانہ روح رکھنے والے مسلمانوں نے بتانا ہے کہ آیا ہم ''دہشت گرد'' بن کر جئیں گے یا ''دہشت زدہ'' ہو کر زندہ رہیں گے۔ آج دنیا کے

جس خطے میں بھی ''روحِ محمدؐ'' کے امین موجود ہیں۔انہوں نے اعلان کرنا ہے کہ وہ ''دہشت گرد'' بن کر زندہ رہنا چاہتے ہیں یا ''دہشت زدہ'' ہوکر۔اگر ہم اب یہ فیصلہ نہیں کریں گے تو آئندہ دس برسوں کے اندر روح محمدؐ بیدار ہوگی۔یہ ''روح محمدؐ'' کا ہی معجزہ ہے کہ لینن اور سٹالن کی بنائی ہوئی سپر پاور زمین بوس ہوگئی ہے۔اب ''روح محمدؐ'' مستقبل کے فیصلے خود کرے گی اور اپنے فیصلے منوائے گی آج اسلام کے نام لیوا ''روح محمدؐ'' کا پیغام لیے مغربی قوتوں کے قلعوں کے دروازوں پر دستک دے رہے ہیں۔

آج اسلام کی روشنیاں امریکہ کے اندرونی تاریک خانوں میں پہنچ چکی ہیں۔آج یورپ کے ممالک اسلام کی آمد آمد سے لرزاں ہیں۔آج ان ممالک کے اپنے باشندے لاکھوں کی تعداد میں اسلام قبول کر رہے ہیں آج مغربی قوتوں کے مظالم ان کے ہم وطنوں کو اسلام کی حقانیت قبول کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔آج امریکہ کے اندرونی حالات مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے بدل رہے ہیں۔آج انگریزوں کے مذہبی راہنما اسلام کی روشنیوں کے سامنے پردے تان رہے ہیں۔آج کا ''دہشت گرد'' مستقبل کی دنیا کا امین بنے گا۔آج کا ''دہشت گرد'' مستقبل میں مظلوموں کی پناہگاہ بنے گا۔آج کا ''دہشت گرد'' ''دہشت زدہ'' قوموں کا امام بنے گا۔

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے ''قم باذن اللہ''
وہی زمیں وہی گردوں ہے ''قم باذن اللہ''
کیا ''نوائے انا الحق'' کو آتشیں جس نے
تری رگوں میں وہی خوں ہے ''قم باذن اللہ''
غمیں نہ ہو کہ پراگندہ ہے شہود ترا
''فرنگیوں کا یہ افسوں ہے'' ''قم باذن اللہ''

گرفتہ چینیاں احرام وملی خفتہ در بطحا!

جلد۱۴............کتوبر۱۹۹۴ء...............شمارہ۳۹

علامہ اقبال نے آج سے ستر سال پہلے مسلمانوں کی زبوں حالی پر ماتم کرتے ہوئے کہا تھا کہ چینی (غیر مسلم اقوام) عالم اسلام پر قابض ہو چکی ہیں اور مسلمان وادی بطحا میں جا کر غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔آج یہی کیفیت پاکستان کے سنیوں کی ہے کہ بدعقیدہ فرقے ملک کی دینی قیادت پر قابض ہوتے جا رہے ہیں اور سنیوں کی اکثریت خواب خرگوش میں سو رہی ہے۔سنیوں کی مساجد غیروں کے قبضہ میں جا رہی ہیں۔سنیوں کے ادارے تباہ ہو رہے ہیں سنیوں کی درس گاہیں دم توڑ رہی ہیں سنیوں کی خانقاہیں اوقاف کے اہلکاروں کی ملکیت میں ہیں۔سنیوں کی قیادت ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہے۔سنیوں کے ائمہ مساجد کمیٹیوں کے رحم وکرم پر ہیں۔سنیوں کے علماء ملک کی دولت لوٹنے والوں کے دروازوں پر ہاتھ باندھے کھڑے نظر آتے ہیں۔سنیوں کے راہنما ایوان اقتدار کے دستر خوانوں پر زلہ ربائی میں مصروف ہیں۔

''شیعہ اور''وہابی''فرقے اگرچہ ایران اور سعودی عرب کی حکومت کی خیرات پر پل رہے ہیں مگر وہ پاکستان بھر میں مختلف انداز سے دندنا رہے ہیں۔ان کے ہراول دستے''سپاہ فقہ جعفریہ'' کی شکل میں یا''سپاہِ صحابہ'' کے نام پر قتل وغارت گری پر اتر آئے ہیں۔دیوبندیوں کے مدارس ملکی سنیوں کے مالی تعاون سے اپنی مستقبل کی فوج

تیار کر رہے ہیں۔شیعوں کے ہی ''امام باڑے'' زکوٰۃ اور خمس بچا کر اپنے خونخوار چھاپہ ماروں کو تربیت دے رہے ہیں۔ وہابیوں کی عسکری تربیت گاہیں ''جہاد'' کا نام لے کر ''مشرکین وطن'' کی ہٹ لسٹیں تیار کر رہے ہیں۔ان خطرناک حالات کو محسوس کرتے ہوئے بھی ''سنی خفتہ در بطحا'' کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔

آج ملک جس فرقہ وارانہ آگ کی طرف بڑھ رہا ہے اس کے نتائج کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی نگاہیں اسلامی تاریخ کے ان ادوار کو دیکھنے کا شعور رکھتی ہیں۔جن میں شیعوں اور خارجیوں نے اسلام کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا تھا۔ان دینی فتنوں نے سنی مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنتوں کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ابھی کل کی بات ہے کہ ایران جو سنی بزرگان دین کا گہوارہ تھا، جو سنی عاشقان رسول کی سرزمین تھا، آج شیعوں کی ''جمہوریہ ہے'' سرزمین عرب جو عاشقان رسول کی وادی تھی ،آج نجدیوں کی ملکیت بن گئی ہے۔عراق و شام جو امام اعظم اور غوث اعظم کی وراثت تھی ،مصر و فلسطین ہمارے اہل اللہ کی سرزمین تھی۔آج امریکہ کے یہودیوں کی نو آبادیات میں شامل ہیں یا ان کے میزائلوں کی زد میں ہیں۔

آج پاکستان بھر میں بھی یہی فرقے اپنی مکروہ تاریخ کو دہرانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ان فرقوں کا تحریک پاکستان میں کوئی حصہ نہیں۔آج یہی فرقے ان لوگوں کو للکار رہے ہیں جنہوں نے پاکستان بنانے میں مجاہدانہ کردار ادا کیا تھا، جنہوں نے قربانیاں دے کر اس خطے کو حاصل کیا تھا۔

ایسے حالات کو برسرِ اقتدار حکومتیں سنوارنے میں اہم کردار ادا کیا کرتی ہیں۔ مگر ہمارے ملک کی دونوں سیاسی قوتیں ملک کی دولت کی لوٹ کھسوٹ میں دست و گریبان ہیں۔ برسر اقتدار حکومت ملک کے وسائل کی بلا شرکت غیرے مالک بن کر رہنا چاہتی ہے۔اور اپنے جیالوں کو نواز رہی ہے اور ساری قوم کو مسائل اور مصائب

کے اندھیروں میں پھینک دیا گیا ہے دوسری طرف محروم اقتدار اپوزیشن اپنے ''عہد رفتہ'' کو آواز دینے کے لیے اسمبلیوں کے اندر اور باہر توڑ پھوڑ میں مصروف ہے۔ ان دونوں سیاسی قوتوں کو نہ اسلام سے دلچسپی ہے اور نہ اسلامی زندگی سے سروکار، بس دولت کی ہوس نے دونوں کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔ اور اس مکروہ کھیل کو ''جمہوریت'' اور ''بقائے ملک'' کا نام دیکر قوم کو بے قوف بنا رہے ہیں۔ یہ دونوں جماعتیں کبھی کبھی علماء کرام اور مشائخ عظام کو اپنے ہاں بلا کر کانفرنسیں کر لیتی ہیں اور انہیں بھنے ہوئے مرغوں کی پلیٹوں کے سامنے لا کر ٹیلی ویژن پر دکھا دیا جاتا ہے تا کہ ساری قوم دیکھ لے کہ ان کے علماء و مشائخ ہماری بدکرداریوں کے حامی ہیں۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

آج دین کے معاملہ میں جس قدر اتفاق ہمت اور قربانی کی ضرورت ہے۔ شاید آج سے پہلے کبھی نہ ہوئی ہو۔ سنی علماء و مشائخ خدا معلوم کب اپنا مقام پہچانیں گے۔ ان کے محراب و منبر اور خانقاہیں خدا معلوم کب ''مقام مصطفیٰ'' کی بحالی کے لیے تیار ہوں گے۔ ان کے شب و روز خدا معلوم کب۔ ''محبت رسول'' کے لیے وقف ہوں گے۔ ان کی تقریریں اور خطبات کب ''دینی قیادت'' کے لیے اپنا کردار کریں گے۔

اگر چہ ہم نے کئی بارانِ قدسی حضرات'' کی خدمت میں ملک کی سنگین صورت حال کے پیش نظر مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنا مقام، اپنا تشخص، اپنا فریضہ سرانجام دیں مگر ان کے جمود، ان کے انتشار، ان کی بے حسی میں فرق نہیں آیا۔ غالباً وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ محراب و منبر کے وہ مالک ہیں اور محراب و منبر سے ہی ہدایات نافذ ہوتی ہیں اور یہ ہدایت نافذ کرنے والے وہ خود ہی ہیں لہٰذا کسی دوسرے کی بات ماننا، اس پر غور کرنا یا اسے تسلیم کرنا ان کے ''اعلیٰ مقام'' کے خلاف ہے۔ مشائخ عظام تو کسی بات پر غور

کرتے ہی نہیں۔

با مریداں روز و شب اندر سفر
از ضرورتہائے ملت بے خبر

ملت کی ضرورت سے اس بے خبری کا نتیجہ ایک دن سامنے آئے گا اور دینی فتنے جو مسلح ہو کر ابھر رہے ہیں طوفان بن کر ان کی خانقاہوں پر ٹوٹ پڑیں گے جنہیں یہ مشائخ آج اپنی پناہ گاہیں سمجھے بیٹھے ہیں۔ رافضیوں اور دیوبندیوں کے وہ ٹولے جو ابھی آپس میں آنکھ مچولی کر رہے ہیں۔ قوت حاصل کرنے کے بعد بزرگان دین کے مزارات پر بھی یلغار بولنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ اندریں حالات علماء اہل سنت اور مشائخ کرام کو مل کر ایسی حکمت عملی تیار کرنی چاہیے جو ان دینی فتنوں کا مقابلہ کر سکے۔

اہل دل کے کارواں کن وادیوں میں کھو گئے!

جلد نمبر۴..............نومبر۱۹۹۴..............شمارہ ۴۰

نومبر کے دوسرے ہفتے کے دوران میں رائے ونڈ میں ''تبلیغی جماعت'' کا سہ روزہ سالانہ اجلاس منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں پاکستان اور بیرون پاکستان سے ''تبلیغی جماعت'' کے ہم نوا جمع ہو رہے ہیں۔ ایک اخباری خبر کے مطابق اس اجتماع کے میدان میں دس لاکھ نمازیوں کے لیے نماز ادا کرنے کی جگہ بنائی گئی ہے۔ پھر ''اجتماعی دعا'' میں اخباری اطلاعات کے مطابق تیرہ لاکھ افراد کے جمع ہونے کی توقع ہے۔

آج سے ساٹھ سال قبل ایک دیوبندی مولوی محمد الیاس صاحب نے ''تبلیغی جماعت'' کی بنیاد رکھی، اور اس نصف صدی میں جماعت کے بانی اور ان کے جانشینوں مولوی محمد یوسف دہلوی، مولوی محمد زکریا صاحب اور مولوی محمد عمر پالم پوری صاحب نے تبلیغی جماعت کو تربیت دینے اور فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج یہ جماعت ''دیوبندی نظریات'' کی نقیب بن کر دنیا کے مختلف ممالک میں سرگرمِ عمل ہے۔ ''تبلیغی جماعت'' کے بانیوں اور اس کے ترجمانوں کے عقائد اور نظریات کے رخ کردار سے ہر سنی پوری طرح آگاہ ہے اور ان کی بداعتقادی کے اثرات کسی صاحب عقل وفکر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ آج ان کے اجتماع میں لاکھوں لوگوں کا جمع ہونا کچھ ''تبلیغ'' کے بہانے ہے کچھ ''چلہ کشی'' کے بہانے کچھ ''مختلف ممالک کے

دوروں'' کے بہانے ہیں اور کچھ ''اجتماعی دعاؤں'' کے بہانے ایک بڑا اجتماع ہے۔ آج یہ اجتماع افسانہ نہیں ایک حقیقت بن گیا ہے۔ آج یہ دور دراز سے آنے والے ایک دن سنی العقیدہ لوگ تھے۔ یہ گاڑیوں اور ویگنوں پر سوار ہو کر رائے ونڈ پہنچنے والے ایک دن ''صحیح العقیدہ'' مسلمان تھے۔ پھر اجتماعی دعا میں شرکت کرنے والوں میں سے آج بھی پچاس فیصد سادہ لوح سنی ہیں۔ جس طرح ایک مسافر سراب کو پانی کے بہتے ہوئے چشمے سمجھ کر اس کی طرف لپکتا ہے۔ رات کے اندھیرے کو مسافر روشنی کی تلاش میں اس جھونپڑی میں جا پہنچتا ہے۔ جہاں سے روشنی کی کرن دکھائی دے۔

آج سے ساٹھ سال پہلے یہی لوگ اس سرزمین میں جوق در جوق اہل اللہ کی خانقاہوں اور رُشد گاہوں میں حاضر ہوتے تھے۔ ان خانقاہوں اور رُشد گاہوں پر جمع ہونے والے لوگ ہزاروں میں نہیں لاکھوں کی تعداد میں حاضری دیا کرتے تھے۔ میں نے ذاتی طور پر ہزار ہا لوگوں کو رائے ونڈ نہیں بٹالہ شریف کی طرف رواں دواں جاتے دیکھا ہے۔ جہاں ''سلسلۂ قادریہ'' کے پیر فاضل الدین قادری اور ان کے جانشین لوگوں کو سنبھالا دیا کرتے تھے۔ میں نے ہزاروں عقیدت مندوں کو'' مکان شریف'' جاتے دیکھا ہے، جہاں ''سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ'' کے سلوک کی تعلیم دی جایا کرتی تھی۔ میں نے ''علی پور سیداں'' میں لوگوں کی قطارین جاتی دیکھی ہیں جہاں دو سید (سید حافظ جماعت علی شاہ) (اور سید جماعت علی شاہ ثانی) رحمۃ اللہ علیہما کی روحانی نگاہیں آنیوالوں کو'' مجددی سلوک'' سے نوازا کرتی تھیں۔ میں نے شرقپور شریف کی طرف آدھے لاہور کو آتے جاتے دیکھا ہے جہاں میاں شیر محمد شرقپوری کا دروازہ فیضان کھلا ہوا تھا۔ میں نے ''چورہ شریف'' کی خانقاہ سے ہزاروں لوگوں کو جھولیاں بھر کر لوٹتے دیکھا ہے۔ میں خود'' موہڑہ شریف'' کی اس رُشد گاہ پر حاضر ہوا تھا جہاں دشوار گزار پہاڑوں سے لڑکھڑاتے ہوئے عقیدت مند دیکھے جو مری سے میلوں نیچے نقشبندی

فیضان کے سرچشمہ'' سے فیضیاب ہوتے تھے۔ میں نے ''تونسہ شریف'' اور'' سیال شریف'' کی خانقاہوں میں ''اہل محبت'' کے قافلے آتے جاتے دیکھے تھے۔ میں نے'' قصور شریف'' کے ''مجددیوں'' کو قصور کے بڑے قبرستان میں آسودۂ خاک پایا جہاں ان کے عقیدت مند پروانہ وار ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ہمیں اس قبرستان میں جوتا لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ اس میں'' خواجہ قصوری دائم الحضوری'' کی آرام گاہ کے اردگرد تین سو ساٹھ حافظان قرآن آرام فرما ہیں۔ پاکپتن میں حضرت مسعود فرید شکر گنج اور لاہور میں حضرت داتا گنج بخش کی خانقاہیں تو اہل دل کی بوسہ گاہیں تھیں جہاں زائرین کی تعداد شمار و قطار سے باہر تھی۔ میں جب طالب علم تھا۔ ضلع اٹک میں چشتیہ بزرگوں کی خانقاہ'' بوسال شریف'' میں ٹھہرنے کا موقع ملا تو بلا مبالغہ رات کے وقت پانچ سو چشتیوں کا حلقہ صاحبزادہ صاحب کے زیرنگاہ'' ذکر بالجہر'' میں مصروف پایا اور رات گئے تک چشتیوں کی محفلیں قائم رہتیں۔ ''جلال پور شریف''، ''کیلیانوالہ شریف''، ''بیربل شریف''، ''للہ شریف''، ''باولی شریف'' (کھاریاں) ''اعوان شریف'' (گجرات) ''ملتان شریف''، ''چاچڑاں شریف''، ''گولڑہ شریف'' اور دوسری کئی خانقاہیں تشنہ کامان روحانیت کو سیراب کیا کرتی تھیں۔ آج چاروں طرف نظر جاتی ہے تو زبان بے اختیار پکار اٹھتی ہے۔

ع۔ اہل دل کے کارواں کن وادیوں میں کھو گئے!

جہاں خانقاہیں تھیں وہاں'' بارگاہیں'' بن گئیں۔ اہل خانقاہ گئے تو'' سجادہ نشین'' آگئے۔ رشد و ہدایت کے دروازے بند ہوئے۔ تو'' فتوحات اور نذرانے'' اکٹھے ہونے لگے۔ اہل دل کی محفلیں اجڑیں تو'' دنیاداروں کے ڈیرے'' آباد ہو گئے جو پیر سیکڑوں میل پیدل چل کر خاک نشین مریدوں کی تربیت کیا کرتے تھے۔ آج ان کے صاحبزادے پجارو کاروں پر بیٹھ کر مریدوں کے سروں پر خاک پھینکتے گزر جاتے ہیں۔

ان حالات میں ''رائے ونڈ'' کے میدان میں لاکھوں لوگ جمع نہ ہوں تو کدھر جائیں۔

شب ہجراں کے جاگنے والو!
کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی
رہ گئی بات کٹ گئی شب ہجر
تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی؟

مجھے ایک معمر درویش نے روتے ہوئے بتایا کہ آج سے ستر سال پہلے جہاں ان کے پیر ومرشد اپنے مریدوں کے حلقہ میں بیٹھ کر ''توجہ'' دیا کرتے تھے، آج ان کی اولاد نے حویلی بنا کر اپنے گھوڑے اور کتے باندھے ہوئے ہیں۔ ''زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن'' آ گئے ہیں۔ خانقاہیں ''بارگاہیں بن گئی ہیں۔ رشدگاہیں چراگاہوں میں تبدیل ہوگئی ہیں۔ جہاں دنیاداروں کو بزرگوں کی مجلس میں حاضری کی مشکل سے اجازت ملا کرتی تھی۔ آج وہی خانقاہیں دنیاداروں کی آمد آمد کے لیے آنکھیں فرش راہ بنی رہتی ہیں۔ آج پیرزادے اور مشائخ زادے، وزراء اور امراء کے انتظار میں بوڑھے ہوتے جارہے ہیں۔

بیٹھ کر راہ گزر عام میں گزری اپنی
اس تمنا میں کہ شاید ''وہ'' ادھر آ نکلیں

آج لاکھوں لوگوں کے قافلے ''رائے ونڈ'' کی طرف آتے دکھائی دیتے ہیں تو اپنا ماضی یاد آتا ہے۔ اپنے بزرگ یاد آتے ہیں، اپنی خانقاہیں یاد آتی ہیں اپنی روحانی مجالس یاد آتی ہیں اپنے آباؤ اجداد یاد آتے ہیں، اپنے مشائخ یاد آتے ہیں اپنے استاد یاد آتے ہیں اور اپنے پیر یاد آتے ہیں۔

رولے اے دل کھول کر با دیدہ خونابہ بار
سامنے تیرے ہے ''مردان حجازی'' کا مزار

الحمدللہ اس گئے گزرے دور میں مولانا محمد الیاس قادری نے ''دعوت اسلامی'' کی بنیاد رکھی ہے۔ نوجوانوں کو ''سبز عمامے'' پہنا کر ایک اجتماعی رنگ دیا ہے۔ نوعمر بچوں کو روحانی تربیت دے کر ''صلوٰۃ وسلام'' کے انوار پھیلانے شروع کر دیے ہیں۔ انہیں آداب شریعت اور آداب صبح گاہی کا خوگر بنایا گیا ہے۔ پھر ہر سال ایک ''اجتماعی اجلاس'' بلا کر باہمی الفت کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ اللہ کرے یہ سلسلہ قائم و دائم رہے۔ اللہ کرے مولانا محمد الیاس قادری اپنے مخلص جانشینوں کی ایسی تربیت کر سکیں۔ جہاں اختلاف اور انتشار سے دور رہ کر مہر و محبت کی حکمرانی ہو، جو اس سلسلہ کو عالم اسلام کی سرحدوں سے پرے کائنات ارضی میں پھیلا سکیں۔ اگر چند مشائخ چند پیرزادے، چند صاحب زادے اور چند سجادہ نشین مل کر اپنے اپنے حلقوں میں عوام کی روحانی راہنمائی کرنے میں دن رات کام کریں تو ملت اسلامیہ دوبارہ اسلام کی روحانیت کی قوتیں لے کر آگے بڑھے گی اور لوگوں کو ''بدعقیدہ اجتماعوں'' سے نجات مل جائے گی۔

سنی اپنا مقام پہچانیں

جلد نمبر ۵.......... مئی جون ۱۹۹۵ء.......... شمارہ نمبر ۴۴

آج عالم اسلام جن مشکلات سے گزر رہا ہے وہ تاریخ عالم کا ایک خونچکاں باب بنے گا۔ مغربی قومیں، خاص کر یہودی اور ہندو قوتیں اسلامی ممالک پر جس انداز سے حملہ کر رہی ہیں وہ نوآبادیاتی نظام کے حملوں سے بھی زیادہ شدید اور خطرناک ہیں۔ فلسطین اور لیبیا کے بعد افغانستان اور عراق پر جو کچھ ہوا وہ کل کی بات ہے۔ آج یہی قومیں بوسنیا، چیچنیا اور کشمیر کے مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم و ستم کرا رہی ہیں وہ ان کی اسلام دشمنی کی کھلی سکیم ہے۔ ان سازشوں اور دہشت گردی کے باوجود ان علاقوں کے مسلمان ان مصائب کا جس بہادری کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس کی مثال بہت کم ملے گی۔ آج کا عام مسلمان شاید ان مسلمان جانبازوں کی مزاحمت اور ثابت قدمی کے پیچھے جو اصل قوت ہے اس کا اندازہ نہیں لگا سکے گا وہ مغربی میڈیا سے متاثر ہوتا ہے۔ پھر ہمارے اخبارات بھی مغربی انداز سے حالات کی ترجمانی کرتے جاتے ہیں۔ مگر آپ دیکھیں گے کہ جہاں جہاں یہ شدت ہو رہی ہے اور اس شدت کے مقابلہ میں جہاں جہاں مزاحمت ہو رہی ہے۔ اس کے پیچھے مسلمان مجاہدین کی قوت ایمانی خصوصاً محبت رسول کا جذبہ کارفرما ہے۔ وہ سب کچھ قربان کر رہے ہیں۔ اپنے شہر اور اپنے گھر جلتے دیکھ رہے ہیں۔ اپنے کاروبار اور اپنی فصلوں پر بجلیاں گرتے دیکھ

رہے ہیں۔ وہ اپنے بچوں، عزیزوں اور بزرگوں کو دم توڑتے دیکھ رہے ہیں۔ وہ اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں مگر ان کے سر جھکتے نہیں۔ یہ سب عشق رسول کی حرارت کا نتیجہ ہے۔ یہ مسلمان بے سروسامانی کے باوجود، فاقہ کشی کے باوجود، آگ اور خون کی بارش کے باوجود سر جھکاتے دکھائی نہیں دیتے کہ۔

ع۔ ''کٹ سکتا ہے سر عشاق کا پر جھک نہیں سکتا''

یہ عاشقان رسول اپنے دلوں میں عشق رسول کی جرأت لے کر میدان جنگ میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ چیچنیا کے شہیدوں کے لہو میں ایک نقشبندی مجددی بزرگ امام شامل رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کام کر رہی ہے جس نے اس خطہ میں روس کی بے دین قوت کا سالہا سال تک مقابلہ کیا۔ یہ امام شامل مجددی ہی تھے۔ جنہوں نے چیچنیا کے مسلمانوں کو عشق رسول کی دولت سے مالا مال کیا۔ پھر ان مجاہدوں کو لے کر کئی سال چیچنیا کے صحراؤں اور جنگلوں میں روسی استبداد کا مقابلہ کرتے رہے۔ آج یہی روحانی تربیت ایک ولی اللہ حضرت فطر اللہ الفانوف رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ وہ روسی استبداد کے دوران ایک عرصہ تک مشرقی یورپ کے اس خطہ میں مسلمانوں کے دلوں کو عشق رسول سے گرمائے رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ وہ کئی بار روسی استبداد کی قید و بند میں رہے۔ بیس سال تک سائبیریا کے صحراؤں میں پابند کر دیے گئے۔ مگر وہ جب اپنے وطن آئے دلوں کو عشق مصطفیٰ کی لو سے گرماتے رہے۔ آج اسی تربیت کا نتیجہ ہے کہ وہاں کے لوگ جان تو دیتے ہیں مگر سربیوں کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتے۔ وہ اپنے وطن پر آگ برستی ہوئی دیکھتے ہیں مگر طاقت کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں ہوتے۔ وہ اپنے عزیزوں کے لاشوں کو تڑپتے تو دیکھتے ہیں مگر مصلحت وقت کا شکار نہیں ہوتے۔ اپنے سر نہیں جھکاتے، ہار نہیں مانتے، سودا نہیں کرتے۔ انہیں مک مکا بھی نہیں آتا۔ وہ عشق مصطفیٰ کی شمع کی روشنی سے اپنے سینوں کو درخشاں کیے ہوئے میدان جنگ میں

ڈٹے ہوئے ہیں وہ باطل طاقتوں کو للکار کر کہہ رہے ہیں۔

؎ شہادت سے ڈرا سکتے نہیں تم مرد مومن کو
کہ مومن ڈھونڈنے آتا ہے دنیا میں اسی دن کو

آج وادی کشمیر میں جو ظلم وتشدد ہو رہا ہے وہ سارے عالم پر آشکار ا ظلم و بربت کی وہ کون سی رنگین داستان ہے جسے ہندوستانی فوج اپنی آتشین ہتھیاروں سے نہیں لکھ رہی۔ شدت و بربریت کی وہ کون سی کہانی ہے جسے ہندوستان کے فوجی وادی کشمیر کے گلی گلی کوچے کوچے میں نہ دہرار ہے ہوں۔ دوسری طرف نہتے اور بے سر و سامان کشمیری حریت پسند کس جانبازی سے ظلم بھی سہہ رہے ہیں اور مزاحمت بھی کر رہے ہیں۔ وہ ہندوستان کی چھ لاکھ (اب سات لاکھ) فوج کا تن تنہا مقابلہ کر رہے ہیں۔ وہ سر کیوں نہیں جھکاتے؟ وہ مصالحت کیوں نہیں کر لیتے؟ وہ ہندوستان کی بات کیوں نہیں مان لیتے؟ وہ اپنے بچوں کو تڑپتا دیکھ کر امن کی اپیل کیوں نہیں کر لیتے؟ وہ ہندوستان کی بات کیوں نہیں مان لیتے؟ وہ اپنے بچوں کو تڑپتا دیکھنے کے بعد امن کی اپیل کیوں نہیں کر لیتے؟ وہ خاک وخون کے دریاؤں سے گزرنے کی بجائے وادی کشمیر جنت نظیر کی خوبصورتی کو کیوں نہیں اپنا لیتے؟ وہ سر کٹاتے جارہے ہیں لیکن عشق مصطفیٰ کی شمع کو بجھنے نہیں دیتے۔ وہ جانیں دے رہے ہیں مگر باطل کے سامنے نہیں جھکتے۔ وہ اپنے عزیزوں کی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں۔ مگر عشق رسول کی غیرت پر حرف نہیں آنے دیتے۔ ہم نے کبھی سوچا ہے کہ عشق رسول ﷺ کی گرمی، عشق رسول کی غیرت اور عشق رسول کی شمع کو روشن رکھنے کے جذبے کے پیچھے کون سی قوت کارفرما ہے۔ یہ حضرت بل کون تھے؟ جنہوں نے کشمیریوں کے خون میں عشق مصطفیٰ کی توانائی بھر دی۔ یہ چرار شریف کے بزرگ حضرت نور ولی کون تھے۔ جنہوں نے کاشمیری مسلمانوں کے سینوں کو محبت رسول سے تابناک بنا دیا۔ سری نگر میں

حضرت بل کی خانقاہ ہی دراصل عشق رسول کی تربیت گاہ تھی۔ یہ چرار شریف کی درگاہ ہی مقام مصطفیٰ کی ترتیب گاہ تھی۔ آج ہندوستان کا پورا ہندوانہ تشدد انہیں درگاہوں پر ٹوٹ رہا ہے۔ آج باطل کی ساری بجلیاں انہیں خانقاہوں پر گر رہی ہیں۔

....

الحمد للہ آج یہی خانقاہیں یہی درگاہیں، بزرگان دین کے یہی مزارات اہل اللہ کی یہی زیارت گاہیں، باطل فوجوں کے سامنے مزاحمت کے قلعہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ وہ سنی اولیاء تھے، جنہوں نے اپنی خانقاہوں میں بیٹھ کر ان مجاہدوں کی تربیت کی۔ یہ وہ درگاہیں ہیں جہاں سے مجاہدین عشق مصطفیٰ کا نور لے کر ڈٹے ہوئے ہیں۔ غالباً آج ہمارا سنی اس احساس سے محروم ہے کہ اس کے بزرگوں نے میدان جنگ، اس کے ولیوں نے اس کی خانقاہوں نے اس کی درگاہوں نے عام مسلمانوں کو کس سانچے میں ڈھالا تھا اور کس نگاہ سے پالا تھا۔

آج شاید سنیّوں کو اپنا مقام یاد نہیں کہ بزرگان دین نے انہیں خانقاہوں سے عشق مصطفیٰ کی تربیت دی ہے آج سنی نوجوان کو غالباً یہ احساس ہی نہیں کہ ان بزرگوں کی درگاہیں ان کی تربیت گاہیں تھیں۔ یہ انہیں تربیت گاہوں کے فیض یافتہ ہیں۔ یہ اسی آسمانِ عشق و محبت کے ٹوٹے ہوئے تارے ہیں۔

یہ خانقاہیں، یہ درگاہیں، یہ بزرگان دین کی بارگاہیں، یہ اہل اللہ کے زاویے در اصل شیروں کی کچھاریں ہیں۔ عقابوں کے نشیمن ہیں۔ غازیوں کی چھاؤنیاں ہیں اور مجاہدین کی تربیت گاہیں ہیں جہاں کفر کی بجلیاں بھی گریں گی تو مزاحمت کے لیےسعیوں کی چٹانیں بھی یہاں ہی کھڑی ہوں گی۔

ہم انگریزی دور کے تربیت یافتہ دینی فرقوں کو تو کچھ نہیں کہتے۔ بیچارے چند بندوقیں اٹھا کر ''سپاہ صحابہ'' بن گئے ہیں۔ چند کلاشنکوفیں دکھا کر ''مجاہد'' بن گئے ہیں۔

چند مسجدوں کے درو دیوار کو پر امن نمازیوں کے خون سے رنگین کر کے ''سپاہ محمد'' بن گئے ہیں اور چند شہید نوجوان طالب علموں کے جنازوں کو کندھا دے کر ''پاسبان ملت'' بن گئے۔ چلو یہ تو بیچارے ''سپاہ صحابہ'' ''سپاہ محمد'' مجاہدان مرید کے'' اور'' شہداء کشمیر'' کے جنازے کو کندھا دے کر تاریخ میں اپنا نام لکھوا رہے ہیں اچھی بات ہے۔ مگر ہم پاکستان کے سینوں کے دراحساس پہ ضرور دستک دیں گے اور آوازیں دیں گے کہ سنو! آج اسلام کی اکثریتی قوت کے تم وارث ہو جو ''عشق مصطفیٰ'' کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ بزرگان دین کے جانشین تم ہو، جنہوں نے اپنی خانقاہوں میں ہمیں ''مرنا اور جینا '' سکھایا تھا۔ ان زیارت گاہوں کے تم وارث ہو جن کی نگاہوں نے مجاہدین کی نسلیں تیار کی تھیں۔ آج دنیا اپنے شور وشرابے اور ڈھول ڈھمکے کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی کہ بغداد ہمارا ہے۔ عراق ہمارا ہے! الجزائر ہمارا ہے! کشمیر ہمارا ہے!

جب دنیائے یہود و نصاریٰ اپنے کاسہ لیسوں کی فوجیں لے کر بغداد پر ٹوٹ پڑی اور بے پناہ بمباری کی تو ہم ہی ان کا نشانہ تھے۔ جب افغانستان پر روسی یلغار ہوئی تو سب سے پہلے مجددیوں کی خانقاہوں (جو پیر صبغۃ اللہ مجددی کے آباؤ اجداد کی درس گاہیں تھیں) کو نشانۂ ستم بنایا گیا اور اس خانوادہ مجددیہ کے علماء و مشائخ کو سائبیریا میں لے جا کر شہید کیا گیا۔ بوسنیا پر مظالم ٹوٹے تو حضرت فطرت اللہ الفانوف رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کو تہ و بالا کیا گیا۔ جب چیچنیا پر بمباری کی گئی تو امام شامل رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کی سرزمین کو تختۂ مشق بنایا گیا۔ جب ہندو فوجوں نے کشمیر پر لشکر کشی کی تو سری نگر میں ہمارے حضرت بل پر یلغار کی گئی۔ جب چرار شریف پر حملہ کیا گیا تو ہمارے نور ولی رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں نے جانیں دیں۔ آج عراق کا ''سنی'' یہود و نصاریٰ کے تشدد کے خلاف مزاحمت کر رہا ہے۔ آج بوسنیا میں حضرت فطرت اللہ الفانوف کے نام لیوا لڑ رہے ہیں۔ آج چیچنیا میں امام شامل کے تربیت

یافتہ مجددی مجاہد سینہ سپر ہیں۔ آج سری نگر میں حضرت بل کے سنی عقیدت مند ہندوستانی فوج کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے کھڑے ہیں۔ آج چرار شریف کے سنی ہی مزاحمت کر رہے ہیں۔

دنیائے اسلام میں جہاں جہاں یہود و ہنود کے حملے ہو رہے ہیں ان کی مزاحمت سنی ہی کر رہے ہیں اور آج پاکستان کا سنی بجا طور پر فخر کر سکتا ہے کہ اس کے مسلک کے مجاہدین ہر جگہ عشقِ مصطفیٰ سے سرشار اپنے خونِ جگر سے ''سنیت کی تاریخ'' لکھ رہے ہیں۔

....

''پاکستان کے وہابی'' آج مرید کے میں پچیس ہزار کلاشن کوفیں لے کر اتراتے پھرتے ہیں کہ ہمارے ''دارالجہاد'' سے نوجوان نکل کر افغانستان کی وادیوں میں تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ ماشاءاللہ! نظر بد دور! وہابیت کی ساری تاریخ ایسے ''جہادوں'' سے بھری پڑی ہے۔ انگریز کے اشارے پر ''نجد'' سے اٹھے تو عاشقان رسول ''ترکوں'' کو مشرک کہہ کر سرزمین حجاز سے نکال دیا۔ انگریز کو ترکی سنی مسلمان کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے۔ وہاں ''وہابی مجاہدین'' ہی ''لارنس آف عریبیہ'' کے جھنڈے تلے جہاد کرتے رہے تھے اور ''حرمین شریفین'' سے عاشقان رسول کو نکال کر قابض ہو گئے۔ ان کی تلواروں نے سرزمین حجاز سے عاشقان رسول کا صرف قتل عام ہی نہیں کیا بلکہ جلیل القدر صحابہ کرام کی قبریں بھی مسمار کر دی گئیں۔ پاکستان کی تشکیل ہونے لگی تو برصغیر کے تمام وہابی دیوبندی ہندوستان کے بت پرستوں کی سماجیوں میں کھڑے گاندھی و نہرو کے ترنگے کے نیچے ''جے جے نہرو! جے جے ہند'' کے ترانے گاتے رہے تھے اور تحریک پاکستان کے مسلمانوں کے خلاف ''جہاد'' کر رہے تھے۔ یہ لوگ جب بھی جہاد کو نکلتے، یہود و نصاریٰ ور ہندوؤں کے کیمپوں سے نکل کر

پاکستان کا نام لینے والے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑتے۔ آج پاکستان میں ''تبلیغی جماعت'' والے تو ماشاءاللہ صحابہ کا روپ ڈھال کر مسلمانان پاکستان کو کلمہ پڑھاتے پھرتے ہیں۔ مگر آج مرید کے کے وہابی خدا معلوم جہاد کرنے کہاں جا رہے ہیں۔ افغانستان کی جنگ سنیوں نے لڑی اور جیتی لیکن ''مجاہد'' اب تیار ہو رہے ہیں۔

ع۔ جب جنگ ہوئی بند '' مجاہد نکل آیا!

دیو بندی حضرات ''سپاہ صحابہ'' کو لے کر جہاد کر رہے ہیں۔ رافضی شیعہ'' سپاہ محمد'' کے نام سے ''حسن بن صباح'' کے دستے تیار کر رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ''مجاہد'' بن کر پاکستان کے سنیوں پر دھونس جماتے پھر رہا ہے کہ اب ہم جہاد کریں گے۔

؎ کرے گا قتل وہ لیلیٰ کو یا لیلیٰ کی اماں کو
لیے پھرتا ہے '' مجنوں '' ٹین کی تلوار! لو بولو!

کشمیر کی مساجد، خانقاہیں، اور کوچہ و بازار خون آلود ہیں اور یہ سارا خون سنیوں کا بہ رہا ہے۔ ایک وہابی وہاں قتل کیا ہونا ہے نظر نہیں آتا۔ کشمیر کی وادی میں سنیوں کی ساری خانقاہیں اور درگاہیں بھارتی درندوں کا نشانہ ہیں۔ ایک دیو بندی مولوی یا ''سپاہ صحابہ'' کا ایک شخص یا تبلیغی جماعت کا ایک فرد وہاں شہید نہیں ہوا۔ بوسنیا میں سارے سنی جام شہادت نوش کر رہے ہیں۔ چیچنیا میں سارے سنی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑ رہے ہیں۔ عراق میں صرف اور صرف سنی ہی شہید ہوئے ہیں اور اب انہیں کے بچے بھوکے پیاسے جان بلب ہیں۔ ایک وہابی یا شیعہ یا تبلیغی جماعت کا ایک رکن بش کی گولی سے نہیں مرا۔ آج ایک غیر سنی بھی کلنٹن کی ناکہ بندی کا شکار نہیں ہو رہا۔ بس اپنے گھر میں پاکستان کے نئے نئے ''مجاہد'' جہاد کرتے مسلمان نمازیوں کو مسجدوں میں قتل کر رہے ہیں۔ نہ یہ باہر جا کر لڑ سکتے ہیں اور نہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جان دے سکتے ہیں۔

ان حالات میں سنیوں کو اپنا مقام پہچاننا چاہیے۔ انہیں یہاں کے خونخوار گروہوں سے نپٹنے کے لیے سینہ سپر ہوکر سر بلند ہوکر دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نپٹنا چاہیے۔ الحمدللہ ہمارا ایک ماضی ہے، ایک مقام ہے۔ ہم اسلام کے مجاہدین کے قافلے کے ہم رکاب ہیں۔ ہم بزرگان دین کے تربیت یافتہ ہیں۔ ہم بغداد میں سینہ سپر ہیں۔ ہم لیبیا میں سر بکف ہیں۔ ہم بوسنیا میں جانیں دے رہے ہیں۔ ہم چیچنیا میں سر بکف ہیں۔ ہم کشمیر میں کفن بردوش ہیں۔ ہم الجزائر میں صف شکن ہیں ہم مصر میں تیغ بکف ہیں۔ ہمیں فخر ہے ہمیں ناز ہے اور رسول اللہ کی غلامی پر اعتماد ہے۔ ہم زندہ قوم ہیں۔ مجاہدین ہیں، غازی ہیں، شہید ہیں۔

سنی ہوں نظر کوہ و بیاباں پہ ہے میری
میرے لیے شایان خس و خاشاک نہیں ہے

☆☆☆☆☆

موجودہ دور میں ''فکرِ رضا'' کی اہمیت

جلد نمبر ۵..........جولائی ۱۹۹۵..........شمارہ نمبر ۴۵

جنوبی ایشیا کا یہ خطہ جسے برصغیر پاکستان ہندوستان اور بنگلہ دیش کے جغرافیائی حدود میں تقسیم کر دیا گیا ہے، مسلمانوں کی تہذیب کا ایک مثالی علاقہ رہا ہے۔ اس سر زمین میں اولیائے کرام نے عوام کی تربیت میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ عوام الناس کو چھوڑ کر مشائخ وقت اور علماء کرام نے وقت کے شہنشاہوں کی ذہنی اور قلبی تربیت کر کے اسلامی تہذیب کو فروغ دیا ہے۔ اس خطہ میں ایسے ایسے مسلمان شہنشاہ حکمران رہے ہیں، جنہیں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ امیر بھی تھے اور فقیر بھی۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

اس برصغیر کے بت پرست ہندوؤں نے ایک بار بڑا کامیاب تجربہ کیا اور مغل شہنشاہ اکبر اعظم کو اسلام سے برگشتہ کر کے ہندو مذہب اور معاشرت کے فروغ پر لگا لیا جس کے اثرات برصغیر کے عوام پر مرتب ہوئے اور لوگوں میں اسلامی معاشرت کو مشکوک بنا دیا گیا۔ اسلامی شعائر اور احکام پر پابندیاں لگا دی گئیں اور ''دین الٰہی'' کے نعرے کے ساتھ اہل حق کو بڑے مصائب میں مبتلا ہونا پڑا۔

اس دور میں حضرت مجدد الف ثانی نے آگے بڑھ کر ان بے دین قوتوں کا مقابلہ کیا اور ملت اسلامیہ پر ''دین الٰہی'' کے جو اثرات مرتب ہو رہے تھے اسے دور

کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ آپ کی جدوجہد سیاسی بھی تھی اور روحانی بھی۔ آپ نے امراء مملکت اور علماء حق کی ایک ایسی جماعت تیار کی، جس نے اکبری لادینیت کو پارہ پارہ کر دیا۔ آپ کے ایک اور معاصر عالم دین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے علمی میدان میں اصلاح احوال کی کامیاب کوشش کی۔ ان حضرات نے اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ''سرمایۂ ملت کی نگہبانی'' کا کام سرانجام دیا۔ ان بزرگوں کی کامیاب کوششوں سے ہندوستان میں نہ صرف اسلامی شعائر دوبارہ زندہ ہوئے بلکہ اکبر اعظم کے جانشین اسلامی قوانین کے نفاذ میں پیش پیش رہے۔ ملک میں مساجد تعمیر ہونے لگیں۔ دینی مدارس قائم ہوئے اور دین کی تبلیغ اور تعلیم کا اتنا شاندار نظام قائم ہوا کہ دنیا کے دوسرے ممالک کے مسلمان بھی اس سے استفادہ کرتے رہے۔

مغل اقتدار کے خاتمے کے بعد مسلمانوں پر پھر ایک ایسا وقت آیا کہ دینی اور معاشرتی چشمے گدلانے لگے۔ دینی فتنے سر اٹھانے لگے۔ مختلف ادیان کے خیالات مسلمانوں کو متاثر کرنے لگے۔ ان حالات میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہما نے اقتصادی اور علمی طور پر اتنا شاندار کام کیا، جس کی مثال دینی تربیت کے اداروں میں بہت کم ملتی ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے اقتداری طوفانوں کے باوجود اعتقادی اصلاح کا بڑا اہم کام کیا۔ مسلمانوں کے گرتے ہوئے اعتقادی اور روحانی نظام کو سہارا دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر میں انگریزی اقتدار تجارتی انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ انگریز کی تجارتی حکمت عملی کے پیچھے اسلام دشمنی کے لشکر چلے آرہے تھے، جس نے برصغیر کی اسلامی معاشرت کو بری طرح متاثر کیا۔ ان حالات میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز اور ان کے رفقاء نے عوام کی راہنمائی میں بھرپور حصہ لیا اور ملک کے شمال مغربی خطوں کو ان فتنوں سے محفوظ کر لیا جو انگریز کی آمد کے ساتھ سر اٹھا رہے تھے۔

انگریزی اقتدار برصغیر کے مختلف خطوں میں اپنے پیر جماتا گیا اور جہاں جہاں اس کا تسلط قائم ہوا، وہاں مسلمانوں کی اقتصادی اور دینی زندگی بری طرح متاثر ہوئی۔ ایک ایسا وقت آیا کہ برصغیر کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر حصے میں دینی فتنے پھیلنے لگے۔ انگریز نے ''انسانی حقوق'' کی آڑ میں ہر کہ ومہ کو اسلام کے خلاف یا وہ گوئی کی اجازت دے دی۔ صرف اجازت ہی نہیں ایسے اعتقادی فتنوں کی پشت پناہی کی، جس نے اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ ایسے ایسے بدزبان ''راہنما'' سامنے آنے لگے جو نہ صرف اسلامی شعائر کا مذاق اڑاتے، بلکہ نبوت تک کے دعوے لیکر میدان میں اترنے لگے۔ انگریز ایسے ہر فتنہ کی پشت پناہی کرتے جو حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت اور ناموس پر حملہ آور ہوتا۔ ان حالات میں برصغیر میں بداعتقادی کے ایسے ایسے گروہ سامنے آئے کہ الامان والحفیظ!

بداعتقادی کے ان طوفانوں میں ایک ایسا مرد مجاہد سامنے آیا، جس نے ناموس مصطفیٰ کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کو للکارا۔ یہ عبقری شخصیت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے ابھری۔ اس نے زبان وقلم کی ساری توانائیاں ملت اسلامیہ کی اعتقادی اصلاح کے لیے وقف کر دیں۔ اس نے ہر موضوع پر کتابیں لکھیں اور مسلمانوں کی فکری اور اعتقادی اصلاح کے لیے دن رات ایک کر دیا۔ اس نے بگڑے ہوئے عقائد کی ہر شق کی اصلاح کے لیے ایک ایک کتاب لکھی اور تقسیم کی ۔ اس نے دینی مسائل کی تشریح کے لیے بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل فتاویٰ (العطایا النبویہ فی فتاوی الرضویہ) لکھا ہے۔ اس نے عشق رسول ﷺ کی شمع کو روشن کرنے کے لیے ''حدائق بخشش'' کی دو جلدیں لکھیں۔ اس نے بداعتقادی کے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے علمائے حق کی ایک زبردست تنظیم کی جو ''جماعت رضائے مصطفیٰ''

نے دوقومی نظریہ کی روشنی میں تحریک پاکستان میں حصہ لیااور برصغیر میں مسلمانوں کے لیے ایک آزاد، خودمختار اور نظریاتی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

آج پاکستان کو بنے پچاس سال ہونے کو ہیں ملت اسلامیہ کو پھر ایک بار دین کے نام پر دینی فتنوں کا سامنا ہے۔ دین کے نام پر بد اعتقادی کی فصل بوئی جارہی ہے۔ ہر کام دین کے نام پر ہورہا ہے، جسے دین حق سے کوئی تعلق نہیں، وہ بھی دین دین پکار رہا ہے۔ یہ صورت حال پہلے ادوار کے فتنوں سے زیادہ خطرناک اور مہلک ہے۔ پہلے ادوار میں دین اسلام کے مقابلہ میں باطل نظریات کو سامنے لایا جاتا تھا۔

آج دین کے نام سے ایسے ایسے نظریات کا پرچار ہورہا ہے کہ

''جو میں بت کدون میں کروں بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری''

ہم ان تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے، جن کی بدولت آج ''دین مصطفیٰ'' پر ضربیں لگائی جارہی ہیں۔ یہ صورت حال ہمارے سنی علمائے کرام اور مشائخ عظام سے پوشیدہ نہیں۔ انہیں ان حالات کا پورا پورا احساس ہے۔ وہ اس کے نتائج اور عواقب کو بھی جانتے ہیں۔ وہ آئے دن بدلتے ہوئے حالات پر بھی نظریں رکھتے ہیں۔

دوسروں کو چھوڑیے۔ بیگانوں کو نظر انداز کیجیے، غیروں کی بات نہ کیجیے، آج ''فکر رضا'' کی اہمیت اور حقانیت کو تسلیم کرنے والے اہل علم وفضل اور ارباب فکر ونظر جس بے حسی اور جمود کی کیفیت سے دوچار ہیں وہ اگرچہ مایوس کن نہیں مگر قابل افسوس ضرور ہیں۔ امام احمد رضا کے نظریات کو برحق ماننے والے، امام احمد رضا خاں بریلوی کو ''مجدد مایۃ حاضرہ'' ماننے والے، امام احمد رضا ریلوی کے نام پر مسجدیں اور مدرسے قائم کرنے والے، امام احمد رضا بریلوی کے ''سلام'' کو اپنی بلند مینار مسجدوں سے پڑھنے والے جس ذہنی تعطل اور روحانی جمود سے گزر رہے ہیں۔ وہ قابل تعریف نہیں۔ وہ اپنے اپنے حلقہ میں مسرور ہیں، مطمئن ہیں، خوش ہیں، دنیا و مافیہا سے بے خبر کچھ''

حال مست'' ہیں کچھ ''مال مست'' ہیں انہیں آج کے دینی فتنوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کی کوئی خبر نہیں۔ انہیں اپنی مساجد میں ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' پڑھنے کی اجازت ہے۔ وہ خوش ہیں۔ انہیں گیارہویں کی تقریبات منانے کی آزادی ہے وہ مطمئن ہیں، ان پر عید میلاد النبی کے جلوس نکالنے پر پابندی نہیں۔ وہ شادماں ہیں۔ انہیں کبھی کبھی ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بلا کر ''فہم قرآن'' اور ''محفل میلاد'' میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ وہ شاد شاد ہیں۔ انہیں ضلع کا ڈپٹی کمشنر ''امن میٹی'' اور ''اتحاد بین المسلمین'' کی میٹنگ میں علاقے کے تھانیدار کے ذریعہ بلا کر چائے پلا دیتا ہے۔ وہ ہدیہ تبریک پیش کرکے گھر آجاتے ہیں۔ علامہ اقبال نے تو یہ شعر کسی اور کے لیے کہا تھا مگر ہم ان بزرگوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

ملا کو جو اس ہند میں ہے سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

ان حضرات کی ذہنی پستی اور تنگ دلی نے انہیں یہاں تک لا کھڑا کیا ہے کہ آج اگر ایسے تلخ حقائق کو سامنے لایا جائے یا غفلت کے ان پردوں کو سرکایا جائے تو ہمارے کئی نازک مزاج معاصر علماء کرام چڑ جاتے ہیں۔ ایسی باتوں کو عامیانہ تنقید قرار دیتے ہیں۔ حرف باطل کی طرح نظرانداز کردیتے ہیں اور اپنے خودساختہ ماحول کو بڑا شاندار ماحول قرار دیتے ہیں۔

اے عندلیب نالاں نغمہ تو در گلو کن
گوش شہ ہست نازک تاب فغاں نہ دارد!

ہمارے بعض علمائے کرام اور مشائخ عظام وقت کے بادشاہ ہیں۔ ان کے کانوں کے پردے بڑے نازک ہیں۔ تاب فغاں ندارند!

بایں ہمہ اس برصغیر میں خصوصاً پاکستان میں ایسے علماء کرام کی بھی ایک کھیپ

موجود ہے، جنہوں نے ''جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی'' کے تربیت یافتہ عظیم علماء کرام سے تربیت پائی ہے۔ ایسے علماء کرام کی ایک تعداد موجود ہے۔ جو فکر رضا کی اہمیت کو جانتے ہیں۔ ایسے علماء کرام کا ایک طبقہ موجود ہے جو ''پیغام رضا'' کو لوگوں تک پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہے ایسے جواں مرد علماء کرام موجود ہیں جو بے سروسامانی کے عالم میں اپنے مدارس، اپنی مساجد، اور اپنے اداروں میں ''نغمات رضا'' سے قلب و جگر کو گرمانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آج بھی ایسے تہی دست علماء کرام بھی موجود ہیں، جو سب کچھ لٹا کر فکر رضا کو اپنائے ہوئے ہیں اور ایسے عاشقان رسول موجود ہیں، جو بد اعتقادی کے فتنوں کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں۔ الحمدللہ سنیوں میں ایسے مجاہد موجود ہیں جو ''کلک'' رضا کے نیزے کی مار سے دشمنان اسلام کے سینے میں غار کر دیتے ہیں۔

ایسے ہی حضرات سے ''خیابان رضویت'' میں بہار ہے۔ ایسے ہی علماء کرام سے گلستان رضا مہک رہا ہے۔ ایسے ہی عاشقان رسول سے شبستان رضا میں شمعیں روشن ہیں۔ ایسے ہی عالمان دین سے نظریات رضا کو فروغ حاصل ہے۔ پاکستان کی نصف آبادی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ہم گردن اٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا ماضی شاندار ہے۔ ہمارے علماء کرام نے تحریک پاکستان میں نہ صرف حصہ لیا، بلکہ قربانیاں دیں۔ ہمارے مشائخ نے پاکستان کی تشکیل میں اتناز بردست کردار ادا کیا کہ آج کوئی مائی کالال دینی قیادت کے ہزار نعرے لگانے کے باوجود اس کی خاک پا تک نہیں پہنچ سکتا۔ پاکستان بننے اور اس میں نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے ہمارے علماء و مشائخ نے ہمیشہ اقتدار سے
١ دور رہ کر کام کیا۔ آج علامہ بدایونی، مولانا ابوالحسنات، حضرت خواجہ سیالوی، حضرت علامہ احمد سعید کاظمی جیسے متعدد دینی اور سیاسی راہنماؤں کی خدمات کو کون بھلا سکتا ہے۔

ان لوگوں نے اقتدار کے ثمرات حاصل کیے نہیں بلکہ پاکستانی اقتدار پسندوں سے ٹکر لے کر اسلام کی خدمت کی ہے۔ ان کے ہزاروں نہیں، لاکھوں معتقدین نظام

مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے قربان ہوئے۔ حضرت خواجہ سیالوی کے بعد علامہ الشاہ احمد نورانی، مولانا عبدالستار نیازی، نے سنیوں کی قیادت کو سنبھالا تو پاکستان بھر کے سنی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے۔ شاہ احمد نورانی نے چترال سے لیکر کراچی تک، خیبر سے لیکر کھوکھراپار تک ایک ایک سنی کو بیدار کیا۔ ایک ایک عالم دین کو حجرے سے نکالا۔ ایک ایک مدرسہ کو ہلایا۔ گلیاں، کوچے، شہر، قصبات، صحرا و بیابان ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی صدائے دلنواز سے گونج اٹھے۔ پاکستان بھر کے علماء و مشائخ اٹھے۔ مفتی و فقیہ اٹھے واعظ و خطیب اٹھے۔ غرضیکہ پاکستان کے سنیوں کا بچہ بچہ ایک تسبیح کے دانوں کی طرح پرو دیا گیا۔ پھر یہ دانے، یہ قطرے اور یہ بکھرے ہوئے موتی ایک عظیم قوت بن کر ''ملتان سنی کانفرنس'' اور ''رائے ونڈ میلاد کانفرنس'' کی شکل میں اپنی اجتماعی قوت کا مظہر بن گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ملک کی اکثر دینی اور سیاسی جماعتیں مارشل لاء کی پناہ میں تھیں۔ سنیوں کی تاریخ میں اتحاد و بیداری کا یہ درخشاں باب ہے، جسے کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔

مارشل لاء کے ناخداؤں نے سنیوں کی اس اجتماعی قوت کو دیکھا تو کانپ اٹھے۔ علماء کو قید و بند میں ڈالنے، کوڑے برسانے اور دبانے کی بجائے مارشل لاء کی حکمت عملی نے علماء کرام کو اپنانے کا رگر استعمال کیا۔ غیر سنی ٹولے تو مارشل کے خیموں میں پہلے ہی آرام فرما تھے مگر سنیوں کو زیر دام لانے کے لیے اسلام آباد کی نوازشوں کے دروازے کھول دیے گئے اور وہ میٹھا نغمہ الاپا گیا کہ ہمارے بعض علماء کرام ایک ایک کر کے اسلام آباد پہنچ کر ''عزت و وقار'' کی کرسیوں پر بیٹھنے لگے۔ محروم اقتدار خواب سے بیدار ہوئے ہی تھے کہ حکمران کی ساحری نے انعام و اکرام کی میٹھی گولیاں دے کر انہیں سلا دیا۔ سنیوں کے باوقار علماء اعلیٰ اقتدار میں تو جگہ نہ پا سکے مگر بعض انعامات، نوازشات، مناصب اور آداب شاہی کے شکار ہو گئے اور یوں یہ عظیم الشان ملت

ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی اور سنیوں کی اس عظیم اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ جو علمائے کرام نظام مصطفیٰ کے لیے جیل میں چکیاں پیستے رہے تھے جو علماء کرام نان جویں کھا کر باطل قوتوں کو للکارتے رہے تھے، جن علماء کرام نے تحریک نظام مصطفیٰ میں اپنے بچوں تک کو قربان کر دیا تھا، جن علماء کرام نے سب کچھ لٹا کر منزل مقصود پالی تھی، ان میں سے بعض فوجی حکمت عملی کی نذر ہو کر رہ گئے۔

سنیوں کی قوت بکھر گئی، ملتان اور رائے ونڈ کے اجتماعات ایک قصہ پارینہ بن کر رہ گئے اور بڑے قدآور علماء کرام سرنگوں ہو گئے!

ع۔ فتادم ز تاج و فتادم زتخت!

یہ ایک المیہ ہے یہ ایک سانحہ تھا یہ ایک حادثہ تھا۔ یہ ایک واقعہ تھا جس سے سنیوں کی اجتماعی قوت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔ آج اس سانحہ کو بیان کرتے دل بیٹھ جاتا ہے۔ آج اس المیہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے قلم رک جاتا ہے۔ آج اس واقعہ کو دہراتے ہوئے ندامت آتی ہے بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں، غلط کہہ رہے ہیں۔ الزام تراشی کر رہے ہیں، دل آزاری کر رہے ہیں۔ ہم تو کبھی ایسے نہیں تھے۔ ہم تو یوں نہیں تھے، ہم تو اس طرح کے نہیں تھے!

موجودہ پاکستان میں سنی قیادت ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے، تحریکوں میں بٹ گئی ہے، جماعتوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ پارٹیوں میں بکھر گئی ہے۔ قیادت کے جھگڑوں میں الجھ گئی ہے، راہوں میں آ گئی ہے، سڑکوں میں کھڑی ہو گئی ہے۔ صحراؤں میں پھیل گئی ہے۔ بیابانوں میں سرگرداں ہو گئی ہے۔ ہر ایک ٹکڑی اعلیٰ حضرت بریلوی کا نام لیتی ہے۔ ہر ایک جماعت ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کا سلام پڑھتی ہے۔ ہر ایک قیادت فاضل بریلوی کے نظریات کی حامی ہے۔ ہر ایک تحریک امام احمد رضا کی تحریروں کو پڑھتی ہے۔ مگر کہاں ہے اعلیٰ حضرت کا خلیفۂ مجاز علامہ ابوالبرکات؟

کہاں ہے اعلیٰ حضرت کا شاگرد رشید شیخ الحدیث سردار احمد! کہاں ہے علامہ سید احمد سعید کاظمی؟ کہاں ہے امیر ملت علی پوری؟ کہاں ہے صدر الافاضل مراد آبادی؟ اور کہاں ہے امام اہل سنت احمد رضا خاں بریلوی (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

ع۔ زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

موجودہ پریشان کن حالات اور مایوس کن تجزیہ کے باوجود آج پاکستان میں ''فکر رضا'' کی اشاعت اور تبلیغ کے لیے سینکڑوں نہیں، ہزاروں مراکز کام کر رہے ہیں، ہزاروں مساجد ''فکر رضا'' کی درسگاہیں بنی ہوئی ہیں۔ سیکڑوں مدارس ''نظریات رضا'' کی تربیت گاہیں ہیں۔ سیکڑوں انجمنیں ''تعلیمات رضا'' کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ ہزاروں واعظ ''مقام رضا'' کو پیش کرنے میں سرگرم ہیں۔ ہزاروں نعت خواں ''کلام رضا'' سے دلوں کو عشق مصطفیٰ کی حلاوت سے سرشار کر رہے ہیں۔ ہزاروں ناشران قرآن ''کنز الایمان'' کی اشاعت میں صبح و شام مصروف ہیں۔ ہزاروں دانشور ''احوال و مقامات رضا'' پر کام کر رہے ہیں۔ ہزاروں اہل قلم ''فکر رضا'' کو پھیلا رہے ہیں ''فکر رضا'' کا یہ ایمان افروز ماحول ایسا ہے جو بحمد للہ کسی دوسرے عالم دین کی تعلیمات و نظریات کی اشاعت کے لیے میسر نہیں آیا۔ اس مقام پر ہم جس قدر مسرت کا اظہار کریں کم ہے۔ جس قدر فخر کریں کم ہے۔ جس قدر ناز کریں کم ہے۔ جس قدر اللہ کا شکر کریں کم ہے۔ عشق رسول کی ضیاؤں کا جس قدر احسان مانیں کم ہے۔

ع۔ جھوم جھوم اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں!

ہمارے خیال میں یہ بکھرے ہوئے پھول، یہ علیحدہ علیحدہ باغات، یہ تنہا تنہا خیابان، یہ علیحدہ راہوں پر چلنے والے قافلے، الگ منزلوں پر جانے والے کارواں، یہ جدا جدا انجمنیں، یہ جدا گانہ محفلیں، یہ جدا گانہ مجلسیں اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم کم از کم ''فکر رضا'' پر متحد ہیں۔ اگر ان پھولوں کی پتیوں کو یکجا کر لیا جائے تو سنیت کے ہار بن

جاتے ہیں۔ اگر پھولوں کو متحد کرلیا جائے تو سنیت کے گلدستے بن جاتے ہیں۔ اگر ان باغوں کی دیواروں کو قریب کرلیا جائے تو ''گلستان رضویت'' مہک اٹھتے ہیں۔ اگر ان ذروں کو یکجا کرلیا جائے تو سنیت کے آفتاب چمکنے لگیں گے۔ اگر ان ستاروں کو ملا دیا جائے تو آسمان رضویت کے آفتاب و ماہتاب درخشاں دکھائی دیں گے۔

ہمارا ناقص تجزیہ یہ ہے کہ اس وقت پاکستان میں کوئی ایسی علمی یا روحانی شخصیت موجود نہیں جو ان تمام متفرق انجمنوں، مرکزوں، کانفرنسوں، مجلسوں اور بزموں کو ایک مرکز پر لے آئے۔ ہماری خواہشات اور آرزوئیں ابھی تک اتنی پختہ نہیں ہوئیں کہ سنی متحد ہو کر ''فکر رضا'' کو مرکزی حیثیت دے سکیں۔ ہمارے ذہنوں کی ابھی تک اتنی آبیاری نہیں ہوئی کہ ''فکر رضا'' کی مرکزیت کو منظّم کرنے کے لیے اپنی انا کو چھوڑ سکیں۔ ایک مرکز پر رہ کر عالم اسلام میں بڑھتی ہوئی اعتقادی ناہمواری کو درست کرسکیں۔ اندریں حالات اگر سردست ہماری چند تجاویز کو اپنا لیا جائے تو ''فکر رضا'' کی مرکزیت کی طرف یہ پہلا قدم ہوسکتا ہے۔

۱۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نظریات کو جہاں جہاں پھیلایا جا رہا ہے، اسے غنیمت جان کر جوں کا توں جاری رکھا جائے۔ تاکہ ہر شخص اپنے حالات میں رہ کر کام کرتا جائے۔

۲۔ فاضل بریلوی کی تصانیف کو شائع کرنے کا جہاں جہاں کام ہو رہا ہے اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ بلکہ ان سے مالی تعاون کیا جائے۔

۳۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا جہاں جہاں نام لیا جارہا ہے، ان کی امداد کی جائے۔

۴۔ اعلیٰ حضرت کے نظریات کی اشاعت میں جس قدر رسائل چھپ رہے ہیں، ان کی خریداری بڑھانے اور ان کا حلقہ مطالعہ پھیلانے میں مدد کی جائے۔

۵۔ اعلیٰ حضرت کے نام پر جتنی لائبریریاں قائم ہوئی ہیں، انہیں مرتب کیا جائے اور حتی

الوسع انہیں کتابیں مہیا کی جائیں۔

۶۔ اعلیٰ حضرت کے نام پر جتنی مساجد تعمیر ہورہی ہیں، ان کا نظام بہترین انداز میں ہو تاکہ اعلیٰ حضرت کے وقار کی جھلک نظر آئے۔

۷۔ اعلیٰ حضرت کے نام پر جس قدر مجالس، محافل یا بزمیں بنی ہیں، ان سے بھر پور تعاون کیا جائے۔

۸۔ اعلیٰ حضرت کے نام پر چلنے والے اداروں کے لیے مخیّر سنی حضرات سے مالی تعاون حاصل کیا جائے۔

۹۔ ہمارے واعظ اور دوسرے علماء کرام جہاں جائیں، وہاں کے مقامی رضوی اداروں کا اچھے الفاظ میں تعارف کرائیں۔

۱۰۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن یا دوسری کتابیں شائع کرنے والے ناشرین کی حوصلہ افزائی کی جائے اور بدعقیدہ علماء کے تراجم اور کتابیں خریدنے سے عام سنیوں کو روک دیا جائے۔

۱۱۔ جہاں جہاں ''یوم رضا'' یا ''عرس امام احمد رضا'' منائے جاتے ہیں خ وہاں تمام سنی بھر پور شرکت کر کے منتظمین کی حوصلہ افزائی کریں۔

۱۲۔ ''فکر رضا'' سے ناآشنا حضرات کو مناظرانہ انداز میں نہ دبایا جائے بلکہ محبت سے انہیں لٹریچر مہیا کیا جائے۔

اس انداز سے ہم ایسے علیحدہ علیحدہ کام کرنے والوں کو اپنے اپنے ماحول اور حالات کے مطابق کام کرنے کا موقع دے کر ایک اجتماعی قوت بنا سکتے ہیں اور ''فکر رضا'' کو مختلف انداز میں پھیلا سکتے ہیں۔

ع۔ گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونق چمن!

اللہ کرے ہمارے سنی حضرات میں حساس افراد ان تجاویز یا ان سے بہتر تجاویز پر عمل پیرا ہو کر ''فکر رضا'' کو عوام تک پہنچانے کے کام کا آغاز کر دیں

''وارثانِ محراب و منبر'' کی نذر!

جلد نمبر ۵..........ستمبر اکتوبر ۱۹۹۵ء..........شمارہ نمبر ۴۷۔۴۸

آج تیس سال گزر گئے ۔ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے ایک استاد ''مولانا عبدالعزیز میمنی'' اہل علم ودانش کا مرجع تھے۔ وہ عالم دین تو نہ تھے مگر عربی کے زبردست ماہر تھے۔ انہیں عربی زبان پر اس قدر عبور تھا کہ وہ عربی کے الفاظ کی تخلیق ابتداء مختلف ادوار میں ان کے استعمال، جاہلی عرب میں ان الفاظ کی اہمیت پھر انہیں اسلام کی روشنیوں میں ان الفاظ کے مقام واستعمال کی تاریخ یاد تھی۔ اگرچہ ہم علامہ میمنی کے شاگردوں کی صف میں تو نہ تھے مگر جب وہ مجلس میں بیٹھتے، عربی الفاظ کی تاریخ بیان کرتے تو ہم ان کے دسترخوانِ علم وادب سے اپنا حصہ لیتے اور چند الفاظ دامن ذہن میں سمیٹتے اور گھر آجاتے۔

ہزاروں عربی الفاظ کی تاریخ میں انہوں نے ایک دن لفظ ''محراب'' پر گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ یہ لفظ ''حرب'' (جنگ) سے نکلا ہے۔ عربوں کی جاہلی جنگوں میں میدان جنگ میں ایک مخصوص جگہ متعین ہوتی تھی جہاں سالار جنگ کھڑے ہوکر اپنے سپاہیوں کو ہدایات دیتا۔ حوصلے بڑھاتا دشمن کے وار سے بچاتا، جنگجو دستوں کو جنگی حکمت عملی سے آگاہ کرتا اور دشمن کو للکارتا تھا۔ قدیم عربوں کے ہاں اس مقام کا نام ''محراب'' یعنی حرب کا مقام اور جنگ کرنے کی جگہ۔ اسلام کی روشنیاں آئیں تو

کئی دوسرے الفاظ کی طرح اس لفظ کو بھی میدان جنگ سے اٹھا کر مسجد میں لا رکھا گیا اور مسجد میں ''محراب'' کو مستقل جگہ دے دیگئی۔ پھر اس مقام پر ''سالار جنگ'' کے بجائے ''خطیب مسجد'' یا ''امام مسجد'' کو مقرر کر دیا گیا تا کہ وہ باطل قوتوں اور شیطانی حملوں کے خلاف اپنے مخاطبین کو آگاہ کرتا رہے اور جہاد کے لیے قوم کو تیار کرے، دشمن قوتوں سے بچائے۔ اسلام نے اس لفظ اور اس مقام کو اتنی اہمیت دی کہ ہمارے آقائے کریم مسجد نبوی میں اسی مقام پر کھڑے ہوکر اپنے جانباز صحابہ کو ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' سے آشنا فرماتے۔ سیدنا صدیق اکبر اسی مقام پر کھڑے ہوکر مسلمان لشکروں کی کمان اور اہلِ محبت کے اذہان کو سنوارتے۔ اسی مقام کی طرف بڑھتے ہوئے سیدنا عمر فاروق شہید ہوئے اور اسی مقام کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے سیدنا علی المرتضیٰ نے جام شہادت نوش کیا۔

''محراب'' کی اہمیت قرون اولیٰ سے لیکر آج تک مستحکم ہے اور اس کی اہمیت و افادیت امت مسلمہ میں مسلم ہے۔ ہر جمعہ میں ''محراب'' ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں ہمارے خطیب کھڑے ہوکر نفس و شیطان کی فریب کاریوں سے عوام کو آگاہ کرتے ہیں۔

یہی وہ مقام ہے جہاں پر ہمارے ائمہ مساجد کھڑے ہوکر ہر روز اہل ایمان کو اپنے اللہ کے سامنے سربسجود ہونے پر آمادہ کرتے ہیں اور اس فریضہ کی امامت کرتے ہیں۔

یہ ائمہ مساجد اور خطبائے کرام نبی کریم ﷺ کے مقرر کردہ ''وارثان محراب و منبر'' ہیں۔ یہ اتنا بڑا مقام ہے جس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان ائمہ کرام کی ذمہ داری نہایت ہی اہم اور گرانمایہ ہے کہ وہ اس پر جس قدر ناز کریں کم ہے۔ بحمد اللہ یہ مقام علماء کرام و خطباء عظام اور ائمہ مساجد کی عظمت اور احترام کا نشان بن گیا ہے۔

آج پاکستان میں ہی نہیں دنیا بھر مین امت رسول اس مقام محراب کو دنیاوی

لاکھوں مساجد میں کھڑے ان ائمہ کرام کے فرائض اور ذمہ داریوں کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ آج یہ لوگ بے سرو سامانی کے باوجود امت کے ان افراد کی راہنمائی اور امامت کرتے ہیں جو مادی طور پر خود تو خوشحال ہیں مگر ان کا ''سپہ سالار'' تہی دست ہے۔ آج کا یہ سپہ سالار اپنے سپاہیوں اور نمازیوں کے رحم و کرم پر ہے۔ وہ اپنے مقتدیوں کے چندوں کے سہارے زندہ ہے۔ وہ اپنی معیشت کے لحاظ سے ان نمازیوں کے ''دستِ کرم'' کا محتاج ہے جو اس کے حکم پر برائیوں کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔ پاکستان میں ایک خوشحال اور مسلمان سلطنت قائم ہونے کے باوجود مسجد کے محراب میں کھڑے ہونے والا امام ان مقتدیوں کے چندوں پر انحصار کرتا ہے جو اس کے مقام سے قطعاً نا آشنا ہیں۔

آج سے تیس سال پیشتر حکومت پاکستان نے ان مساجد اور خانقاہوں کے نظام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا جہاں ''محراب و منبر کے وارث'' کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ چنانچہ ہزاروں مساجد اور دربار ''محکمہٴ اوقاف'' کی تحویل میں دے دیے گئے اور ان مساجد اور خانقاہوں کی لاکھوں کی آمدنی کو اپنے قبضہ میں لے کر علماء کرام کے ''روزینے'' مقرر کر دیے گئے۔ یہ ''روزینے'' محکمہٴ اوقاف کے اہل کاروں کے سپرد کر دیے گئے۔ اب یہ بدقماش اور کرپٹ اہل کاران ''وارثان محراب و منبر'' کو اپنے دفاتر میں چکر لگواتے رہتے ہیں اور تنخواہیں تقسیم کرتے ہیں۔ وہ ان مساجد اور خانقاہوں کی کروڑوں کی آمدنی کو خود کھاتے ہیں۔ غبن کرتے ہیں۔ اللّے تللّوں میں اڑاتے ہیں۔ اور ''وارثان محراب و منبر کو'' کو حقیر گریڈ دے کر احسان فرماتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ''محراب و منبر'' کا مالک جب محکمہ اوقاف کے کلرکوں اور اہلکاروں کے رحم و کرم پر ہوگا تو وہ برائی کی قوتوں کو کیسے للکار سکے گا۔ اقبال سے معذرت کے ساتھ۔

ے گلا تو گھونٹ دیا ''اہل محکمہ'' نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الہٰ الا اللہ !

محکمہ اوقاف کے ان ائمہ کرام کو ہم ''اوقافی مولوی'' کہتے ہیں۔ یہ علماء کرام اپنے اظہار خیال میں آزاد نہیں ہیں اور وہ بڑی بڑی مساجد کے ''محراب و منبر'' کے مالک ہوتے ہوئے بھی بے اثر ہیں۔ بے زبان ہیں، بے کمان ہیں۔

ے وہ نعرہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

اوقاف کے زیر انتظام پاکستان کے دوسرے شہروں کی عظیم الشان مساجد کو چھوڑیے۔ صرف لاہور کی ان ''تاریخی'' اور ''پروقار'' مساجد کو دیکھیے جن کے صحنوں میں محکمہ ''اوقاف کے کبوتر'' اڈاریاں مارتے ہیں اور ائمہ مساجد رومالوں میں منہ لپیٹے محراب میں کھڑے ہوتے ہیں۔ آج لاہور میں ''اورنگ زیب عالمگیر کی شاہی مسجد'' کا وسیع صحن مولانا عبدالقادر آزاد کے دل و دماغ کی طرح ''ویران'' ہے۔ ''نواب وزیر خان'' کی شاندار مسجد کا صحن خوبصورت کبوتروں کی ''بازی گاہ'' بنا ہوا ہے اور مولانا خلیل قادری بیماری کی طویل چادر اوڑھے ''خفتہ در بطحا'' ہیں۔ سنہری مسجد کا تو اب نام بھی کوئی نہیں لیتا۔ اب تو اس کے خطیب اور امام کے ناموں سے بھی واقفیت نہیں رہی۔ ''مسلم مسجد'' مولانا محمد بخش مسلم مرحوم کے زمانہ میں تحریک پاکستان کا مرکز تھی۔ اب اس کا بلند و بالا مینار مولانا مسلم کی قبر پر کھڑے اہل دل کے کارواں کی راہیں دیکھ رہا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش کی نو تعمیر اور خوبصورت ماڈرن مسجد نظروں کو لبھاتی ہے۔ یہاں کے خطیب مشہور سنی عالم دین مولانا مقصود احمد صاحب چشتی قادری ہیں۔ وہ صوبائی خطیب بھی ہیں۔ مگر مجال ہے کہ ان کی للکار مسجد کے محراب سے باہر کسی نے سنی ہو۔ جن مساجد میں محکمہ اوقاف کے کلرکوں کا سایہ پڑ جائے وہ مرجھا جاتی ہیں۔ یہاں تو

محکمہ اوقاف کے افسر آتے ہیں وزیر آتے ہیں، وزیر اعلیٰ آتے ہیں بلکہ وزیر اعظم آتی ہیں۔ یہ بلائیں اور یہ مسجدیں!

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

یہ تو اوقاف کی بڑی مساجد کا حال ہے اب وہ ہزاروں مساجد جہاں محلے کے جاہل دنیادار کمیٹیاں بنا کر اور انہیں اپنے نام پر رجسٹرڈ کرا کر مسلط ہیں وہاں ''محراب و منبر'' کی آبرو کس طرح برقرار رہ سکتی ہے۔ اللہ کے گھروں کے یہ بااختیار ''جاہل محافظ'' مسجد کے صحن اور غسلخانوں میں تو ''سنگ مرمر'' لگوائے جاتے ہیں مگر ''محراب و منبر'' کے محافظ کی جس انداز سے ''حفاظت اور نگہداشت'' کرتے ہیں اس سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ بایں ہمہ یہ علماء کرام اور ائمہ مساجد ثابت قدمی سے اپنے فرائض سرانجام دیتے جاتے ہیں۔ ''وارثان محراب و منبر'' سے یہ سلوک آج کی معاشرتی زندگی کا ایک المیہ ہے جس پر قوم کے حساس افراد کو غور کرنا چاہیے اور ائمہ مساجد کی معاشی مشکلات کا حل نکالنا چاہیے ان لوگوں کے اسی ''حسن سلوک'' سے ائمہ مساجد (الا ماشاء اللہ) اپنی اولاد کو مساجد کی امامت کی تربیت دینے سے پہلوتہی کر رہے ہیں اور دیکھا گیا ہے کہ علماء کی اولاد معاشرے کے ان اندھیروں میں چلی جا رہی ہے۔ جہاں روشنی کی کرنیں نہیں پہنچ پاتیں۔ معیشت کی اس مار نے اب بہت سے ائمہ مساجد کو خوشامدی اور چاپلوس بنا دیا ہے۔ وہ اپنی مساجد کے متولیوں یا مساجد کمیٹیوں کے عہدہ داروں کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں تا کہ وہ مسجد کے محراب و منبر سے وابستہ رہ سکیں۔ ہمیں اکثر ایسے جاہل منتظمان مساجد کو ملنے کا موقع ملا ہے۔ جو علماء دین کو حکم دیتے ہیں کہ آج فلاں موضوع پر خطبہ دینا اور فلاں فلاں مسئلے پر بات نہ کرنا ورنہ.....

ان مشکلات کے باوجود ہم ان ائمہ کرام کے حوصلہ کو خراج تحسین پیش کرتے

ہیں جوان حالات میں بھی ''محراب و منبر'' کی شان کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ہم ان خطبائے مساجد کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں جو موجودہ سیاسی اور معاشی دباؤ کے باوجود اپنی مساجد کو آباد رکھے ہوئے ہیں۔ ہم ان غریب ائمہ مساجد کی ہمت کی داد دیتے ہیں۔ جو ''نانِ جویں'' کھا کر ''قوت حیدری'' کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہم ان بے سروسامان علماء کی قدر کرتے ہیں جو ان طوفانوں میں بھی اللہ کے گھروں کو روشن رکھے ہوئے ہیں۔

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے مگر اس پر حکمرانی کا اختیار ''غیر اسلامی مسلمانوں'' کو ملا ہے۔ آج کے مسلمان معاشرہ میں تمام غیر اسلامی آلائشیں موجود ہیں۔ فرعون کی سی زندگی بسر کرنے والے پاکستانی امراء، آخرت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اٹھنا چاہتے ہیں۔ محمد شاہ رنگیلے کے جانشین محمد بن قاسم کی سلطنت کے وارث بنے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں ائمہ کرام اپنی مساجد کے ''محراب و منبر'' کو اگر مومنانہ بصیرت سے سنبھالے رکھیں تو یہ عصر حاضر کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔

ہم بد عقیدہ علماء کے زیر امامت مساجد کی بات نہیں کرتے۔ مگر ہم علماء اہل سنت سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنی زیر امامت مساجد کو حالات کی ناہمواری کے باوجود ''دارالارشاد'' بنادیں۔ ''دارالعلم'' بنا دیں اور ''دارالقرآن'' بنا دیں ''دارالایمان'' بنادیں۔ ان کی مساجد میں جو آئے قرآن کا نور، احادیث کا سرور اور فقہ کی بصیرت لے کر جائے۔ ان کی نگاہیں ہر آنے والے نمازی، بلکہ بے نماز پر بھی ایسی شفقت بن کر پڑیں کہ انہیں محسوس ہو کہ وہ اللہ کے گھر میں آیا ہے۔ آج ہمارے اکثر سنی علماء کرام (اوقافی علماء سمیت) مساجد کے انتظام و نظام کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ وہ نماز پڑھا کر اپنے مقتدیوں سے پہلے مسجد سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ

واسطہ نہیں۔ میں نے ایسے ایسے علماء دیکھے ہیں جو نمازیوں کی تعداد سے گھبراتے ہیں، نو جوانوں سے آنکھیں چراتے ہیں۔ پڑھے لکھے لوگوں سے شرماتے ہیں اور کہتے ہیں یہ لوگ ہمارے ''سر کھانے'' آ گئے ہیں ایسے علماء کی مساجد ان کی بے اعتنائی کی تصویریں ہیں۔ ان مساجد کے در و دیوار ان کی بے پرواہی کی تفسیریں ہیں۔ صفیں بکھری ہوئیں۔ دیواریں گرد آلود اور چھتیں جالوں سے اٹی ہوئی اور دروازے پرانے جلسوں کے پھٹے ہوئے اشتہارات سے لپٹے ہوئے اور نمازی بیزار اور مایوسی کا شکار۔

؎ صفیں کج دل پریشاں سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے !

ایک زمانہ تھا کہ جس مسجد میں بلند آواز سے ''درود و سلام'' پڑھا جاتا تھا، ہم جانتے تھے یہ سنیوں کی مسجد ہے۔ جس مسجد کی پیشانی پر ''یا رسول اللہ'' لکھا ہوتا ہم جانتے تھے یہ سنیوں کی مسجد ہے۔ جس مسجد کی دیوار پر یا ''شیخ سید عبدالقادر جیلانی'' لکھا نظر آتا تھا، ہم جانتے تھے کہ یہ سنیوں کی مسجد ہے۔ زمانہ بدل گیا، آج ہم مسجد میں داخل ہو کر دیکھتے ہیں کہ اگر اس کا انتظام درست نہیں تو سمجھ جاتے ہیں یہ ''سنی بادشاہوں'' کی مسجد ہے۔ اگر صفیں کٹی پھٹی ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ یہ اپنی ہی مسجد ہے۔ اگر دھول اور گرد کی فراوانی ہو تو پتا چلتا ہے کہ یہ اپنی ہی عبادت گاہ ہے۔ اگر مسجد کے در و دیوار اداس دکھائی دیں تو ہم جان جاتے ہیں کہ یہ مسجد ہماری ہی مرثیہ خوانی کر رہی ہے۔ مساجد کو صاف ستھرا رکھنے، ان کے انتظامات کو درست چلانے کی اگرچہ ائمہ مساجد کی ذمہ داری نہیں بلکہ مسجد کی انتظامیہ کی ذمہ داری ہے۔ مگر ہمارے ''وارثان محراب و منبر'' اگر ان معاملات پر توجہ فرمائیں اور اپنے مقتدیوں کو ان معاملات کی طرف لگا دیں تو اللہ کے یہ گھر صاف ستھرے بھی دکھائی دیں گے اور خود امام مسجد کا ایک علمی تشخص بھی قائم ہوگا اور مسجد ایک دینی حلقہ میں تبدیل ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم دین (امام مسجد) ہی مسجد کی آبادی، خوش انتظامی اسے علمی مکتب بنانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ہمارے اکثر سنی علماء کرام کی بے نیازیوں اور سہل انگاریوں کی وجہ سے ہماری بڑی بڑی مسجدیں ویران ہوتی جارہی ہیں اور نمازیوں سے خالی نظر آتی ہیں۔ آج! ہماری

ع۔ مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے!

دین سے ناآشنا عوام کا ایک طبقہ مسجد سے دور رہتا ہے، علماء سے دور رہتا ہے، دین سے دور رہتا ہے اور آہستہ آہستہ بدعقیدہ ''مولویوں'' کے جال میں پھنستا چلا جاتا ہے آج وہابی، دیوبندی اور شیعہ ایسے ہی علماء کی توجہ سے محروم، ایسے میں لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا کر اپنی مسجدیں اور درس گاہیں آباد کررہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سنبھالا دینے کی ضرورت ہے۔ ان پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ انہیں قریب لانے کی ضرورت ہے۔ یہ کام آج کے دور میں مشکل ضرور ہے۔ سنی علماء کرام اسی مشکل منزل کی طرف چلنے سے ہچکچاتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ''وارثان محراب ومنبر'' کا آج تک یہی کام رہا ہے۔ آج علماء اہل سنت اور سنی ائمہ مساجد کو چاہیے کہ وہ آگے بڑھیں اور ناآشنا عوام کو ان آلودگیوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ جو دین کے نام پر پھیلائی جارہی ہیں۔ وہ اپنی مساجد کے بلند بانگ لاؤڈ اسپیکرز سے ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی دلنواز صداؤں سے خوش نہ ہوا کریں۔ وہ میلاد کے سالانہ اجلاس میں ''وعظ فروشوں'' کی رنگین تقریروں پر مطمئن نہ ہو جایا کریں۔ وہ ہر ماہ ''گیارہویں شریف'' کے ختم پر تبرکات کی تقسیم پر جھپٹتے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر شاد کام نہ ہوا کریں بلکہ اپنے ''محراب'' کی آن اور مسجد کی شان کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے عوام اور اپنی فوج کو باطل قوتوں کے خلاف صف بندی کرنے کی تربیت دیں۔ ہم دیوبندی اور وہابی مساجد سے اپنی مساجد کا موازنہ نہیں کرنا چاہتے اور نہ ہی غیر سنی مولویوں کی محبت اور

لگن کی تعریف کرتے ہیں۔ ہم تو صرف ''اعلیٰ حضرت'' کے نظریات پر زندگی گزارنے والوں سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے پروقار مقام کو پہچانیں اپنی مساجد کو''دارالارشاد'' بنانے کی کوشش کریں۔اپنے نمازیوں کی طرف خصوصی توجہ دیں۔

۲۔ پچھلے دنوں ہمارے ایک معاصر عزیز اور مدیر شہیر نے اپنے ماہنامہ ''ضیائے حرم'' میں یہ شاندار تجویز پیش کی تھی کہ اگر ہماری خانقاہوں کے سجادہ نشین پیرزادے اپنی روحانی درگاہوں کو''درس گاہوں'' میں تبدیل کردیں تو چند سال کے اندر پاکستان میں علمی اور دینی انقلاب برپا ہوجائے گا۔ہم نے معاصر عزیز کی اس تجویز کو سراہا۔آج ہم خانقاہوں کے بجائے اپنی مساجد کو ہی درسگاہوں میں تبدیل کرنے کی تیاری کر لیں تو ملک میں ایک عظیم دینی اور علمی انقلاب آجائے۔ ہمارے سنی ائمہ کرام اگر اپنے اندر تھوڑی سی تبدیلی لے آئیں تو ہماری مساجد واقعی ''دارالارشاد'' بن جائیں۔ ہم مندرجہ ذیل تجاویز کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے علماء کرام اور خطیبانِ عصر کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ وہ

۱۔ اپنی مسجد کے در و دیوار پر ایک بارنگاہ ڈالیں کیا وہ صاف وشفاف ہیں؟

۲۔ اپنی مسجد کی بدنظمی کی اصلاح میں کیا کردار ادا کرسکتے ہیں؟

۳۔ اپنی مسجد کے محراب میں کم ازکم دو گھنٹے بیٹھیں اور نیک دل نمازیوں کو لے کر مسجد کے معاملات پر ذاتی توجہ دیں۔

۴۔ ہمارے خطیب حضرات جمعہ کے اوقات کی سختی سے پابندی کریں۔

۵۔ ہر جمعہ کی تقریر کی تیاری کر کے قوم کو خطاب کریں۔

۶۔ اپنے موضوع کو سامعین پر واضح کریں پھر اسی موضوع پر دلائل دیتے جائیں اور مقررہ وقت پر اپنی تقریر کو ختم کریں۔

۷۔ نماز کے بعد صلوٰۃ وسلام کے لیے ان خوش آواز نعت خوانوں کا انتخاب کریں

جن کی آواز اور طرز سامعین کی طبیعت پر ناگوار نہ گزرے۔

۸۔ دین سے ناآشنا نوجوانوں کو قریب لاکر ذہنی تربیت دیں۔

۹۔ اپنے سالانہ جلسوں اور تقریبات کا بڑے سلیقہ سے اہتمام کریں۔

۱۰۔ اپنے حلقۂ اثر میں دینی قیادت کو بدعقیدہ مولویوں کے حوالے نہ ہونے دیں۔

۱۱۔ مناظروں کی الجھنوں سے اجتناب کریں۔ سادہ الفاظ میں لوگوں کی راہنمائی فرمائیں۔

ملتان کے خشک صحرا سبزہ زار بن گئے

جلد نمبر ۵..........نومبر ۱۹۹۵ء..........شمارہ نمبر ۴۹

اکتوبر کے آخری عشرہ میں ''دعوت اسلامی'' کا سالانہ اجتماع عظیم الشان بھی تھا اور روح پرور بھی۔ ملتان کا لق ودق صحرا ''سبز عماموں'' کی بہاروں، صلوٰۃ وسلام'' کی فضاؤں اور ''مدینہ، مدینہ'' کی صداؤں سے معمور ہو گیا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق آٹھ لاکھ کا اجتماع تھا۔ مگر عینی شاہدوں کے مطابق بارہ لاکھ سے کم نہ تھا۔ اس اجتماع کے لیے شاہراہ ابریشم سے لیکر ساحلِ سمندر تک قافلے آئے۔ یہ قافلے ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی دلنواز صداؤں کے ساتھ ملتان پہنچنا شروع ہوئے تو اہل ملتان پکار اٹھے کہ ''ملتان ما بخطۂ جنت برابر است''

سپیشل ٹرینیں، قطار در قطار، کوچز، رواں دواں بسیں، اور سرسراتی ہوئی ویگنیں، پاکستان کی مختلف شاہراہوں کو روندتی ہوئی ملتان پہنچیں۔ آنے والے ''سبز سر'' نوجوانوں نے اجتماع کے وسیع میدان کو ''سرسبز'' بنا دیا۔ حدنگاہ تک سبزہ زار! پھر ان سرسبز عاشقان رسول کے منہ سے صاحب ''خواجہ سبز گنبد'' کی بارگاہ میں درود وسلام کے نذرانے اللہ اللہ!

ع۔ ''کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است!''

اس بے مثال اور عظیم الشان اجتماع کی قیادت کا پرچم امیر ''دعوت اسلامی''

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قادری کے ہاتھ تھا۔ جنہوں نے گزشتہ چند برسوں میں سنی نوجوانوں کو روحانی تربیت دی اور سنت رسول کی راہوں سے آشنا بنا کر ذکر و فکر کا خوگر بنا دیا ہے۔

امیر ''دعوت اسلامی'' حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قادری نے آج سے بیس سال قبل ''دعوت اسلامی'' کی بنیاد رکھی اور نوجوانوں کی روحانی تربیت کے لیے شب و روز ایک کر دیا۔ وہ ہر نوجوان کو ''سنت رسول'' کی اہمیت سے آگاہ کرتے، شب بیداری اور انکساری کا عادی بناتے ۔ پھر باہمی ربط و محبت کی فضا میں شب و روز گزارنے کے لیے دلوں کی آبیاری کرتے ۔ آپ کو کراچی میں ایسے بے شمار نوعمر نوجوان مل گئے جو ملک کی سیاسی گرد و غبار سے دور رہنا چاہتے تھے۔ وہ سیاست دانوں کے جھوٹے وعدوں اور زر پرستی کی زندگی سے غیر محسوس طریقے سے تنگ آ چکے تھے۔ ان نوخیز پودوں کو ایک ایسی فضا ملی جو ''ذکر اللہ'' اور ''یاد رسول'' سے معمور تھی اور صلوٰۃ و سلام سے منور تھی۔

مولانا محمد الیاس قادری نے ایسے نوجوانوں کو قریب کیا اور ان کے دلوں کے کواڑوں پر دست دیتے گئے ۔ ان نوجوانوں کے دل آہستہ آہستہ ڈھلتے گئے، لباس بدلتے گئے ۔ چہرے سجتے گئے، ماتھے چمکتے گئے، لبوں پر مٹھاس پھیلتی گئی اور زبانوں پر ذکر حبیب جاری ہونے لگا۔

میری آرزو ہے مدینہ مدینہ !
میری گفتگو ہے مدینہ مدینہ !

سنی نوجوان مولانا محمد الیاس قادری صاحب کے ارد گرد جمع ہونے لگے۔ ذکر و فکر کی محفلیں جمنے لگیں ۔ ٹولیوں کی ٹولیاں آنے لگیں ۔ جمعرات کے اجتماع ''صلوٰۃ و سلام'' کی صداؤں سے معمور ہونے لگے۔ شب بیداری کی

بھانے لگیں ۔ پہلے کراچی پھر حیدر آباد میں کئی ایک روح پرور اجتماع ہوئے ۔ نوجوانوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے لاکھوں تک ہوگئی ۔ سندھ سے نکل کر پنجاب کے قصبوں اور شہروں میں ذکر وفکر کی مجالس جمنے لگیں ملتان، لاہور، فیصل آباد کے نوجوان بھی جوق در جوق ''دعوت اسلامی'' کی مجالس میں آنے لگے ۔ پچھلے چند برسوں میں لاہور (مینار پاکستان) اسلام آباد ، فیصل آباد اور ملتان کے سالانہ اجتماعات بڑی رونقیں لے کر آئے اور پنجاب کے شہروں، قصبوں اور قریوں سے نوجوان جمع ہوئے ۔ ''دعوت اسلامی'' کی اس تحریک کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ آج آپ جس شہر، جس قصبے اور جس علاقے میں نکل جائیں آپ کو کہیں نہ کہیں سبز عمامہ جھلکتا دکھائی دے گا۔

ع۔ سبز پوشے بہ لب بام نظر می آید

امیر ''دعوت اسلامی'' نے ابتداء میں کچھ عرصہ عماموں اور پٹکوں سے اپنے عقیدت مندوں کو امتیازی رنگ دیا، مگر اب دس سالوں سے سر پر سبز عماموں کی بہاریں لہرانے لگی ہیں ۔ الحمد للہ آج یہ سبز سر بلکہ سرسبز نوجوان زبان پر ''صلوٰۃ وسلام'' کی دلنواز صداؤں کے ساتھ ہماری مساجد و بازار میں نظر آتے ہیں اور آج ''دعوت اسلامی'' کی منظم جماعت سے ہزاروں نہیں لاکھوں افراد وابستہ ہیں ۔

اکتوبر ۱۹۹۵ء کے آخری عشرے میں ملتان کی سرزمین ایسے ہی لاکھوں سبز عماموں سے ''سبزہ زار'' بن گئی ۔ یہ مثالی اجتماع دراصل روحانی تربیت کا بے پناہ اجتماع تھا ۔ جس میں امیر ''دعوت اسلامی'' کی زیارت اور رفاقت کے ساتھ ساتھ ''سنت رسول'' پر چلنے اور اس پر قائم رہنے کا عہد تھا ۔ یہ ایک اجتماعی تربیتی کیمپ تھا جس میں انکساری، اخوت، محبت، خدمت اور محبت رسول کا مظاہرہ کیا گیا ۔ پاکستان ہی نہیں عالم اسلام کے گوشے گوشے سے محبت رسول میں سرشار قافلے ملتان پہنچے اور اس اجتماع میں شریک ہوئے ۔

''دعوت اسلامی'' اصولی طور پر عاشقان رسول کی ایک جماعت ہے جو اعتقادی طور پر ''اہل سنت'' کے نظریات پر کاربند ہے۔ ''دعوت اسلامی'' کے امیر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر عمل پیرا ہیں اور اعلیٰ حضرت کے خلیفہ قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین قادری مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہیں۔ ''دعوت اسلامی'' پاکستان کی سیاسی ناہمواریوں سے متاثر ہوئے بغیر محبت رسول اور ذکر رسول کو ہی اپنی زندگی سمجھتی ہے۔ الحمدللہ آج اس اجتماعی روحانی قوت میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ آج ملک کے مختلف شہروں میں اس کے تربیتی روحانی مراکز تعمیر ہو رہے ہیں اور ان نوجوانوں کو خود کار خدمت گار بھی بنایا جارہا ہے اور شب بیدار بھی۔

آج پاکستان میں مختلف دینی جماعتیں اپنے اجتماعی مراکز قائم کررہی ہیں۔ مگر سنیوں کی طرف سے ''دعوت اسلامی'' کا اجتماعی نظام اپنی مثال آپ ہے۔ یہ لوگ حضور ﷺ کی محبت کو مقصد حیات قرار دیتے ہیں۔ ان کے دوسرے اعمال وافعال اسی محبت کا عکس جمیل ہیں اور وہ اپنے آقا کی سنت پر پابند رہنے اور اسے پھیلانے میں دن رات کوشاں ہیں۔

ہمارے بعض جید علماء کرام اور سنی راہنمایان وقت ''دعوت اسلامی'' کے نوجوانوں کی بعض سرگرمیوں پر تنقید کرتے ہیں مگر جو قوتیں اجتماعی طور پر آگے بڑھتی ہیں وہ ''حضرت ناصح'' کی نصیحتوں پر توجہ دینے کے بجائے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے قدم بڑھاتی رہتی ہیں اور دائیں بائیں دیکھنے کے بجائے اپنی راہ پر گامزن رہتی ہیں۔ ہم ''دعوت اسلامی'' کی ذکر وفکر کی مجالس اور ''سنت رسول'' پر کاربند رہنے کے عمل کو سراہے بغیر نہیں رہ سکتے اور توقع رکھتے ہیں کہ نوجوانوں کو اس روحانی تربیت کے ثمرات مستقبل میں ایک نیک معاشرت ہموار کرنے میں نمایاں کردار ادا کریں گے۔

ان بتوں نے نہ کی مسیحائی

جلد نمبر ۵.........دسمبر ۱۹۹۵ء.........شمارہ نمبر ۵۰

پاکستان کے سیاسی اور دینی مفکّرین کے لیے اب یہ بات بحث طلب نہیں رہی کہ جن مقاصد کے لیے پاکستان حاصل کیا گیا تھا وہ ان کے حصول کے لیے کامیاب نہیں ہو سکے۔ تشکیلِ پاکستان کے بعد یہاں کے عوام کو اور خصوصاً اسلام سے محبت رکھنے والے لوگوں کو کامل یقین تھا کہ اس سرزمین پر اللہ و رسول کی عظمت کا پرچم لہرائے گا اور اسلامی قوانین کا نفاذ ہو گا اور یہ مسلمانوں کی ایک مثالی سلطنت ہو گی جو سارے عالمِ اسلام کے لیے ایک نمونہ بنے گی، مگر ملک میں جن اقتداری قوتوں کو سیاسی برتری حاصل ہوئی انہوں نے اسلام کو یک سر نظر انداز کر کے مغربی جمہوریت کا نعرہ بلند کیا۔ پھر اسی جمہوریت کے نعرہ بازوں نے مغربی جمہوریت کو پروان چڑھانے کے بجائے ذاتی اقتدار کی جنگ کا آغاز کر دیا۔ اقتدار کی اس جنگ میں بڑے بڑے قد آور سیاسی راہنما ابھرے اور چند دن کے لیے "ہمچو من دیگرے نیست" کا نعرہ لگا کر زیر زمین دفن ہو گئے۔ اس سیاسی جنگ اقتدار نے کئی نامور شخصیتوں اور زور دار سیاسی جماعتوں کو پردۂ گمنامی میں پھینک دیا اور آج ان کا نام لینے والا کوئی نہیں رہا۔

؎ بس نامور بزیرِ زمیں دفن کردہ اند
کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند

سیاسی راہنماؤں کی جنگ اقتدار میں جب کبھی ناہمواری آئی تو فوجی آمریت نے اس ملک کو دبوچ لیا اور جب تک چاہا اس پاک سرزمین کو روندتے رہے۔ سیاسی اور فوجی راہنماؤں نے جمہوریت اور آمریت کے تو گن گائے مگر اسلام کے نام سے یہ سب کے سب نا آشنا رہے اور خائف بھی۔ خائف اس لیے کہ اسلام چند لوگوں کے ہاتھوں دولت جمع نہیں ہونے دیتا۔ وہ حکمرانوں کو وسائل کا امین بناتا ہے اور مسائل کو حل کر کے مخلوق خدا کی مشکلات دور کرتا ہے۔ پاکستانی حکمرانوں کو یہ بات پسند نہ تھی۔ وہ اسلام کے صرف ان احکامات کو اپناتے تھے جو ان کے لیے مفید ہوتے۔ اگرچہ ملک کا دین پسند طبقہ کمزور تھا اور بے سروسامان بھی مگر پاکستان کے اقتدار کے مالک ہمیشہ اسی کمزور طبقہ سے خائف رہے اور ہر موقع پر کوشاں رہے کہ پاکستان کے اندر دین مصطفیٰ کہیں آشکارا نہ ہو جائے۔ یہ لوگ دینی قوتوں کے اس خوف سے ہمیشہ مغربی قوتوں کی پناہ میں رہے اور انہی مغربی شیاطین کے مشوروں کو قبول کرتے رہے جو انہیں سمجھاتے تھے کہ:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں کبھی
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
اقبالؔ کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

ایک وقت آیا کہ ان اقتدار پسندوں نے ملک کی معیشت کو مغربی قوتوں کے حوالے کر دیا حتیٰ کہ اپنے عسکری امور پر بھی مغربی مشیر مسلط کر دیے۔ پھر آدھا پاکستان ہندوستان کی جارحیت کے سپرد کر دیا گیا۔ مگر اسلام کو نہ اپنا سکے بلکہ ''روحِ محمد'' کو

مسلمانوں کے بدن سے نکالنے میں سرگرم رہے۔

آج اس ملک کے بارہ کروڑ مسلمان عوام پر دو سیاسی قوتیں مسلّط ہیں۔ ایک اقتداری اور دوسری حزب اختلاف بن کر ناچ رہی ہیں۔ کئی برسوں سے ملک کے تمام وسائل ان دونوں کی لوٹ کھسوٹ کی زد میں رہے ہیں اور ہیں۔ عوام کو ''قومی وسائل'' سے محروم کر کے صرف ''مسائل'' میں جکڑ دیا گیا ہے۔ حزب اختلاف کو خدشہ ہے کہ آج کا اقتدار پسند ٹولہ ملک کے خزانوں کو لوٹ رہا ہے اور ایک وقت آئے گا کہ ملک کا سارا خزانہ لوٹ کر ملک سے باہر چلا جائے گا۔ دوسری طرف اقتدار پر براجمان پارٹی پکار رہی ہے کہ ''سابقہ ٹولہ ملک کی ساری دولت لوٹ کر گھر لے گیا ہے اور ملک کی معیشت تباہ کر گیا ہے۔ اسے دوبارہ اقتدار پر نہ آنے دو ورنہ ملک کا دیوالیہ نکل جائے گا'' حقیقت یہ ہے کہ بازار سیاست کے یہ دونوں کھوٹے سکے اپنا رخ بدل بدل کر اقتدار میں آجاتے ہیں۔ دونوں قوتیں ''مال مست'' ہیں اور ''حال مست'' ہیں اور ان کے زر پرستانہ کردار سے ذرائع ابلاغ اور اخبارات بھرے پڑے ہیں۔ عوام بھوک سے مر رہے ہیں۔ نوجوان بے کاری کا شکار ہیں۔ شہر مقتل بن گئے ہیں۔ ڈاکو اور قاتل گلی کوچوں میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ مگر یہ دونوں قوتیں ''کھا گیا'' ''کھا رہا ہے'' کے نعروں میں لگی ہوئی ہیں۔

ان حالات میں پاکستان کے عوام بڑی مایوسی اور پریشانی کا شکار ہو گئے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ جن بتوں کو ہم نے اپنے ووٹوں کے ہار پہنا کر اقتدار کے ایوانوں تک پہنچایا تھا وہ بے وفا ہی نہیں خونخوار بھی ہیں

ان ''بتوں'' نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

ان زر پرستوں اور اقتدار پسندوں کے مقابلہ میں پاکستان میں صرف ایک

قوت ابھر سکتی ہے اور وہ ہے ''دینی قوت'' اگرچہ ملک کی فوجی آمریت بھی ایسے مواقع سے فائدہ اٹھا کر اقتدار پر قبضہ کر لیا کرتی ہے مگر آج تک آمریت کے جو تجربے ہوئے ہیں وہ اتنے خوشگوار نہیں کہ پاکستان کے عوام کی رائے کرپٹ سیاست دانوں کے بدلے ان کو اپنا لے۔ لہٰذا اب دینی قوت ہی ایک ایسی قوت ہے جسے اگر مستحکم کر لیا جائے تو سیاست کے ان جھوٹے خداؤں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن کیا جا سکتا ہے۔

آج عوام مایوس ہیں، پریشان ہیں، بے سہارا ہیں۔ بے آسرا ہیں، بے راہنما ہیں۔ اگر دینی قوتیں یکجا ہو کر آگے بڑھیں تو مایوس عوام کی امیدوں کے چراغ روشن ہو سکتے ہیں۔ اس صورت حال کو غالباً ملک کے بعض دینی راہنماؤں نے محسوس کر لیا ہے اور وہ اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ابھی ملک کے کئی دینی راہنما، دینی جماعتیں، دینی ادارے اور دینی تحریکیں پچاس سالہ مایوسیوں کا سفر کرتے کرتے یقیناً تھک گئی ہیں اور انہیں بھی یقین نہیں کہ دینی راہنما مل کر پاکستان کے اندر ایک قوت بن سکیں گے دینی قوت کو پاکستان کا موجودہ سیاست دان طبقہ اسی طرح اپنے لیے خطرہ محسوس کرتا ہے جس طرح مصر الجزائر اور سوڈان میں برسر اقتدار طبقے محسوس کرتے ہیں۔ دوسری طرف پاکستان کے سیاست دانوں کے دماغوں پر امریکہ کے ''نیو ورلڈ آرڈر'' نے ایسا خوف طاری کر دیا ہے کہ وہ مسلمان ہوتے بھی اسلام آباد میں اسلام کی بات سن کر کانوں پر ہاتھ لگاتے ہیں۔ وہ شہنشاہِ ایران کی طرح مذہب کا نام لینے والوں کو شکنجوں میں کسنے کا تو سوچتے رہتے ہیں مگر اس کا حشر نہیں دیکھتے۔ دوسری طرف پاکستان کے اندر بھی کچھ دینی طبقے اپنی سیاسی وابستگیوں اور ہمدردیوں کی وجہ سے کھل کر دینی اتحاد کے لیے آگے نہیں بڑھتے اور ڈرتے ڈرتے کہتے ہیں کہ

ع۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے!

ملی یکجہتی کونسل کا کردار

پچھلے دنوں اندرون ملک فرقہ وارانہ قتل وغارت کی لہر چلی تو اس کو روکنے کے لیے بعض دینی جماعتوں کے راہنماؤں نے ''ملی یکجہتی کونسل'' تشکیل دی تھی اور کسی حد تک مساجد اور امام بارگاہوں میں ہونے والے واقعات پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئی جس سے ان دینی جماعتوں کے حوصلے بڑھے اور انہیں یہ احساس ہوا کہ اگر سیاسی اختلاف کی بناء پر موت کی بھینٹ چڑھنے والے افراد کی نجات کے لیے اس ''ملی یکجہتی کونسل'' کے دائرہَ کار کو مزید پھیلا دیا جائے تو شاید ان دو خونخوار سیاسی جماعتوں کی جنگ اقتدار کی نذر ہونے والی جانیں بچ جائیں اس ''ملی یکجہتی کونسل'' کا تجربہ ایک ہنگامی ضرورت کے تحت ہوا ہے مگر ان جماعتوں کے اعتقادی اور نظریاتی اختلافات ایسے نازک ہیں کہ کسی وقت بھی ایک خطرناک رخ اختیار کر سکتے ہیں۔ تحریک ختم نبوت، پاکستان قومی موومنٹ کے تجربات سے حوصلہ ہوتا ہے کہ دینی جماعتوں کی موجودہ کوششیں قوم کو کامیابی کی سرحدوں تک لے جاسکتی ہیں اور وہ کم از کم موجودہ دو سیاسی گروپوں کی جنگ اقتدار کے برے اثرات سے ملک کو نجات دلا سکتی ہیں۔

''ملی یکجہتی کونسل'' کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ اس کے سربراہ الشاہ احمد نورانی ہیں جو ملک کی عظیم اکثریت کے نظریات کے ترجمان ہیں۔ یہ وہ عظیم اکثریت ہیں جس نے تحریک پاکستان میں بھر پور حصہ لیا تھا۔ ''تحریک ختم نبوت'' میں جانی اور مالی قربانیاں دی تھیں۔ ''تحریک نظام مصطفیٰ'' میں قید و بند کی صعوبتیں جھیلی تھیں۔ پھر ضیاء دور میں اقتدار کی ہر پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔ الشاہ احمد نورانی کے علاوہ ''ملی یکجہتی کونسل'' کے جتنے ارکین ہیں وہ پاکستان کے دینی اور مذہبی فرقوں کے سربراہ ہیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے اقلیتی گروپوں کے راہنما ہیں۔ وہ اپنی تنظیمی صف بندیوں اور بیرون ممالک کے سرمائے کے سہارے جس قدر اپنا قد کاٹھ اونچا کریں وہ ملک کی اکثریت کے

اعتماد پر پورے نہیں اتر سکتے اور نہ ہی ملک کے عوام نظریاتی طور پر انہیں اپنا راہنما تسلیم کرتے ہیں پھر ان میں سے اکثر جماعتیں ایسی ہیں جن کا ماضی صاف نہیں تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ میں ان جماعتوں کا کردار شفاف نظر نہیں آتا۔ ضیاء آمریت میں یہ فرقے اپنے آپ کو ثابت قدم نہیں رکھ سکے اور اکثر مفادات کی نذر ہو گئے تھے اور اب وہ سر اٹھا کر نہیں چل سکتے۔

اگرچہ ''ملی یکجہتی کونسل'' کے سربراہ الشاہ احمد نورانی کی زیر قیادت ملک کی عظیم دینی قوت ''اہل سنت و جماعت'' ہے مگر سارے سنی متحد و متفق نہیں ہیں۔ اگر وہ یک جان ہوتے تو ملک کا سیاسی دور اتنا بھیانک نہ ہوتا جتنا آج ہے۔ اگر اہل سنت و جماعت متحد و متفق ہوتے تو چھوٹے چھوٹے فرقے اونچی دیواروں پر بیٹھے نظر نہ آتے۔ اگر اہل سنت متفق و متحد ہوتے تو غلامان مصطفیٰ کی اتنی بڑی اکثریت دوسروں کے دروازوں کے سامنے کھڑی نظر نہ آتی۔ اگر اہل سنت و جماعت متحد ہوتے تو سیاسی جماعتیں انہیں اپنے کفن دفن کے لیے استعمال نہ کرتیں۔

موجودہ بدلتے ہوئے حالات میں (جب کہ قوم سیاست دانوں کے منفی کردار سے مایوس ہو چکی ہے) نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے حالات سازگار نظر آرہے ہیں۔ لوگ ان ''زر پرست بھوتوں'' سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے جھولیاں پھیلائے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ ہمارا یہ المیہ ہے کہ ہم ایک صاف شفاف اکثریت ہونے کے باوجود بکھرے ہوئے ہیں۔ ہماری طبقاتی تقسیم نے ہمیں بے جان کر دیا ہے۔ ہم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہمارے مشائخ کرام کا ایک حریص طبقہ تسبیح ہاتھ میں تھامے بے نظیر کے اقتدار کے لیے دعائیں مانگ رہا ہے۔ اللھم اطول عمرہا و اطول اقتدارہا'' کا وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں۔ مشائخ کا دوسرا طبقہ نواز شریف کی واپسی کیلئے مراقبہ میں سر جھکا کر ''اللھم اید اللہ نصرہ و اعاد سلطنۃ'' کے چلے کاٹ رہا ہے۔ اللہ اللہ!

لوگ اشارہ ابرو سے سلطنتیں بانٹا کرتے تھے وہ مستقبل کے اقتداری مداریوں کی گلیوں میں جھولیاں پھیلاتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ سنی علماء کرام کے کچھ طبقات پیران عظام سے بھی زیادہ منتشر اور پارہ پارہ ہیں۔ ''جمعیۃ علماء پاکستان'' دو دھڑوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ ایک کے سربراہ ''قائد اہل سنت'' ہیں اور دوسرے کے سپہ سالار ''مجاہد ملت'' ہیں ان دونوں راہنماؤں کا طویل سفر سیاسی خارزاروں سے ہو کر گزرا ہے۔ ان کی قابل رشک زندگیاں قابل تقلید ہیں۔ ان کی بے مثال قربانیاں قابل صد ستائش ہیں مگر ان دونوں سنی راہنماؤں کے اردگرد آج پانچ پانچ حوارین گھیرا ڈالے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور ان قائدان اہل سنت اور مجاہدان ملت کے ہزاروں عقیدت منداور ارادت مند سوکھی نہر کے پرلے کنارے کھڑے رہتے ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔

ع۔ نگاہ لطف کے امید وار ہم بھی ہیں!

سنیوں کی دینی جماعت ''اہل سنت'' ایک بے جان مجسمے کی حیثیت سے وقت کاٹ رہی ہے۔ نہ سیاست میں سرگرم، نہ اعتقادی میدان میں گرما گرم۔ ''دعوت اسلامی'' اپنے نوخیز ''سبزوں'' کے اجتماعات برپا کر کے ''تو فقط اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو'' کا دلکش مجمع دکھائی دیتی ہے۔ اہل سنت کی صفوں سے ابھر کر ایک نوجوان، قادر الکلام سکالر علامہ محمد طاہر القادری نوجوانوں کا ایک کارواں لے کر قیادت کی راہوں پر چل نکلے ہیں جنہیں بعض حلقوں میں پذیرائی بھی ہوئی ہے مگر اجتماعی قیادت حاصل نہ کر سکے۔ آج پاکستان کے ایک ایک شہر میں سنیوں کے دس دس قائد نظر آتے ہیں ایک ایک قصبہ میں سنیوں کے چار چار ''صدر'' دکھائی دیتے ہیں۔ ایک ایک گاؤں میں سنیوں کے تین تین ''دینی راہنما'' جلوہ فرما ہیں۔ یہ سب سنی ہیں اور چشم بددور نبی اکرم ﷺ کی سنتوں کے پاسبان ہیں۔ مگر مجال ہے جو طبقہ ایک سنت پر عمل کرتا ہے دوسرا اس کے نزدیک بھی جاتا ہو جو طبقہ دوسری سنت پر عمل کرتا ہے، تیسرا طبقہ اس سنت کو پہچانتا بھی ہو۔ یہ سارے سنی ہیں مگر مجال ہے ... سنی شہر میں کوئی سنی بیمار پڑ جائے

تو بیمار پرسی کو درخوراعتنا خیال کرتا ہوا گر ایک سنی مرجائے تو جب تک وہ پہلے ''دعوت'' نہ دے کر مرے اس کے ایصال ثواب کے لیے اس کے گھر نہیں جاتے۔ایک مدرسہ کا مہتمم دوسرے مدرسہ کے مہتمم کو سلام کا روادار نہیں۔آ کثر سنی (الا ماشاءاللہ) حضور کی اس سنت پر عمل کرتے ہیں جس میں حلوہ کھانا اور قیلولہ کرنا شامل ہو۔کبھی پتھر کھانے اور باطل قوتوں سے ٹکرانے کی سنت پر عمل کرنے کے لیے جمع نہیں ہوتے۔یہ ہے ہمارا المیہ، یہ ہے ہمارا رونا، یہ ہے ہمارا مقام اور یہ ہے ہمارا مرتبہ

؎ یا رسول اللہ انظر حالنا   یا حبیب اللہ اسمع قالنا

☆☆☆☆☆

آج چھوٹے چھوٹے طبقے منظم ہو رہے ہیں۔آج چھوٹے چھوٹے فرقے متفق ہو رہے ہیں۔آج چھوٹی چھوٹی جماعتیں یکجان ہو رہی ہیں۔آج چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں اکٹھی ہو رہی ہیں۔آج چھوٹی چھوٹی ٹولیاں جمع ہو رہی ہیں۔آج چھوٹے چھوٹے ادارے متحد ہو رہے ہیں اور اپنی بقا کے لیے اہل سنت جیسی عظیم اکثریت کا سہارا تلاش کر رہے ہیں تاکہ مذہبی دنیا میں اپنا مقام بنالیں۔یہ جماعتیں اپنے مستقبل کے لیے ملک کی عظیم اکثریت کے دامن کی طرف ہاتھ بڑھا رہی ہیں تاکہ وہ اپنا قد اونچا کریں۔وہ سنی راہنماؤں کا سہارا تلاش کر رہی ہیں تاکہ اپنے داغدار ماضی کے دامن کو دھو سکیں۔وہ سنی علماء و مشائخ کو اپنے ساتھ ملا رہی ہیں تاکہ ان کے ساتھ بیٹھ کر اپنے سابقہ کردار کا کفارہ ادا کر سکیں۔سنیوں کا ان طبقوں اور فرقوں سے اتحاد کر لینا سنیوں کی کامیابی کی علامت نہیں بلکہ ان فرقوں کا سنیوں کے ساتھ کھڑے ہونا ان کی کامیابی ہے۔آج وہ دینی جماعتیں ''منزل'' پانے کی جدوجہد کر رہی ہیں جو ''شریک سفر'' نہ تھیں۔آج وہ طبقے ''مجاہد'' بن کر آگے بڑھ رہے ہیں جو ''شریک جہاد'' نہ تھے آج وہ لوگ پاکستان کی دینی قیادت کا پرچم لہرانے کے لیے سرگرم عمل ہیں جو پاکستان

کے لفظ سے بھی نفرت کرتے تھے۔

تحریک پاکستان میں سنیوں نے جس قدر جدو جہد کی وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ سنی مشائخ اور علماء نے تشکیل پاکستان میں جو کام کیا وہ تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ تقسیم ملک کے وقت جتنی جانیں سنی حضرات نے دیں وہ قوموں کی تاریخ میں ایک مثال ہے۔ "تحریک ختم نبوت" میں جتنی جانیں سنی علماء و نوجوانوں نے قربان کیں وہ ایک مثالی داستاں ہے۔ ان قربانیوں کی شہادت مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی سے بڑھ کر کون دے سکتا ہے "تحریک نظام مصطفیٰ" میں سنی علماء و عوام نے قید و بند کی جو صعوبتیں برداشت کیں ان کی گواہی قائد اہل سنت الشاہ احمد نورانی سے زیادہ کون دے سکتا ہے آج دائیں بائیں کے لوگ جھنڈے اٹھائے سڑکوں پر مارچ کر رہے ہیں اور اہل سنت کی کثرت کی غیرت کو للکار رہے ہیں۔ آج بے دین سیاست دان اس عظیم اکثریت کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ آج دین نا آشنا لیڈر اسلامی فلسفہ کے ترجمان بنے ہوئے ہیں۔ اندھیرے چھا جائیں تو چور اچکے گلی کوچوں میں بھنگڑے ڈالتے ہیں۔ جنگل کے شیر مر جائیں تو لومڑیاں اودھم مچا کر "پدرمن سلطان بود" کی ہانکیں لگاتی ہیں۔ حسین و جمیل چہرے گم ہو جائیں تو ڈومنیاں "حسن بانو" بن جاتی ہیں۔ علم و فضل کی شمعیں بجھ جائیں تو بھانڈ اور مراثی "فن کار" بن کر محراب و منبر کے مالک بن جاتے ہیں۔ علماء حق مساجد کو اجاڑ دیں تو گلہریاں امام بن جاتی ہیں۔ شمعیں بجھ جائیں تو بینڈے ٹرانے لگتے ہیں۔ آج ہمارے ملک کی دینی حالت کا یہی نقشہ ہے۔ اپنے گھر کو دیکھ کر رونا آتا ہے، اپنے ملک کو دیکھ کر رونا آتا ہے اپنے سنیوں کو دیکھ کر رونا آتا ہے پھر اپنے آپ کو دیکھ کر رونا آتا ہے۔

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار
سامنے تیرے ہے "مردانِ حجازی" کا مزار

ہماری دینی مجالس میں ناپسندیدہ روایات کا رواج

جلد نمبر ۵..........اگست ۱۹۹۵ء..........شمارہ نمبر ۴۶

اسلام کی تبلیغ و تربیت میں اگر چہ سیکڑوں تحریکی عناصر اپنا کردار ادا کرتے ہیں مگر جو افادیت اور اہمیت ذکر و فکر کی محافل، نعت و مناقب کی مجالس اور وعظ و تذکیر کے اجتماعات کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے طبقہ کے حصہ میں نہیں آئی۔ صدیوں سے علماء کرام اپنے خطابات اور تقاریر سے عوام الناس کو اسلام کی علمی و روحانی دولت سے حصہ بخشتے آئے ہیں۔ بزرگان دین کی مجالس ذکر و فکر لوگوں کے قلب و جگر کی آبیاری کرتی رہی ہیں۔ پھر نعت و مناقب کی نورانی محفلوں نے دلوں میں عشق مصطفیٰ کی روشنیوں کو درخشاں رکھنے میں جتنا موثر کردار ادا کیا ہے، اس کی مثال کسی دوسری تحریک، کسی سیمینار، کسی دعوت فکر و نظر میں نہیں ملتی۔ آج پاکستان بھر میں اہل سنت و جماعت کے علاوہ تمام فرقے ایسی مجالس، ایسی محافل اور ایسے اجتماعات سے محروم ہیں۔ ان فرقوں کے مقرروں کی تقریریں، ان کے وعظ، ان کے لیکچرز، ان کے جلسے، ان کے اجتماع اس روحانی ذوق سے یکسر خالی ہوتے ہیں۔ جو سنیوں کے اجتماعات میں نمایاں ہوتا ہے۔

سابقہ برسوں میں سنیوں میں ایسے جلیل القدر واعظ ہوئے ہیں جو لاکھوں کے مجمع کو مسحور کر دیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے بلند پایہ مقرر ہوئے ہیں جو اپنی شیریں بیانی سے اپنے سامعین کو مبہوت کر دیا کرتے تھے۔ علماء اہل سنت میں واعظین کا ایک ایسا

قادر الکلام طبقہ تھا جو اپنے زورِ بیان سے چلتے قافلوں کو روک دیا کرتا تھا۔ علمائے اہل سنت میں ایسے ایسے خطیب ہوئے ہیں جو سننے والوں کو علم و فضل کی دولت سے مالا مال کر دیا کرتے تھے۔ ہم ان حضرات کے کمالات کو جس قدر ہدیۂ تحسین پیش کریں کم ہے۔

الحمد للہ یہ ہمارا خطابی ورثہ ہے یہ ہمارا بیانی اثاثہ ہے۔ یہ ہمارا واعظانہ کارواں ہے۔ یہ ہمارے خوش بیاں مقررین کا سرمایہ ہے۔ جو ہمیں تمام دوسرے فرقوں میں ممتاز اور سربلند رکھتا ہے۔

موجودہ دور میں انسان، ضروریات زندگی کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ زر پرستی اور حصول زر کے طوفانوں نے ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس زر پرستی کی دوڑ سے ہمارے بعض علماء کرام اور واعظانِ خوش بیان بھی متاثر ہوئے ہیں اور وہ اسلامی تبلیغ کے ارفع مقام کو کھو کر ضروریاتِ زندگی کے حصول کی دوڑ میں شامل ہو گئے ہیں۔ ان واعظوں میں ''وعظ فروشوں'' کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو اپنی تقریروں اور وعظوں پر سودے بازی کیے بغیر قوم کو خطاب کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ ''وعظ فروشوں'' کا یہ طبقہ دین کے نام پر تبلیغ کرتا ہے اور تبلیغ کے نام پر وعظ فروشی کرتا ہے۔

اسلام تو کیا یہ لوگ اپنے رسول کے نام پر بھی وہ قیمت وصول کرتے ہیں جس سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ یہ درست ہے کہ ان وعظ فروشوں کی زمینیں نہیں، کارخانے نہیں، دکانیں نہیں، اہل و عیال کی ضروریات کو پوری کرنے کے لیے مالی ذرائع نہیں۔ قومی سطح پر ان معاملات کا مداوا ہونا چاہیے۔ مگر ان دنیاوی محرومیوں کی قیمت جس انداز میں یہ حضرات وصول کر رہے ہیں۔ وہ انہی کا ہی دل گردہ ہے۔ ''ان وعظ فروشوں'' میں بعض ایسے محروم مطالعہ حضرات بھی ہیں جو بیس سال سے رٹی ہوئی چند تقریروں کو سٹیج پر سناتے ہیں اور داد پاتے ہیں۔ نعرے لگواتے ہیں، اور سامعین

یہ پٹری سے اتر جاتے ہیں اور ان کے زور خطابت سے سامعین کو کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

آج کے ''وعظ فروشوں'' کا ایک ایسا طبقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جس نے عام حالات میں سفر کرنے کے بجائے اپنی ''کاریں'' رکھ لی ہیں ''دین کی خدمت'' کے لئے جہاں جاتے ہیں ''پٹواری کے گھوڑے'' کی طرح کار کی ٹینکی پٹرول سے بھرواتے ہیں۔ تقاضا کر کے مرغن اور اعلیٰ کھانے کھاتے ہیں۔ اپنا محنتانہ لیتے ہیں۔ یہ لوگ رات کے اندھیروں میں اپنا کام تمام کر کے صبح کی روشنی پھوٹنے سے پہلے ہی اپنے گھر واپس آ جاتے ہیں اور رات والے سامعین کو اپنا ''چہرۂ درخشاں'' دکھانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان مقامی وعظ فروشوں کے علاوہ ایک ایسا طبقہ نمودار ہوا ہے جو سال میں چار ماہ برطانیہ، ہالینڈ اور امریکہ جیسے مغربی ممالک میں چلا جاتا ہے اور وہاں ''وعظ فروشی'' کرنے کے بعد عمرہ کر کے پاکستان آ جاتا ہے تو ہم ان کا استقبال کرتے ہیں اور محبت سے گاتے ہیں۔

میرے زائرانِ حرم آ رہے ہیں
مدینہ سے ان کے قدم آ رہے ہیں

یہ لوگ مغربی ممالک کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں تبلیغ کرنے نہیں جاتے۔ ہم نے کسی واعظ کو نیپال، چین، بنگلہ دیش یا کوریا جاتے نہیں دیکھا۔ حالانکہ کفر تو ان ملکوں میں بھی ہے اور اسلام کی روشنیوں کی ان تاریک گوشوں کو بھی ضرورت ہے۔

....

وعظ فروشوں کے طبقے کے ساتھ ساتھ ہمارے نعت خوانانِ رسول کا ایک ایسا طبقہ ابھرا ہے جو مجالس نعت میں اپنے آپ کو حضرت حسّان بن ثابت اور کعب بن زُہیر کا جانشین قرار دیتا ہے۔ وہ کسی ایسی مجلس وعظ میں پڑھنے سے اکثر گریز کرتے ہیں، جہاں کوئی عالم دین تقریر کرنے والا ہو وہ مجلس وعظ میں علماء کرام کی لمبی تقریروں

سے گھبراتے ہیں۔انہیں خدشہ ہوتا ہے کہ ایسی مجالس میں انہیں بہت کم وقت دیا جائے گا اور وہ سامعین سے ''انعامات'' وصول نہیں کر پائیں گے۔اب ان نعت خوانوں کی علیحدہ علیحدہ ٹولیاں بن گئی ہیں اور وہ دنیا داروں کو'' مجالس نعت'' منعقد کرنے کی ترغیب دے کر ساری ساری رات بلا شرکت غیرے نعت سنائے جاتے ہیں۔اور لوگوں سے '' ویلیں'' وصول کرتے جاتے ہیں۔ان نعت خوانوں کے ٹولے علیحدہ علیحدہ خوبصورت ناموں کے ساتھ شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ سفر کرتے ہیں اور ہر محفل میں چالیس سال سے ایک ہی نعت سناتے چلے جاتے ہیں۔یہ نہ کوئی دوسری نعت پڑھ سکتے ہیں اور نہ یاد کرنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں انہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ نبی کریم صاحب کوثر و تسنیم کے خیابان نعت میں تو آئے دن لاکھوں تازہ پھول کھلتے رہتے ہیں کبھی کسی تازہ پھول کی رنگت بھی اپنی زبان پر لے آئیں تو مجلس نعت مہک مہک جائے ان پاکیزہ محافل میں نوٹ تقسیم کرنے کے بڑے عجیب انداز ایجاد ہو گئے ہیں۔جنہیں اگر بیان کیا جائے تو'' عندلیبان ریاض نعت خواناں'' چہکنا چھوڑ دیں۔ان نعت خوانوں نے نعت کے ایک شعر کا اضافہ کر دیا۔ہم ایسے نعت خوانوں کو تو ہدیۂ تحسین پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔مگر ہم ایسی مجالس کے ان اہل ذوق ومحبت حضرات کو بھی داد دیں گے جو سٹیٹ بنک آف پاکستان سے ایک ایک روپے کے نئے نوٹ لا کر نچھاور کرتے نہیں تھکتے۔

ان '' وعظ فروشوں'' اور'' نعت فروشوں'' کے ساتھ ساتھ ہمارے'' پیران طریقت'' کا ایک ایسا روحانی طبقہ پیدا ہو گیا جو''مجدّدی'' ہو کر اپنے پیروکاروں کو''ذکر بالجہر'' پر لگائے پھرتا ہے۔یہ پیران طریقت اگرچہ حضرت مجدّد الف ثانی کے سلسلہ عالیہ سے منسلک ہیں مگر پرشور اذکار سے درو دیوار ہلاتے چلے جاتے ہیں۔''سلسلۂ

چشتیہ'' کے بزرگان طریقت اب ''ذکر بالجہر'' کی حدود کو توڑ کر سہروردیوں سے رقص و وجد کی کیفیتیں سمیٹ کر اپنی محافل میں رنگ پیدا کرتے ہیں اور برملا کہتے ہیں۔

ع۔ ملامت می کند خلقے و من بردار می رقصم !

حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کے نام لیوا ''قادریوں'' کو ایسی دھمالیں ڈالتے دیکھا گیا ہے کہ ''سلسلۂ نوشاہیہ کے مست'' بھی انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں۔ ''حق ہو'' کی رقتیں اور ''ہو ہو'' کی وجد آفرینیاں اب اہل اللہ کا شیوہ بن گیا ہے۔

ہماری دینی مجالس کی ان ناپسندیدہ روایات کو اب کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ ان شاہسواران روایات کو کوئی ٹوکنے والا نہیں ہے۔ ان ''عاشقان رسول'' کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ان ''راہ روان طریقت'' کو کوئی سمجھانے والا نہیں رہا۔ یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ ہمارے جلسوں میں ہوتا ہے، ہماری روحانی محفلوں میں ہوتا ہے۔ ہماری مجالسِ نعت خوانی میں ہوتا ہے۔ ہمارے کوچہ و بازار میں ہوتا ہے۔ ہمارے درباروں اور خانقاہوں میں ہوتا ہے ہمارے عرسوں پر ہوتا ہے۔

ہماری دینی زندگی کے یہ وہ زخم ہیں جن کے لیے کوئی مرہم نہیں۔ یہ وہ بیماریاں ہیں جن کا کوئی علاج نہیں۔ یہ وہ درد ہیں جن کی کوئی دوا نہیں۔ یہ وہ ناسور ہیں جن کا کوئی مسیحا نہیں ہے۔ یہ وہ مکروہات ہیں جنہیں ہم نے نیکی جان کر اپنا لیا ہے۔

حقیقت یہ امت روایات میں کھو گئی
عجم کے خرافات میں کھو گئی

علمائے اہل سنت اپنے عقائد کا دفاع کریں

جلد نمبر ۶.........شمارہ نمبر ۵۱۔۵۲.........جنوری فروری ۱۹۹۶ء

انگریز کے اقتدار کے زمانہ میں برصغیر پر ''انسانی عقائد کی آزادی'' کے نام پر ایک تحریک چلی، جس کو انگریز کی ''گورنمنٹ آف انڈیا'' نے بڑی پشت پناہی کی۔ انگریز دراصل اس '' آزادی'' کے پردے میں اسلامی تہذیب و تمدن خاص کر مسلمانوں کے عقائد پر یلغار کرنا چاہتا تھا۔ انگلستان سے بدزبان مشنری پادری درآمد کیے گئے، جو اسلامی نظریات کو نشانۂ تنقید بناتے اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں تھا۔ بعض پادری تو اتنے دریدہ دہن تھے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی ذات اقدس پر بھی سوقیانہ حملے کرتے مگر حکومت انہیں پورا پورا تحفظ دیتی۔ پھر انگریز کی شہ پر اس کے بعض وظیفہ خوار مسلمانوں نے بھی '' آزادی اظہار رائے'' کی آڑ میں شانِ رسالت میں گستاخیاں شروع کر دیں۔ ایک نیچری طبقہ پیدا ہوا جو قرآن کی ساری روحانیت اور عقائد کا مذاق اڑاتا تھا اس وقت کے چند نام نہاد ''مولویوں'' نے بھی شان رسالت میں گستاخیاں کرنا شروع کر دیں۔ ''اہل قرآن'' احادیث نبویہ کا مذاق اڑاتے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ گستاخان رسول۔ شاتمان صحابہ نیچری دہریے، ملحد اور اہل قرآن قسم کے کئی دینی فتنے ابھرنے لگے۔ یہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ''انسانی رائے کی آزادی'' کا نام لیکر نبوت تک کے دعوے ہونے لگے اور ایسے ''مدعیان نبوت'' کو نہ صرف

حکومت کی پشت پناہی حاصل ہوتی، بلکہ انہیں سرکاری سطح پر اس قسم کی یاوہ گوئی پر تحفظ فراہم کیا جاتا اور اپنی وفاداری کے صلہ میں انعامات وخطابات سے نوازا جاتا۔

یہ صورت حال علمائے اہل سنت کے لیے زبردست چیلنج تھا۔ دین اسلام کی عمارت کو کھوکھلا کیا جارہا تھا قدم قدم پر اسلامی تہذیب وتمدن کو مسخ کرنے کے لیے فکری اور نظریاتی ہتھیار پھیلائے جارہے تھے۔ علمائے اہل سنت نے اس چیلنج کو نہ صرف قبول کیا بلکہ تمام تر مخالفتوں کے باوجود یہ علمائے کرام بے سروسامانی کے عالم میں ان طوفانوں کے سامنے ڈٹ گئے اور قدم قدم پر ان بدعقیدہ لوگوں کو للکارا۔ ہم ان علمائے اہل سنت کے اسمائے گرامی اور ان کی خدمات کی تفصیل تو یہاں بیان نہیں کر سکتے مگر مثالی طور پر ایک عالم دین امام اہل سنت مجدد ماتہ حاضرہ اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام ضرور یاد دلائیں گے جس نے عقائد باطلہ کی تردید وتنفیص میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور گستاخان رسول کے خلاف زوردار الفاظ میں جہاد کیا۔ ایک ہزار سے زیادہ کتابیں شائع کر کے نہ صرف عقائد باطلہ کا رد کیا بلکہ عام سینوں کے عقیدہ اور نظریات کا تحفظ کیا۔ پھر دلوں کو عشق مصطفیٰ کی گرمی سے زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ کے رفقائے کار نے ملک بھر میں پھیلتے گئے اور عقائد اہل سنت کی حفاظت کرتے رہے۔ ہزاروں علمائے اہل سنت برصغیر کے گوشے گوشے میں عقائد اہل سنت کے دفاع کے لیے شب و روز کام کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز کی پشت پناہی کے باوجود برصغیر کی اکثریت ان باطل نظریات کی یلغار سے محفوظ ہوگئی۔ اگر آج ہم برصغیر کی اعتقادی اور نظریاتی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ایسے علمائے اہل سنت کے نام درخشاں دکھائی دیں گے، جنہوں نے عقائد اہل سنت کے دفاع کے لیے زندگیاں وقف کردی تھیں۔

علاقوں سے علماء کرام، مشائخ عظام اور سنی دینی راہنما پاکستان کے مختلف شہروں، قصبوں اور دیہات میں جا بسے۔ ایسے ناہموار حالات میں کئی برخود غلط افراد بھی علماء و مشائخ کے لباسوں میں ابھر کر سامنے آئے اور اپنا اپنا کردار ادا کرتے رہے۔ چنانچہ سنی معاشرہ کے درہم برہم ہونے پر کئی بدعقیدہ افراد نے علماء، مشائخ، دانشور، راہنما اور رہبریں کے لباس پہن کر عوام کے نظریات پر اثر انداز ہونا شروع کر دیا۔ ادارے بننے لگے، دینی مدرسے قائم ہونے لگے، یورنیورسٹیوں میں مذہبی حلقے قائم ہونے لگے، کالجوں میں دینی انجمنیں بننے لگیں، ایسوسی ایشن کے نام سے مختلف طبقے ابھرنے لگے حتیٰ کہ ''مساجد'' اور ''خانقاہوں'' کی جگہ انگریزوں کے زیر سایہ جس ''نبوت'' کی بنیاد رکھی گئی تھی وہ ''قادیان'' سے اٹھا کر ''ربوہ'' میں قائم کر دی گئی۔ دیوبندیوں نے ''شرک و بدعت'' کے سارے مورچے دیوبند سے اٹھا کر صوبہ سرحد اور بلوچستان میں قائم کر دیے۔ ملحد اور بے دین قلم کاروں نے کراچی، لاہور اور دوسرے شہروں میں کئی انجمنیں قائم کیں جو عقائد اہل سنت پر اثر انداز ہوتی گئیں۔ لکھنو کے ''شاتمانِ صحابہ'' ذاکر بن کر پاکستان میں آ بسے اور انہوں نے جتنے ''تکیے'' تھے انہیں ''امام بارگاہ'' بنا کر ''علی علی دم مست قلندر'' کے اکھاڑے بنا دیے۔ ظاہر ہے عوام اہل سنت ان بے دینی فتنوں کے طوفانوں کی زد میں آ گئے۔ آج حالت یہ ہے کہ پاکستان کے کونے کونے میں، دیہات کے دیہات بدعقیدہ رافضیوں کی زد میں ہیں اور بیشتر دیہات کے ان پڑھ سنی، ''علی علی'' کا جھنڈا اٹھا کر ''سپاہ محمد'' میں شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ دیوبندیوں کے خیموں میں آنے والے سنی نوجوان ''سپاہ صحابہ'' بن کر دندناتے پھرتے ہیں۔ وہابیوں کے نرغے میں پھنسنے والے نوجوان، جہاد کے نام پر کلاشنکوفیں اٹھائے۔ ''مجاہد'' بن بن کر لشکر طیبہ میں شامل ہو رہے ہیں۔ آج لاکھوں سنی بستر اٹھائے ''تبلیغی جماعت'' کے اجتماعوں سے تربیت پا کر ''مشرکین پاکستان'' کو کلمہ

پڑھانے میں مصروف ہیں۔

ان دینی فتنوں نے عقائد اہل سنت پر جو بھیانک اثرات ڈالے ہیں، اس نے سواد اعظم کو پامال کر کے رکھ دیا ہے۔ سنیوں کے باغات کو اجاڑ دیا گیا ہے اور ایک عظیم اکثریت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی ہے۔ آج امت رسول پر وہ نازک وقت آ گیا ہے جب ''علمائے اہل سنت'' کو خواب غفلت کو چھوڑ کر، غرور و پندار کے قلعوں سے نکل کر، کبر و نخوت کے حجروں کو خیر باد کہہ کر ''عقائد اہل سنت'' کا دفاع کرنا چاہیے۔ سنی علماء کرام میں بیان و خطاب کی بے پناہ قوت موجود ہے۔ آج گئے گزرے دور میں بھی وہ اپنی قوت بیانیہ سے پتھروں کو موم کر سکتے ہیں۔ وہ اپنی تقریر و تحریر سے طوفانوں کا رخ موڑ سکتے ہیں۔ وہ علمی اور عملی صلاحیتوں سے بے دینی کے طوفانوں کے سامنے چٹان بن سکتے ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے، اگر پاکستان کے عوام مسلمان گستاخان رسول کے ہم نوا بن جائیں، شاتمان صحابہ کے ''خیمہ ہائے سادات'' میں جا بیٹھیں، بستر اٹھا کر ساری قوم کو صلوۃ و سلام کی روشنیوں سے محروم کرتے جائیں۔ جہاد کے نام پر سنی نوجوانوں کو نجد و ریاض کی وادیوں میں لے جائیں اور علمائے اہل سنت ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں تو یہ ایک بہت بڑا سانحہ ہوگا۔ آج عام مسلمانوں کی نگاہیں ''علمائے اہل سنت'' کی راہنمائی کے لیے بار بار اٹھتی ہیں۔ آج تمام سنیوں کی بستیاں ان علمائے اہل سنت کی آمد کے لیے چشم براہ ہیں جو انہیں اہل سنت کے عقائد کی تربیت دیں۔ آج پاکستان کے بڑے بڑے شہروں کے کوچہ و بازار ان سنی علماء کرام کے قافلوں کے منتظر ہیں جو انہیں گنبد خضراء کا راستہ دکھا سکیں۔ آج سنیوں کی بستیاں ان فقیر صفت سنی علماء کرام کی راہیں دیکھ رہی ہیں جو انہیں ''مقام مصطفیٰ'' اور ''نظام مصطفیٰ'' کی روشنیوں سے درخشاں کر سکیں۔ آج سنی اکثریت اپنے ملک میں علمائے اہل سنت کے ان جھنڈوں کو لہراتا دیکھنا چاہتے ہیں جو ''نظام مصطفیٰ'' کا پیغام لے کر آئیں۔

آج ہماری مایوس نگاہیں، حضرت علی ہجویری کی تلاش میں ہیں، خواجہ معین الدّین اجمیری کی راہ میں بچھی ہوئی ہیں، مجدّد الف ثانی کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ امام اہل سنت، شاہ احمد رضا خاں بریلوی کو ترس رہی ہیں۔ خواجہ تونسوی اور خواجہ سیالوی کے لیے چشم براہ ہیں۔

حضرت علی پوری، حضرت شرقپوری، حضرت گولڑوی اور ان کے رفقائے روحانیت کے لیے بے تاب ہیں۔ جو علم وفضل بھی تقسیم کرتے تھے اور روحانیت سے دلوں کو منور بھی کرتے جاتے تھے۔ کیا آج ان کے نام لینے والے ان کے سجادوں پر بیٹھنے والے، آج ان کی خانقاہوں کے وارث، آج ان کے نام کا کھانے والے آج ان کے نام کی قیمت وصول کرنے والے، آج ان کے عمامے سجا کر امراء کے دربار میں حاضری دینے والے، ''عقائد اہل سنت'' کے دفاع کے لیے اپنا کردار ادا نہیں کر سکتے۔ ان کی دولت، ان کی شان وشوکت، ان کی کاریں، ان کے دربار، ان کی خانقاہیں، ان کا اثر ورسوخ، ان کے جبہ ودستار، ان کی پھوں پھاں، ان کی شوں شاں کس کام آئے گی؟ اگر وہ عقائد اہل سنت کے دفاع اور عوام سنیوں کی راہنمائی نہیں کر سکتے تو

یہ خانقاہیں یہ دولت یہ منبر و محراب
تیری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل!
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں!

انگریزی اقتدار کے جن دینی فتنوں کے طوفان کا ہم نے ذکر کیا ہے، آج پاکستان کے عوام کو ایسے ہی اعتقادی فتنوں کا سامنا ہے۔ اعتقادی ناواقفیت کی وجہ سے ملک کے پڑھے لکھے لوگ بھی بعض اوقات ایسے بیانات دیتے رہتے ہیں۔ جس

سے اسلام کے پاکیزہ نظریات پر زد پڑتی ہے۔ کبھی اسلامی حدود و تعزیرات کو وحشیانہ اور ظالمانہ کہہ کر اسلام کا مذاق اڑایا جاتا ہے، کبھی سود کے جواز اور تحفظ کے لیے اپیلیں کی جاتی ہیں، کبھی جذبہ جہاد کے اظہار کو دہشت گردی کا نام دیا جاتا ہے، کبھی گستاخی رسول کے موضوع کی تاویلیں کی جاتی ہیں، کبھی طلاق و نکاح کے مسائل کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔ حال ہی میں قرآنی احکامات اور احادیث کی راہنمائی سے نا آشنا ایک پاکستانی جج نے ایک ایسا مضحکہ خیز بیان دیا، جسے اسلام میں ''حلالہ اور طلاق'' کی جنگ ہو رہی ہو اور باکردار مستورات کو حلالہ کا نشانہ بنایا جا رہا ہو، پھر ایسے دین نا آشنا دانشوروں کی تائید میں بے دینوں کا ایک پورا لشکر ہم نوا ہو کر اخبارات کے صفحات سیاہ کر دیتا ہے۔ ان حالات میں اسلامی عقائد پر یقین رکھنے والے عوام پریشان ہو جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر علمائے کرام خصوصاً علماء اہل سنت و جماعت کو خاموشی توڑ کر عوام کی دینی راہنمائی کے لیے آگے بڑھنا چاہیے اور انہیں مسائل دین سے آگاہ کرنا چاہیے۔ اگر اخبارات ان کے بیانات نہیں چھاپتے تو ان علمائے کرام کے پاس مساجد اور مدارس کے اتنے موثر فورم موجود ہیں جس سے عوام کی ذہنی الجھنوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔ دینی اشاعتی ادارے چھوٹے چھوٹے پمفلٹ یا ہینڈ بل تقسیم کر کے صحیح صورت حال سے آگاہ کر سکتے ہیں۔ اگر ہم نور و بشر، نفی ظل'' تصرف اولیاء اور شان رسالت جیسے نازک مسائل پر دلائل دے سکتے ہیں تو موجودہ زمانہ کے اعتقادی فتنوں کا بھی جواب دے سکتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے ملک کی بعض دینی جماعتیں اپنی سیاسی وابستگیوں کی وجہ سے ایسے مسائل پر بھرپور طریقے سے آواز نہیں اٹھا سکتیں، تاہم [illegible]ے دینی راہنماؤں، خصوصاً جماعت اہل سنت کو ایسے اعتقادی اور نظریاتی مسائل میں راہنمایانہ کردار ادا کرنا چاہیے اور عوام کو صحیح صورت حا[illegible]ے آگاہ کر کے ان دین نا آشنا دانشوروں کی پھیلائی ہوئی قباحتوں سے نجات دلانی چاہیے۔

ایک دہشت زدہ قوم کے دہشت زدہ لوگ

جلد نمبر ۵............مارچ ۱۹۹۶ء............شمارہ نمبر ۵۳

پچھلے دس برسوں سے مغربی ممالک کا ایک مسلسل پراپیگنڈہ دنیا کو یہ تاثر دے رہا ہے کہ مسلمان ایک دہشت گرد قوم ہے اور انکے افراد فنڈامینٹلسٹ ہیں۔ ان ممالک کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر بلکہ خوف زدہ ہو کر بعض مسلمان ممالک کے حکمران مغربی ممالک کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اتنے دہشت زدہ ہو جاتے ہیں کہ ان کے پاؤں میں گر جاتے ہیں۔ یہ مغربی قومیں ان مسلمان ممالک کے مسائل اور مصائب میں تو شریک نہیں ہوتیں۔ مگر جب یہ مغربی آقا عراق لیبیا اور ایران جیسے مسلمان ملکوں پر چڑھائی کرتے ہیں تو یہ مسلمان حکمران ان کے ''پیادے'' بن کر پستہ کتے کی طرح شکاری کتوں کی ٹیم کے ساتھ ساتھ دوڑتے نظر آتے ہیں۔

ان مغربی قوموں نے عراق ایران اور لیبیا سے سابقہ چند سالوں میں جو سلوک کیا ہے وہ ان کی اسلام دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان ممالک کا گناہ صرف یہ تھا کہ انہوں نے ان کے ''پیادوں'' کا ساتھ نہیں دیا۔ پھر ان مغربی ممالک نے ان ملکوں کو ''دہشت گرد'' قرار دے کر ان سے سوشل بائیکاٹ کیا۔ دنیا بھر کے تمام ممالک سے رابطہ منقطع کرا دیا۔ لین دین بند کر دیا یہاں تک کہ وہ مسلم ممالک جو ان کے

درباروں میں ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں انہیں بھی اجازت نہیں کہ وہ اپنے تڑپتے ہوئے مسلمان بھائیوں اور سسکتے ہوئے مسلمان بچوں اور کراہتے ہوئے مسلمان بیماروں کے لیے کسی قسم کی ادویات خوراک یا کپڑے ہی پہنچا سکیں۔

ان مغربی ممالک کی زبان سے یہ تینوں ملک تو دہشت گرد ہیں مگر اب انہوں نے دوسرے مسلمان ممالک کو دہشت گرد تو نہیں مگر ''دہشت زدہ'' بنا دیا ہے۔ ان مسلمان ملکوں کے حکمران اگرچہ ان کے غلام بے دام ہیں مگر ان مسلمان ملکوں کے عوام کو فنڈامینٹلسٹ کا خطاب دے کر دہشت زدہ کر رکھا ہے ان کی نگاہ میں ہر کلمہ پڑھنے والا فنڈامنٹلسٹ بھی ہے اور ''دہشت گرد'' بھی چنانچہ ایسے افراد کی ان کے اپنے ہی ملکوں میں نگرانی کی جاتی ہے۔ ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھی جاتی ہے بلکہ ان ممالک کے حکمرانوں نے اپنی خفیہ ایجنسیوں کو ایسے افراد کی فہرستیں تیار کرنے اور انہیں مغربی ممالک کو مہیا کرنے پر لگا رکھا ہے۔ مصر، سوڈان، الجزائر جیسے ممالک کو تو چھوڑیے پاکستان کا دارالسلطنت اسلام آباد ان دنوں سی آئی اے کا ایشیائی ہیڈ آفس بنا ہوا ہے۔

مسلمان ممالک کے حکمرانوں کی ''دہشت زدگی'' کا اب یہ عالم ہے کہ پچھلے دنوں اسلام آباد میں پاکستان کے ''دانشوروں'' ''فلاسفروں'' ''امن پسندوں'' اور ''ترقی پسندوں'' کی ایک کانفرنس ہوئی ہے۔ اس میں اس پاک سرزمین پر کھڑے ہو کر ان دہشت زدہ دولت مندوں اور دانشوروں نے چیخ چیخ کر پاکستان کے خلاف نظریۂ پاکستان کے خلاف، اسلامی اقتدار کے خلاف، غیرت ملی کے خلاف اور پاکستان کے عوام کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے ہمارے ملکی اخبارات نے ان ''دہشت زدہ دانشوروں'' کی تقریروں کے جو اقتباسات پیش کیے ہیں اس پر ہر پاکستانی کو رونا آتا ہے۔ شرم آتی ہے اور ندامت آتی ہے۔

ع۔ یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

یہ لوگ کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں؟ یہ لوگ کس ملک کے باشندے ہیں؟ یہ لوگ کن خاندانوں کے افراد ہیں؟ یہ لوگ کن باپوں کے بیٹے ہیں؟ یہ لوگ کن ماؤں کے فرزند ہیں؟ جو نہ اسلام کا نام لینا چاہتے ہیں۔ نہ پاکستان کی سالمیت کا احترام رکھتے ہیں۔ نہ پاکستان کے آئین کا لحاظ کرتے ہیں۔ نہ پاکستان کے نظریے کی پروا کرتے ہیں۔ نہ انہیں اسلامی غیرت ہے۔ نہ ملی حمیت ہے۔ نہ بارہ کروڑ پاکستانیوں کے جذبات کا خیال ہے۔ اگر یہ دہشت زدہ افراد ہندوستان کی خوشحالی سے اتنے ہی متاثر ہیں تو اس کی پناہ میں چلے جائیں۔ اگر یہ مغربی ممالک سے اتنے ہی مایوس ہیں تو ویزے بنوائیں اور مغربی شہروں میں جابسیں۔ اگر یہ لوگ اس خطہ پاک سے اتنے ہی خوف زدہ ہیں تو اس سرزمین کو اپنے بوجھ سے خالی کریں۔ ان کو کیا حق ہے کہ اس ملک کے بارہ کروڑ عوام کے جذبات سے کھیلیں انہیں یہ حق کس نے دیا ہے کہ یہ پاکستانیوں کی غیرت کا سودا کرتے پھریں انہیں یہ جرأت کیوں ہوئی ہے کہ نظریۂ پاکستان اور آئین پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کریں۔

اخبارات کو چاہیے تھا کہ ان ''دانشوروں'' کے نام اور ان کے خاندانوں کے کوائف شائع کرتے تاکہ پاکستانی عوام کو پتا چل جاتا کہ آیا یہ جعفر و صادق کی نسل کے لوگ ہیں یا انگریز کے کتے نہلانے والوں کے جانشین ہیں۔ لوگوں کو معلوم ہوتا کہ آیا کہ یہ پاکستان کی حرام کی کمائی اور کرپشن کی پیداوار ہیں؟ یا الائیٹوں اور پلاٹیوں کے بیٹے ہیں۔ یہ آخر پاکستان کے کس خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔؟

حکومت ان لوگوں کا نوٹس نہیں لیتی۔ اس ''بیچاری'' میں اتنی جرات بھی نہیں کہ ایسے لوگوں کو پوچھے کہ ان کے منہ میں کتنے دانت ہیں یہ حکمران خود ''دہشت زدہ'' ہیں، خود پریشان حال ہیں، خود نڈھال ہیں۔ نہ ان کی گھر میں عزت ہے نہ باہ

پذیرائی۔ یہ جن معاملات میں الجھے ہوئے ہیں وہاں بازپرسی غیرت اور اتھارٹی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ آ جا کر ایک بوڑھے حکومتی فرد ''نواب زادہ نصراللہ خاں صاحب'' نے اقتدار کے جھروکے سے جھانک کر خدا معلوم ان ''دانشوروں'' کی مذمت کس دل گردے سے کر دی ہے ورنہ پورے اسلام آباد کا اقتداری ٹولہ بے غیرتوں کا قبرستان بنا ہوا ہے۔ اور یہ شہر خموشاں حکومت کے ایوانوں سے مراعات حاصل کرنے کے علاوہ زندگی کے کسی کام سے دلچسپی نہیں رکھتا۔

آج جو لوگ اس عظیم مسلمان قوم کو، جو پاکستان میں بس رہی ہے، دہشت زدہ سمجھتے ہیں وہ غالباً اپنے مستقبل سے بے خبر ہیں۔ آج جو لوگ اس قوم کی غیرت کو للکار رہے ہیں۔ انہیں اپنا حشر یاد نہیں۔ آج جو لوگ ہزرہ سرائی کے لیے بڑے بڑے ہوٹلوں میں محفلیں جماتے ہیں ان کو غالباً پاکستانی قوم کی قوت کا اندازہ نہیں وہ جس قوم کے صبر و برداشت کا امتحان لینا چاہتے ہیں شاید ان کے انتقام کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

پچھلے چند برسوں میں پاکستان کے اندر اخلاق و انصاف کے سارے ضابطے ٹوٹ گئے ہیں۔ حکمرانوں نے ان لوگوں کو غلط دولت سے نوازا جنہیں اپنے باپ دادا کا نام تک یاد نہیں تھا ایسے ایسے لوگ کروڑ پتی بن گئے۔ جو فیملی پلاننگ کی گولیاں کھا کر پیدا ہوئے تھے۔ ایسے ایسے لوگ ''راہنما'' کہلانے لگے ہیں جو اپنا شجرہ نسب پڑھتے ہوئے ڈوب مرتے تھے۔ پھر ہمارے حکمرانوں کی غلط روش نے لوگوں کو زر پرستی کی تربیت دی۔ زر پرستی کے بت تراش کر انہیں خدا بنا دیا گیا۔ زر اندوزی کے ادارے قائم کر کے انہیں قومی ایوارڈ تقسیم کیے گئے۔ بچے بچے کو پاکستانی تصور سے محروم کر کے زر اندوزی کی دوڑ میں لگا دیا۔ عزت کا معیار دولت بن گیا۔ ترقی کا معیار دولت قرار دیا گیا۔ لیڈر شپ کا معیار دولت رکھ دیا گیا۔ اس زر پرستی کی وبا نے اچھے خاندانوں کو پامال کر دیا زر پرستی کی وفا نے باکردار لوگوں کو برباد کر دیا۔ زر پرستی نے غیرت کے معنی

بدل دیے۔حتیٰ کہ آج زر پرستی کے خوگر ''راہنمایانِ قوم'' بن گئے۔اس زر پرستی کا شکار بلند قدر خانوادے بن گئے۔نوبت بایں جا رسید کہ زر پرستی نے محراب و منبر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔درگاہوں اور خانقاہوں کو خراب کر ڈالا۔مدرسوں اور مسجدوں کو پامال کر دیا۔اور جنہوں نے اصلاحِ قوم کا فریضہ سرانجام دینا تھا وہ بھی زر پرست بن گئے۔

آج پاکستانی قوم کو ایسے لوگوں کی ہرزہ سرائی کا نوٹس لینا چاہیے۔آج پاکستان کے نوجوانوں کو ایسے لوگوں کا تعاقب کرنا چاہیے۔آج ایسے لوگوں کی نشست و برخاست پر نگاہ رکھنی چاہیے۔آج ایسے لوگوں کے گھروں کو خواہ کتنے ہی اونچے اور بڑے گیٹوں والے ہوں نشان زدہ کرنا چاہیے۔آج ایسے دانشوروں کا محاسبہ کرنا چاہیے۔یہ پاکستان کرپٹ حکمرانوں کا نہیں۔یہ پاکستان بے غیرت لیڈروں کا نہیں۔یہ پاکستان زر پرستوں کا نہیں۔یہ پاکستان ہمارا ہے۔یہ پاکستان پاکستانیوں کا ہے۔

؎ یہ اور بات ہے تم آج بن گئے ساقی
ورنہ یاد رہے میکدہ ہمارا ہے !

آج پاکستان میں دولت کی لوٹ مار کرنے والا ایک ایسا طبقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو مست رہ کر ان نتائج سے بے خبر نہیں رہنا چاہتا جو ایسے لوگوں کا مقدر ہوتے ہیں۔علماء و کرام اور دانشوروں کو اپنے بڑے بڑے دستر خوانوں پر بلا کر مرعوب کرتا رہتا ہے۔آج دولت مندوں کا ایک ایسا طبقہ ابھر آیا ہے جو بڑے ہوٹلوں میں علماء و مشائخ کو بلا کر سیمینار تو منعقد کرتا ہے مگر ان کی بات سننے کے بجائے انہیں ڈائننگ ہال کی طرف لے جاتا ہے۔آج امراء کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا ہے جو مشائخ کو اپنی کوٹھیوں میں بلا کر اپنی دولت کی نمائش کرتا ہے۔آج پاکستان میں ایک ایسا گروہ سامنے آیا ہے جو جعلی علماء و مشائخ اور پیشہ ور نعت خوانوں کو اپنے ہاں بلا کر نئے نوٹ نچھاور کر کے انہیں مرعوب کرتا رہتا ہے۔ان لوگوں سے ہٹ کر دولت مندوں کا ایک

بے دین طبقہ کلبوں کی شبینہ محفلوں میں رات گئے تک اپنی دولت کی نمائش کرتا ہے اور قوم کی حیا سوز بیٹیوں کے جمگھٹے جمع کرتا ہے۔ آج حرام خوروں اور کرپٹ امراء کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو اپنے گھروں کو کلبوں کی شکل دے کر بازارِ حسن لگا تا رہتا ہے۔ آج حکمرانوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو سرکاری خرچ پر ''ملک وملت کی بھلائی'' کے لیے مختلف ممالک میں جا کر دولت کے قبالوں پر دستخط کرتا رہتا ہے۔ ایسے لوگ اپنی ان بداعمالیوں کے نتائج سے بے خبر ہیں۔ وہ اللہ کی گرفت سے بے نیاز ہیں۔ حالانکہ ان سے پہلے لوٹ مار کرنے والوں کا حشر ان کے سامنے ہے اور ان کی کامیابیوں کے اجڑے ہوئے باغات ان کی نظروں میں ہیں۔

ایسے طبقے شہنشاہ ایران کے دورِ اقتدار میں سارے ایران پر چھائے ہوئے تھے۔ ان کی زر پرستی، زراندوزی ضرب المثل تھی۔ ان کی دین سے بیزاری اور اسلام دشمنی دنیا بھر میں مشہور تھی۔ ان کی عیاشیوں کے افسانے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی عوام دشمنی کی کہانیاں بچے بچے کی زبان پر تھیں۔ جب ملک میں انقلاب آیا۔ جب غریبوں نے متحد ہو کر انہیں للکارا۔ جب ایرانی عوام نے اللہ ورسول کا دامن تھام کر ان پر یلغار کی تو یہ سارے ''طاقتور'' مٹی کے بت بن کر اوندھے بل گر گئے۔ یہ سارے ''دولت مند'' گھر بار چھوڑ کر در بدر پھرنے لگے۔ یہ سارے ''عیاش'' عبرت کی تصویر بن گئے۔

آج پاکستان کے زراندوز اور زر پرست یہاں کے عوام کیساتھ جس انداز سے سلوک کر رہے ہیں وہ اس کا بدلہ چکانے کے لیے تیار ہو جائیں۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

جلد نمبر ۵..........اپریل ۱۹۹۶ء..........شمارہ نمبر ۵۴

''جہان رضا'' کے صفحات پر ہم نے کئی بار اس درد کا اظہار کیا کہ پاکستان میں علماء کرام اور مشائخ عظام دینی اور روحانی قیادت کے تقاضے پورے کرنے میں تساہل سے کام لے رہے ہیں اور اپنے اسلاف کے علمی اور روحانی ورثے کو منتقل کرنے میں غفلت برت رہے ہیں۔ ہمارے اس احساس کے ساتھ پاکستان کے مسلمانوں خصوصاً سنیوں کی بڑی تعداد نے ہمنوائی کی ہے اور اس ضرورت کی اہمیت کا ادراک کیا ہے کہ موجودہ حالات میں علماء و مشائخ کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

پچھلے دنوں حضرت پیر آف زکوڑی شریف، سجادہ نشین سلطان باہو اور خانقاہ نشین دربار موہڑا شریف نے مل کر اسلام آباد میں ''اتحاد مشائخ'' پر ایک کنونشن منعقد کیا جس میں شمالی پاکستان کے کئی معروف مشائخ حضرات شریک ہوئے۔ اس کنونشن میں ان مشائخ نے اپنی تقریروں میں ملک کی موجودہ دینی اور اخلاقی حالت پر اپنے دکھ اور درد کا اظہار کیا اور اس بات کا اعادہ کیا کہ ان کے بزرگوں نے تشکیل پاکستان کے وقت تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور پاکستان بنانے والوں کا ساتھ دیا تھا۔ ان مشائخ اور علماء کی جدوجہد اور دعاؤں نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک آزاد

صاحبزادے نے بڑے زور سے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ مشائخ اپنی خانقاہوں سے باہر نکل کر ''مجاہدوں'' کا کردار ادا کریں اور ملک میں دینی اور روحانی عمارت کو تباہی سے بچائیں۔ پھر دینی قیادت پر تحریک پاکستان کے مخالف ''نیشنلسٹ علماء'' جو آج قبضہ گروپ بن کر دینی قیادت پر مسلط ہونا چاہتے ہیں ان کا راستہ روک دیں۔ پچھلے دنوں پیر آف سیال شریف کے حلقۂ ارادت میں ابھرنے والے مشائخ اور علماء نے بھی لاہور کی ایک ''مشائخ کانفرنس'' میں ایسے ہی اضطراب اور تشویش کا اظہار کیا تھا ۔اس کانفرنس میں بھی پنجاب کے کئی پیرزادوں اور علماء کرام نے ان احساسات پر برملا اعلان کیا تھا کہ انہیں روایتی گوشہ نشینی چھوڑ کر میدان عمل میں آنے کا عزم کرنا چاہیے۔

پچھلے سال آواری ہوٹل لاہور میں پیر طریقت حافظ پیر جماعت علی شاہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے جواں سال سجادہ نشین نے عالمی سطح پر ایک کانفرنس طلب کی تھی جس میں پاکستان کے اکثر سجادہ نشینوں اور پیرزادوں کو جمع کیا گیا۔ اس کانفرنس میں پاکستان سے باہر کے کئی مشائخ کرام شرکت کیلئے لاہور آئے تھے۔ اس کانفرنس میں بھی پاکستان کی بگڑتی ہوئی دینی اور روحانی صورت حال پر غور کیا گیا اور خانقاہوں سے نکل کر ملت کی راہنمائی کی اہمیت پر زور دیا گیا تھا۔

اس اضطراری صورت حال پر مشائخ کا اتحاد و اتفاق پھر خانقاہوں سے باہر نکلنے کا عزم، ہمارے روحانی مستقبل کی فضا میں ایک خوشگوار ہوا کا جھونکا ہے جسے ہر صحیح پاکستانی اسے نسیم بہار ہی جان کر استقبال کرے گا۔

روزنامہ ''جنگ'' لاہور کے ایک فاضل مقالہ نگار جناب عبدالقادر حسن نے ۲۹ مارچ ۱۹۹۶ء کے شمارہ میں ''خانقاہیں اور پاکستان'' کے عنوان سے ایک زوردار تجزیہ شائع کیا ہے جس میں ان مشائخ کو ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہوئے ان کی تقریروں پر ''تعجب اور مسرت'' کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ملک میں خانقاہوں کے باہر کی دنیا

میں لگی ہوئی آگ کی تپش ان ''ٹھنڈے'' بزرگوں کے روحانی گوشوں تک بھی جا پہنچی ہے جہاں

ع۔ تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

کا منظر سامنے آرہا ہے۔

ہم ان مشائخ کرام کی عقیدتوں اور نیاز مندیوں سے کسی نہ کسی رشتہ سے بندھے ہوئے ہیں اور ان کی خاموشی کو بھی ان کی کرامت پر محمول کرتے رہتے ہیں۔ پھر ان کے روحانی اور دینی مقام کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اور محسوس کیا ہے کہ اگر یہ صاحبزادے، پیرزادے، مشائخ زادے، سجادہ نشین، خانقاہ نشین اور گوشہ نشین میدان عمل میں نکل کر ''رسم شبیری'' ادا کرنے لگیں تو ملت پاکستانیہ کی کایا پلٹ جائے۔ فرقہ بندی، مناقشات، توہمات، بدعات اور سیاسی تجاوزات کی ساری آلائشیں دم توڑ جائیں۔ بد اعتقادی کی مسموم آلائشوں سے اٹی ہوئی فضا نکھر جائے اور ملی بد اعتمادی اور مایوسی کے بادل چھٹ جائیں۔ اگر یہ علمی اور روحانی قافلہ یک جان ہوکر نکل آئے تو ہر شخص پکار اٹھے گا۔

ع۔ آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا!

روز نامہ جنگ کے مقالہ نگار نے مشائخ کرام کی اس تحریک سے بڑی امیدیں وابستہ کی ہیں اور بجا طور پر لکھا ہے کہ اپنے بزرگوں کی تحریک پاکستان میں کامیاب جدو جہد کے بعد جن لوگوں نے مطمئن ہوکر اپنی خانقاہوں کی طرف جو مراجعت کی تھی اسے ختم کر کے باہر نکلیں اور بات جہاں ختم ہوئی تھی وہیں سے شروع کر دیں تو ملک میں ایک انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔

یہ امیدیں، یہ آرزوئیں پاکستان کے ہر سنی کے دل کی آواز ہیں اور وہ پاکستان کے مشائخ کو متفق ہوکر میدان عمل میں دیکھنے کے خواہاں ہیں اور ایک حقیقت ہے

انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر یہ قوتیں متحد ہو کر اللہ و رسول کی رضا کے لیے کام کرنے کے لیے نکل آئیں تو پاکستان ایک مثالی روحانی ملک بن جائے گا اور اس کی روشنیاں چار دانگ عالم کو روشن کر دیں گی۔

پیرزادوں اور سجادہ نشینوں کے یہ عزائم بلا تردید قابل تحسین ہیں اور ان پر جس قدر اظہار مسرت کیا جائے وہ کم ہے۔ مگر ہمیں سابقہ ادوار کی گوشہ نشینی کی وجہ سے جو خطرات سامنے آ کر ڈراتے ہیں وہ ان ''نو واردان خیابان روحانیت'' پیرزادوں کے کردار سے ہیں یہ جوان سال سجادہ نشین اور پیران عصر کبھی اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی ہمت نہیں کرتے۔ یہ ہمیشہ ملک کے دنیا داروں اور اب بدکردار سیاست دانوں کی ''بیساکھیوں'' کے سہارے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ اگر ''مشائخ کانفرنس'' بھی بلاتے ہیں تو ''نواز شریف کی نوازشوں سے'' یا ''زرداریوں کی زر پاشیوں'' سے۔ مگر اپنی خانقاہوں سے باہر نکل کر ان زر اندوزوں کے دروازوں پر کھڑے ہو کر پہلے ان کے اقتدار کی درازی کی دعائیں کرتے ہیں پھر انہیں کے خرچے سے فائیو سٹارز ہوٹلوں میں ''روحانی کانفرنسیں'' منعقد کرتے ہیں آج یہ حضرات کئی طبقوں میں بٹ گئے ہیں۔ اور ہر طبقہ ملک کے ''زرداریوں کی زر پاشیوں'' شریفوں کی نوازشوں کے سہارے مشائخ کانفرنس کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ''مشائخ کانفرنس'' کے بعد جب یہ لوگ دعا کر کے واپس گھر آتے ہیں تو!

ع۔ پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

کا سماں ہوتا ہے۔ ہم ذاتی طور پر پاکستان کے ایسے گدی نشینوں اور سجادہ نشینوں کے نام جانتے ہیں کہ وہ ملک کی کس کس سیاسی قوت کے اشارۂ ابرو سے کام کرتے ہیں۔ ہمارے پاس ان بزرگ زادوں کی لسٹیں موجود ہیں جو اپنے سادہ لوح مریدوں میں بیٹھ کر اپنی دھاک جماتے ہیں کہ ''زرداری'' میرا مرید ہے اور ''نواز

شریف'' میرا مرید ہے۔اور یہ لوگ ہماری روحانی کراموں سے ہی برسر اقتدار رہتے ہیں اور ہٹائے جاتے ہیں۔

ان مریدوں کے حلقہ سے ہٹ کر جب ہم کھلی فضا میں دیکھتے ہیں کہ ان بزرگ زادوں کے یہ ''مرید ان باصفا'' ''کبھی گھوڑوں کے کلبوں'' میں ہوتے ہیں اور کبھی رائے ونڈ میں ''تبلیغی جماعت کے اجتماع'' میں اگر ان بزرگ زادوں کے یہ سہارے ٹوٹ جائیں یہ ''بیساکھیاں'' ان کے ہاتھوں سے چھوٹ جائیں اور انہیں صرف اللہ و رسول کے بھروسے پر کھڑا ہونے کا موقع ملے تو ملت پاکستانیہ کی قسمت سنور جائے۔آج کی مایوسیاں ختم ہو جائیں۔ دینی اور روحانی فضائیں روشن ہو جائیں۔پھر یہ خانقاہیں بھی آباد ہو جائیں۔خانقاہ نشین بھی سربلند ہو جائیں۔ان کے عقیدت مندوں کے چہرے بھی درخشاں ہو جائیں اور ان کے نام لیوا بھی سرفراز ہو جائیں۔

ان خدشات کے باوجود ہم ان مشائخ اور پیرزادوں کے اعلانات کا خیر مقدم کرتے ہیں جنہوں نے اپنے حجروں، خانقاہوں اور گوشوں کو چھوڑ کر میدان عمل میں آ کر ملت کی روحانی اور دینی رہنمائی کے لیے اکٹھے ہونے کا اعلان کیا اور وہ کام کرنا چاہتے ہیں اور باہر نکلنا چاہتے ہیں۔وہ باہر آئیں پاکستان کے عوام کے جان و دل ان کے لیے فرش راہ بن جائیں گے اور اپنا تن من دھن قربان کر دیں گے۔

آمد سنی کسی کی تو واللہ رے اشتیاق !
آنکھیں بچھائیں ہم نے جہاں تک نظر گئی!

پاکستان میں ایک خاموش قوت

جلد۵...... .... جون جولائی ۱۹۹۶...... شمارہ ۵۶

پچھلے دنوں امریکہ کی سی آئی اے نے پاکستان کی سیاسی قوتوں پر ایک رپورٹ تیار کی ہے۔ جس کے بعض اقتباسات سی این این اور ایس ٹی این نے اپنی عالمی نشریات میں شائع کیے ہیں۔ اس رپورٹ میں امریکہ کی پراپیگنڈہ مہم سے ہٹ کر چند ایسے حقائق بھی سامنے آئے ہیں جنہیں تسلیم کرنے میں تامل نہیں کیا جا سکتا۔ رپورٹ میں پاکستان کے موجودہ سیاسی حالات کے تناظر میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ اگرچہ ان دنوں پاکستان دو سیاسی جماعتوں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کے بادلوں میں ڈھکا ہوا ہے اور جس طرح قد آور پھیلے ہوئے درخت اپنے نیچے کسی دوسرے درخت یا پودے کو ابھرنے نہیں دیتے۔ ایسے ہی یہ دونوں سیاسی پارٹیاں ملک کی کسی دوسری سیاسی قوت کو ابھرنے نہیں دیتیں۔ آج ملک کے اندر سیکڑوں سیاسی جماعتیں موجود ہونے کے باوجود بے حیثیت ہو کر رہ گئی ہیں اور اگر کوئی پارٹی اپنی مختصر سی عددی قوت لے کر سامنے آتی بھی ہے تو اسے یہ دونوں پارٹیاں اپنا ''بغل بچہ'' بنا کر سلا دیتی ہیں اور آج کوئی سیاسی جماعت یا سیاسی قوت ایسی نہیں جو پاکستان کی موجودہ تباہ شدہ صورت حال کا مداوا کر سکے۔

رپورٹ میں اس حقیقت کا بجا طور پر اعتراف کیا گیا ہے کہ پاکستان کے اندر

ایک ایسی ''خاموش قوت'' موجود ہے جو کسی وقت ابھر کر پاکستان کے مطلع پر چھا سکتی ہے۔ اور وہ ہے پاکستان کے عوام کی ''دینی اور مذہبی قوت'' امریکی تجزیہ نگاروں کو یہ خدشہ ہے کہ اگر یہ خاموش قوت کچھ عرصہ اسی طرح تیار ہوتی رہی تو ایک دن ایسا آئے گا کہ موجودہ سیاسی قوتیں اپنی تمام کذب بیانیوں کے باوجود اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکیں گی۔ اس نے اپنے اس خدشہ کی بنیاد پاکستان کے دینی مدارس، مساجد اور خانقاہوں کے ارد گرد بے شمار ذہن رکھنے والے ایسے افراد کی خاموشی پر رکھی ہے جو قربانی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ جان دینے اور دین کی آن بچانے کے لیے تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق آج پاکستان میں دینی مدارس کے لاکھوں طلباء باقاعدہ عسکری تربیت حاصل کر کے مستقبل میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ پھر ملک کی مختلف مساجد مدارس اور مکتبوں میں زیر تعلیم طلباء اپنے دین پر مر مٹنے کے لئے ذہنی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ ان تجزیہ نگاروں کو یہ بھی خدشہ ہے کہ اب پاکستان میں کئی امراء کے نو جوان بیٹے بھی داڑھیاں زیب چہرہ کیے سبز پگڑیوں کو سجائے، سفید عماموں کو پہنے ان دینی مراکز کے قریب ہوتے جا رہے ہیں، جو مستقبل کی ایک خطرناک قوت بن کر ابھر رہی ہے۔ ان تجزیہ نگاروں کو حیرت ہے کہ پاکستان میں دینی مدارس کی زکوٰۃ بند کرنے کے باوجود، دینی اداروں کو بے سروسامان کرنے کے باوجود دینی خیالات کے خلاف بھرپور مہم چلانے کے باوجود، پاکستان کے دور دراز علاقوں میں دینی مدارس کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ دینی طلباء کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بڑی بڑی مساجد تعمیر ہو رہی ہیں، بڑی بڑی خانقاہیں بن رہی ہیں، حتیٰ کہ اب انفرادی طور پر گھر گھر دینی مجالس قائم ہوتی جا رہی ہیں۔

ہم ان مغربی تجزیہ نگاروں کی رپورٹ سے پورا پورا اتفاق نہیں کرتے، تاہم کبھی کبھی بہت بڑا جھوٹا بہت بڑا سچ بھی کہہ دیتا ہے جس کے پیش نظر ہم پاکستان میں

اس ''خاموش قوت'' کی اہمیت کونظر انداز نہیں کر سکتے، جو حکومت کی غیر دینی حرکات احکامات اور تجاوزات کے باوجود اس سرزمین میں زیرزمین ایک انقلاب لے کر ابھر رہی ہے۔ ہم ان کے اعداد و شمار تو پیش نہیں کر سکتے، مگر ہم یہ بات بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ آج کے سیاسی شور وشرابے کے باوجود اس پاک سرزمین میں کچھ ''خاموش قوتیں'' تیار ہو رہی ہیں۔ غربت اور بے سروسامانی کے باوجود ملک کے گوشے گوشے میں مساجد کی تعمیر بلکہ اعلیٰ مساجد کی تعمیر ہو رہی ہے۔ شہروں اور دیہاتوں میں نوجوان نسل کو دینی تعلیم سے مزین کرنے کے لیے مدارس، مکتب، درس گاہیں، حتیٰ کہ حفظ و قرات کی درسگاہیں کام کر رہی ہیں، جس میں ہزاروں نہیں لاکھوں ذہنوں کی تربیت ہو رہی ہے۔ روحانیت کی درسگاہیں، باقاعدہ منظم حلقوں میں ابھر رہی ہیں۔ شب بیداری پاک بازی، اور تزکیہ نفس کی محافل و مجالس قائم ہو رہی ہیں قرآن کے درس کی مجالس اپنا کام کر رہی ہیں ذکر وفکر کی محافل رات گئے تک شب بیداری کی تربیت گاہیں بن رہی ہیں۔ مختلف دینی فرقے اپنے شدید اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کو برداشت کر رہے ہیں۔ ان تمام مراکز میں روحانی راہنما علماء و مشائخ معلم و مدرس شب و روز کام کر رہے ہیں۔ یہ تمام مراکز حکومت کی مخالفت کے باوجود، حکومت کی امداد کے بغیر، حکومت کی سختیوں کے باوجود، حکومت کے پروپیگنڈہ کے باوجود، بے سروسامانی کے عالم میں اپنا کام کر رہے ہیں۔ اور ایک ''خاموش قوت'' کے عناصر بنتے جا رہے ہیں۔ اور ان غاصب سیاست دانوں اور ملک کے عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والے حکمرانوں اور امریکہ کے اشاروں پر ناچنے والے دولت مندوں کو نہایت خاموشی سے للکار رہے ہیں۔

یہ اور بات ہے تم آج بن گئے ساقی

الحمدللہ یہ ''میکدہ'' یہ پاکستان، یہ پاک سرزمین ان لوگوں کی ہے جنہوں نے لاکھوں جانیں قربان کر کے حاصل کی تھی۔ یہ ملک ان خاموش روحوں کی امانت ہے جو سب کچھ مٹا کر زندہ و پائندہ ہیں۔ انگریز کی غلامی کے صلہ میں جاگیریں حاصل کرنے والے، دولت کی لوٹ کھسوٹ سے سرمایہ اکٹھا کرنے والے، غریب مسلمانوں کے حقوق غصب کر کے سیاسی راہنما بننے والے، اس ملک کے وارث نہیں، یہ تو چند لٹیروں کی ٹولیاں ہیں جو جمہوریت کا لبادہ اوڑھ کر اس سرزمین پر ناچ رہی ہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ اس سرزمین میں نظامِ مصطفیٰ کا پرچم لہرائے گا اور دین اسلام کا بول بالا ہوگا۔ پھر ان لوگوں کے لیے یہ سرزمین تنگ ہو جائے گی اور انہیں ڈوب مرنے کو پانی نہیں ملے گا اور شاہ ایران اور اس کے ساتھیوں کی طرح دفن ہونے کی جگہ نصیب نہیں ہوگی۔

آج دنیائے اسلام دشمنوں کی زد میں ہے کہیں خفیہ سازشیں مسلمانوں کو دبا رہی ہیں، کہیں سیاسی مہرے اسلامی قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ کہیں مغربی قوتوں کے ''پیادے'' اسلامی اقتدار کو پامال کر رہے ہیں۔ مگر دنیا کے بعض مسلمان ملکوں میں تو کھل کر باطل قوتیں دو بدو جنگ کر رہی ہیں۔ کشمیر، بوسنیا، چیچنیا، (عراق اور لیبا کے بعد) فلسطین اور الجزائر میں اسلام کے نام لیوا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسلام کا پرچم بلند کیے کھڑے ہیں۔ آج کشمیر میں کون لوگ خون دے رہے ہیں؟ مقبوضہ کشمیر کے مجاہدین کے شانہ بشانہ کون لوگ اپنا خون بہا رہے ہیں؟ یہ سارے وہ طالب علم، درویش اور دین سے محبت رکھنے والے نوجوان ہیں جو دین کی فضیلت، جہاد کی عظمت اور ناموس رسول کی حفاظت کے لیے جان قربان کر سکتے ہیں! بوسنیا میں کئی پاکستانی، افغانی، عربی، مصری، عراقی، ترکی اور الجزائری مسلمان اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر چکے ہیں۔ چیچنیا میں مجاہدین کے شانہ بشانہ اسلام کے

دھماکہ ہوتا ہے تو نیو ورلڈ آرڈر کے خداؤں کی غضب ناک نگاہیں پاکستان، مصر، الجزائر اور افغانستان کے مجاہدوں (دہشت گردوں) کی طرف اٹھتی ہیں اور سب سے پہلے جو چیخ نکلتی ہے اس میں پاکستان، افغانستان، مصر اور ترکی کے نام آتے ہیں ان تمام معرکوں میں ان اسلامی ممالک کے غریب دینی طلباء، علماء اور عاشقان رسول ہی سینہ سپر نظر آتے ہیں۔ ہم نے ایسے معرکوں میں کبھی کسی ''زرداری'' ''لغاری'' ''مزاری'' ''نواز شریفی'' یا ''لاشاری'' جیسے کو نہیں دیکھا۔ ان صفوں میں پاکستان کا وہ خون کام آرہا ہے جسے ہم ''خاموش قوت'' کا نام دیتے ہیں۔ پاکستان میں موجودہ سیاسی شوروشر میں صرف دو پارٹیوں کو ہی قوم کی راہنمائی اور اقتدار کا اجارہ دار سمجھا گیا ہے اور کسی دوسری طرف ہمارا دھیان نہیں جاتا کہ اس ملک میں کوئی قوت آگے بڑھ کر اپنا کردار ادا کر سکتی ہے، مگر ہم سیاسی شوروشر سے ہٹ کر تصور کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ واقعی پاکستان میں ایک خاموش نادیدہ غیر محسوس ''دینی قوت'' زیر زمین پل رہی ہے۔ اور ظاہری شان و شوکت سے محروم ہونے کے باوجود ایک زبردست قوت مختلف انداز میں پاکستان میں اپنا فیصلہ کن کردار ادا کرنے کے لیے پر تول رہی ہے۔ موجودہ حکمران اس ''خاموش قوت'' کو محسوس کرتے ہیں۔ اب تو ان کے آقاؤں نے بھی انہیں آگاہ کر دیا ہے کہ ''دینی قوتیں'' خطرناک ہیں، ان پر نگاہ رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ ملکی خزانوں کی لوٹ کھسوٹ میں مست رہو اور ایک دن نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت کی آوازیں تمہارے قصر اقتدار کو ہلا دیں۔ افغانستان میں جنگ اقتدار میں طالبان کا عسکری کردار، شمالی پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی تحریک، پھر افواج پاکستان میں غلبہ دین کا جذبہ رکھنے والوں کی پکڑ دھکڑ اور ملی یکجہتی کونسل کی تشکیل میں مذہبی قوتوں کی ہم نشینی سے پتا چلتا ہے کہ ملک میں ایک ''خاموش قوت'' کام کر رہی

کے زراندوزوں اور زر پاشوں کے حاشیہ نشین، آج کی میڈیا کے مست ملنگ، یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ان کی موت کے فرشتے ان کی گھات لگائے بیٹھے ہیں اور کسی وقت بھی انہیں پیغامِ ازل آسکتا ہے۔

امریکہ کا سی آئی اے (جس کا ایشیائی ہیڈکوارٹر ان دنوں اسلام آباد ہے) ایس ٹی این، سی این این اور بی بی سی اپنے جن خدشات کا اظہار کر چکا ہے۔ اس میں خواہ قبل از وقت واویلا کی کیفیت ہے مگر ہم ان حقائق سے انکار نہیں کر سکتے کہ ایک "خاموش قوت" پاکستان کی سرزمین کو نظامِ مصطفیٰ کے انوار سے معمور کرنے کے لیے تیار ہے۔ اور یونیورسٹیوں کے وہ پروفیسر عدالتوں کے وہ وکلاء اور علمی مناصب پر کرسی نشیں وہ دانشور جو آئے دن اس خدشہ کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ نوجوان نسل اسلام سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ اللہ و رسول سے بیگانہ ہوتی جا رہی ہے۔ اور دینی زندگی سے بیزار ہو رہی ہے وہ ایک دن دیکھیں گے کہ ان شاء اللہ

ع۔ یہ زمین آباد ہو گی نعرۂ تکبیر سے

☆☆☆☆☆

افغانیوں کے کوہ و دمن گل فشاں ہوئے!

جلد ۵ .... ستمبر اکتوبر ۱۹۹۶ء شمارہ ۵۸

آج دنیا بھر کے مسلمان یہودی اور صیہونی قوتوں کے مقابلہ میں کھڑے ہیں۔ وہ اپنی کامل آزادی کے لیے دنیا کے مختلف خطوں میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ کشمیر، چیچنیا، بوسنیا، فلسطین، عراق، لیبیا کے مسلمان تو کھلے میدانوں میں نبرد آزما ہیں مگر مصر، الجزائر، اور خود پاکستان کے عوام مغربی قوتوں کے "پیادوں" سے نفاذ اسلام کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ سابقہ کئی برسوں سے افغانستان ایسی ہی اسلام دشمن قوتوں کی سازشوں کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ جہاد ہوا، خانہ جنگی ہوئی، خون بہا اور لاکھوں افغانی مسلمان اسلام دشمن قوتوں سے اپنے ملک کو آزاد کرانے اور دین اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جانوں کی قربانی دے چکے ہیں۔ یہ جدوجہد اس صدی کے آخری حصہ کی ایک عظیم جدوجہد ہے، جسے تاریخ عالم میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔

پچھلے کئی سالوں میں افغان حکمران سب کانوں کے اشاروں پر اپنوں کے خون سے اپنی سرزمین کو رنگین کرنے میں مصروف پیکار رہے ہیں۔ مختلف قبائل، مختلف کمانڈروں کے حکم پر ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے۔ یہ خون ریزی اقتدار کی جنگ تھی یا اسلام دشمن قوتوں کے اشاروں پر "خونی دیو ناچ" رہا تھا جس سے افغانستان کی سرزمین کا چپہ چپہ خون آشام رہا۔

اس اقتداری کشمکش کے دوران ''طالبان'' کے نام سے ایک ایسی قوت ابھری جو آہستہ آہستہ تمام عسکری قوتوں پر حاوی ہوگئی۔ افغانستان کے لڑنے مرنے والے کمانڈر ایک ایک کر کے شکست سے دوچار ہوتے گئے۔ ان کمانڈروں کے پاس غیر ملکی اسلحہ کے انبار بھی تھے اور غیر ملکی صلاح کار بھی مگر یہ ''طالبان'' کے حملے کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے رہے اور آج افغانستان کے ''دارالخلافہ کابل'' پر ان کا جھنڈا لہرا رہا ہے اور افغانستان کے سابقہ طاقتور کمانڈرز ان کے تعاقب کی زد میں ہیں۔

دنیا بھر کے اخباری ذرائع کے مطابق آج افغانستان کا بہت بڑا حصہ ''طالبان'' کے زیر انتظام ہے اور ملک میں ''نفاذ اسلام'' کے عملی طور پورا اعلانات کیے جا رہے ہیں۔ جو ملک ایک عرصہ سے بے دین قوتوں کے نظریات کی یلغار میں رہا وہاں اسلامی قوانین کے عملی نفاذ میں کچھ وقت لگتا ہے مگر جو اطلاعات آ رہی ہیں۔ ان سے پتا چلتا ہے کہ افغانستان کے عوام نے ان اسلامی اصطلاحات کو نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا ہے جو ملک میں نافذ کی جا رہی ہیں۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ افغانستان کے عوام ایک عرصہ سے اسی آفتاب کے طلوع کے منتظر تھے۔

آج مغربی ذرائع ابلاغ کے پراپیگنڈے کے باوجود کابل شہر اور دوسرے علاقوں میں رونقیں لوٹ آئی ہیں۔ اسلامی تعزیرات کے نفاذ کے اعلانات کے بعد چوری، ڈاکہ، لوٹ مار، بدکاری، اور بدکرداری رک گئی ہے۔ سابقہ کئی سالوں کی خون ریزی کی وجہ سے خوراک اور ضروریات زندگی کی شدید قلت پیدا ہوگئی تھی مگر آج جنوب اور مشرق سے پاکستان کی سرحدوں سے ٹرکوں اور ٹرالوں کی قطاریں خوراک اور دوسری ضروریاتِ زندگی لے کر کابل اور دوسرے شہروں میں پہنچ رہی ہیں۔ ادھر شمالی سرحدوں سے نو آزاد مسلمان ریاستیں اپنی غربت کے باوجود ضروری اشیاء مہیا کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔ زندگی کی دوسری رونقیں بھی ابھر کر تھکے ہارے افغانیوں

کو اپنے دامن میں لے رہی ہیں۔ ان دنیاوی ضروریات کے ساتھ اسلامی اصلاحات کے نفاذ سے افغانستان کے کوہ ودمن گل بداماں نظر آنے لگے ہیں اور وہ بے دین قوتیں جو''ملا کو اس کے کوہ ودمن سے نکال دو'' کا نعرہ لگا کر اپنے آقاؤں کو خوش کرنے میں مصروف تھیں آج راہ فرار اختیار کر چکی ہیں آج سارے یورپ کے عیسائی، اسرائیل کے یہودی، ہندوستان کے ہندو، امریکی نیو ورلڈ آرڈر کے نعرے باز حتیٰ کہ روس کے خدا ناشناس حکمران افغانستان کی موجودہ صورت حال کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور ان کی ساری تدبیریں خاک میں ملتی دکھائی دیتی ہیں اور تو اور ہمارے پاکستان کے بے دین طبقے بھی افغانستان کی موجودہ صورت حال پر ٹھنڈی آہیں بھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ افغانستان کی موجودہ صورت حال خاص طور پر نفاذ اسلام کے بعض اعلانات مغربی ممالک کے نیو ورلڈ آرڈر سے بغاوت کا ایک حصہ تو ہیں ہی مگر پاکستان کے حکمرانوں اور بے دین ذہن رکھنے والے سیاست دانوں کے لیے بھی یہ حالات ''خطرے کی گھنٹی'' کے طور پر سامنے آ رہے ہیں۔ پاکستان اپنی تشکیل سے لیکر آج تک بے دین سیاست دانوں اور جرنیلوں کی زد میں رہا ہے۔ اس ملک میں ہر چیز کو اپنایا گیا مگر اسلام کے نفاذ اور ''نظام مصطفیٰ'' کے قیام کے راستے مسدود کیے جا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اسلام کی دعوے دار سیاسی جماعتیں بھی نفاذ اسلام میں اپنا متحدہ کردار ادا نہ کر سکیں۔ آج اگر کہیں سے نفاذ اسلام کی دور سے کمزور سی روشنی کی کرن بھی نمودار ہوتی ہے تو ہمارے پاکستانی سیاست دان اور حکمران کانپ اٹھتے ہیں اور چلا اٹھتے ہیں کہ

ع۔ آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا!

افغانستان میں ''طالبان'' ایک کمزور عسکری قوت کے ساتھ آگے بڑھے ہیں اور بعض مبصرین اس خدشہ کا اظہار کرتے ہیں کہ شاید سابق عسکری قوتیں انہیں

پیچھے دھکیل دیں گی۔ یہ خدشہ اپنی جگہ درست ہوسکتا ہے مگر ہم موجودہ حالات کے پیش نظر افغانی مسلمانوں کی بے پناہ قربانیوں کو ثمر آور دیکھ کر خوشی کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ سابقہ سالوں میں افغانی مسلمانوں کی لاکھوں جانوں کے نذرانے کو ہدیۂ تبریک پیش کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور افغانستان کے ''کوہ ودمن'' میں جو بہار آئی ہے، اسے سارے عالم اسلام کے لیے ہوا کا ایک خوشگوار جھونکا تصور کرتے ہیں۔ اس مسرت واطمینان کے باوجود ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ ''طالبان'' کی اکثریت ان افغانی افراد پر مشتمل ہے جو پاکستان کے ''دیوبندی مکتب فکر'' کے مدارس اور مساجد سے پڑھ کر گئے ہیں اور ان لشکریوں میں ایسے ''مولویوں'' کا غلبہ ہے جو دیو بندی عقائد سے متاثر ہیں اور آج پاکستان کی ''دیو بندی قیادت'' ایسی کامیابی کا کریڈٹ لیتے ہوئے پھولے نہیں سماتی۔ ہمارے سنی علماء کرام اور پاکستان کے عوام کو خطرہ ہے کہ افغانستان کے عوام کی اکثریت جو اہل سنت کے عقائد کی حامی ہے اور مسلکی طور پر امام ابوحنیفہ کی فقہ مطہرہ کے پابند ہیں اور روحانی طور پر ان میں اکثریت حضرت مجدد الف ثانی کے مجددی نقشبندی سلسلۂ عالیہ سے وابستہ ہے، دیو بندی عقائد کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔ افغانستان کی مغربی پٹی جہاں ''ہزارہ شیعوں'' کی اکثریت ہے کو چھوڑ کر سارا افغانستان، سنی، حنفی، نقشبندی اور مجددی ہے۔ ہم ذاتی طور پر ان مہاجر بستیوں کے ساکنین کو کئی بار مل چکے ہیں جو اپنے عقائد اور نظریات کے اعتبار سے خالص سنی اور نقشبندی تھے۔ پھر اس کامیابی میں ہمارے کئی گروپ جن کی قیادت پروفیسر صبغتہ اللہ مجددی (سابق صدر افغانستان) اور ان کے دوسرے طاقتور کمانڈروں کے ہاتھ میں رہی ہے۔ خدا کے فضل وکرم سے عقائد کے لحاظ سے سچے، پکے، سنی، نقشبندی اور مجددی ہیں۔ آج موجودہ ''طالبان قیادت'' کو ان سنی گروپوں کی حمایت ہی نہیں، عملی تعاون بھی حاصل ہے اور اب تک افغانستان میں جو جھڑپیں

قیادت سامنے آئی ہے اس میں ہمارا خاصا حصہ ہے۔

اس موقع پر اظہار ملامت، مایوسی اور عملی خاموشی اختیار کرنے کے بجائے ہمارے علماء اہل سنت مشائخ طریقت اور سنی سیاسی راہنماؤں کو آگے بڑھ کر موجودہ حالات میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ پروفیسر پیر صبغۃ اللہ مجددی مدظلہ العالی ہمارے اپنے ہیں ہمیں ان کے ساتھیوں سے آگے بڑھ کر دست تعاون بڑھانا چاہیے۔

یہ لوگ ایک طویل عسکری جدوجہد اور وطن کے ابتر حالات سے گزرے ہیں۔ ہم اگر عسکری نہیں تو کم از کم نظریاتی اور روحانی حوالے سے اپنا تعاون پیش کر سکتے ہیں۔ ان سے مل کر یا انہیں پاکستان میں بلا کر عظیم سنی اکثریت کے جذبات سے آگاہ کرنا چاہیے اور مستقبل میں افغانستان کی دینی اور روحانی قیادت میں راہنمایانہ کردار ادا کرنا چاہیے ہم ''جمعیۃ علماء پاکستان'' اور ''جماعت اہل سنت'' کے راہنماؤں کی توجہ اس نکتہ پر مبذول کرائیں گے۔

آج پاکستان کے چھوٹے چھوٹے فرقے آگے بڑھ کر افغانستان کے عوام سے رابطہ پیدا کر رہے ہیں۔ دیوبندی، وہابی اور جماعت اسلامی کے راہنما ان لاکھوں افغانی مسلمانوں کے ''راہنما'' بن بن کر ہمارے عوام سنیوں کو دباتے رہتے ہیں۔ دیوبندی مدارس افغانستان کے ''طالبان'' سے آگے بڑھ کر اب وسط ایشیا کی آزاد ریاستوں کے طلباء کو اپنی درس گاہوں میں لا کر تعلیم دے رہے ہیں اور اب ان کی نگاہیں ایشیائی مسلمان ریاستوں میں ''طالبان'' کا ایک اور گروہ تیار کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ ہمارے مدارس کے منتظمین کو اس نکتہ پر اپنی حکمت عملی وضع کرنی چاہیے۔ ان نوجوانوں کو اپنے مدارس میں لا کر مستقبل میں ''طالبان'' کے بجائے ''سالکان'' کا ایک روحانی لشکر تیار کر کے ایشیاء کو چک کو ان مساجد، خانقاہوں، مدارس اور روحانی اداروں کو ان ''سالکان'' سے آباد کرنا چاہیے جو ہمارے علمی اور روحانی بزرگوں کے

مراکز تھے اور الحمد للہ اب تک وہ مراکز ہمارے ہی ہیں۔ تاشقند، بخارا، سمرقند سے آگے بڑھ کر ماوراء النہر تک ہمارے ہی مراکز ہیں۔

افغانستان کی موجودہ صورت حال ہمارے دین نا آشنا پاکستانی حکمرانوں اور سیاست دانوں کے لیے عبرت کی تصویر ہے۔ افغانستان کے حکمران ایک عرصہ سے کیمونسٹ اسلام دشمن اور روسی لابی کے زیر سایہ اپنے ہم وطنوں پر بے پناہ مظالم ڈھاتے رہے ہیں۔ علماء کرام اور دینی راہنماؤں کی اکثریت ان مظالم کا خصوصی طور پر شکار رہی ہے، افغانستان کی بے دین قیادت نے ہر دور میں دین کا نام لینے والوں پر مظالم ڈھائے اور ملکی وسائل کی لوٹ کھسوٹ سے انہوں نے اپنے محلات اور قلعے تعمیر کر کے بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ فحاشی اور بد معاشی کو فروغ دے کر بڑے فخر کرتے رہے ہیں۔ نو جوانوں کے اخلاق اور کردار کو بگاڑ کر خوش ہوتے رہے مگر آج جب عوام کی قوتیں ابھریں تو ان کی لاشیں کابل کے چوکوں میں اس طرح لٹکتی ہوئی نظر آئیں کہ ان کے منہ ''نوٹوں'' سے بھرے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں شراب کی بوتلیں اور انگلیوں میں سگار پکڑے ہوئے تھے۔ یہ عبرت ناک تصویریں تھیں، جو قوم کے غداروں کا مقدر ہوتی ہیں۔

افغانستان جیسی صورت حال سے آج پاکستان کے عوام بھی دو چار ہیں۔ بے دین سیاست دانوں کا طبقہ لوٹ کھسوٹ میں لگا ہوا ہے۔ ملکی وسائل پر ان کا قبضہ ہے۔ اور مسائل کے بوجھ میں عوام کو دبا دیا گیا ہے۔ بدکرداری اور بداعمالی ان کی عادت بن گئی ہے۔ قتل و غارت ان کا محبوب مشغلہ بن چکا ہے۔ جمہوریت کے پردے میں حکمرانوں کی ٹولیاں نئے نئے انداز میں ملک کے خزانوں کو لوٹ رہی ہیں۔ جب یہ جمہوری ٹولیاں تھک جاتی ہیں۔ کچھ عرصہ ستانے کے لیے اپنے مغربی آقاؤں کی پناہ میں چلی جاتی ہیں اور ملک مارشل لاء کے حوالے کر جاتی ہیں۔

اسلام کے نام لیوا مجبور و مقہور ہیں۔ پاکستان بنانے والے گوشہ گمنامی میں ہیں۔ دین کا نام لینے والے تضحیک کا نشانہ بنائے جاتے ہیں۔ آج ملک میں عریانی اور بے حیائی کی فوجیں ذرائع ابلاغ پر چھائی ہوئی ہیں اور ہر حیا باختہ ہیرو اور ہیروئن بن کر حکومت سے اعزاز و ایوارڈ حاصل کر رہا ہے۔ یہ لوگ افغانستان کی عبرت ناک داستان نہیں پڑھ سکتے تو نوشتہ تقدیر ہی پڑھ لیں۔ ملکی خزانوں کو لوٹ کر چار چار کروڑ کی کوٹھیاں بنانے والے ان پھانسی میں لٹکنے والوں کی نعشوں کو کیوں نہیں دیکھتے، جن کے ''منہ میں نوٹ'' اور ''انگلیوں میں سگار'' ہیں۔ یہ غریبوں کے حق مارنے والے ان عبرت ناک تصویروں کو کیوں نہیں دیکھتے، جو قوموں کی عبرتناک تبدیلی کے وقت سامنے آتی ہیں پاکستان کے غریب نوجوانوں کو پولیس مقابلہ رچا کر کوچہ و بازار میں قتل کرنے والے اور تھانے میں ان کی رپورٹ بھی درج نہ کرنے والے، اس موت کے خاموش ہاتھوں کی لمس کو کیوں محسوس نہیں کرتے جو اب غریبوں کو چھوڑ کر وزیر اعظموں کے بیٹوں، ارب پتی تاجروں کے جگر گوشوں اور خاتون اول کے ماں جائے بھائی کے محلوں تک پہنچ چکی ہے۔ اب ان تصاویر عبرت سے بڑھ کر یہ لوگ کون سی عبرت کی تصویریں دیکھنے کے متمنی ہیں۔ کیا یہ ''انقلاب فرانس'' اور ''انقلاب ایران'' کو دعوت دے رہے ہیں؟ کیا ابھی تک وقت نہیں آیا کہ یہ لوگ ''نظام مصطفیٰ'' کی ضرورت کو محسوس کریں۔ کیا ابھی تک وقت نہیں آیا کہ یہ لوگ اسلام کا دامن تھامیں، کیا ابھی تک وقت نہیں آیا کہ یہ لوگ ''دامن مصطفیٰ'' میں پناہ لیں۔

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

کیا پاکستان کے سنی متحد نہیں ہو سکتے؟

جلد نمبر ۵..........نومبر دسمبر ۱۹۹۶..........شمارہ ۵۹

پچھلے ماہ سنیوں نے اپنی افرادی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لیے لاہور کو اپنے نمائشی اجتماعات سے سرفراز کیا۔ ''جماعت اہل سنت'' نے مینار پاکستان کے سایہ میں ''سنی کانفرنس'' کا اہتمام کر کے عظیم الشان اجتماع کا اہتمام کیا۔ اس سنی کانفرنس کے چند روز آگے پیچھے ملتان کی سرزمین نے ''دعوت اسلامی'' کا حد نگاہ تک پھیلا ہوا سنتوں بھرے ''سبز سبز باغ'' کے اجتماع کا نظارہ کیا۔ چند روز بعد ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی آواز (کال) پر پنجاب بھر کے سنیوں نے ایک عظیم الشان ''ریلی'' کا اہتمام کیا جو مینار پاکستان لاہور سے مارچ کرتی ہوئی اسمبلی ہال تک پہنچی۔ چند دن بعد جمعیۃ علماء پاکستان نے اپنے قائد الشاہ احمد نورانی صاحب کی قیادت میں موچی دروازہ کے باغ میں ''نظام مصطفیٰ کانفرنس'' کا بھرپور اہتمام کیا۔

ان سارے اجتماعات کے روح پرور نظاروں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دل خوش ہو گیا ہمیں ان سارے اجتماعات اور جلوسوں کو بار بار دیکھنے کا موقع ملا۔ ایک بھی شیعہ، وہابی، دیوبندی، جماعتی، بے نظیری، یا نواز شریفی فرد نظر نہیں آیا۔ پنجاب بھر کے سنی حضرات نے زندگی کا ثبوت دیتے ہوئے ان اجتماعات میں بھرپور حصہ لیا۔ یہ بڑے پرجوش سنی تھے۔ یہ بڑے راسخ العقیدہ سنی تھے۔ یہ بڑے جاں نثار

سنی تھے۔ یہ بڑے عاشقان رسول سنی تھے۔ ان کی آوازیں نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت سے لبریز تھیں۔ ان کی زبانوں پر ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے زمزمے تھے۔ ان کی صفوں میں ''صلوٰۃ وسلام'' کی صدائیں تھیں اور ان کی دعاؤں میں

یا رسول اللہ انظر حالنا یا حبیب اللہ اسمع قالنا

تاہم نے ایک عرصہ سے سنیوں کے ایسے اجتماعات نہیں دیکھے تھے اور جب دیکھے تو ایمان تازہ ہوگیا۔ دل باغ باغ ہوگیا۔ یہ نورانی چہرے دیکھ کر:

ع۔ دل و جاں و وجد کناں جھک گئے بہر تعظیم!

مگر سنیوں کے ان اجتماعات، جلوسوں اور ریلیوں کو دیکھ کر اس وقت بڑا دکھ ہوا جب ہم نے محسوس کیا کہ ہر سنی اجتماع کا رخ جدا جدا تھا۔ ہر سنی جلوس کی راہیں علیحدہ علیحدہ تھیں، ہر سنی ریلی کا قبلہ جدا جدا تھا، ہر سنی حلقے کی امامت اور قیادت جدا جدا تھی اور یہ سوچ کر دل بیٹھ بیٹھ جاتا کہ سنیوں کے یہ دریا اپنے رخ جدا جدا کیے کدھر بہ رہے ہیں۔ ان سب میں علماء کرام ہیں، مشائخ عظام ہیں، دانشور ہیں، خطیب ہیں، ادیب ہیں، لوگوں کو اتفاق، یکجہتی اور محبت کا سبق دینے والے ہیں پھر ان کے قبلے کیوں جدا جدا ہیں؟ ہم چھوٹے ذہن والے ان دانشور بزرگوں کی دینی، روحانی اور سیاسی حکمتوں کو تو نہیں سمجھ پاتے مگر جب سنیوں کی عظیم الشان قوت جدا جدا راہوں پر چلتی نظر آتی ہے تو دل بیٹھ جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''سنیوں کی بھیڑو! خدارا اکٹھی ہو کر رہو۔ نہیں تو بدعقیدہ، بدمذہب، بے دین سیاست دان اور لیڈروں کے بھیڑیے تمہیں چیر پھاڑ جائیں گے۔'' آج جب ہم اپنے سنیوں کو پارہ پارہ دیکھتے ہیں تو اعلیٰ حضرت کی نصیحت کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ پھر علامہ اقبال کا ایک شعر ''بادنیٰ تصرف لبوں پر آجاتا ہے۔

؎ آنکہ شیراں را کند روباہ شعار
انتشار است ، انتشار است انتشار

''جو چیز شیروں کولومڑی بنا دیتی ہے وہ انتشار ہے انتشار ہے اور انتشار ہے۔
آج ہم جس انتشار کا شکار ہو گئے ہیں وہ شیروں کو روباہ مزاج بنا دیتا ہے۔
آج سنیوں کی بھیڑوں کے یہ منتشر ریوڑ مسلم لیگ کے بھیڑیوں کی زد میں آنے والے ہیں۔آج سنیوں کی بھیڑوں کے یہ منتشر گلے پیپلز پارٹی کے جیالوں کی چھریوں سے ذبح ہونے والے ہیں۔آج سنیوں کے یہ جدا جدا قافلے عنقریب بے دین اور لٹیروں کے انتخابی جلسوں کی رونق بننے والے ہیں۔ یہ بدکردار سیاسی امیدوار ہمارے بکھرے ہوئے سنیوں کو آواز دے کر بلائیں گے کہ لوگو! ادھر آؤ ہم ''گیارہویں'' دیا کرتے ہیں، نعت خوانوں کو ''ویلیں'' دیتے ہیں اور اپنے مرنے والوں کے ''چہلم'' پر سنی علماء کو بلاتے رہتے ہیں۔ان پُرفریب آوازوں پر ہمارے یہ بھولے بھالے سنی قطار در قطار ان سیاسی گرگوں کا تر نوالہ بننے کے لیے تیار بیٹھے ہیں جو انہیں ہمیشہ دھوکہ دیتے رہے ہیں۔
ہمیں سنی جلوسوں کو دیکھ کر حوصلہ ہوا، اجتماعات کو دیکھ کر توانائی آئی، ریلیوں کو دیکھ کر ایمان تازہ ہو گیا مگر ان کے انتشار کو دیکھ کر رونا آیا۔ پھر ان شیروں کو روباہ صفت بن کر انتخابی گرگوں کا شکار ہونے کے تصور سے دل کانپ گیا۔ یہ مقدس لوگ، یہ نامور لوگ، یہ پاکباز لوگ، یہ نورانی چہرے، یہ چمکتے ہوئے ماتھے، یہ چاند جیسی صورتیں اپنے انتشار کی وجہ سے کن سیاسی شعبدہ بازوں کے جال میں پھنسنے والے ہیں؟

ع۔رو لے اے دل کھول کر بادیدۂ خونا بہ بار

دو ماہ بعد ملک میں انتخابات کا بازار سجنے والا ہے۔دو ماہ بعد انتخابات کے بگل بجنے والے ہیں۔ دو ماہ بعد انتخابات کی آوازیں اٹھنے والی ہیں۔ دو ماہ بعد انتخابی گھوڑے دوڑنے والے ہیں۔دو ماہ بعد انتخابی جلسے ہوں گے، جلوس ہوں گے جوڑ توڑ

ہوں گے۔ دعوتیں ہوں گی۔ وعدے ہوں گے۔ پیمان ہوں گےاور پھر ہمارے ایمان اور ایقان کے امتحان ہوں گےاور ہمارے ووٹوں کے سوداگر آئیں گے ہم نہیں جانتے ہمارے منتشر سنیوں کو کون کون اڑا لے جائے گا۔ ہم نہیں کہہ سکتے یہ ہمارے سنی کس کس دل فریب جال میں پھنسیں گے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ یہ انتشار زدہ سنی کس کس بھیڑیے کا تر نوالہ بنیں گے؟ اگر یہ ایک ہو جائیں، اگر یہ یک جان ہو جائیں، اگر یہ متحد ہو جائیں، اگر ان کا قبلہ ایک ہو جائے، اگر ان کا قبلہ درست ہو جائے، تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آئندہ انتخابات میں سیاسی بھیڑیوں کو مار مار کر بھگا سکتے ہیں، سیاسی لٹیروں کو پچھاڑ سکتے ہیں، سیاسی چوروں کو پابہ زنجیر کر سکتے ہیں، سیاسی شعبدہ بازوں کو فرعون کے جادو گروں کی طرح ''عصائے موسوی'' سے نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ اللہ ان سنیوں کو، ان جلسے کرنے والوں کو، ان اجتماعات میں جمع ہونے والوں کو، ان جلوسوں کے سجانے والوں کو، ان ریلیوں کو کامیاب بنانے والوں کو، ان عظیم اجتماعات پر فخر کرنے والوں کو، ایک ایسا فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ یہ ''نظام مصطفیٰ'' کا علم بلند کر سکیں۔ اور پاکستان کے چودہ کروڑ عوام کو ''مقام مصطفیٰ'' سے آشنا کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

سنیوں کے اس انتشار اور خود پسندی کی وجہ سے آج ہمارے کئی سیاسی اور دینی راہنما دین کا نام لینے والے ان ٹولوں سے اتحاد اور یگانگت کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ جو کبھی شمار قطار میں نہ تھے۔ یہ ایک المیہ ہے، یہ ایک سانحہ ہے کہ اتنی عظیم سنی اکثریت آج باہمی انتشار کی وجہ سے غیروں کے دروازے کھٹکھٹانے، زرداروں سے چند سیٹوں کی بھیک مانگنے، بدقماش دولت مندوں کے خیموں میں بیٹھ کر ''نظام مصطفیٰ'' کی باتیں کر رہے ہیں۔ اپنوں کی بے اتفاقی اور بے اعتنائی سے مایوس ہو کر ان لٹیروں نے انہیں اپنی بقا کی بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جنہیں بار ہا آزما چکے ہیں۔ یہ لوگ ان دروازوں پر کھڑے ہو کر جھولیاں پھیلائے ہوئے نظر آتے ہیں جو نہیں استعمال کر کے پھینک دیا کرتے ہیں۔ ''وائے برحال ما! وائے بر اعمال ما! وائے بر آمال ما''

پاکستان میں دینی جماعتوں کا مستقبل

جلد ۶..........فروری مارچ ۱۹۹۷.....شمارہ ۶۱

پاکستان کے حالیہ انتخابات کا طوفانی دور گزر گیا۔ ان طوفانوں کے اندھیرے جھکھڑ رکے تو صرف ایک جماعت "مسلم لیگ" جناب نواز شریف کی قیادت میں کامیابیوں سے ہمکنار ہو کر سامنے نظر آئی۔ اگرچہ انتخابی قوت آزمائی کے دوران صرف مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی ہی شہ زوری کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ مگر بایں ہمہ بعض دوسری سیاسی اور مذہبی جماعتیں بھی اپنی جمہوری روایات کو زندہ رکھتے ہوئے میدان میں موجود تھیں اور قوت آزمائی کے سارے نعرے بلند کر رہی تھیں انتخابات کی گرد و غبار بیٹھی "مطلع صاف ہوا" تو صرف اور صرف مسلم لیگ ہی تمام حریفوں کو روندتی ہوئی ایوان اقتدار میں نمودار ہوئی، حکمران پیپلز پارٹی کا عبرت ناک صفایا ہو گیا اور وہ مکافات عمل کا تیر کھا کر آج نقش عبرت بن گئی ہے۔ پیپلز پارٹی کی شہ خرچیوں، ناکامیوں اور گھوڑوں پر زر پاشیوں کے بعد پاکستان کے لوگوں کے لیے یہ ایک اطمینان بخش بات تھی کہ ایسی حکومت کا خاتمہ ہوا مگر ان طوفانوں کی زد میں مذہبی جماعتوں اور دینی قوتوں کا جو حشر ہوا وہ بھی عبرت ناک ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں دینی جماعتوں پر ایسا سانحہ کبھی نہیں گزرا تھا۔ بعض مذہبی جماعتیں انتخابات کا رن پڑنے سے پہلے ہی "بائیکاٹ" کی کاٹ میں آ گئیں۔ جو میدان میں ڈٹی رہیں وہ روندی گئیں۔ ملک کی بعض دینی جماعتیں مسلم لیگ کی حلیف بن کر آگے بڑھیں مگر

آج ان حلیف دینی جماعتوں کے راہنما بھی ''جمہ جنج نال تے بھولی ڈولی نال'' کی حیثیت سے نظر آ رہے ہیں۔ نہ ان کا کوئی اپنا تشخص ہے نہ ان کی کوئی آواز۔ سیاسی اعتبار سے پاکستان کے عوام نے مسلم لیگ کو بھرپور مینڈیٹ دیا اب یہ ان مسلم لیگی رہنماؤں کا اپنا رویہ ہے کہ وہ اس مینڈیٹ کا کیا حشر کرتے ہیں۔

ہمیں سیاسی جماعتوں کی کامیابی اور ان کی عبرت ناک شکست سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ ان کے ''اقتداری کھیل'' کا ایک حصہ ہے مگر ہمیں جس بات پر قلق ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان میں دینی اور مذہبی قوتوں کی منزل دور جا پڑی ہے۔ اب انہیں ایک سخت کوش جدوجہد کے ساتھ اپنا مقام حاصل کرنے کے لیے ایسی حکمت عملی طے کرنا ہوگی جس سے وہ اپنا کھویا ہوا مقام پا سکیں۔ صدر ضیاء الحق مرحوم کے زمانہ میں کئی مذہبی راہنماؤں نے انعام و اکرام کی شرمندگیوں سے اپنے دامن تر کر لیے تھے اور اپنی جماعتی وابستگی اور اتحاد کے دامن کو پارہ پارہ کر لیا تھا، مگر اس کے باوجود ان کے بکھرے ہوئے ٹولے اپنا تشخص قائم رکھے ہوئے تھے اور اپنے اپنے طور پر ان کی آواز سنی جاتی تھی۔ یہ جماعتیں اپنے اپنے حلقوں میں مقبول بھی تھیں اور محبوب بھی۔ بعض دینی فرقوں کی خون آشامی کے باوجود ان کی اپنی اپنی حیثیت برقرار تھی، مگر موجودہ انتخابات کے طوفان اٹھے تو سارے فرقے، سارے ٹولے اور ساری جماعتیں اپنے آپ کو دیکھ کر کہہ رہی ہیں کہ

ع۔ '' دامن رفو کریں کہ گریباں رفو کریں ''

ہمیں اس حقیقت سے انکار نہیں کرنا چاہیے کہ سابقہ دور حکومت میں مذہبی اور دینی اقدار کے لیے ایک تباہ کن دور تھا۔ اسلامی اور دینی اقدار کی پامالی اور اسلامی شعار کا مذاق اڑانا اس حکومت کا ایک عزیز مشغلہ تھا۔ دین سے محبت رکھنے والے لوگوں نے بڑا کڑا وقت گزارا۔ تکلیفیں اٹھائیں، سزائیں سہیں، مصائب برداشت کیے، قدم قدم پر مایوسیوں کا سامنا کیا، مگر پھر بھی اپنے وجود، اپنے تشخص کو قائم رکھتے

میں ثابت قدم رہیں اور اقتدار کی کرسیوں کو للکارتی رہیں۔ الحمدللہ یہ دور نابکار اپنے منطقی نتیجہ سے دوچار ہوا مگر دینی جماعتوں کے لیے مسلم لیگ کا موجودہ دور بھی اتنا خوش کن اور خوش آئند دور نہیں جس سے دین کے احیاء اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی توقع کی جا سکے۔ یہ لوگ اپنے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود دینی اقدار کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں۔ ان کے ہاں زراندوزی اور زر پرستی ہی اقتدار اور قوت کا حاصل ہے۔ ان مقاصد کے لیے وہ نئے نئے انداز، نئے نئے پیکیجز تیار کرنے کی فنکارانہ مہارت رکھتے ہیں۔ وہ دینی اقدار کو زندہ کرنے اسلامی شعائر کو اپنانے کے اجتماعی کام کرنے سے عاری ہیں۔ انفرادی طور پر کوئی دینی کام ہو گیا تو ہو گیا ورنہ اللہ اللہ خیر صلاً۔

آج حکومت کی طرف سے ملک کے تباہ شدہ اقتصادی ڈھانچے کو مضبوط کرنے کے اعلان ہو رہے ہیں۔ لٹی ہوئی معاشی دنیا کو آباد کرنے کے لیے بیرونی ممالک میں رہنے والے لوگوں سے اپیلیں کی جا رہی ہیں۔ دولت لوٹنے والوں کو ڈرایا جا رہا ہے۔ اپنے ''بے جان'' سیاسی حریفوں کو دبانے کے لیے پکڑ دھکڑ شروع ہے۔ مگر سابقہ دور میں اسلام اور دین پر جو آفتیں آئیں، جو تباہیاں آئیں، جو قیامتیں ٹوٹیں، ان پر کسی راہنما نے ایک لفظ نہیں کہا۔ سابقہ دور میں اسلام کو جتنا نقصان پہنچا اسلامی اداروں کو جس انداز میں ''دم پخت'' کیا گیا، دینی اقدار کو جس طرح تباہ کیا گیا اس کی بحالی کے لیے موجودہ حکومت کے پاس کوئی پروگرام، کوئی پیکیجز، حتیٰ کہ کوئی ہمدردی بھی نہیں۔ آج دینی ادارے دم توڑ رہے ہیں۔ آج مساجد ویران ہو رہی ہیں۔ آج خانقاہیں اجڑ رہی ہیں۔ آج دینی مراکز بند ہو رہے ہیں۔ آج دینی اقدار لٹ رہی ہیں۔ مگر کسی طرف سے ان کی بحالی، ان کی صف بندی اور ان کی خوشحالی کیلئے آواز نہیں اٹھی۔

ان حالات میں دینی جماعتوں، دینی راہنماؤں دین سے محبت رکھنے والے حضرات کو ملک کے سیاسی طوفانوں کی موجوں سے نڈھال ہو کر ایک طرف بیٹھ رہنا

نہیں چاہیے۔ بلکہ ان کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ موجودہ حالات کے باوجود انہیں پاکستان میں اسلامی اقدار کے احیاء کے لیے سرتوڑ کام کرنا چاہیے۔ اپنے لٹے ہوئے قافلوں کو از سرِنو منظم کرنا چاہیے۔ اپنی تباہ شدہ قوتوں کو یکجا کرنا چاہیے اور اپنے عزائم کو از سرِنو تازہ کر کے اسلام اور دین کے احیاء کے لیے سرگرم عمل ہونا چاہیے۔ ہم علیحدہ علیحدہ دینی جماعتوں اور مختلف فرقوں کے کردار پر کسی قسم کا تبصرہ نہیں کریں گے۔ ہمیں تو اپنی جماعتوں، اپنے طبقوں، اپنے انتشار زدہ گروہوں، اپنے تباہ شدہ قافلوں، اپنی گم گشتہ راہوں، اپنی تباہ حال منزلوں کی تلاش میں نکلنا ہے، ہمارے سنی راہنماؤں کو سابقہ روایات سے ہٹ کر باہمی اتحاد اور اتفاق کو یقینی بنا کر تمام سنیوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا ہے۔

یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ موجودہ سیاسی قیادت اور اقتداری قوت بلا شبہہ حنفی، سنی (با جازت قارئین) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک اور فکر کی ہم نوا ہے۔ پاکستان میں میاں نواز شریف اور پنجاب میں شہباز شریف پیدائشی سنی العقیدہ ہیں۔ ان کا خاندان سنی ہے پھر ان کی زندگیاں مسلک اہل سنت پر گزر رہی ہیں۔ مگر ان حضرات کو اپنے مسلک کے بجائے اپنے دوسرے مفاد اور اپنے عمومی فرائض کی سرانجام دہی کے لیے کام کرنا ہوتا ہے۔ ان کے قریب بیٹھنے والے علماء و مشائخ کا جو طبقہ ہے وہ بھی نازک مزاج شاہاں سے ڈرتے ڈرتے انہیں اپنے مسلک کی ترقی پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ ان لوگوں سے امیدیں تو وابستہ کی جا سکتی ہیں، مگر عملی طور پر ان سے کسی مسلکی کام کی امید نہیں کی جا سکتی۔

ان حالات میں سنی علماء کرام کو سنی قیادت کے لیے مل جل کر کام کرنا چاہیے۔ سنی خطیب، امام، مدرس، معلم، مہتمم و منتظم، ناشر و صحافیوں کو اپنے روایتی غرور و تکبر، پھر انتشار و نا اتفاقی اور تکابل و تساہل کو چھوڑ کر دین کی خدمت کے لیے آگے بڑھنا چاہیے۔ مختلف النوع کی اقتداری قوتیں اپنا اپنا کام کرتی پھریں۔ مگر علماء کرام اور

مشائخ عظام کولوگوں کی دینی راہنمائی سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

سابقہ انتخابی طوفان نے اگرچہ مذہبی اور دینی جماعتوں کا سیاسی وجود مٹا دیا ہے۔مگر ہمارے علماء کرام کواس حادثہ اور سانحہ سے بددل ہوکر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھ نہیں جانا چاہیے۔ بلکہ اپنے مسلک کے لیے مل کر کام کرنا چاہیے۔اگر چند علماء کرام یا چند پیر زادوں کو اپنے ہم مسلک حکومتی شاگردوں یا مریدوں سے کچھ ذاتی مفاد حاصل ہو بھی جائیں تو ہمیں اس پر خوش نہیں ہونا چاہیے اور نہ ان بزرگ زادوں کی کرامت یا کامیابی سمجھنا چاہیے۔ہمیں تو اپنی اجتماعی قوتوں اور ہمہ گیر توانائیوں سے کام لیتے ہوئے مسلک کا کام کرنا چاہیے۔آج عام سنی اپنے علماء کی طرف دیکھ رہے ہیں۔آج عام سنی اپنے مشائخ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔آج عام سنی اپنے راہنماؤں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔آج عام سنی اپنے اماموں، خطیبوں، استادوں اور بزرگوں کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ وہ کب اٹھ کر ملت کی راہنمائی کے لیے کوئی پروگرام بنائیں گے اور اس لٹے ہوئے قافلے کو ایک راہ پر ڈالیں گے۔

آج دینی جماعتوں کا مستقبل تاریک نہیں تو تابناک بھی نہیں ہے۔آج دینی جماعتوں کا مستقبل اگر خراب نہیں تو درخشاں بھی نہیں۔آج دینی جماعتوں کا مستقبل اگر برا نہیں تو اچھا بھی نہیں ہے۔آج پاکستان میں ان دینی جماعتوں کو اپنا مستقبل تابناک، درخشاں اور اچھا بنانے کے لیے نئی جدوجہد کا آغاز کرنا ہوگا۔اگر ''ملی یکجہتی کونسل'' اپنے مقاصد میں ناکام ہوگئی ہے اور اس کے خودسر حلیف قتل و غارت سے ہاتھ نہیں روکتے تو دوسری دینی جماعتوں خصوصاً سنی جماعتوں کو یکجان ہوکر پاکستان کے مستقبل کو سنوارنے کے لیے آگے بڑھنا چاہیے اور اگر ہمارے دینی راہنما اتفاق و اتحاد سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھے تو ان شاءاللہ ایک ایسی صبح طلوع ہوگی جس میں شام مدینہ کی خوشبو ہوگی۔

خدا کے فضل سے اک دور آنے والا ہے
کہ جس کے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہے

پاکستان میں اسلامی سربراہی کانفرنس

جلد ۶ ...... اپریل ۱۹۹۷ ...... شمارہ ۶۲

پاکستان کو اس سال ''اسلامی سربراہی کانفرنس'' کے منعقد کرانے کا شرف حاصل ہوا ہے اور اس کی میزبانی میں دنیا بھر کے اسلامی ممالک کے سربراہ اور مندوبین مسلم امہ کے موجودہ وسائل اور مستقبل کے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے لائحہ عمل طے کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی اہم کانفرنس تھی جو موجودہ حالات میں سرزمین پاکستان میں منعقد ہوئی تھی۔

سابقہ کئی برسوں سے عالم اسلام مختلف سیاسی اور اقتصادی مسائل سے دوچار ہے۔ دوسری طرف مغربی طاقتیں عالم اسلام کو اپنی اقتصادی گرفت میں رکھنے میں مصروف رہتی ہیں۔ صیہونی یہودی اور نصرانی سازشیں انہیں مذہبی طور پر دبانے میں برسرپیکار ہیں۔ سابقہ برسوں میں دنیا کے ایک بڑے علاقے پر مسلط ایک ''سپر پاور روس'' کے خاتمہ کے بعد اس خطہ میں مسلمان ممالک اپنی آزادی اور بقا کی جنگ میں مصروف رہے ہیں۔ افغانستان اور وسط ایشیا کی مسلم ریاستیں اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کی جدوجہد میں کوشاں رہی ہیں۔ کشمیر کے مسلمان پچاس سالہ جنگ حریت میں ہزاروں جانیں قربان کر چکے ہیں۔ بوسنیا اور چیچنیا کے مجاہدین ایک عرصہ سے برسرپیکار رہے ہیں۔ ایران، لیبیا اور عراق کی مسلمان حکومتوں کو تو مغربی قوتوں نے دنیا

سے الگ تھلگ کر کے رکھ دیا ہے۔ مصر اور فلسطین اسرائیل استعمار کے سامنے امن معاہدوں کی زنجیروں میں جکڑ دیے گئے ہیں۔ ان حالات میں ''اسلامی سر براہی کانفرنس'' کے سامنے بے پناہ مسائل آئے اور ہر ملک کے نمائندوں نے اپنے اپنے حالات کے پیشِ نظر ان پر اظہارِ خیال کیا۔ مغربی طاقتوں کے دباؤ کی وجہ نے بہت سے اسلامی ممالک وہ بات نہیں کہہ سکے جو کہنا چاہتے تھے۔ ترقی پذیر ممالک کی ''اقتصادی نوازشوں'' کے زیر بار ہونے کی وجہ سے بہت سے مسلمان نمائندے ان مسائل پر مہر بلب رہے جو انہیں برملا کہنا چاہئیں تھے۔ امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کے ڈر سے ان اقدامات کا اعلان نہ کیا جا سکا، جو ان اسلامی ممالک کی سر براہی کانفرنس میں ہونا چاہیے تھا۔ ''لیبیا'' کے سر براہ کرنل معمر قذافی اس لیے شریک نہ ہو سکے کہ عالم اسلام کے اکثر ''مغرب پروردہ'' ممالک کی پوزیشن متاثر نہ ہو۔ ''عراق'' کے سید صدام حسین اس لیے نہ آ سکے کہ وہ واحد مسلمان راہنما ہیں جو اگر اس کانفرنس میں آ جاتے تو دوسرے سارے راہنما بونے نظر آتے۔ ''مصر'' کے حسنی مبارک اس لیے تشریف نہ لا سکے کہ وہ اسرائیلی حاشیہ نشینی کی وجہ سے اکثر مسلمان ممالک میں اچھی نظر سے نہیں دیکھے جاتے۔ ''شام'' کے حافظ الاسد بھی اپنی مصلحتوں کی چار دیواری سے باہر نہیں آ سکے اور ڈرتے رہے کہ کہیں کوئی مسلم ملک انہیں ''نظر بد'' سے نہ دیکھے۔ یاسر عرفات مجاہدین فلسطین کے کمانڈر بھی ہیں اور نو زائیدہ سلطنت فلسطینیہ کے سر براہ بھی۔ مگر وہ ڈنکے کی چوٹ پر آئے اور عرب گروپ کے نمائندہ کی حیثیت سے خطاب بھی کیا۔ افغانستان کے طالبان صرف ہمسایہ بن کر مبصر کی حیثیت سے آئے انہیں مندوب کی حیثیت سے نہیں بٹھایا گیا۔ اگر خادم الحرمین شاہ فہد آ جاتے تو کانفرنس کا حسن دوبالا ہو جاتا اور دنیا میں انہیں فیصل ثانی کی حیثیت دی جاتی۔ ان حالات کی گھٹن کے باوجود اسلامی سر براہی کانفرنس کے شاندار اجلاس ہوئے۔ اخبارات

اور عالمی میڈیا اس کانفرنس کی کامیابیوں پر بیجا طور پر اعلانات کرتے رہتے ہیں۔ مگر عالم اسلام جن حالات سے دوچار ہے اور جن اقتصادی، معاشی اور سیاسی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اس کے پیش نظر ہم سربراہی کانفرنس کو کامیاب و کامران نہیں کہہ سکتے۔

دنیا کے بے جان اجتماعات پر ''نشستند و گفتند و برخاستند'' کا محاورہ بارہا سننے میں آیا ہے مگر ہم مجموعی طور پر یوں کہیں گے کہ آمدند و گفتند و رفتند'' کی تمام تابناکیاں سربراہی کانفرنس میں جلوہ گر رہی ہیں۔ اگرچہ ان سارے ممالک کے سربراہوں کی گردنیں مغربی ممالک کے بچھائے ہوئے جال کے حلقوں میں پھنسی ہوئی ہیں اور نیو ورلڈ آرڈر کے نیچے ''مرغ صیاد دیدہ'' کی طرح دبکے ہوئے ہیں۔ تاہم ان پچاس مسلمان ملکوں کا پاکستان میں مل بیٹھنا ایک خوش کن منظر تھا اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ آج نہیں تو کل ''نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر'' ایک دن ایک اسلامی قوت ابھرے گی اور آہستہ آہستہ اپنی صحیح منزل کی طرف بڑھے گی اور مسلمانوں کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو کر رہے گا جس کے لیے ہزاروں نہیں لاکھوں جانیں نثار کی گئی ہیں اور اب تک دنیا کے ملک مختلف خطوں میں قربان کی جا رہی ہیں۔

اس ضمن میں دوسرے اسلامی ممالک سے ہٹ کر پاکستان کے حکمران اور عوام کے لیے نہایت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے مستقبل کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں۔ کیونکہ اس خطہ کے لوگ دوسرے مسلمان ممالک کے برعکس ایک نظریاتی خطہ زمین حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ سب کچھ قربان کر کے ایک ایسی سرزمین میں آئے تھے جہاں اللہ اور اس کے رسول کی حکمرانی سایۂ رحمت بن کر چھائی رہے گی۔ لاکھوں جانوں کے نذرانے صرف اس لیے دیے گئے کہ یہاں نظام مصطفی قائم ہوگا۔ اگرچہ اسی پچاس سالہ کشمکش کے باوجود یہاں کے عوام اس مقصد کو حاصل نہیں کر سکے۔ تاہم ابھی تک اس سرزمین کا بچہ بچہ اپنے سینے میں یہ تڑپ رکھتا ہے کہ وہ

اللہ اور رسول کے قوانین کے ماتحت اپنی زندگیاں بسر کرے۔ پاکستان میں اگرچہ کئی حکومتیں بدلیں مارشل لاء آئے، آمریت اور جمہوریت کے علم لے کر کئی لوگ آگے بڑھے مگر وہ ان مقاصد سے ہمیشہ پہلو تہی کرتے رہے جس کے انتظار میں یہاں کروڑوں آنکھیں فرش راہ کیے ہوئے ہیں۔ اس کانفرنس کے چیئر مین اور میزبان ہمارے وزیراعظم میاں نواز شریف تھے۔ انہوں نے اپنی خوبصورت تقریر میں سب کچھ کہا مگر جن مقاصد کے لیے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا اس کی طرف انہوں نے اشارہ تک نہیں کیا۔ ہمیں موجودہ اقتداری قوتوں سے توقع تو نہیں کہ وہ نظام مصطفیٰ کے لیے کام کریں وہ اپنے دنیاوی مصائب اور سیاسی مشکلات میں جکڑے ہوئے ہیں کہ وہ نظام رحمت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے وہ یا تو اس حقیقت کو بھول گئے ہیں کہ ملک کو اسلام کے لیے حاصل کیا گیا تھا اسے ''مسلمان ملک'' بنانے کے لیے نہیں ''اسلامی ملک'' بنانے کے لیے قرآن نے کتنی اہم حقیقت کو عیاں کیا ہے۔ ''فمن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا'' جو میرے ذکر اور میرے احکامات سے روگردانی کرتا ہے اس کی معیشت اس کے لیے وبال جان بن جایا کرتی ہے۔''

آج کے حکمرانوں کے لیے ان کی معیشت وبال جان بن کر رہ گئی ہے۔ ایک وقت آنے والا ہے جب پاکستان کے لوگ نظام مصطفیٰ کا پرچم اٹھائے اپنے تمام اسلامی ممالک کو دعوت دیں گے کہ آؤ آج آزادانہ سربراہی کانفرنس کریں اور آج اللہ اور رسول کی اطاعت کا عہد کریں۔ آؤ آج باطل قوتوں کے سامنے سر اٹھا کر کھڑے ہو جائیں۔ آؤ آج دنیا کے مظلوموں، مسکینوں اور ظلم و ستم کے نیچے دبے ہوئے انسانوں کو ''نظامِ مصطفیٰ'' کی ٹھنڈی ہواؤں سے زندہ کر دیں۔

وقت آگیا ہے صحن چمن گل فشاں کریں

جلد ٦ .... ماہ مئی ١٩٩٧ .... شمارہ ٦٣

پاکستان کی سرزمین جو مسلمانوں کے لیے امن وسلامتی کا قلعہ تھی، غیر مسلموں کے لیے دارالسکون تھی، آج فرزندان پاکستان کے چند نادان نوجوانوں کے ہاتھوں خون آشام ہو رہی ہے۔ سابقہ کئی ہفتوں سے روزانہ کا معمول بنتا جا رہا ہے کہ سورج طلوع ہوتا ہے تو چند انسانی لاشے خاک وخون میں تڑپتے دکھائی دیتے ہیں۔ سورج ڈھلتا ہے تو نئی لاشیں اپنے پیچھے دلدوز چیخیں چھوڑ جاتی ہیں۔ یہ ساری خون فشانی ان جواں ہاتھوں سے ہو رہی ہے جو اپنوں کے لیے محبت اور بیگانوں کے لیے مروت کی مثال ہوا کرتے تھے۔ اب خون ریزی کی لہریں، کوچہ و بازار سے گزر کر اللہ کے گھروں میں بہہ رہی ہیں۔ موت کے سنگین ہاتھ، قاتلوں، غنڈوں، ڈاکوؤں اور چوروں کو چھوڑ کر خطیبوں، اماموں، ذاکروں اور نمازیوں تک پہنچ رہے ہیں۔ مسجدیں جو ہر ایک کے لیے جائے امن ہیں، قاتلوں کے سفاکانہ ہتھیاروں سے خون آلود ہو رہی ہیں۔ امام بارگاہیں جو ذکر حسین سے اشک آلود ہوا کرتی تھیں، آج قاتلوں کی یلغار سے خون آلود ہیں اللہ کے یہ "بیوت الامن" موت کی وادیوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ دین اور مذہب کا نام لینے والے قاتل ایک ایک عالم خطیب اور ذاکر کو تلاش کر کر کے صبح وشام اپنے وحشیانہ کردار کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ سیاہ اندھیروں میں پرورش

پانے والے کتنی قیمتی جانیں ضائع کر چکے ہیں اور کتنے گھروں کو ماتم کدوں میں تبدیل کر چکے ہیں۔

ان قاتل نوجوانوں کا بھیانک کردار اس وقت اور بھی قابلِ مذمت ہو جاتا ہے، جب یہ ''سپاہ صحابہ'' اور ''سپاہ محمد'' کا نام لے کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے نظر آتے ہیں کیا صحابہ کرام کے لشکر، امام بارگاہوں اور ان کے نگرانوں کو قتل کیا کرتے تھے؟ کیا ''سپاہ محمد'' مساجد اور ائمہ مساجد کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کیا کرتے تھے؟ یہ دونوں طبقے تو آپس میں شیر و شکر تھے۔ انہیں تو **رحماء بینھم** کا اعزاز حاصل تھا اور ساری کائنات ان کی یکجہتی و محبت کی مثالیں دیا کرتی تھی۔

آج ''صحابہ'' اور ''محمد'' کے ان سپاہیوں کے کردار سے ہر شخص متنفر ہے۔ آج ''سپاہ صحابہ'' اور ''سپاہ محمد'' کے کردار سے ہر شخص نفرت کر رہا ہے۔ آج شیعوں اور دیوبندیوں کے ان خونخواروں سے ہر شخص نالاں ہے۔ یہ لوگ اپنے عقائد کی شدت کی بے راہ روی سے پاکستان کی سرزمین پر جو خونی تاریخ رقم کر رہے ہیں۔ وہ پاکستان کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہوگا جسے ہر سلیم القلب انسان مذمت کی نگاہ سے دیکھے گا۔

موجودہ حکومت حال ہی میں ''بھاری مینڈیٹ'' کے دعوے لے کر تختِ اقتدار پر بیٹھی ہے۔ اس نے اپنی تمام سیاسی اور دینی حریف قوتوں کو شکست دے کر ایوان اقتدار تک رسائی حاصل کی ہے۔ قوت و اقتدار کے تمام اختیارات لے کر آئی ہے اور وہ بلا شرکت غیرے ملک میں امن و امان برقرار رکھنے کی ذمہ دار بھی ہے اور بااختیار بھی۔ مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس مینڈیٹ کے باوجود، مکمل اختیارات کے باوجود، فل اتھارٹی کے باوجود، وہ ان خونخوار قوتوں سے خائف ہے۔ وہ ''سپاہ محمد'' کے درندوں کو نہیں پکڑتی ہے کہ ''ایران'' ناراض نہ ہو جائے وہ ''سپاہ صحابہ'' کے بھیڑیوں کو

کچھ نہیں کہتی کہ کہیں '' سعودیہ کے خدام'' اور نجدیوں کے ہم نوا نہ بگڑ جائیں۔ جمہوریت میں امن پسندی ایک سنہری اصول ہے مگر شورش پسندوں اور امن کو تہ و بالا کرنے والوں کے سامنے'' عاجز'' بن کر رہنا کہاں کی جمہوریت ہے۔ہم ان ڈرپوک رہنماؤں کو اسلامی راہنماؤں کی مثالیں دے کر شرمندہ نہیں کرنا چاہتے۔مگر آج موجودہ خون آشام ماحول میں ہمیں ان سیاسی راہنماؤں کے بجائے اس '' نظام مصطفیٰ'' کی اہمیت کا خیال آتا ہے جس کا راستہ ان لوگوں نے ہر دور میں روکا اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ آج اگر پاکستان میں'' نظام مصطفیٰ'' قائم ہوتا تو ان سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد کے لشکروں کے سروں پر خالد بن ولید کی '' سیف اللہ'' چمکتی۔آج اگر پاکستان میں'' نظام مصطفیٰ'' ہوتا تو پاکستان کی عبادت گاہوں کو خون آشام کرنے والوں کے سروں کی فصل کاٹنے کے لیے محمد بن قاسم کی تلوار بڑھتی۔آج اگر پاکستان میں'' نظام مصطفیٰ'' ہوتا تو پاک سرزمین میں فساد برپا کرنے والوں کے سومنات، محمود غزنوی کی زد میں ہوتے۔آج اگر پاکستان میں'' نظام مصطفیٰ'' قائم ہوتا تو یہ شورش پسند، اورنگزیب عالمگیر کی تلوار کا چارہ ہوتے۔

آج پاکستان میں نواز شریف کی '' نوازشیں'' ہیں اور شہباز شریف '' کی شرافتیں'' ہیں، غالباً ان کو یہ معلوم نہیں کہ شر پسند لوگوں کی کتاب زندگی میں'' شرافت'' اور'' نوازش'' کے الفاظ ہی نہیں ہوتے، وہ تو بے گناہ انسانوں کو قتل کر کے اپنے لیڈروں کے ڈربوں میں پہنچ کر فخر اور غرور کے اعزاز حاصل کرتے ہیں۔ان لوگوں کے سامنے'' اپیلیں'' کرنا'' اتحاد بین المسلمین'' کے اجلاس بلانا،'' امن واک کرنا'' ہزاروں شہریوں کو اپنی سواریوں سے محروم کرنا، انہیں ڈرانا اور قاتلوں سے ڈرنا، ان کے سامنے ہاتھ باندھنا کہاں کی سیاسی عقل مندی ہے؟'' سپاہ محمد'' سے پوچھیں کہ ان کے امام خمینی نے، سرکشوں کے خلاف ایران میں کیا کچھ نہیں کیا۔'' سپاہ صحابہ'' سے پوچھیں

کہ ان کے نجدیوں نے اپنے خلاف آواز اٹھانے والوں کے ساتھ سعودیہ میں کیا کچھ نہیں کیا تھا؟ ہندوستان کی امن پسندی کا گن گانے والوں سے پوچھیں کہ ان کی جمہوریت نے سکھوں کے خلاف کیا کچھ نہیں کیا تھا؟ آج ہمارے ملک میں مساجد اور امام باڑوں میں دیوبندیوں اور شیعوں کے نامور افراد کو کوچہ و بازار میں قتل کرنے والوں کے سامنے صرف ایک ہی نعرہ ہے۔

قتل......قتل......خون......خون......خون!

ہم اس نعرے کی مذمت کرتے ہیں ہم خون خوار طبقوں سے نفرت کرتے ہیں خواہ وہ ''سپاہ محمد'' سے ہوں یا ''سپاہ صحابہ'' سے ہم ایسے تمام شرپسندوں کو گردن زدنی قرار دیتے ہیں۔ جو مساجد اللہ اور عبادت گاہوں کو بے گناہ نمازیوں کے خون سے رنگین کر رہے ہیں۔ پاکستان میں سنیوں کی اکثریت آج بھی پر امن ہے اور قتل و غارت کے فلسفے کو اپنے دین میں کوئی جگہ نہیں دیتی۔ آج تمام سنی ان قاتلوں اور خونخوار ٹولیوں کو ملک و دین کے لیے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ ہم حکمرانوں کو مشورہ دیں گے کہ وہ اپنی سیاسی مصلحتوں کے حجاب سے نکلیں، اپنی بزدلانہ روش کو چھوڑیں، اپنی زر پرستی کی زنجیریں توڑیں اور اپنے ڈر اور خوف کو ہٹا کر ایسے شرپسندوں کو سزائیں دیں۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ مسجد کے محراب و منبر کو بے گناہوں کے خون سے رنگین کرنے والا ایک قاتل بھی آج تک کیفر کردار تک نہیں پہنچا۔ امام بارگاہوں کو کربلا بنانے والا ایک شمر بھی تختۂ دار پر نہیں چڑھایا گیا۔ کوچہ و بازار میں علماء، خطباء اور ذاکروں کو قتل کرنے والا ایک قاتل بھی سزا نہیں پا سکا۔ ہم موجودہ حکمرانوں کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ آگے بڑھیں گے تو ساری سنی اکثریت ان کے ساتھ ہو گی۔ تمام علماء اہل سنت، تمام مشائخ عظام، تمام سنی معلمین، تمام سنی مدارس، تمام دینی دانشور اور

سیاسی مصائب سے گزر رہے تھے، تو ان کے ہمدردان سے کہا کرتے تھے۔

''نواز شریف قدم بڑھاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں''

آج سنیوں کی عظیم اکثریت اور پاکستان کے پرامن شہری انہیں کہتے ہیں

''نواز شریف شرماؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں''

اگرچہ ہم زر پرست حکمرانوں کی مدح سرائی نہیں کرتے، مگر حالات نے ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ ہم برملا کہیں۔

ع۔ وقت آگیا ہے تیغ علی بے نیام ہو!

پچھلے سال قتل وغارت کی اس ارزانی میں ''ملی یکجہتی کونسل'' نے تمام فرقوں کے متحارب گروپوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے اس بربریت کو روک دیا تھا، جس سے آج ملک دوچار ہے۔ ''ملی یکجہتی کونسل'' کی کوششیں اتنی موثر اور نتیجہ خیز ہوئیں کہ لوگ سیاسی راہنماؤں کی قاتلانہ روش کے سامنے اس کی مثال دیا کرتے تھے۔ ''ملی یکجہتی کونسل'' نے خون کے پیاسوں کو ایک سٹیج پر لا بٹھایا تھا اور سارے پاکستان میں امن کی فضا قائم ہوگئی تھی۔ انتخابات کے بعد جہاں ملک کی دینی جماعتوں کو روند دیا گیا۔ ''ملی یکجہتی کونسل'' بھی اپنا آپ برقرار نہ رکھ سکی اور اس کے اراکین ایک ایک کر کے علیحدہ ہونے لگے۔ خصوصاً ''سپاہ صحابہ'' اور ''سپاہ محمد'' کی علیحدگی کے بعد پھر وہی شرمناک سلسلہ شروع ہوگیا۔ جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ ہم نے جہاں حکومت وقت سے درخواست کی ہے کہ وہ ''تیغِ علی'' بن کر بے نیام ہو وہاں ہم ''ملی یکجہتی کونسل'' کے مختلف راہنماؤں سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی تمام تر مصروفیات، مایوسیوں، اور پریشانیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھیں، سر جوڑ کر بیٹھیں اور اپنا مصالحانہ کردار ادا کریں کیونکہ اب

ع۔ وقت آگیا ہے صحن چمن گل فشاں کریں!

گونج گونج اٹھے ہیں ''نغمات رضا'' سے بوستاں

جلد ۶ .... جون جولائی ۱۹۹۷ ...... شمارہ ۶۴

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (۱۸۵۶ـ۱۹۲۱) رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کو آج ۷۲ سال گزر چکے ہیں ۔ ہم ان کا سالانہ عرس منا رہے ہیں ۔ ''یوم رضا'' منا رہے ہیں۔ آپ نے ساری زندگی قلم وزباں کی توانائیاں دین اسلام کی اشاعت کیلئے وقف کردی تھیں ۔ خصوصاً عقائد اہل سنت کی حفاظت اور ناموس مصطفیٰ کے دفاع میں بے مثال کردار ادا کیا۔ تحقیقات امام احمد رضا پر کام کرنے والے، سکالرز کے مطابق آپ ایک سو بیس علوم کے ماہر تھے اور ایک ہزار سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں ۔ یہ کتابیں آپ کی زندگی میں نصف سے بھی کم شائع ہوئی تھیں مگر آپ کی زندگی کے بعد خیابان رضویت میں یہ پھول ایسے کھلے کہ سارا جہاں مہک اٹھا۔ چار دانگ عالم گونج اٹھے اور اہل علم ومحبت آپ کے ان فن پاروں کو حرز جاں بنا کر جمع کرتے رہے۔

سابقہ نصف صدی میں فرزندانِ رضویت نے اس نابغۂ روزگار کے افکار و نظریات کو جس انداز سے پیش کیا۔ اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ''گویا دبستان کھل گیا'' برصغیر کے گوشے گوشے نغمات رضا کی گونج سے جاگ اٹھے اور پاک و ہند کے کونے کونے سے آفتاب رضا کی ضیائیں پھیلنے لگیں ۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ آج تک کسی دوسرے عالم دین یا دانشور کے حصے میں یہ عظمت نہیں آئی کہ اس کی

خدمات علمیہ کو اس انداز سے پذیرائی ملی ہو، جس انداز سے فاضل بریلوی کو ملی ہے۔
ایک زمانہ تھا کہ آپ کے ترجمہ قرآن ''کنز الایمان'' کی اشاعت کے لیے علماء اہل سنت کے وفد ناشران قرآن کے دروازوں پر بار بار جاتے مگر کوئی توجہ نہ دیتا تھا۔ آپ کے ایک رفیق کار صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے ''کنز الایمان'' کا پہلا ایڈیشن اپنے تفسیری حواشی کے ساتھ مراد آباد سے شائع کیا۔ اس کا عکس آج سے چالیس سال پہلے کراچی سے چھپا۔ پھر لاہور سے ''مقبول عام پریس'' اور ''مکتبہ نبویہ'' نے چند ایڈیشن شائع کیے۔ تاج کمپنی لمیٹڈ نے پہلی بار ''کنز الایمان'' چھاپا تو یہ خزانہ ایک نئے انداز سے سامنے آیا۔ آج اس ترجمہ کی مقبولیت اور اشاعت کا یہ عالم ہے کہ صرف لاہور سے ہی ہر ماہ ایک لاکھ بیس ہزار نسخے مختلف انداز میں چھپ کر ملک اور بیرون ملک پھیل رہے ہیں۔ آج پاکستان میں چالیس سے زیادہ اشاعتی ادارے ''کنز الایمان'' شائع کرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ آج دنیا بھر کے مختلف زبانوں میں ''کنز الایمان'' کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، تامل ناڈو، ہندی، بنگلہ دیشی، سندھی اور ملاوی زبانوں میں کنز الایمان کے ترجمے چھپ رہے ہیں۔

آپ کا ''فتاویٰ رضویہ'' پچھلے چند سالوں میں مبارک پور انڈیا سے چھپ کر آیا تو کراچی، لاہور اور بمبئی سے ہزاروں جلدوں میں شائع کیا گیا۔ آج امریکہ کے ایک سنی سکالرز اسے انگریزی میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ اور جنوبی افریقہ اور عراق کی حکومتیں اسے مقامی مسلمانوں کے ''پرسنل لاء'' کی حیثیت سے اپنا رہی ہیں۔ آپ کی دوسری تصانیف کئی کئی بار چھپیں اور دنیا بھر میں اہل علم و فضل کے سینوں کو روشن کرتی ہوئی ہزاروں لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ آپ کی ایک نعتیہ کتاب ''حدائق بخشش'' کی پچیس جلدوں میں شرح شائع ہو رہی ہے۔ اور صرف ''سلام رضا'' پر کئی کتابیں، تضمینیں اور تشریحیں سامنے آ چکی ہیں، پچھلے دنوں ایک رضوی اسکالر نے اپنے

مقالے میں ان مضامین کی تفصیلات دیں جو سابقہ دس سالوں میں فاضل بریلوی پر شائع کیے گئے۔ ان مقالات کی تعداد ایک ہزار چھ سو سے بھی زیادہ ہے۔ آپ پر لکھی جانے والی کتابوں کی تعداد تین ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔ آپ کے افکار ونظریات پر کام کرنے والے تین سو ادارے دنیا بھر کے مختلف ممالک میں کام کر رہے ہیں۔ لاہور کا صرف ایک ادارہ ''مرکزی مجلس رضا'' اب تک نو لاکھ پچاس ہزار کتابیں شائع کر کے مفت تقسیم کر چکا ہے۔ ماہر رضویت ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری ایم اے پی ایچ ڈی کا روشن قلم فاضل بریلوی کے افکار کی روشنیوں کو دور دور تک پھیلا رہا ہے۔ ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا'' کراچی بڑے بلند پایہ مقالات شائع کر رہا ہے۔ ''رضا فاونڈیشن لاہور'فتاوٰی رضویہ'' کو نئے انداز میں لا رہی ہے۔ ''رضا اکیڈمی سٹاک پورٹ'' برطانیہ میں فاضل بریلوی کی تصانیف کے انگریزی ایڈیشن پھیلا رہی ہے۔ بمبئی میں ''تحریک فکر رضا'' اور ''رضا اکیڈمی'' سارے ہندوستان میں افکار رضا کے ترجمان بن کر قائم ودائم ہیں۔ اس طرح فاضل بریلوی کی علمی اور اعتقادی خدمات کو جس طرح اپنایا گیا اور پھیلایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فاضل یگانہ کے قلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں برکات سے جس انداز میں نوازا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

ہم اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے سالانہ عرس کے موقع پر اپنے قارئین کو فرزندان رضویت کی ان خدمات کی ایک جھلک دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جس سے خیابان رضویت مہک رہا ہے، جس سے بوستان رضویت میں بہار آئی ہوئی ہے، جس سے گلستان رضویت کے پھول چٹک رہے ہیں اور ہم فاضل بریلوی کی کلک نور بار کی آواز سن رہے ہیں۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
اور جھوم جھوم اٹھے ہیں افکار رضا سے گلستاں

ہمارا دل چاہتا ہے کہ لاہور میں، ایک شاندار ''یوم رضا'' منایا جاتا اور اس میں اعلیٰ حضرت پر کام کرنے والے دنیا بھر سے اسکالرز وسیع اسٹیج پر کرسی نشین نظر آتے اور ان کی زیارت کے لیے دور دور سے نیاز مندان رضا جمع ہوتے۔ پھر ان کی قدر افزائی کے لیے دنیاوی ایوارڈ نہیں لیکن ہر ایک کو اعلیٰ حضرت کا جبہ و دستار پہنایا جاتا۔ پھر اعلیٰ حضرت کے ''وصایا شریف'' کی روشنی میں اس دعوت کا اہتمام کیا جاتا جس کا ذکر سن کر معاندین رضا آنکھیں جھپکتے رہتے ہیں۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ تین ہزار صفحات پر مشتمل ''جہان رضا'' کا ایک ''رضا نمبر'' شائع کیا جاتا مگر وسائل کی کمی کی وجہ سے ہمارے سارے ''جذبات'' دست تہ سنگ کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔

یاد رہے کہ اعلیٰ حضرت پر کام کرنے والے یہ تمام افراد کسی انعام اور ایوارڈ کی امید سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف ہیں۔ اپنی بے سرو سامانی کو ہی سامان شوق سمجھتے ہیں اور جس لگن سے یہ لوگ کام کرتے ہیں اس پر بڑے بڑے قلم کار رشک کرتے ہیں۔ بے سرو سامانی کا یہ کارواں نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے رواں دواں ہے اور دنیا کے لق و دق صحراؤں سے گزر کر اس کو گل و گلزار میں بدلتا جارہا ہے۔ یہ قافلہ تشنہ لبی اور آبلہ پائی کے باوجود رواں دواں ہے۔ کسی ستائش کسی انعام، کسی ایوارڈ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ یہ قافلہ خیابان رضویت کو گلہائے رنگا رنگ سے مالا مال کر چکا ہے یہ لوگ آواز جرس پر ''بر بندید محملہا'' کی قطاریں بنا کر چل رہے ہیں۔ الحمد للہ آج ملک اور ملک کے باہر ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ ان کے قدر دان ہیں۔ ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں۔ ان کی بے سرو سامانی پر رشک کرتے ہیں۔ ان قافلوں میں اہل محبت کی تعداد کبھی کم نہیں ہوئی۔ ہمیشہ جوش بڑھا ہے کم نہیں ہوا۔ عزم بلند ہوئے ہیں پست نہیں ہوئے اور آج ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں

احسان فراموشی کا بھرپور مینڈیٹ

پچھلے چند سالوں میں پاکستان میں اقتدار کی کرسیوں پر ایسے لوگ براجمان تھے، جن کے سامنے ملک وملت کے مفاد کے بجائے زراندوزی مطلوب تھی۔ ملک کی معاشی اور اقتصادی حالت تباہ ہوگئی اور بقول دانایان اموال واقفانِ حال کے ملک دیوالیہ ہونے کو تھا کہ اچانک اقتدار کی کرسیاں الٹ گئیں اور ایک ایسی پارٹی برسر اقتدار آئی جسے پاکستان کی تشکیل اور حق حکمرانی کا دعویٰ ہے۔ لوگوں نے اسے بھرپور مینڈیٹ دیا اور انہیں ایوان اقتدار میں سیاہ وسفید کا مالک بنا کر بٹھا دیا۔

جن دنوں آج کے سیاہ وسفید کے مالک اپوزیشن میں تھے تو ان کی حالت دیدنی اور ان کے واقعات شنیدنی تھے۔ یہ لوگ کوچہ و بازار میں یوم نجات مناتے، تحریکیں چلاتے، جلوس نکالتے، ماریں کھاتے اور جیلوں میں جاتے تھے۔ ان کی بے چارگی اور بے بسی کا یہ عالم تھا کہ ان کے کارخانوں پر پہرے بٹھا دیے گئے۔ ان کے گھروں کے دروازے اکھیڑ دیے گئے، ان کے بزرگوں کو سرعام رسوا کیا گیا، ان کو گلی، کوچے میں بے وقار کیا گیا۔ یہ مظلوم تھے۔ یہ قابلِ رحم تھے اور داستانِ غم بن کر ''یوسف بے کارواں'' بنے پھرتے تھے۔

ان حالات میں کسی اور نے ان کا ساتھ دیا ہو یا نہ دیا ہو مگر علمائے اہل سنت نے ان کی ہمنوائی اور ہم سفری میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کی لوٹ کھسوٹ کے سارے افسانوں کے باوجود سنی علماء نے ان سے ہم مسلک ہونے کے ناطے سے بڑا ساتھ دیا۔ پھر انہی کیلئے جلوس نکالے، ان کیلئے مشائخ کانفرنسیں کیں، ان کیلئے تحریکیں چلائیں، نعرے لگائے، ریزولیشن پاس کیے، حتیٰ کہ اپنی مساجد کے محراب ومنبر اور اپنی روحانی خانقاہوں کے حجروں میں ان کے لیے دعائیں کی گئیں۔ سیالوی خانقاہیں

گولڑوی حلقے ،علی پور بارگاہیں ،غرضیکہ مشائخ کی بڑی بڑی درگاہیں مشائخ کانفرنسیں منعقد کرتی رہیں اور ان کے لیے دعائیں کرتی رہیں ۔سنی مدارس ، سنی ادارے ، جماعت اہل سنت (غیر سیاسی ہونے کے باوجود) جمعیت علمائے پاکستان اور دوسرے جلیل القدر سنی علمائے دین نے بلاخوف وخطران ''مظلوموں'' کی حمایت کی اور ظالم حکومت کے خلاف آواز بلند کی ۔

مسلم لیگ کا دوبارہ اقتدار صدر پاکستان کی عنایت ہے یا کارخانہ داروں کی حمایت ۔دکانداروں کے ووٹ کا نتیجہ ہے یا امیرزادوں کی حمایت کا صلہ ہے ، جو کچھ بھی ہے اپنی اپنی جگہ درست ہے اور انکار کی گنجائش نہیں ۔مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ علمائے اہل سنت ، مشائخ کرام اور عوام اہل سنت نے مسلم لیگ کے اقتدار کے لیے بھر پور اور موثر کردار ادا کیا ۔اگر ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ موجودہ حکومت کو اقتدار میں لانے میں علماء اہل سنت کا حصہ ہے تو یہ بے جا بات نہیں ہوگی ۔

اقتدار آیا ،حکومت آئی ، سلطنت ملی ، وزارتیں ملیں ، ایوان اقتدار ملے اور ساری محرومیاں ختم ہوگئیں ۔وزیر اعظم نے روایت کے مطابق اپنے تمام احباب کا شکریہ ادا کیا ۔اپنے تمام حمائتیوں کو ایوان اقتدار میں بلایا ۔انہیں سرفراز کیا ،کسانوں کو بلا کر گندم مہنگی کر کے زمینداروں کو مالا مال کر دیا ۔کارخانہ داروں کو بلا کر ان کے لیے رعایتوں کا اعلان کیا ۔دکانداروں کو بلا کر ان کے سامنے انکم ٹیکس کے انسپکٹروں کو جکڑ دیا ۔پھر احتساب بل منظور کر کے دولت لوٹنے والوں کو بہت ڈرایا ، دھمکایا ، ٹی وی پر خطاب کر کے لٹی ہوئی قوم اور تباہ حال لوگوں کی داستانِ ظلم سنا کر خود بھی روئے اور لوگوں کو بھی رلایا ۔ان تمام ''نوازشوں'' اور ''شرافتوں'' کے باوجود وزیر اعظم نے جس طبقے کو یکسر بھلا دیا ہے اور نظر انداز کر دیا ہے وہ علماء و مشائخ کا ایسا طبقہ ہے جو ان کے دور ابتلا میں ان کے ہمنوا تھے ، معاون تھے ۔دعا گو تھے ، جان نثار تھے ، دل فگار تھے مگر

جب اقتدار کی کرسی ملی تو ہمارے وزیر اعظم:

ع۔ زاہد خدا کو بھول گیا اقتدار میں

کی تصویر بن گئے۔ آج علماء و مشائخ ایک دوسرے کو پوچھتے ہیں کہ سابقہ مظلوم اور موجودہ بھرپور مینڈیٹ لینے والا وزیر اعظم ہمیں جان بوجھ کر بھول گیا ہے یا اگلے جہان جا کر ہماری خدمات کا صلہ دینے کا اعلان کرنے والا ہے۔ ایک دل جلے سنی عالم دین جو دورِ محرومی میں وزیر اعظم کی کوٹھی کا ''قبلہ مظلوماں'' اور ''کعبہ محرومیاں'' جان کر ہر روز چکر لگایا کرتے تھے، مایوسی کے عالم میں بولے ''چلو ہمیں نہیں بلایا تو نہ سہی مگر ہمارے رقیبوں کے'' پراسرار'' گھر میں جا کر اسلام کا سبق لینا اور ''تبلیغی جماعت'' والوں کے ڈیرے پر جا کر نمازیں پڑھنا کتنی زیادتی ہے۔ ہم نے انہیں سہارا دیا اور سمجھایا اور کہا یہ معشوقانہ ادائیں ہزاروں سال سے اپنے چاہنے والوں پر وار کرتی آئی ہیں۔ تندیِ بادِ مخالف سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

؎ معشوق ما بہ بیں کہ چہا حقہ باز کرد
با ما شراب خورد و با زاہد نماز کرد

ہمارے ساتھ اور ڈاکٹر اسرار کے ساتھ پیار کی پینگیں!

ایک اور دل جلے سنی عالم دین نے ہماری لائبریری میں لیٹے ہوئے ایک بہت بڑی اردو لغات سامنے رکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے ''طوطا چشمی'' کے تیس معنی نکالنے کے بعد ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگے۔ ''طوطا چشمی کے ہر معنے پر غور کرتا ہوں تو مجھے وزیر اعظم پاکستان دکھائی دیتے ہیں'' میں نے انہیں کہا کہ یہ ''تصویر یار'' ہے اسے طوطے کی طرح گردن جھکا کر دیکھا کیجیے۔ بلکہ سارے علماء اہل سنت کو دکھاتے رہیے تا کہ ان کے دل کے آئینے بھی روشن ہو جائیں۔

ہم لوگ تو بھرپور مینڈیٹ لے کر بھول جانے والے وزیر اعظم کی دور

مظلومیت میں کوئی خدمت نہیں کر سکے تھے پر ہمیں اپنے علمائے کرام پر ترس کھانے کا تو حق ہے۔ ہم ان علماء کے ساتھ ہمدردی تو کر سکتے ہیں جنہیں موجودہ قیادت نے اقتدار میں آ کر ایشیائی معشوق کی طرح بھلا دیا ہے۔ اور ایرے غیرے نتھو خیروں کو ایوان اقتدار میں بلا کر انعام واکرام سے نوازا گیا۔ جن سادہ لوح علماء کرام نے صبح و شام جلسوں، جلوسوں، تحریکوں اور دعاؤں میں رات دن ایک کر دیا تھا، انہیں ایک بار بھی بلا کر نہ پوچھا گیا کہ

ع۔ مجھے بتا تو سہی تیری آرزو کیا ہے !

کیا یہ ''طوطا چشموں کا مینڈیٹ ہے'' اور اقتدار علماء اہل سنت اور مشائخ عظام کو اسی طرح نظر انداز کرتا رہے گا۔

ع۔ آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے

اے کہ پنجاہ رفت و در خوابی

جلد۶..........ستمبر اکتوبر ۱۹۹۷..........شمارہ نمبر ۶۶

ہمیں آزاد ہوئے پچاس سال ہو گئے، پاکستان بنے پچاس سال ہو گئے۔ پاکستان کی دو نسلیں پچاس سالہ زندگی گزار چکی ہیں، اب حکومت پاکستان گولڈن جوبلی منانے میں مصروف ہے۔ آئے دن شادمانیوں اور کامرانیوں کے پروگرام بنتے ہیں نشر ہوتے ہیں اور عوام کو خوش کرنے کے لیے میڈیا پر دکھائے جاتے ہیں۔ آزاد قوموں کو یہ فطری حق حاصل ہے کہ وہ آزادی پر خوشیاں منائیں اظہارِ مسرت کریں۔ اور جھوم جھوم کر آزادی کے ترانے گائیں۔

عرشیاں را صبح عیداں ساعتے
چوں شود بیدار چشم ملتے

آزادی ایک بے بہا نعمت خداوندی ہے۔ وہ اپنی مخلوق کو خصوصاً اشرف المخلوقات حضرت انسان کو تمام کائنات ارضی پر آزادی عطا فرماتا ہے۔ وہ انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کرتا ہے۔ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔ قوموں کو قوموں کی غلامی سے نجات دیتا ہے اس نے اپنے انبیاء کرام کو غیر اللہ کی غلامی سے اپنے بندوں کو آزاد کرانے کے لیے بھیجا۔ خصوصاً اپنے محبوب مکرم حضرت محمد ﷺ کو انسان تو انسان بلکہ انسان کو پتھروں کی غلامی سے آزادی دلانے کے لیے

مبعوث فرمایا۔ اور حضور ﷺ نے ہر انسان کو آزادی کا وہ پروانہ عطا فرمایا جیسے وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوتا ہے۔

آج ہم تیرہ کروڑ انسان پاکستان کی سرزمین کے آزاد شہری ہیں۔ ہمارا جینا، مرنا، آزاد قوموں جیسا ہے۔ مگر انسان بدنما روحوں نے اللہ کی دی ہوئی اس نعمت اور حضور نبی کریم ﷺ کے عطا کردہ پروانۂ آزادی کو ہم سے چھین لیا ہے وہ آزادی کے نام سے انسان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رہے ہیں، وہ جمہوریت کے نام سے آزاد انسانوں کے حقوق سلب کر رہے ہیں۔ وہ اقتصادی ترقی کے نام سے انسان کو بھوک اور غربت کی زنجیریں پہنا رہے ہیں۔ وہ اللہ کی حاکمیت کی جگہ اپنی حاکمیت، اپنے اقتدار اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر رہے ہیں۔ وہ اللہ کی نعمتوں کے تقسیم کار بن کر انسانوں کے ''رازق'' بن بیٹھے ہیں۔

آج تیرہ کروڑ پاکستانیوں کو حق پہنچتا ہے کہ آزادی کا پچاس سالہ جشن منائیں اللہ کا شکر ادا کریں اس کی نعمت پر سربسجود ہو کر اس کے احسان کا اعتراف کریں مگر اندھیروں میں پرورش پانے والی چند بدروحیں گولڈن جوبلی کے جھنڈے اٹھائے سڑکوں، شاہراہوں، ایوانوں، ہوٹلوں، کلبوں، فلمی سٹوڈیو اور سینماؤں میں گولڈن جوبلی کا ناچ ناچ رہی ہیں۔ کچھ اور آگے بڑھ کر فلمی شرپارے اور حیا باختہ رقاصاؤں کو پی ٹی وی پر لا کر ''رقص آزادی'' دکھاتے پھرتے ہیں۔

؎ دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری

''آزادی کی نیلم پری'' کوچہ و بازار میں ناچ رہی ہے۔ آزادی کی نیلم پری قانون ساز اداروں میں ناچ رہی ہے۔ آزادی کی نیلم پری سیاست کے ایوانوں میں ناچ رہی ہے۔ آزادی کی نیلم پری لٹیروں اور چوروں کے محلات میں ناچ رہی ہے۔

دوسری طرف تیرہ کروڑ آزاد پاکستانی انہیں دیکھ کر حیران ہیں اور وہ بھوک اور پیاس میں جکڑے ہوئے انہیں ناچتا دیکھ رہے ہیں۔ وہ غربت کے مارے ہوئے ان کی گولڈن جوبلیوں کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ تیرہ کروڑ انسان خاک میں ''لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے'' انہیں گولڈن جوبلی مناتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

آزادی کو پچاس سال گزر گئے اتنا طویل سفر قوموں کی تاریخ میں نصف صدی کا سفر ہوتا ہے۔ اور بڑا لمبا ہوتا ہے۔ مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ آزادی کا یہ سفر چند زر پرستوں اور لٹیروں کی نذر ہو گیا ہے۔ ملک اور قوم کی ترقی و خوشحالی سے گریزاں سیاست داں ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے (اور اب بھی کہتے نہیں شرماتے) کہ ہمارے پاس ''الہ کا دین کا چراغ تو نہیں'' پاکستان اور پاکستان کے عوام کو تو ''الہ کا دین کا چراغ'' نہ مل سکا مگر ان کی عیش گاہوں اور محلات میں ہر روز ''الہ کے دین کے چراغ'' جلتے نظر آتے ہیں۔ یہ بھیس بدل بدل آتے ہیں اور ''الہ دین کا چراغ'' روشن کر کے پھر اندھیروں میں گم ہو جاتے ہیں۔

پاکستان کے بعد آزاد ہونے والی دنیا کی غریب قومیں آج شاہراہ ترقی پر گامزن ہیں، دنیا کے ویران خطے آزادی کے بعد امن و خوشحالی کے گہوارے بن گئے ہیں۔ آج وہ قومیں دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کے ساتھ کھڑی نظر آتی ہیں۔ غلامی کی زنجیریں توڑنے والے وہ عوام آج سر اٹھا کر کھڑے ہیں۔ ہمارا پاکستان تو ایک شاندار سرزمین پر پھیلا ہوا تھا۔ یہ ''سونے کی چڑیا'' کا ایک حصہ تھا۔ یہ جفاکش انسانوں کا خطہ تھا۔ یہ اہل ایمان کی سجدہ گاہ تھا۔ یہ اہل یقین کا گہوارہ تھا۔ مگر آج ان بدروحوں کے ہاتھوں اس ملک اور قوم کا جو حشر ہوا ہے وہ ساری دنیا کے سامنے ہے۔ دنیا کے کئی حصوں میں اسے احترام کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا اسے سمگلروں، چوروں، لٹیروں (اب ماشاءاللہ زانیوں کا) کا ملک سمجھا جا رہا ہے جہاں نہ کسی کی عزت محفوظ ہے نہ یہ

خودعزت واحترام کی راہوں پر چلنے کے لیے تیار ہے۔

آج نصف صدی گزر گئی ہے۔ مگر ابھی تک لوگوں نے آزادی کی روشن کرنوں سے اپنے چہروں کو روشن ہوتے نہیں دیکھا۔ یہ سلسلہ کب تک چلے گا اور یہاں کے تیرہ کروڑ انسانوں کی قسمت کب بدلے گی۔ ترقی یافتہ ممالک کے تجارتی وفد آتے ہیں تو یہاں کے وزیروں اور تاجروں سے ''تجارتی سودے'' کر کے چلے جاتے ہیں، ترقی یافتہ ممالک کے اسلحہ ساز آتے ہیں تو ہماری عسکری قوتوں کو از کار رفتہ اسلحہ بیچ کر چلے جاتے ہیں، ترقی یافتہ ملکوں کے سیاست دان آتے ہیں تو انہیں ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا پابند بنا کر لوٹ جاتے ہیں، ہمارے سیاست دان ''کشکول گدائی'' توڑ کر ''ساغر رندی اور بادہ ہوسنا کی'' ہونٹوں سے لگائے پھرتے ہیں۔

''گولڈن جوبلی'' منانے والوں کو اب ہوش کے ناخن لینے چاہئیں پچاس سال کی عمر کو پہنچنے والا انسان اگر اپنے گھر کا انتظام نہیں سنبھال سکتا تو اسے گھر کا مالک اور ملک کا حکمران کہلانے کا حق نہیں پہنچتا۔ خواہ اس کی جڑیں جیالوں کے دلوں تک ہوں یا بھاری مینڈیٹ کی گہرائیوں میں ہوں۔ آج کے حکمرانوں کو سابقہ پچاس سالہ ناکامیوں کو سامنے رکھنا چاہیے اور مستقبل کی منصوبہ بندی کرنی چاہیے لائق بیٹوں کو لٹا ہوا گھر ملے تو وہ اسے سنبھالا دیتے ہیں کوٹھے کی منڈیر پر بیٹھ کر رونا نہیں شروع کرنا چاہیے ملک وملت کو مشکلات سے نکالنے کے لیے بڑی ریاضت اور قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ریاضت نہ تو گائیکہ کا ریاض ہو' نہ قربانی اخباری کالموں والی ہو' بلکہ اس ریاضت اور قربانی سے سیدنا صدیق اکبر کی سیرت اور محمد بن قاسم کی قربانی کی جھلک دکھائی دے۔ ان بزرگوں نے تباہ حال معیشت اور غربت زدہ عوام کے مسائل حل کرنے کے لیے صبح وشام ریاضت کی۔ اپنا مال دولت قربان کر دیا۔ اموی نعمتوں میں ابھرنے والا شہزادہ فقیر بن کر عوام کے دکھ درد کو دور کرتا گیا

ے آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

آج ہم کسے کہیں کہ تم سیدنا صدیق اکبر کے راستے پر چلو آج ہم کس کو کہیں کہ تم عمر بن العزیز کا شاہی لباس اتار کر فقیر بن جاؤ اور مسلمانوں کی تباہ حال معیشت کا مداوا کرو، آج ہم کس سے فریاد کریں کہ بات بات پر خصوصی جہازوں کی پرواز چھوڑ کر قوم کی بدحالی کا علاج کرو، آج ہم کس کو کہیں کہ ''کچہریاں'' لگانے کے بجائے عدالتیں لگاؤ، آج ہم کس سے کہیں کہ چند گنجے لولے ممبران کیبنٹ کو رات پی ٹی وی پر دکھانے کے بجائے ان فقیروں اور مجاہدوں کو لاؤ جو قوم کے درکھ درد کا مداوا بن کر کام کریں۔ پی ٹی وی پر آنے والے منصوبے ساز ذہنی طور پر مفلوج ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ عملی طور پر بیکار ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ قوم کے سامنے اتنے جھوٹ بول چکے ہیں کہ انہیں ہر شخص پی ٹی وی پر دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی جھوٹا ہے جو پچھلے ماہ لافیں مار گیا تھا۔ یہ لوگ بن ٹھن کر پی ٹی وی پر آتے ہیں وعدے کرتے ہیں، پیکجز کا اعلان کرتے ہیں ترقی کی خوشخبریاں سناتے ہیں۔ مگر جب پی ٹی وی بند ہوتا ہے تو یہ سارے فن کار اندھیروں میں گم ہو جاتے ہیں

ع۔ پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

پچاس سال کا عرصہ ایک بڑا عرصہ ہوتا ہے قوموں کی زندگی میں ایک طویل عمل ہے اب تو اپنے چال بدلنے چاہییں۔ یہ زر پرستی کی بیماری میں مبتلا طبقہ پچاس سالہ جوان ہو گیا ہے۔ اب تو اسے طور اور طریقے بدلنے چاہئیں یہ لوٹ کھسوٹ کا خوگر طبقہ پچاس سال کا جوان ہو گیا ہے۔ اب تو اسے اللہ کا نام لینا چاہیے۔ یہ مار دھاڑ کرنے والا طبقہ پچاس سال کا جوان ہو گیا ہے۔ اب تو اسے شرم وندامت آنی چاہیے اور اللہ کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔

اے کہ پنجاہ رفت و در خوابی
مگر ایں پنج روز دریابی

ملکوں کی تاریخ میں ایسے لوگوں کا جو حشر ہوتا ہے اس کی ہزار ہا مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ سابقہ دس بیس سالوں میں عالمی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو کتنی عبرت ناک تصویریں سامنے آتی ہیں۔ ایران کے شہنشاہ اور اس کے ساتھی کس انداز میں مرے افغانستان کا صدر نجیب اللہ جب تختہ دار پر لٹکایا گیا تو اس کی جیب میں ڈالرز تھے ہاتھ میں شراب کی بوتل تھی اور گردن میں پھانسی کا رسہ۔ مارکوس کتنی دولت لے کر گیا۔ روس کا سورج غروب ہوتے کس نے دیکھا ہمارے اپنے ملک میں اردگرد پھیلی ہوئی عبرت کی تصویریں آج کے حکمرانوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں کل کے ”زرداریوں اور بےنظیریوں“ کی تصویریں سبق عبرت ہیں۔ گولڈن جوبلی منانے والو! پچاس سال کھانے والو! عبرت حاصل کرو، کہیں تم بھی عبرت کی تصویریں نہ بن جاؤ۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

جلد نمبر ٦ ....نومبر و دسمبر ١٩٩٧ء..........شمارہ نمبر ٦٧

سابقہ دو ماہ میں حکومت پاکستان کے با اختیار اراکین بڑے مصائب سے گزرے ہیں۔ دن رات بے چین، صبح و شام پریشان، ہر آن ایک نئی مصیبت اور ہر لمحہ ایک نیا رنج، نیند حرام اور سکھ غائب ان کے مصائب و آلام میں پاکستان کے عوام بھی شریک غم رہے۔ ملک کے شب و روز بری طرح متاثر ہوئے، تجارتی اور کاروباری حلقے بھی پریشان رہے۔ پھر اخبارات (جنہیں آج کل میڈیا کا خطاب دیا گیا ہے) ڈھول ڈھمکے کے ساتھ ان معرکوں کا ذکر کرتے رہے جو ملک کی عدالتوں، پارلیمنٹ اور ایوان صدر میں ہر روز نئے انداز سے برپا ہوتے تھے۔ پھر ان معرکوں پر کوچہ و بازار میں جو سیاسی بحثیں ہوتی رہیں ان سے "دبستان سیاست" ویران ہو گیا، عدالتوں کے جج پوری توانائیاں لے کر "میدان جنگ" میں نکلے، پارلیمنٹ کے شہ زور اپنی انتخابی قوتوں سے "بھاری مینڈیٹ" کے جوہر دکھاتے رہے۔ ادھر ایوان صدارت بھی ان معرکوں کی سرپرستی کا حق ادا کرتا رہا۔ اخبارات والے کہتے ہیں کہ پاکستان کی تاریخ میں ایسی جنگ پہلی بار لڑی گئی، جس نے عوام کی فکر و بصیرت کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں ان معرکوں نے اعصابی تناؤ اتنا بڑھایا کہ دل و دماغ ہل گئے۔ بیرونی دنیا کے میڈیا نے بھی اپنے طعنوں سے بھرے ہوئے تیر د

نشتر پھینکنے میں بھرپور حصہ لیا۔ اگرچہ ہماری فوجی قوت نے تردید کردی ہے مگر ''دانایان راز اندرون خانہ'' کہتے ہیں کہ ہماری فوج کے سربراہ کی ایک نگاہ نے اس بحران کا فیصلہ کر دیا۔ صدر عالی مقام ایوان صدارت سے محروم ہو گئے اور چیف جسٹس سپریم کورٹ اپنی بلندیوں سے نیچے آ گرے۔

برائے یکے ''بیژن شور بخت''
فتادم ز تاج و فتادم زتخت

جب یہ معرکہ ختم ہوا تو میاں نواز شریف وزیراعظم تھے۔ وسیم سجاد قائم مقام صدر نظر آئے اور ججوں کے موقر افراد ''فل بینچ'' کی شکل میں جلوہ فرما تھے۔ ان معرکوں میں کتنے شہید ہوئے، کتنے مارے گئے، کتنے زخمی ہوئے اور کتنے نڈھال ہوئے اس پر رپورٹیں تیار ہو رہی ہیں مگر ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ بچ جانے والوں میں بھی اکثر زخمی ہیں اور اقتداری کرسیوں پر بیٹھے نظر آنے والے بھی نڈھال ہیں۔

ع۔ ''تن ہمہ داغ داغ شد'' پنبہ کجا کجا نہم!

جو لوگ آج ایوان اقتدار میں نظر آ رہے ہیں۔ اور پارلیمنٹ ہاؤس میں مبارک بادیاں دے رہے ہیں وہ بھی ''آہوے صیاد دیدہ'' کی طرح کانپ رہے ہیں۔

ہم لوگ مذہبی سوچ رکھتے ہیں۔ مذہبی لوگوں کی صفوں میں بیٹھتے ہیں۔ مذہبی تحریکوں کے ساتھ دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور پاکستان میں مذہب اسلام کی برتری دیکھنا چاہتے ہیں اور اس سرزمین میں ''نظام مصطفیٰ'' کا سبز جھنڈا لہراتا دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ ہمارے لیے یہ ساری چیزیں ابھی ایک خواب سہی مگر ہم نے سابقہ دنوں میں جو کچھ دیکھا ہے اس سے نظر آتا ہے کہ ایک بار پھر یہ لوگ اقتداری کرسی کے لیے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اللہ و رسول کے قوانین سے پہلو تہی کرنے والے اپنے ہی بنائے ہوئے قانونوں کی تلواروں سے کٹ جائیں گے۔ اللہ و رسول سے دور رہ کر

خوش حال زندگی کی خواب دیکھنے والے اپنی ہی معیشت کے خنجر سے ہلکان ہوں گے۔ اپنی بنائی ہوئی پارلیمنٹ کے ہاتھوں رسوا ہونگے۔ اپنے ہی مقرر کردہ صدر کے ہاتھوں موت کی وادی میں چلے جائیں گے۔ اپنی ہی مرضی کے ججوں کے ہاتھوں جکڑے جائیں گے اور اپنے ہی مقرر کردہ جرنیلوں کے پاؤں تلے روندے جائیں گے۔

بما کسبت ایدی الناس

یہ ''نظام مصطفیٰ'' سے دور رہیں یہ ''نظام شریعت'' سے بھاگتے رہیں یہ ''دین مصطفیٰ'' سے پہلوتہی کرتے رہیں۔ اسلام اور اسلامی زندگی سے چھپتے رہیں، ان کے نصیبوں میں یہ سعادت نہیں کہ اللہ اور رسول ﷺ کے قوانین کو پاکستان میں نافذ کریں۔ مگر ایک دن آئے گا کہ پاکستان کی سرزمین اللہ اور رسول کے فرمان سے گونج اٹھے گی۔ ''لیظھرہ علی الدین کلہ'' کا نقشہ ابھرے گا۔

چند دنوں بعد پاکستان کے ارباب اختیار کا ''سربراہ'' کلنٹن پاکستان آرہا ہے۔ وہ ''نیو ورلڈ آرڈر'' کی شمع سے اس ملک کو روشن کرنا چاہتا ہے۔ وہ اللہ اور رسول کے نام لیواؤں پر مزید سختیاں کرنے کے ہتھیار تقسیم کرنے آرہا ہے۔ وہ اہل ایمان کو ''دہشت گرد'' قرار دینے آرہا ہے۔ وہ ''اپنے پیادوں'' کو مزید قرضے دے کر فرزندان پاکستان پر سود کے قبالے بانٹنے آرہا ہے اور یہ بیچارے اس کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اس زخمی اور نڈھال ٹولے کا جوش وخروش دیدنی ہوگا۔ ان کے استقبالی جلسے شنیدنی ہونگے، ان کے وعدہ وعید خواندگی ہوں گے۔ ان کی غلامانہ ادائیں ٹی وی اور ریڈیو کی زینت بنیں گی۔

آج پاکستان کی سرزمین بحرانوں کی زد میں ہے۔ آج پاکستان کی سرزمین لٹیروں کی یلغار میں ہے۔ آج پاکستان کی سرزمین بے دینوں کی جنت بن چکی ہے۔

آج پاکستان کی سرزمین چوروں، ڈاکوؤں، قاتلوں اور دہشت گردوں کا گہوارہ بن چکی ہے۔ان بحران زدہ راہنماؤں کے پاس اس کا کوئی حل نہیں ہے۔ان بھاری مینڈیٹ والوں کے پاس اس کا کوئی مداوا نہیں ۔ ان نڈھال راہنماؤں کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ۔ یہ سب بجھے ہوئے چراغ ہیں، یہ سب چلے ہوئے کارتوس ہیں، یہ سب جنگ اقتدار کے زخمی ہیں، یہ سارے زر پرستی کے مزاروں کے ''مجاور'' ہیں یہ صدر امریکہ کی آمد پر آنکھیں بچھانے والے ''راہنما'' ہیں۔

ہم جس بحران کا ذکر کر رہے ہیں ان سے بچ جانے والوں کو سنبھلنے کا ایک مختصر سا وقت ملا ہے تاکہ یہ اللہ کے سامنے سربسجود ہو سکیں ۔ یہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کر سکیں۔یہ اپنی سابقہ غلطیوں سے بچنے کا عزم کریں۔یہ عوام کی خدمت کے لیے اپنے'' خواص'' کی پروا نہ کریں ۔ یہ ملک وقوم کی خدمت کے لیے فقیر اور درویش بن جائیں۔ یہ اللہ سے جنگ کرنے والے سودی کاروبار سے نجات حاصل کریں۔یہ قوم کے عیاش اور بدکردار طبقوں پر ایسی ہی نگاہ رکھیں جس طرح یہ امریکہ کے کہنے پر دینی مدارس اور دینی علماء پر نظر رکھتے ہیں۔یہ شرابیوں، زانیوں سے ڈرنے کے بجائے ان کو جکڑ دیں۔یہ موٹروے پر قوم کے نوجوانوں اور اہل ایمان لوگوں کی قیادت کریں۔یہ اس شاہراہ کو امن وتجارت کا گہوارہ بنا دیں اور اب یہ شاہراہ صرف سرمایہ داروں کی ترقی کا ذریعہ نہ بنے بلکہ پاکستان کے عوام کی خوشحالی کا پیغام لائے۔اس پر صرف مالداروں کی کاریں اور ٹرالے نہ دوڑیں بلکہ اس پر ملک وملت کی راہنمائی کے قافلے چلیں۔

اگر یہ لوگ اپنی سوچ نہ بدلیں گے اور اپنا قبلہ درست نہ کریں گے تو انہیں چند ماہ بعد کسی اور بحران کا سامنا کرنا ہوگا۔اگر یہ لوگ اپنے اعمال کو اسلام کے تابع نہ کریں گے تو ان کے اپنے ہی مقرر کردہ افسر، جج، سپہ سالار بلکہ خانہ زاد غلام ہی ان کی جان کے دشمن بن جائیں گے اور انہیں اس عبرت ناک مقام پر لا کھڑا کریں گے جو

ساری دنیا کے لیے دیدنی ہوگا۔

اس سرزمین کی تشکیل اور آبیاری میں ہمارے علماء کرام اور مشائخ عظام کا بڑا کردار ہے۔ انہوں نے پاکستان کے لیے بڑی قربانیاں بھی دیں اور اس میں ''نظام مصطفیٰ'' کے قیام کے لیے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں مگر آج ہمیں دیکھ کر رونا آتا ہے۔ کہ جنہیں لوگ دہشت گرد قرار دیتے ہیں وہ یا تو خاموش تماشائی بنا ہوا ہے یا زر پرستوں کا حاشیہ نشین بن گیا ہے۔ بعض علماء کرام تو دیدہ دانستہ اقتدار کے کرسی نشینوں کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ بعض ان کی کوٹھیوں پر بذاتِ خود جا کر خوشامدانہ قصیدے پڑھتے ہیں۔ بعض علماء کرام اپنی مساجد کے محراب و منبر پر ان کے ''کارناموں'' کے گن گاتے ہیں۔ بعض علماء کرام ان بدکرداروں کے خلاف بات تک سننا گوارا نہیں کرتے ''ھذا اضعف الایمان'' اب ایسے حضرات علماء و مشائخ کو بھی اپنا اصل مقام پہچاننا چاہیے۔ اب انہیں خواب گراں سے بیدار ہونا چاہیے۔ انہیں غفلت کے پردوں سے باہر نکلنا چاہیے۔

انہیں محسوس کرنا چاہیے کہ ان پر بڑی ذمہ داریاں آن پڑی ہیں۔ خدا اور رسول سے بیگانہ حکمرانوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ملک بحرانوں اور مصائب کی زد میں رہے گا۔ اس لئے پاکستان کے علماء کرام اور مشائخ کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ انہیں اس مظلوم قوم کی راہنمائی کرنی چاہیے۔ امت مسلمہ کو دینی اور روحانی تربیت دینی چاہیے۔ اپنے افتراق و انتشار کو چھوڑ کر ان قافلوں کی صفیں درست کرنی چاہئیں جو ''نظام مصطفیٰ'' کی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ چند علماء و مشائخ کو چھوڑ کر ہمارے علماء و مشائخ کی ایک بڑی تعداد دین کے لیے جان دینے کے لیے تیار ہے۔ خصوصاً علماء اہل سنت اور صوفیائے کرام تو اس صبح کے لیے آنکھیں کھولے کھڑے ہیں جس سے سرزمین پاکستان اسلام کے انوار سے روشن ہوگی۔ آج علماء اہل سنت کسی عسکری''

دہشت گردی'' اورفسادی تحریکوں کے بجائے رات کے اندھیروں میں اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہوکر''نظام مصطفیٰ'' کی صبح کا انتظار کررہے ہیں۔آج علماء اہل سنت فرقہ وارانہ قتل وغارت سے دور رہ کر''نظام مصطفیٰ'' کے لیے دعائیں مانگ رہے ہیں اور اپنی اجتماعی قوت کو یکساں اور یکجا کرنے کی ضرورت کو محسوس کررہے ہیں تاکہ یہ چراغ اپنی روشنیوں سے وطن عزیز کو تابناک کردیں۔

امریکہ کے ایک معروف میگزین میں پچھلے دنوں پاکستان کی مذہبی جماعتوں اور دینی راہنماؤں کے متعلق ایک تجزیہ پڑھنے کا موقع ملا جس میں ان تجزیہ نگاروں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ پاکستان کے موجودہ علماء حکمرانوں کے حاشیہ نشین بن کر سست رفتار ہو چکے ہیں۔بعض مدارس کے سربراہ بیرونی امداد کے سہارے پجارو کلاشنکوف اور کوٹھیوں کے خریدنے کے چکر میں ہیں۔بعض مغربی ممالک میں جاکر چندہ جمع کرنے میں مصروف ہیں۔مگر ان کے پیچھے مدارس کے طلباء اور عقیدت مند نوجوان ایک خاص اندازفکر کو اپنا رہے ہیں۔وہ اپنے استادوں اور پیروں کی روش کے برعکس پاکستان کو اسلامی بنیادوں پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔وہ اس سلسلے میں شب وروز جہادی طرزعمل پر غور کرتے رہتے ہیں اور انہیں جہاں بھی موقع ملتا ہے اپنے راہنماؤں سے مشورہ کیے بغیر اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور اگر انہیں جان کی قربانی بھی دینی پڑے تو دریغ نہیں کرتے۔ یہ نوجوان مذہبی طبقہ دہشت گردی اور Fundamentalism کو جہاد کا نام دے کر مستقبل کے لیے ایک مربوط لائحہ عمل تیار کرنے میں مصروف ہے۔یہ نوجوان دینی مدارس کے سربراہوں اور تنخواہ دار علماء وخطباء کے برعکس ایک علیحدہ مگر تابناک فکر کو اپنانے کے لیے جدوجہد کررہے ہیں۔اس تجزیہ نگار نے بعض''امن پسند ایجنسیوں'' کو مشورہ دیا ہے کہ وہ پاکستان میں ابھرنے والی دینی قوتوں پر نگاہ رکھیں اور انہیں اس''جنون'' سے دور رکھنے کے لیے

اپنے تمام ذرائع استعمال کریں ورنہ یہ لوگ مستقبل میں اقوام مغرب کے لیے بھی خطرہ بن جائیں گے۔

مغربی قوتیں اپنی دولت اور سیاسی بصیرت کے اعتبار سے کتنی ہی خوشگوار سوچ رکھتی ہوں ان کے تجزیہ نگار اپنی ایجنسیوں کو ایسی تدابیر اپنانے پر آمادہ کرتی رہیں مگر آج کی امت مسلمہ خصوصاً نوجوان طبقہ کے جذبات اور احساسات کے پیش نظر یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ عنقریب وہ وقت آئے گا جب اسلامی ممالک کے حکمران اپنا مغرب نواز رویہ بدلنے پر مجبور ہو جائیں گے پاکستان میں دینی مزاج رکھنے والے لوگوں کے جذبات جس طرح پرورش پا رہے ہیں وہ نہ صرف مقامی حکمرانوں کے اقتدار کے لیے خطرہ ہیں بلکہ استعماری قوتوں کے قلعوں پر بھی کمندیں ڈالنے کی صلاحیت پیدا کر رہے ہیں۔ مراعات یافتہ اور خوشامد پیشہ علماء اور مشائخ سے ہٹ کر ہم جہاں جہاں دینی مدارس، دینی مجالس اور دینی تقاریب میں نوجوانوں کو ملے ہیں۔ وہاں انہیں اپنے ''زخم خوردہ'' حکمرانوں ''مراعات یافتہ استادوں'' اور خود فراموش حکمرانوں سے نالاں پایا ہے بایں ہمہ ان کے دل و دماغ پاکستان کے مستقبل کے لیے پر جوش نظر آتے ہیں۔ ہمیں سرکاری تعلیمی اداروں کے نوجوانوں کے رخ افکار کا تو پورا پورا علم نہیں مگر ہم دینی اداروں میں زیر تربیت لاکھوں طلباء کے سینوں کی آگ کی تپش کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اگر چہ ان کی انگلیاں کمپیوٹرز کی رگوں پر نہیں ہیں۔ ان کے ہاتھ کلاشنکوفوں پر نہیں ہیں وہ جدید ٹیکنالوجی کے آلات سے بے خبر ہیں اور ان کی نگاہیں انعام و اکرام پر نہیں ہیں۔ مگر ان کے دل ''عشق مصطفیٰ'' میں دھڑکتے ہیں اور ''نظامِ مصطفیٰ'' کے نفاذ کے لیے اپنے آپ کو ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار کر رہے ہیں۔

ان حالات میں ہم اپنے ملک کے مسلمان حکمرانوں، دینی راہنماؤں اور مدارس کے ناظموں، خانقاہوں کے مجاوروں کو قبل از وقت ہی نہیں بلکہ ''بر وقت'' متنبہ

کرتے ہیں کہ وہ اپنی سوچ میں تبدیلیاں لائیں اور فطرت کے تقاضوں کو محسوس کریں۔ وہ جن سہاروں پر کھڑے ہیں وہ عنقریب ٹوٹنے والے ہیں۔ وہ جن عافیت کے کناروں پر بیٹھے ہیں وہ عنقریب ڈوبنے والے ہیں۔ وہ جن محلات کی تعمیر میں مصروف ہیں وہ عنقریب زمین بوس ہونے والے ہیں۔ اگر وہ اس تبدیلی کو محسوس نہیں کریں گے تو فطرت خود بخود اپنا راستہ بنائے گی جو قوموں کی بیداری میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ ہم اپنے پاکستانی حکمرانوں کو خاص طور پر متوجہ کرتے ہیں کہ وہ مستقبل قریب میں آنے والے بحرانوں سے بچنے کے لیے اپنی موجودہ روش کو بدلیں۔ انہیں اس حقیقت سے انکار نہیں کرنا چاہیے کہ روز روز نہ جج کام آتے ہیں۔ نہ ملٹری کے سربراہ کام آتے ہیں نہ پارلیمنٹ کے ساتھی ساتھ دیتے ہیں اور نہ ایوان صدر کی کرسی پر بیٹھے ہوئے لوگ وفادار رہتے ہیں۔ یہ حکمران اگر آج بچ گئے ہیں تو یہ ان کی خوش قسمتی ہے مگر مستقبل میں بھی انہیں بچنے کی فکر اور تدبیر کرنی چاہیے۔

ذرائع ابلاغ پر دینی دانشوروں کی بوالعجبیاں

جلد نمبر ۷..........جنوری ۱۹۹۸ء..........شمارہ نمبر ۶۸

اخبارات کی دنیا سے ہٹ کر ان دنوں سب سے بڑھ کر موثر اور وسیع ذرائع ابلاغ ریڈیو اور ٹی وی ہیں۔ ان ذرائع ابلاغ پر سیاسی، معاشی اور سماجی وسائل کو بڑی آب وتاب سے بیان کیا جاتا ہے۔ ان مسائل کے ساتھ ساتھ ہر حکومت ''مسلم امہ'' پر یہ کرم نوازیاں کرتی رہتی ہے۔ کہ وہ عوام کو دینی مسائل سے آگاہ کرتی رہے۔ اگرچہ دین سے تعلق رکھنے والے حلقے ہمیشہ شکوہ بہ لب رہے ہیں کہ دینی موضوعات کے لیے بہت کم وقت دیا جاتا ہے، مگر بایں شکوہ وشکایت حکومت وقت ڈراموں، فلموں، اشتہاروں اور کرکٹ کے میدانوں کے نظاروں سے نظر بچا کر دینی مسائل پر دینی دانشوروں کو بھی بلا لیتی ہے تا کہ وہ بھی ''اپنا فریضہ'' سرانجام دے سکیں اور یہ احسان حکومت کے ان احسانات میں سے ایک ہے۔ جس سے اہلِ علم ودانش کی گردنیں جھکی رہتی ہیں۔

''مسلم امہ'' کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے دینی مسائل پر اظہار خیال کرنے کے لیے ہر حکومت ایسے ''دینی دانشور'' تلاش کرتی ہے جن میں سے اکثر دانشور تو ہوتے ہیں مگر ان کے پاس دین نہیں ہوتا۔ پھر ایسے دینی مبلغ بھی آجاتے ہیں جن کے پاس دانشوری نہیں ہوتی۔ ریڈیو اور ٹی وی کے تجربہ کار اس میدان میں ایسے مشاق ہوتے ہیں کہ وہ کسی جیدّ عالم دین، مستند مفتیِ شریعت، یا بلند پایہ خطیب کو

سامنے نہیں آنے دیتے اور چند برخود غلط علماء کرام، کاسہ لیس مقررین اور خود ساختہ مفکران اسلام ان ذرائع ابلاغ کے سٹیج پر براجمان ہو کر قوم کی ''دینی راہنمائی'' کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ ہم ذاتی طور پر ایسے کئی حضرات کو جانتے ہیں کہ جن میں اکثریت ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹروں، سابقہ ہیڈ کلرکوں، تھرڈ ریڈ پروفیسروں اور بے علم و دانش ''دانشوروں'' کی ہوتی ہے۔ یہ لوگ ان اداروں کے پروگرام مینجروں اور صدر نشینوں کی خوشامد و درآمد کر کے ریڈیو اور ٹی وی پر مسلط رہتے ہیں اور اپنا دانہ دنکا حاصل کرتے رہتے ہیں اور اس طرح دینی تبلیغ کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی تقریریں شنیدنی اور ادائیں دیدنی ہوتی ہیں۔ پھر جب یہ دینی مسائل پر گوہر افشانی کرتے ہیں تو ''بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است'' کا سماں بندھ جاتا ہے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ ان حضرات کے ''کلمات طیبات'' سن کر دل چاہتا ہے کہ ان سے ملاقات کر کے پوچھیں حضرت آپ کس ''طویلے'' سے فارغ ہو کر آئے ہیں اور آپ کا علمی حدود اربعہ کیا ہے؟

چند سال پہلے پاکستان میں نسوانی حکومت تھی۔ ان دنوں ٹی وی پر نسوانی محفلیں جمتیں، خوبصورت چہرے سامنے آتے، رنگ برنگ لباس لہراتے اور حقوق نسواں پر گھنٹوں گفتگو ہوتی۔ اس محفل نسواں میں چند ''مردان زن مرید'' بھی بٹھا لیے جاتے اور وہ ان بی بیوں کو خوش کرنے کے لیے سر ہلاتے رہتے۔ ہم یہ محفل دیکھتے تو یوں محسوس ہوتا کہ پاکستان میں مظلوم ترین طبقہ عورت ہے اور بدترین طبقہ مردوں کا ہے جب یہ ''دانشور مستورات'' دینی مسائل پر گفتگو کرتیں تو خدا یاد آ جاتا۔ پھر لطف کی بات ہے کہ چودہ کروڑ انسانوں پر (جن میں چھ کروڑ مرد ہیں) ایک عورت سواری کرے پھر بھی ''بیچاری مظلوم کی مظلوم'' اس دور میں ہمارے ایک معروف مفکر اسلام کبھی کبھی ٹی وی پر جلوہ گر ہوتے تھے اور دینی مسائل پر گفتگو کرتے مگر ان کے منہ سے

عورت کے کردار پر، اس کی بر سر عام بے راہ روی پر، کوچہ و بازار میں نظر بازی پر، دفاتر اور کاروباری مراکز میں ''خوبصورت حرکات'' پر چند جملے نکل جاتے۔ ایک دعوت میں ہمیں ان سے بات کرنے کا موقع ملا تو ہم نے ان کی اس لغزش پر توجہ دلائی اور نسوانی حکومت کے جلال و جمال سے ڈرایا اور حضرت ناصح بن کر گزارش کی کہ

واعظا! جو کچھ بھی آئے منہ سے کہہ
پر نہ کچھ کہنا بتوں کی شان میں

وہ نہ مانے چند دنوں بعد بے موت مارے گئے اور آج تک انہیں ٹی وی کا راستہ کا پرمٹ نہیں ملا

حالات بدلے، وقت بدلا ٹی وی پر جو خوبصورت محفلیں جما کرتی تھیں، اجڑ گئیں، جو خوش شکل مستورات ''فلسفۂ اسلام'' بیان کیا کرتی تھیں گم ہو گئیں۔ ''ہم سا ہے تو سامنے آئے'' کہنے والیاں رخصت ہو گئیں۔ اب ''دین کی خدمت'' کے لیے ایک نیا طبقہ نظر آنے لگا۔ عجیب عجیب شکلیں، غریب غریب چہرے، بکھرے بکھرے مولوی، الجھے الجھے مقرر، یکے بعد دیگرے ٹی وی پر نظر آنے لگے ہیں۔ یہ مخلوق نہ علم و فضل سے آشنا ہے نہ دین مصطفیٰ ﷺ سے واقف یہ نو واردان کوچہ بیان و کلام جب اسلامی فلسفہ حیات اور دینی مسائل پر گفتگو کرتے ہیں تو سن کر رونے کو جی چاہتا ہے۔ چند روز پہلے ٹی وی پر ایک ''دینی دانشور'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت کو اتنے عامیانہ اور جاہلانہ انداز میں بیان فرما رہے تھے جیسے وہ ابھی ابھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بلیوں کو دودھ پلا کر آئے ہوں۔

انہیں فون کیا کہنے لگے ہم نے اردو بازار کی چھپی ہوئی کتابوں میں ایسے ہی پڑھا ہے۔ ہم سوچنے لگے یا اللہ ''کیسے کیسے لوگ ہمارے دل کو جلانے آجاتے ہیں'' جید علمائے دین قبروں میں چلے گئے یا حجروں میں بیٹھ گئے ہیں۔ کوئی انہیں پوچھتا نہیں

کوئی انہیں بلاتا نہیں، ''عاقل گئے دانا گئے، اب بے شعورے رہ گئے۔ اردو بازار کی کتابوں والے دین پر لیکچر دے رہے ہیں ٹی وی والے چند بے سرے نعت خوانوں اور چند بے دین بیان بازوں کو دانشور اور عالم دین کہہ کر مجالس سجا لیتے ہیں اور فلسفہ دین پر گفتگو کرا لیتے ہیں اللہ اللہ، خیر صلا۔

رمضان المبارک آیا تو اپنی برکتیں اور رحمتیں لے کر آیا۔ ٹی وی اور ریڈیو پر بھی نئی نئی آوازیں اور نئے نئے چہرے نظر آنے لگے۔ ''اسلام کی تبلیغ'' ہونے لگی، دین کے مسائل پر روشنی پڑنے لگی، اللہ اللہ وہ لوگ دین اسلام پر گفتگو کرتے سنائی دے رہے ہیں جو ناظرہ قرآن بھی نہیں پڑھ سکتے۔ وہ دانشور دین کے معاملات پر گفتگو کر رہے ہیں جو دین کے معنی بھی نہیں جانتے، ان دانشوروں، ان ادیبوں، ان علماء دین کی زبانوں پر اصلاح امت کی جب باتیں آتی ہیں تو چاروں طبق روشن ہونے لگتے ہیں۔ آیات غلط، احادیث غلط، تلفظ غلط، بیان غلط، فرمان غلط، پھر مسائل غلط، انا لله وانا الیه راجعون۔ آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ کوئی عالم دین، کوئی مفسر قرآن، کوئی شارح احادیث نبوی، کوئی مستند مفتی آپ کے سامنے آتا ہو۔ یہ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر یہ سابقہ ہیڈ کلرک، یہ تھرڈ ڈویژن دانشور، یہ اردو بازار کے فٹ پاتھ سے اٹھا کر دینی کتابیں پڑھنے والے مقرر، دن رات دین کے تقاضوں کی ...... خالی جگہ پر کرو...... کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ ان حضرات سے ہٹ کر اب بعض پروگراموں میں مستورات کے خوش شکل چہرے بڑے بڑے خوبصورت لباسوں میں سامنے آنے لگے ہیں۔ اور اسلام کی تبلیغ اور دینی مسائل پر گفتگو ہونے لگی ہے۔ مستورات کی مجالس نعت میں ''بلغ العلیٰ بکمالہ'' کی نغمہ ریزی ہوتی ہے۔ لم یات نظیرک فی خلق کی ترنم ریزی ہے اور ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے خوبصورت انداز ہیں۔ اب خوش چہرہ اور خوش لباس مستورات نے قرآن اور حدیث پر سوالیہ مجالس قائم کرنا

شروع کردی ہیں وہ بچیوں کو دین اسلام سکھانے کے لیے بن ٹھن کر زرق برق لباس سے سج کر ٹی وی پر آتی ہیں اور قرآن اور احادیث کے مسائل پر روشنی ڈالتی رہتی ہیں۔ ایک صاحبہ چند روز پیشتر یہ فرما رہی تھیں۔ قرآن میں محکمات اور متشابہات کے الفاظ بہت ہیں اور اس کی مثال ''الم حم یٰسین، المص'' کہہ کر ہماری معلومات میں اضافہ فرما رہی تھیں۔

ایک صاحبہ ویت اور نکاح ثانی کے مسئلہ پر اتنی خوبصورت روشنی ڈال رہی تھیں کہ بس روشنی ہی روشنی تھی۔ احکام شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اب حکومت خوش ہے کہ دین کے مسائل پر ریڈیو، ٹی وی پر زیادہ وقت دیا جا رہا ہے۔ عوام خوش ہیں کہ محفل میلاد صلوٰۃ وسلام قرآن واحادیث، دینی مسائل اور تعمیر امت کے لیے ''یہ چمکتے ہوئے حسین چہرے'' اور یہ ''مہکتی ہوئی سیاہ زلفیں'' بھی تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دینے لگی ہیں۔ اور زندگی کتنی پرسکون ہوتی جا رہی ہے کہ

''خوش رہے شیطان بھی...... راضی رہے رحمان بھی''!

یہ انداز تبلیغ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہے۔ حکومت کے پالیسی میکرز نئی نئی راہیں نکال رہے ہیں، ترقی کی راہیں، آزادی کی راہیں، آسانی کی راہیں، دین کی راہیں، تبلیغ کی راہیں، ''موٹروے'' کی طرح ہموار اور شفاف ہوتی جا رہی ہیں۔ اگر یہ لوگ کچھ عرصہ مزید ''دینی خدمات'' کے منصوبے بناتے رہے تو عنقریب ''ملکہ ترنم نور جہاں'' (اگرچہ بڑھاپے کی وادی میں) کی آواز میں اذان گونجا کرے گی (بلکہ بجا کرے گی) اور زاہدہ پروین اتنی خوش آوازی میں تلاوت قرآن کر کے ''مفتیان دربار'' سے ورتل القرآن ترتیلا کی روشنی میں اپنا جواز پیدا کرلیں گی۔

عریانی اور بے حیائی کے خلاف علمائے کرام آئے دن بیان دیتے رہتے ہیں یہ ان کا حق ہے مگر عریانی اور بے حیائی اپنے نئے نئے لباس لے کر آرہی ہے۔ پھر

اپنے حق میں ''فقیہان دربار'' سے جواز کے فتوی لے کر جلوہ گر ہورہی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی تھی وہ مصلحتوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ جنہوں نے ان طوفانوں کے سامنے بند باندھنے تھے وہ حکومت کے ایوانوں کا طواف کرنے میں مصروف ہیں۔ جنہوں نے ان چیزوں کے خلاف مظاہرہ کرنا تھا وہ دربار شاہی میں'' مبارک بادیاں'' دینے میں مصروف ہیں۔ جنہوں نے کلمہ حق کہنا تھا وہ عہدوں اور مناصب کے لیے سفارشیں تلاش کر رہے ہیں۔ جنہوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے سر بلند کر کے کھڑا ہونا تھا وہ سرنگوں ہوتے جا رہے ہیں۔ جنہوں نے دین کے لیے قید و بند قبول کرنا تھا وہ انعام شاہی اور الطاف بادشاہی کے لیے مارے مارے پھر رہے ہیں اور بعض علماء دین تو اتنے خوش ہیں، مطمئن ہیں کہ پہلی بار پاکستان کا صدر باریش اور ان کا ہم شکل آگیا ہے اب کس چیز کی کمی رہ گئی ہے۔

؎ اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

سنی قائدین کا فکری رخِ کردار

جلد نمبر ۷..........اپریل مئی ۱۹۹۸ء..........شمارہ نمبر ۶۹

''شہرِ حبیب'' میں برطانیہ سے آئے ہوئے ایک دیرینہ دوست عالم دین نے میرا ہاتھ پکڑا۔ باہر لایا۔ گاڑی پر بٹھایا اور مسجد قبا میں لے گئے۔ یہ وہ مسجد ہے جہاں ہمارے آقا و مولا ﷺ نے ہجرت کر کے جوار مدینہ میں قیام فرمایا تھا۔ مسجد قبا باغ رحمت کا ایک ٹکڑا ہے جس کے در و دیوار سے صدیوں کی اسلامی تاریخ کی روحانی تحریریں نور بکھیرتی نظر آتی ہیں۔ نوافل سے فارغ ہوئے تو مسجد سے ذرا ہٹ کر میرے برطانوی دوست نے مجھے مرمریں فرش پر لا بٹھایا سورج کی کرنیں سارے مدینہ کے بام و در کو چوم رہی تھیں۔ اور ہمارے چہروں کو بھی درخشاں کر رہی تھیں۔ اس نے بڑی محبت آمیز نظریں میرے چہرے پر ڈالتے ہوئے مجھے کچھ کہنا چاہا، میرا خیال تھا کہ وہ مسجد قبا کے فضائل و آداب پر گفتگو کرے گا مگر وہ یوں گویا ہوا۔

''میں بہت عرصہ سے پاکستانی اخبارات پڑھ رہا ہوں پھر برطانیہ میں آنے والے علماء اہل سنت سے ملکی حالات پر گفتگو بھی ہوتی رہتی ہے، مجھے دکھ ہوتا ہے جب میں سنتا ہوں کہ پاکستان میں سنّیوں کی عظیم اکثریت انتشار و افتراق کا شکار ہے۔ علما کرام مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے ہیں۔ مشائخ زادے ایک دوسرے کے ساتھ چلنا پسند نہیں کرتے، مولوی زادے اور پیر زادے دینی راہوں کو چھوڑ کر دنیا ک

''ضروریات'' کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ سنی راہنما ایک دوسرے سے بات کرنے کے روادار نہیں، ہر ایک شہر میں سنیوں کی کئی کئی جماعتیں موجود ہیں، ہر ایک کا قبلہ جدا ہے، ہر ایک سنّی کا کعبہ جدا ہے ہر ایک کی راہیں جدا ہیں ہر ایک کی منزل جدا ہے جب کہ سنی عوام مایوسیوں کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ انہیں کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔''

اس دوست کی باتیں سن کر مجھے دکھ ہوا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ شخص میرے زخموں کو کرید رہا ہے۔ میرے گھر کے جھگڑوں کو کوچہ و بازار میں لے آیا ہے۔ میرے مسلک کی ناہمواریوں کو دیار حبیب ﷺ میں افشاء کر رہا ہے۔ میرے دل کے چھپے ہوئے زخموں کو مسجد قبا کے صحن میں تازہ کر رہا ہے میرا دل چاہا کہ میں اس کو جھاڑ دوں جھٹلا دوں، اس کو سنی سنائی باتیں کہہ کر تردید کر دوں یا یہاں سے اٹھ کر بھاگ جاؤں مگر میں رک گیا دل پر ہاتھ رکھ کر اس کو اپنے پاکستان کے سنی راہنماؤں کی داستان افتراق سنانے لگا اپنے سنی قائدین کی حکایت انتشار سنانے لگا، میں نہایت ندامت سے یوں لب کشا ہوا۔

''آج ہمارا ملک جن نظریاتی اور سیاسی راہوں پر چل نکلا ہے اس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ یہ انداز قابل ستائش ہے نہ قابل رشک، سیاسی راہنما حالات کے ساتھ ساتھ اپنا رویہ بدلتے رہتے ہیں اور اپنے لیے نئی نئی راہیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ پھر اپنی راہوں پر چل کر اقتدار کی کرسیوں پر براجمان ہوتے رہتے ہیں اور ملک کے وسائل اور خزانوں کو اپنی صوابدید سے لوٹتے ہیں اور لٹاتے رہتے ہیں ان کے برعکس ملک کے مذہبی قائدین کا رخ کردار بالکل جدا ہوتا ہے۔ ان کے سامنے بلند و بالا مقاصد ہوتے ہیں، دین مصطفیٰ کے نفاذ اور قوانین شریعت کا اطلاق ان کا نصب العین ہوتا ہے۔ دینی راہنماؤں نے ان مقاصد کو پانے اور قومی مسائل کو حل کرنے

کے لیے ایک طویل جدو جہد کی مگر وہ ان زر اندوز قوتوں اور بے دین طبقوں کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکے، نصف صدی کی طویل جدو جہد ابھی تک بار آور نہیں ہوئی ، پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہے پھر اس اکثریت میں اہل سنت و جماعت کے نظریات کے حامیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اگر چہ اہل سنت کے نظریات کے علاوہ بہت سی مذہبی جماعتوں نے ملک کے مذہبی اور سیاسی افق پر ابھرنے کی کوشش کی مگر وہ ان کامیابیوں سے ہمکنار نہ ہوسکیں جن کی انہیں توقع تھی۔
ایک وقت تھا کہ سنی قائدین نے ملک کے علماء کرام اور مشائخ عظام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا تھا۔ شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ، کوچہ بکوچہ کو بہ کو، دینی بیداری کی روح پھونکی، سنی قائدین نے علماء کرام کو مساجد سے باہر بلایا، پھر مشائخ عظام کو خانقاہوں سے پکارا، نو جوان طلباء کو درسگاہوں سے آواز دی گوشہ نشینوں کو صحن سیاست میں لا کھڑا کیا اور زاویہ نشین میدان عمل میں آ گئے، اس طرح سارا ملک دینی بیداری کی روشنی میں ان سیاسی قوتوں کے سامنے زندہ دکھائی دینے لگا جو اپنے آپ کو پاکستان کا ''مالک'' سمجھتی تھیں۔

علماء کرام، ان کے شاگرد، ان کے تابعین ایک صف میں کھڑے نظر آنے لگے۔ مشائخ کرام کے مختلف سلسلے اپنے اپنے حجروں سے نکل کر عوام کی راہنمائی کے لیے صف بستہ ہو گئے اگر چہ یہ سنی علمائے کرام اور روحانی مشائخ مختلف مکاتبِ فکر اور سلسلہ ہائے تصوف سے وابستہ تھے مگر ان کے اتفاق و اتحاد نے عوام کو حوصلہ دیا اور جذبۂ دین کو بیدار کر دیا۔ ملک میں انگریز کا عطا کردہ جمہوری نظام نافذ تھا جہاں ''لوگوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے'' سنی قائدین بھی اسی شاہراہ پر چل پڑے۔

الحمد للہ ! میدان انتخابات میں کھڑے ہونے والے اکثر علماء کرام اور صاحبزادگان قانون ساز اسمبلیوں میں پہنچنے شروع ہو گئے علماء و مشائخ کے اتحاد و یکجہتی نے صرف علماء اور مشائخ کو ہی منتخب نہیں کیا بلکہ وہ امیدوار جوان قائدین اہل سنت

سے وابستہ ہوتا ٹکٹ لے کر انتخابی میدان میں آتا کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا۔ ملک کی پارلیمانی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ علماء کرام کے علاوہ ایسے کئی دنیادار امیدوار بھی سنی حضرات کے ووٹوں سے کامیاب ہو کر پارلیمانی ہاؤس پہنچے جنہیں سنی قائدین نے ٹکٹ دیے تھے مگر وہاں بیٹھے سیاسی شکروں کا شکار ہو گئے جو اقتدار کی سیاسی چالوں سے اپنے جال میں پھنسانے کے ماہر تھے۔ وہ سنیوں کے منتخب نمائندوں کو اپنے رنگ میں رنگتے گئے اور ان کی وفاداریاں خریدتے گئے۔ ایسے منتخب اراکین کی بے وفائی، طوطا چشمی اور غداری کے باوجود کئی سال تک سندھ پنجاب اور دوسرے صوبوں سے سنی ممبران منتخب ہو کر آتے رہے اور ایوان آئین وقانون میں اپنا اپنا مقام حاصل کرتے رہے۔

ایک ایسا وقت بھی آیا کہ جب اقتدار پرستوں نے دینی جماعتوں کے خلاف نہ صرف زبردست مہم چلائی بلکہ مغربی قوتوں کے اشاروں پر دینی نظریات اور مذہبی افکار رکھنے والے اداروں کو پامال کرنا شروع کر دیا اس کے باوجود بھی علماء اہل سنت جب میدان انتخاب میں اترتے تو نتائج کے اعداد وشمار اس بات کی گواہی دیتے کہ قوم نے سنی امیدواروں کو مجموعی اعتبار سے سب سے زیادہ ووٹ دیے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ملک کی اکثریت سنیوں کی مذہبی اور سیاسی قیادت پر بھرپور اعتماد کا اظہار کرتی تھی۔

''اسلامی سوشلزم'' کے نعرے پر برسر اقتدار آنے والے طبقہ نے پاکستان میں کھلم کھلا اسلامی قدروں کو تباہ کرنا شروع کر دیا اور سنیوں کی انتخابی صفوں کو انتخابی ناانصافیوں سے درہم برہم کر دیا۔ اس وقت اگرچہ ملک کی تمام سیاسی جماعتیں بھی ان انتخابی شعبدہ بازوں کی زخم خوردہ تھیں مگر دینی قوتوں کو جو نقصان پہنچا تھا اس سے نہ صرف بساط سیاست الٹ گئی بلکہ اعتقادی اور فکری بنیادیں بھی ہل گئیں۔ سنی قائدین نے ''نظام مصطفیٰ'' کے نام پر ایک اور زبردست تحریک چلائی جو تمام سیاسی جماعتوں نے اپنائی پھر اس تحریک ''نظام مصطفیٰ'' کے علماء اہل سنت نے ہی قیادت کی۔ سنی

قائدین نظام مصطفیٰ کا پرچم بلند کیے صف اول میں کھڑے تھے۔ مصائب و مظالم کو لبیک کہنے والے سنی ہی تھے۔ جانوں کی قربانی، اموال کی تباہی اور قید و بند کو قبول کرنے والے سنی ہی تھے، ان لوگوں میں علماء اہل سنت و مشائخ کرام نے پس دیوار زندان جانا قبول کرلیا، سختیوں اور مصائب کو برداشت کرنا پسند کرلیا مگر ''نظام مصطفیٰ'' کا جھنڈا سرنگوں نہ ہونے دیا اور اس جھنڈے کی چھاؤں میں اس وقت کی تمام سیاسی جماعتیں پناہ لے رہی تھیں اور اپنا وجود برقرار رکھنے کے لیے نظام مصطفیٰ کے نعرے لگا رہی تھیں۔ تحریک نظام مصطفیٰ خون کے راستے طے کرتی ہوئی کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ اقتدار کی کرسی الٹ دی گئی اور ملک کی فضا نکھری نکھری دکھائی دینے لگی۔

اس کامیابی کے بعد ملک کے اقتدار کی کرسی پر ایک ایسا فوجی جنرل آیا جس نے مذہب اور دین کی پناہ میں اپنا اقتدار قائم کرنے کا اعلان کیا۔ اس نے علماء کو اپنے قریب بلایا، مشائخ کو پاس بلایا، اسلام کا نام لینے والوں کو پکارا، اگرچہ وہ فوجی تھا مگر اس نے یہ حقیقت تسلیم کرلی کہ اس ملک کی اکثریت صرف اور صرف نظام مصطفیٰ کے پرچم کے نیچے بسر کرنا چاہتی ہے چنانچہ اس نے ''اسلامی مجلس شوریٰ'' قائم کی۔ اسلامی قوانین نافذ کرنے شروع کیے، اسلامی ایوارڈ دیے جانے لگے، اسلام کا نام لینے والوں کو مختلف اعزازات سے نوازا جانے لگا، اس طرح اکثر علماء کرام اور مشائخ زادوں کو ایوان صدر کے سایہ میں جگہ دی گئی، اس موقع پر کئی علماء اہل سنت اور مشائخ وقت نے جنرل کی آواز پر لبیک کہا تعاون کے لیے آگے بڑھے اور ان آرزوؤں اور امیدوں کے دامن بچھا دیے جن کے لیے کئی سالوں سے وہ نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ اس دوڑ دھوپ کے باوجود سنیوں کے سیاسی اور دینی بصیرت رکھنے والے چند علماء کرام اور قائدین نے نعرہ ''اسلامائیزیشن'' کو ''دام ہمرنگ زمین'' خیال کیا اور اپنی راہ پر ہی گامزن رہے اور مارشل لاء کی نوازشوں سے دور رہے۔ اسی دوران سنیوں نے

''ملتان سنی کانفرنس'' اور'' رائے ونڈ میلاد کانفرنس'' میں اپنی افرادی اور دینی قوت کا زبردست مظاہرہ کیا جس سے مارشل لاء کی تمام ایجنسیاں دم بخود ہو کر رہ گئیں اور سنیوں کی یکجہتی اور اتفاق سے کانپ اٹھیں۔

یہ وہ موڑ تھا جہاں سنی عوام علماء کرام اور مشائخ عظام بلکہ سنی قیادت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے منصوبے سامنے آنے لگے۔ بعض علماء کو سرکاری مناصب وانعامات سے نوازا جانے لگا ان کے لیے آرام و آسائش کی راہیں ہموار کی جانے لگیں۔ داد و دہش کے قبالے تقسیم ہونے لگے۔ پھر ''و تعاونوا علی البر و التقوی'' کے دل پسند نغمے سے کئی علماء کو مسحور کیا جانے لگا اور اس طرح

ع۔ '' عالم خدا کو بھول گئے اضطراب میں''

سنی قوت ٹوٹنے لگی، اتفاق و اتحاد کی دیواروں میں دراڑیں پڑنے لگیں، علم و روحانیت کے چشمے گدلانے لگے، فکری اور نظریاتی زاویے بدلنے لگے، ایک عرصہ تک یہ کھیل کھیلا گیا۔ انتخابات قصۂ پارینہ ہو کر رہ گئے۔ پارلیمانی نظام حکومتی شورائی نظام میں بدل گیا، سیاسی اور دینی تحریکوں کے مقابلے میں لسانی اور علاقائی گروہوں کو ابھارا جانے لگا، چھوٹے چھوٹے مذہبی فرقے آگے بڑھے، دہشت گردی کی تربیت دینے لگے، دولت اور زر پرستی کی راہیں کھل گئیں، بد اخلاق باختہ روپے بانٹتا گیا اور ایوان پارلیمنٹ میں براجمان ہوتا گیا۔ اس مقدس ایوان میں بیٹھ کر لوٹ کھسوٹ کے قانون بنائے جانے لگے۔ پیسہ اور زر پرستی آئین سازی اور قانون سازی کے اختیارات کی مالک بن گئی۔

مارشل لاء ختم ہوا، فوجی نظام کی سیاہیاں چھٹیں، آمرانہ قوانین کے دفتر بند ہوئے تو پھر وہی جمہوریت!، جمہوریت، جمہوریت، لوٹ! لوٹ!

ع۔ ''ہائے استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب!''

کا نظارہ سامنے تھا۔ انتخابات کے نام پر وہی لوٹ کھسوٹ اور وہی شب و روز اتنا سفر کرنے کے باوجود اتنے مصائب برداشت کرنے کے باوجود سنی قائدین کے سامنے وہی بے آب و گیاہ بیابان تھا جس میں سفر کرتے انہیں چالیس سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ ان میں اتفاق تھا اتحاد تھا، یکجہتی تھی، مگر اب یہ قافلہ انتشار کا شکار ہو چکا تھا۔ بے اتفاقی کے طوفانوں سے دوچار تھے۔ نفرت اور نخوت کی مثال تھا۔ ٹکڑوں ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا اور ہر سنی عالم دین ''قائد'' بن کر اپنے اپنے نام لیواؤں کے لیے علیحدہ علیحدہ ٹولیوں میں کھڑا تھا۔ کچھ مارشل لا کے عطا کردہ انعام و اکرام میں دب گئے کچھ زکوٰۃ و صدقات کی نذر ہو گئے۔ ان پر ایک اور کاری ضرب لگی جب ایک انتخابی مہم میں ان کی ایک مضبوط سیاسی جماعت کے قائدین کو دولخت کر دیا گیا۔ یہ سنی قائدین اگرچہ بڑے جاندار تھے بڑے مضبوط تھے، بڑے بے لوث تھے مگر دولخت ہو نے کے بعد اپنے اپنے ساتھیوں کو لے کر علیحدہ علیحدہ کیمپوں میں جا بیٹھے۔

سیاسی جماعتوں سے مقابلہ کرنے کے بجائے اب یہ سنی راہنما اپنی بقا کی جنگ لڑنے لگے یہ اس قدر کمزور ہو گئے کہ انہیں اپنے گھر کے بجائے اقتدار کے محلات کی دیواروں کے سایہ میں ٹھہرنا پڑا۔ اقتدار کی کرسیوں پر بیٹھنے والوں نے جب علماء کرام کو اپنے دروازوں پر کھڑے دیکھا تو انہیں بری طرح استعمال کرنے لگے۔ کبھی بٹھایا، کبھی اٹھایا، کبھی لڑایا، کبھی دوڑایا، کبھی انعام کا وعدہ کیا، کبھی منصب کی جھلک دکھائی اس طرح حکمرانوں کی ساحری نے اتنی عظیم سنی قوت کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے اپنے ٹکڑوں پر لگا لیا۔

ع۔ ''رو لے اے دل کھول کر بادیدۂ خونابہ بار!''

اب سنیوں کا یہ عالم ہے کہ ان کا ہر ٹکڑا پھر کئی ٹکڑوں میں بٹنے لگا ہے۔ یہ بٹے ہوئے ٹکڑے بکھر بکھر کر ایک دوسرے سے الجھنے لگے ہیں۔ یہ الجھنے والے آئے دن ایک دوسرے پر الزام تراشیاں کرنے لگے ہیں۔ یہ الزام تراشیاں بے سرو پا ہوتی

ہیں مگر ان الزام تراشیوں سے قائدین کی شخصیتیں مجروح ہوتی گئیں اور اس طرح ایک عظیم قافلہ بکھر گیا۔ ایک سرسبز باغ اجڑ گیا ایک شاندار ماضی والی جماعت ختم ہوگئی اور اب اس کی داستان داستانوں میں ہی سننے کو ملتی ہے۔

میں اپنی داستان سناتا گیا۔ خون کے آنسو بہاتا گیا اور برطانیہ سے آئے ہوئے دوست کو رلاتا گیا۔ اس نے سر اٹھایا۔ مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اس نے دور گنبد خضرا کو دیکھا تو پکار اٹھا۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے !

میں نے اسے مزید بتایا کہ اب تو ہماری ''جمعیت العلماء پاکستان'' کے تین ٹکڑے ہوگئے ہیں۔ ہماری ''جماعت اہل سنت'' جلسے کرنے کے قابل نہیں رہی۔ اب تو ہمارے سنی علماء ایک مسئلہ پر اجتماعی رائے بھی نہیں دے سکتے۔ ایک بیمار ہوتا ہے دوسرا بیمار پرسی کو نہیں آتا۔ ایک مصیبت میں ہوتا ہے دوسرا پوچھنے کو نہیں آتا۔ ایک پر حملہ ہوتا ہے دوسرا خدمت بھی نہیں کرتا۔ علماء کرام کو چھوڑ کر مشائخ کرام، صاحبزادگان، پیرزادگان کی بات کروں تو رونا آتا ہے۔

گلہ وفائے جفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے
جو میں بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

میرے دوست نے بتایا کہ پاکستان کے اکثر واعظ پیرزادے، مدارس کے ناظمین ہمارے پاس برطانیہ آتے ہیں، ہر سال آتے ہیں۔ بلکہ اب تو سال میں کئی کئی بار آنے لگے ہیں۔ اپنا اپنا ''نصیب'' اپنا اپنا ''مقدر'' سمیٹ کر واپس چلے جاتے ہیں۔ نہ ان کے آنے کا کوئی مقصد ہوتا ہے نہ ان کے واپس جانے کا کسی کو غم۔ میں نے اسے روکا اور ایسے ''بزرگوں'' کی ولایتی آمدنی کے اثرات پر ایک نظر ڈالی، پھر ان کی

اولادوں پر ہونے والے معاشرتی اثرات پر گفتگو کی تو وہ کانپ گیا اور مایوسی کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

ہم اٹھے دوبارہ مسجد قبا میں آ گئے ہم دونوں افسردہ خاطر تھے دونوں دل فگار تھے، دونوں دل گیر تھے، دونوں شکستہ دل تھے، اس نے مجھے نفل پڑھنے کیلئے وہاں کھڑا کیا، جس مقام پر میرے نبی رحمت ﷺ کی ڈاچی پہلے دن آ کر کھڑی ہوئی تھی وہ میرے پہلو میں کھڑا ہو گیا نوافل ادا کیے، دعا کے لیے ہاتھ اٹھے ''اے ہمارے مولا! تو نے اپنے محبوب ﷺ کو یہاں لا کر ساری دنیا کے دلوں کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ سارے عرب میں دین کی روشنیاں پھیلائی تھیں، سارے عربوں کے دلوں سے کدورت نکال کر یکجان کر دیا تھا، خون کے پیاسوں کو شیر و شکر بنا دیا تھا، جان کے دشمنوں کو ''رحماء بینھم'' بنا دیا تھا کیا آج تیری رحمت پاکستان کے سنی علماء کو اتحاد و یگانگت نہیں دے سکتی؟ کیا آج تیری رحمت پیروں اور سجادہ نشینوں کو ایک نہیں کر سکتی؟ تو رحم فرما، ان سب کو ایک کر دے ان کے دلوں کو ایک کر دے، ان کی راہیں ایک کر دے، ان کی رعونت اور نخوت کو محبت میں بدل دے، آج دنیائے اسلام مشکلات میں گھری ہوئی ہے، اسے یگانگت کی ضرورت ہے، پاکستان کے علماء اہلسنت کو بھی یگانگت عطا فرما۔ ان کے دلوں کی کدورت دور فرما تا کہ یہ پھر یکجان ہو جائیں۔ یہ پھر ایک مقصد کے لیے اکٹھے ہو جائیں۔ مسجد قبا کی فضاؤں کا صدقہ، مسجد قبا کے در و دیوار کا صدقہ، مسجد قبا میں پہلا قدم رکھنے والی سرکار ﷺ کا صدقہ ہم پر رحم فرما۔

یا رسول اللہ انظر حالنا
یا حبیب اللہ اسمع قالنا
اننا فی بحر ھم مغرق
خذیدی سھل لنا اشکالنا

یوم رضا...... یادِ رضا...... عرس رضا...... فکرِ رضا

جلد ۷......جون جولائی ۱۹۹۸ء......شمارہ نمبر ۰ ۷

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرس اسی ماہ صفر المظفر میں منایا جارہا ہے۔ ''جہان رضا'' اپنے قارئین کرام کی وساطت سے ''یوم رضا'' کی ان تقریبات کو ہدیۂ تحسین پیش کرتا ہے۔ جو پاکستان، ہندوستان، یورپ، امریکہ اور برّاعظم افریقہ کے مختلف مقامات پر منعقد کی جارہی ہیں۔ آج دنیا کے گوشے گوشے میں ''ذکر رضا'' کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ محافل رضا منائی جارہی ہیں۔ ''مجالس رضا'' میں ذکرِ رضا کی رونقیں ہیں۔ یادِ رضا کے جلسے برپا ہو رہے ہیں۔ افکارِ رضا پر سیمینار منعقد ہو رہے ہیں۔ ''تعلیمات رضا'' پر کتابیں لکھی جارہی ہیں۔ ''نظریاتِ رضا'' کی اشاعت ہو رہی ہے۔ دینی مدارس، اسلامی یونیورسٹیاں، مساجد، خانقاہیں، بارگاہیں افکار رضا سے معمور ہیں۔

ع۔ جھوم جھوم اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستان

''مرکزی مجلس رضا'' کے دفتر میں دنیا بھر کے مختلف ممالک سے سیکڑوں خطوط آرہے ہیں۔ جن میں ''یوم رضا پر'' مختلف تقریبات کی اطلاعات آرہی ہیں۔ ہزاروں ایسی تقریبات ہیں جہاں سے ہم ان مجالس کی تفصیلات حاصل نہیں کرسکے اور ہزاروں ایسی تقریبات ہیں جہاں سے ہمیں اطلاع نہ بھیجی جاسکی۔ اگر ہم ان تقریبات

کے صرف نام اور مقامات کی فہرست مرتب کریں تو ہمیں ایک مکمل نمبر نکالنا پڑے گا۔ ریڈیو اور ٹی وی اپنی تمام تر نا مناسب مصروفیات کے باوجود ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی'' کے کلام سے کئی ''نغمات رضا'' پیش کر چکے ہیں۔ مخالفت کے تند و تیز طوفانوں کے باوجود افکار اعلیٰ حضرت کی فراوانی ہمارے لیے صرف حوصلہ افزا ہی نہیں مستقبل میں افکار رضا کی عالم گیریت کی نشاندہی کرتی ہے۔ تعلیمات رضا، پیغام مصطفیٰ کا مربوط منشور ہے۔ جسے وقت کے اہل علم و فضل نے ہر انداز پر فیصلہ کن انداز میں تسلیم کیا ہے اور اپنایا ہے اب تو غیروں کے ہاں بھی تعلیمات رضا کے چرچے ہونے لگے ہیں۔ اور ان کی تحریروں میں وہ سابقہ گستاخانہ رویہ، عامیانہ انداز تحریر، اور انبیاء کرام اور بزرگان دین کے متعلق سوقیانہ الفاظ کا استعمال ختم ہوتا جا رہا ہے یہ تعلیمات رضا، افکار رضا اور عاشق رسول کی جلائی ہوئی شمع کے اثرات ہیں کہ گستاخان رسول بھی سنبھل سنبھل کر چلنے لگے ہیں۔ آپ ایک لمحہ کے لیے غور فرمائیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ گستاخان مذہب کے قلم کاروں کی تحریروں، تالیفوں، کتابوں اور رسالوں میں اپنے سابقہ ادوار کا سا گستاخانہ انداز اور نظریہ ختم ہوتا جا رہا ہے اب ان کی تحریروں کو کتابوں کو پڑھ کر ایک عام قاری یہ تاثر لینے لگا ہے کہ یہ لوگ بھی ''عاشقان رسول'' ہیں ایک ہمارے کتابی دوست، اعتدالی فکر کے آشنا اور نرم گوشہ رکھنے والے جلیس نے غیر سنی مکتب فکر کی لکھی ہوئی ایک تفسیر اور چند دوسری کتابیں لا کر اصرار کیا کہ اس میں مجھے کوئی گستاخانہ عبارت دکھائیں۔ اس کے اس اصرار پر ہمیں بڑی خوشی ہوئی اور ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ الحمد للہ! اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے افکار و تعلیمات کا یہ نتیجہ ہے کہ ''وہ'' بھی باادب بنتے جا رہے ہیں۔ ہمارے دوست نے ہماری ہمنوائی میں سر ہلاتے ہوئے تسلیم کیا اور کہا واقعی یہ کریڈٹ تو امام احمد رضا کو جاتا ہے جس نے بدزبانوں کو بھی خوش گفتار بنا دیا ہے۔

اس کی محفل کی کج ادائیوں میں
بوئے مہر و وفا چھلکنے لگی

آج ہم دنیائے سنیت پر نگاہ ڈالتے ہیں تو گلہائے رنگ رنگ کے کوہ و دمن کھلے کھلے دکھائی دیتے ہیں۔ جن سے بوئے رضا نسیم جان بن کر دل و دماغ کو معطر کر رہی ہے۔ آج ہم دنیا کے گوشے گوشے میں عشقِ مصطفیٰ کی جگمگاتی روشنیاں دیکھتے ہیں تو ان میں شمع شبستان رضا کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ آج ہم علماء عصر کی تحریروں کو سامنے رکھتے ہیں تو فاضل بریلوی کا رنگِ تحریر نمایاں نظر آتا ہے۔ آج ہم دنیا کے دانشوروں کے نعتیہ اشعار کو پڑھتے ہیں تو رنگ رضا چھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ آج تفاسیر قرآن لکھی جاتی ہیں تو لکھنے والے ایسے مقامات پر رک جاتے ہیں جہاں فاضل بریلوی نے کنز الایمان میں ترجمہ کرتے وقت منفرد اور منتخب الفاظ استعمال کیے تھے۔ آج قرآن کا ترجمہ کرتے وقت ''کنز الایمان'' سے مشورہ کیے بغیر آگے نہیں بڑھا جا سکتا۔ اس شاندار تبدیلی کے باوجود ہم محسوس کرتے ہیں کہ دنیائے رضا میں ابھی تک انفرادی طور پر کام ہو رہا ہے ہر شخص اپنے اپنے ذوق، اپنے اپنے حالات، اپنے اپنے وسائل سے کام لیے جا رہا ہے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ یہ کام ایک ترتیب سے ہو۔ ایک تنظیم سے ہو۔ ایک دوسرے سے رابطہ سے ہو۔ ملک کے اندر کام کرنے والے کا ''نیٹ ورک'' ہو بلکہ ہم تو اس کوشش میں مصروف ہیں کہ ''عالمی نیٹ ورک'' پر ایک منظم طریقہ سے کام کیا جائے۔ اس سلسلے میں ''مرکزی مجلس رضا لاہور'' ایسے تمام اہل قلم اور اہل علم سے استدعا کرتی ہے کہ وہ فاضل بریلوی پر کام کرنے سے پہلے رابطہ پیدا کر کے اپنی کوششوں کو مرتب کریں۔ اور منظم طریقہ سے سامنے لائیں اور نہایت مربوط انداز سے ''افکار رضا'' کو عوام تک پہنچائیں۔

ملک کے باہر مختلف ادارے بڑی اہمیت سے کام کر رہے ہیں۔ اگرچہ ہم ان

سے رابطہ کر رہے ہیں مگر ہم ان سے بھی اپیل کریں گے کہ وہ اپنے اپنے کام سے آگاہ فرمائیں۔ ''یوم رضا'' کی تقاریب ''عرس رضا'' کے ''اجتماع'' یادرضا کی مجالس جہاں جہاں بھی منعقد ہوئیں ان کے ناظمین سے گزارش ہے کہ وہ مرکزی رضا کے دفتر میں'' جہان رضا'' کو اطلاع دیں تا کہ'' جہان رضا'' کے قارئین ان کی کوششوں سے آگاہ ہو سکیں۔ ہمارا دفتر ہمارا عملہ، ہمارے اراکین، اور ہمارے معاونین ایسے تمام حضرات کو خوش آمدید کہیں گے اور ان کی کوششوں کو مرتب کرنے کی کوشش کریں گے۔

برباد معیشت کے اندھے ترجمان

جلد ۷.............. اگست ۱۹۹۸ء.............. شمارہ نمبر ۱۷

سابقہ کئی ماہ سے پاکستان کی معیشت روز بروز تباہی کی منزل کی طرف جارہی ہے۔ سیاسی راہنما اور معاشی ماہرین آئے دن بڑے بلند بانگ دعووں سے قوم کو طفل تسلیاں دیتے رہتے ہیں۔ مگر ہر روز سورج کی شعاعیں ملک پر معاشی بدحالی کا پیغام لے کر آتی ہیں۔ ایک وقت تھا اس معاشی تباہی اور بدحالی کی ذمہ داری اس حکومت پر ڈالی جاتی تھی جس کے ''میاں بیوی'' دونوں ملکی دولت لوٹ کر باہر محلات تعمیر کرنے میں مصروف تھے۔ سابقہ صدر پاکستان نے جب اس لوٹ مار کرنے والی حکومت کا تختہ الٹا تو یہ اعلان ہوا کہ ''اگر چند روز یہ لوگ ملکی ذرائع پر مزید مسلط رہتے تو ملک دیوالیہ ہو جاتا اور لوگ بھوکے مرنے لگتے۔ ہم نے ملک کو دیوالیہ ہونے اور لوگوں کو بھوکے مرنے سے بچالیا ہے۔''

قوم نے سکھ کا سانس لیا کہ چلو ایک مسیحا نے ملک اور قوم دونوں کو بچالیا ہے۔ انتخابی عمل شروع ہوا تو عوام کی اکثریت نے سابقہ حکمرانوں کو ''خس کم جہاں پاک'' کہہ کر بری طرح مسترد کر دیا اور موجودہ قیامت ایوان اقتدار میں براجمان ہوئی۔ انہوں نے آتے ہی سابقہ حکمرانوں کے وہ زخم دکھائے جو ملک وملت کے ناتواں جسم کو داغ داغ کر چکے تھے۔ ان خزانوں کی نشاندہی کی جہاں خالی صندوق پڑے ہوئے تھے ان اداروں کے نام بتائے جو لٹ چکے تھے۔ ان افراد کی فہرستیں شائع کیں جو

سابقہ دور میں لوٹ مار کے ذمہ دار تھے۔

یہاں تک ہی نہیں سابقہ صاحب اقتدار ''زرداری میاں'' کو ایک لمحہ فرصت دیے بغیر قید و بند میں ڈال دیا گیا۔ ان کے حوارین کو پکڑ لیا گیا، ان کے لیے خصوصی عدالتیں قائم کی گئیں، ایماندار اور سخت گیر محتسب مقرر کیے گئے حرام خوروں سے حرام مال اگلوانے کے نعرے بلند ہوئے۔ پکڑو! دھکڑو! مارو، پیٹو! جانے نہ پائے، الٹے لٹکا دو، کوئی نہ بچ پائے، عوام خوش ہو گئے کہ محتسب آ گئے، لوگ مطمئن ہو گئے کہ نجات دہندہ آ گئے، مظلوم سر اٹھا کر چلنے لگے کہ اب ظالم پکڑے جائیں گے اور غنڈے مارے جائیں گے۔

ابھی ان خوشخبریوں کے احسانات کا بوجھ کم نہ ہوا تھا کہ لاہور سے اسلام آباد جانے والوں کے لیے ''موٹروے'' تیار کر دی گئی۔ نوجوانوں کو لاکھوں کے قرضے دیے جانے لگے، گینگ ریپ کرنے والوں کو موقع پر تختۂ دار پر لٹکانے کے اعلان ہونے لگے، رات ٹی وی پر بڑے بڑے خوش لباس اور خوش پوشاک وزراء آ کر محفلیں سجانے لگے، قوم کے لیے پیکجز کے اعلان کرنے لگے، تجارتی سہولتوں کے پروگرام سامنے لاتے، معاشی راہیں ہموار کرنے کے منصوبے بناتے عوام میں خوشحالی کے لیے ٹاسک فورس تیار کرتے، تعلیم، صحت اور امن وامان کی ضمانتیں دیتے، مگر رات کے اندھیروں میں اعلان کرنے والے راہنما جب اپنے اپنے محلات میں جا کر سو جاتے تو ان کی آنکھ کھلنے سے پہلے ہی پاکستان کی سرزمین پر سورج کی شعاعیں پڑتیں تو قوم معاشی اندھیروں میں پھنسی ہوتی۔ صبح نمودار ہوتی تو مصائب کے پہاڑ لے کر آتی، رات کے اعلان اور پیکجز کو سن کر صبح لوگ ایک دوسرے کے چہروں کو دیکھتے تو ہر چہرہ نئے غم اور نئی مصیبت میں ڈوبا ہوا نظر آتا۔ شام ہوتی تو ہزاروں ٹیکس اور سیکڑوں کے بل لوگوں کے گھروں تک پہنچ جاتے۔ مصائب کے یہ طوفان ایک سال سے زیادہ عرصہ تک پاکستان اور پاکستانیوں کی تقدیر بنے رہے۔ جو دن آتا معیشت کی تباہی لے کر آتا جو

رات آتی معیشت پر پہاڑ بن کر گرتی۔

ایک وقت آیا کہ ہمارے ہمسایہ ملک بلکہ دشمن ملک نے ایٹمی دھماکہ کر کے جنوبی ایشیا پر اپنا رعب اور دبدبہ قائم کرنے کی بیوقوفانہ حرکت کر ڈالی، پھر اس ایٹم بم کو ہمارے ملک عزیز کی آخری سرحدوں تک پہنچانے کے لیے ''پرتھوی'' میزائل کا مظاہرہ کیا، اسے شاید یہ گمان تھا کہ معیشت کی ماری ہوئی یہ قوم دم بخود ہو جائے گی۔ سجدہ ریز ہو جائے گی مگر پاکستان نے تو آج سے پندرہ سال پہلے ہی ایٹمی دھماکوں کی جگہ بم نصب کرر کھے تھے۔ پرتھوی کے مظاہرے سے پہلے ہی ''غوری'' ہندوستان کے کئی شہروں کو نشانہ بنانے پر رکھے ہوئے تھے۔ اب پاکستان کا ایٹم گرجا تو دشمن جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

اس شاندار کامیابی کے بعد ہماری بدحالی کا ایک اور دور شروع ہوا، نادان حکمرانوں نے تباہ حال اور خستہ حال قوم سے قربانی مانگنا شروع کر دی۔ قرض اتارو، ملک سنوارو، ٹیکس دو، قربانی دو، اپنے غیر ملکی پونڈ اور ڈالر ہمارے حوالے کر دو، لوگ ابھی سنبھلنے نہ پائے تھے کہ ایمرجنسی نافذ کر کے سب کچھ اپنا بنا لیا گیا۔ ''ہم نے کشکول توڑ دیا ہے۔ اب ہم تمہارے پیسوں پر '' جام جم'' بنائیں گے۔'' منڈیاں ویران ہو گئیں، سرمایہ دار کمپنیاں بیٹھ گئیں، ایکسچینج دم بخود ہونے لگے، دکاندار گاہوں کا منہ دیکھنے لگے، گاہک سرکاری بلوں کی ادائیگی کے بعد بازاروں کا رخ نہ کرتے۔

یہ تھی وہ معیشت جسے اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں نے تباہ کر دیا تھا۔ یہ تھا وہ ملک جو ان سودخوروں کے ہاتھوں خوار ہو گیا تھا، یہ تھی قوم جو ان جھوٹے وعدے کرنے والوں کے ہاتھوں بے جان ہو گئی تھی۔ قرآن پاک نے اس صورت حال کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ ''ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا'' ''جو شخص مجھے بھول جاتا ہے، جو شخص میرے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے میں اس کی معیشت تباہ کر دیتا ہوں۔''

خدا اور رسول ﷺ کے احکام سے غافل حکمران، اللہ و رسول ﷺ کے احکام

سے دور دور رہنے والے حکمران کتنے ہی معاشی واقتصادی پیکجز تیار کریں وہ ایک برباد اور تباہ کن معیشت میں پھنستے چلے جائیں گے۔ یہ جس قدر ٹیکس لگائیں، جس قدر قرضے لیں، یہ جس قدر غیر ملکی سرمایہ پر قبضہ کریں، یہ جس قدر لاکرز اور بنکوں کے روپوں پر پنجے گاڑتے چلے جائیں ان کی معیشت تباہی کی غاروں میں پہنچتی جائے گی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے محروم حکمران کشکول توڑیں یا جھولی پھیلائیں، بینکوں پر قبضے کریں یا سرکاری املاک کو بیچتے جائیں ان کی معیشت اس وقت تک درست نہیں ہوگی جب تک یہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ذکر اور کلام کے سامنے سرنہیں جھکائیں گے۔

جاہل لوگ تو اللہ کے اس حکم کی اہمیت سے واقف نہیں، بے دین لوگ تو اللہ کے اس قانون کو نہیں سمجھتے مگر ہمارے آج کے حکمران تو اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ اللہ کے ذکر کو بھول جانے والے معیشة ضنکا کا نشانہ بنتے ہیں۔ آج ہمارے سربراہانہ مملکت ماشاءاللہ چشم بددور بلاشک تردید نمازی ہیں، حاجی ہیں، نیک ہیں، صالح ہیں، وزیراعظم اوران کا سارا خاندان کسی تعارف کا محتاج نہیں، صدر مملکت بلاشک وشبہہ نمازی ہیں، نیک ہیں اور یہ بات ہم بلاخوف توہین عدالت کہہ سکتے ہیں۔ یہ صدر مملکت، یہ وزیراعظم، یہ عدالت کے صدر نشین یہ سارے اللہ والے ہیں یہ سارے اہل ایمان ہیں، یہ سارے نمازی ہیں، یہ سارے حاجی ہیں، پھر یہ سارے حضرات قوم اور ملت کی معیشت پر جس انداز سے مسلط ہیں اور انہیں موجودہ اندھیروں میں کوئی راہ دکھائی نہیں رہتی یہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ ذکر خداوندی سے غافل ہو چکے ہیں یہ احکام خداوندی سے کنارہ کشی کر رہے ہیں۔ یہ تباہ کن معیشت کے ترجمان بن چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے غافل اور سرکش انسانوں کی معیشت کو دولت سمیٹنے کے باوجود تباہ حال قرار دیا ہے۔ ساتھ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کا مستقبل

اللہ اور رسول کے احکام سے روگرداں لوگ اللہ کے ذکر سے غافل بندے یہ اقتدار کے نشے میں سرگرداں راہنما کس دن کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ تسلیم کہ اسمبلی میں ہیوی مینڈیٹ ان کا، ایوان صدر میں بیٹھا ہوا ''نیک بندہ'' ان کا، عدالتوں میں مقرر کردہ صدر نشین ان کے ہیں، فوجوں کے کمانڈر ان کے ہیں، خزانوں کے چابی برداران کے ہیں، قاتلوں اور غنڈوں کے شہسواران کے ہیں۔ دن ان کے ہیں راتیں ان کی ہیں مگر سب کچھ ہونے کے باوجود اللہ اور رسول ﷺ کے نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ساری طاقتیں رکھنے کے باوجود یہ اللہ کی اطاعت سے محروم ہیں تو کچھ بھی نہیں۔

وزارت ان کی، صدارت ان کی، اسمبلی ان کی، عدالت ان کی، دولت ان کی، فوج ان کی، کوئی ہے جو ان کو چھیڑ سکے؟ کوئی ہے جو ان کو پوچھ سکے کہ تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں؟ کوئی ہے جو ان سے پوچھ سکے کہ تم رات کے اندھیروں میں جو اعلان کرتے ہو صبح کے وقت ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔

تخت بھی تیرا راج بھی تیرا فوج بھی تیری قبضہ بھی تیرا
ذکر خدا سے غافل لوگو! حشر بھی تیرا نشر بھی تیرا

ہم یہ سطریں لکھ رہے تھے کہ ہمارے ایک دوست آ دھمکے جو کبھی ہماری طرح ''فقرے'' تھے۔ بیس سال اکٹھے روکھی سوکھی روٹیاں کھاتے رہے، مگر اب ''ہذا من فضل ربی'' سے کروڑ پتی بن گئے ہیں۔ کچھ دھندہ ہیں کچھ نادھندہ! کچھ پریشان، کچھ ذیشان ہیں، لکھی ہوئی چند سطریں پڑھ کر کہنے لگے ''یار ڈرایا نہ کرو! یہ نہیں جاتے نہیں جائیں گے مجھ سے لکھوا لے'' ہم نے اسے کہا ''یار بات تیری بڑی پکی ہے، اچھی ہے مگر یہ الفاظ میں نے فیلڈ مارشل ایوب خان کے ساتھیوں سے بھی سنے تھے، بھٹو کے جیالوں سے بھی سنے تھے، ضیاء الحق کے جرنیلوں سے بھی سنے تھے، بی بی کے رکھوالوں سے بھی سنے مگر آج

مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے! زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

پاکستان میں نظام مصطفیٰ کی صبح کی کرنیں

جلد ۷............اکتوبر، نومبر ۱۹۹۸ء............شمارہ نمبر ۳،۴

پچھلے دنوں وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے ٹی وی اور ریڈیو پر قوم کو خطاب کیا۔ وہ قومی اسمبلی میں شریعت بل کی منظوری کے بعد قوم کو ملک میں نظام مصطفیٰ کی آمد کی خوشخبری سنا رہے تھے۔ وہ یقین دلا رہے تھے کہ قومی اسمبلی کے تمام ممبران نے شریعت بل کو منظور کر دیا ہے صرف سولہ ایسے بد قسمت اراکین تھے جو نظام مصطفیٰ کی صبح کا استقبال کرنے سے محروم رہے۔ وزیر اعظم فرما رہے تھے اب ملک میں موجودہ فرسودہ نظام میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزادی مل جائے گی اور موجودہ نظام کے پیچ در پیچ راستے سمٹ کر قوم کو منزل کے قریب آنے کا موقع دیں گے۔ وزیر اعظم نے شریعت بل کی منظوری کو مختصر کرتے ہوئے ان انعامات کا تذکرہ کیا جو انہوں نے قوم کے مصائب دور کرنے اور ان پر معاشی بوجھ ہلکا کرنے کے لیے قوم پر نچھاور کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ انہوں نے بجلی کے نرخوں میں کمی کا اعلان کیا۔ انہوں نے غریب ہاریوں اور مزارعوں کو زمین دینے کا اعلان کیا۔ انہوں نے کسانوں کو سستے ٹریکٹر دینے کی خوشخبری سنائی۔ وہ ان مسائل کو اتنی تفصیل سے بیان کرتے گئے جس طرح وہ سابقہ دو سالوں سے اپنی تقریروں میں کرتے چلے آ رہے ہیں وہ ان مسائل کی تفصیلات بتانے میں اتنے دور نکل گئے کہ انہیں اب شریعت بل کی تفصیلات اور

نظام مصطفیٰ کے ثمرات بیان کرنے کی راہیں بھول گئیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کے سیکرٹریوں کی لکھی ہوئی تقریر ان کے سامنے تھی اور پاکستان کا ہر شخص جانتا ہے کہ ملک کی نوکر شاہی شریعت بل سے کتنی دلچسپی رکھتی ہے اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ سے انہیں کتنا واسطہ ہے۔ ہمارے وزیراعظم بڑے بھولے بھالے شہزادے ہیں۔ بڑے اللہ والے وزیراعظم ہیں۔ وہ آئے تھے شریعت بل کی کامیابی کا اعلان کرنے مگر الجھ گئے ان وعدوں کے جنگل میں جنہیں وہ ملک کی نوکر شاہی کے کہنے پر آئے دن قوم کے سامنے بیان کرتے رہتے ہیں۔

اگر وزیراعظم نواز شریف کی تقریر ساز سیکرٹری کی جگہ ہم ہوتے اور تقریر ہم لکھ کر دیتے (جو ناممکن ہے) تو شریعت بل کی منظوری کی خبر سنانے کے ساتھ ساتھ ہمارے وزیراعظم اعلان کرتے کہ" آج کے بعد پاکستان میں شراب خانے بند ہو جائیں گے، بدکاری کے اڈوں کے تمام لائسنس منسوخ کر دیے جائیں گے۔ سرکاری اور غیر سرکاری کلب ختم کر دیے جائیں گے۔ سود کا کاروبار روک دیا جائے گا۔ مشاہد حسین کے ٹی وی کی ساری رقاصائیں چھٹی پر چلی جائیں گی جو زیادہ گرم ہوں گی وہ ایوارڈ پاکر مغربی ممالک میں قیام پذیر ہو جائیں گی۔ ڈرامہ میں اچھلنے کودنے والی جل پریاں گھر آرام کریں گی۔ رشوت لینے والے بھیڑیوں کے لیے دفتروں کے دروازے بند کر دیے جائیں گے۔ خواتین پر بھنکنے والے بھنورے حوالاتوں میں بند ہوں گے۔ ڈاکا مارنے والے، لوٹ مار کرنے والے، دہشت گردی پھیلانے والے موت کی وادی میں دھکیل دیے جائیں گے۔ زانی اور شرابی برسرعام سنگسار ہوں گے یا کوڑوں کی زد میں ہوں گے۔

آج کے بعد مسجدیں آباد ہو جائیں گی ہر مسجد پر سرسبز جھنڈا لہراتا نظر آئے گا۔ آج ہر مسجد میں نماز شکرانہ ادا کی جائے گی۔ آج ہر محلے، ہر گلی، ہر قصبے، ہر شہر اور ہر

گاؤں میں غریبوں کو کھانا کھلایا جائے گا۔ آج کے بعد رات کو کوئی بھوکا نہیں سوئے گا اور دن کو کوئی ظالم ہاتھ نہیں بڑھا سکے گا۔ پاکستان کی شاہراہوں پر مستورات تن تنہا سفر کریں گی تو انہیں کوئی نظر بد سے نہیں دیکھ سکے گا۔ میں رات کو جاگوں گا لوگ آرام کی نیند سوئیں گے۔ میں دن کو کام کروں گا لوگ ملک کو آباد کریں گے، میں خدمت خلق کروں گا لوگ ملک کی حفاظت کریں گے، میں ملک کا انتظام سنبھالوں گا، لوگ ملک کی سرحدوں کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیں گے۔''

مگر ایسا نہ ہو سکا وزیر اعظم ایسا نہ کر سکے، ایسا نہ کہہ سکے، ایسا نہ بتا سکے، وہ بجلی کے مارے ہوئے عوام کو صرف تسلی دیتے رہے وہ سابقہ حکومت کی لوٹ کھسوٹ کے گڑھے دکھاتے رہے وہ ملکی دولت لوٹنے والے لٹیروں کو کوستے رہے، وہ بجلی پیدا کرنے والی کمپنیوں کو کمیشن دینے اور لینے پر لعن طعن کرتے رہے۔ وہ نظام مصطفیٰ کی ابھرتی ہوئی روشن کرنوں کو نہ خود دیکھ سکے نہ قوم کو دکھا سکے وہ ''شب گزیدہ سحر'' کا ذکر کرتے رہے اور ہم ان کی تقریریں سن کر گردن جھکائے اس صبح کا انتظار کرنے لگے جس پر پچاس سال سے ہماری نگاہیں لگی ہوئی تھیں اور نظام مصطفیٰ کے آفتاب کا پیغام لے کر آنے والی تھی۔

وزیر اعظم کا شریعت بل کی منظوری کے اعلان پر نظام مصطفیٰ سے بیگانہ اور شریعت محمدیہ کے مخالفین آستینیں چڑھائے میدان میں نکل آئے۔ ہم نہیں مانتے ہم نہیں جانتے وہ غصے میں کانپ رہے تھے اور کہہ رہے تھے یہ شریعت بل نہیں شرارت بل ہے، یہ اسلام نہیں ہم اس کو دور سے سلام کرتے ہیں، اخبارات میں شور مچ گیا بیان پر بیان آنے لگے نفاذ شریعت سے جنہیں اپنے ذاتی مفاد پر ضرب پڑتی نظر آئی وہ مخالفت میں مخالف جماعتوں سے جا ملے، سود خور، بدکردار، حرام خور میدان میں نکل آئے بڑے بڑے جغادری سیاست دان اسی انداز میں شریعت بل کی مخالفت میں

یک زبان ہو گئے جس طرح تحریک پاکستان کے وقت قائداعظم کو کافر اعظم کہنے والے کانگریس کے کیمپوں سے نکل کر اپنی ہی قوم پر ٹوٹ پڑے تھے اور پاکستان کے خلاف شور مچاتے تھے اسی طرح آج بیان بازی میں مصروف ہو کر یہ لوگ ہر انداز میں وزیراعظم کو ڈراتے ہیں ہر زبان میں وزیراعظم کو دھمکاتے ہیں، ہر قدم پر وزیراعظم کو للکارتے ہیں یہ ان لوگوں کا پرانا انداز ہے مگر ان بے دینوں، بد مذہبوں، بد کرداروں کے ساتھ جب ہم دینی جماعتوں کے راہنماؤں کو مارچ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہماری گردنیں ندامت سے جھک جاتی ہیں۔ اسلام کے نفاذ کی خاطر زندگی گزارنے والے علماء کرام اور نظام مصطفیٰ کی تحریک میں قربانیاں دینے والے دینی راہنما بھی باایں علم وفضل شریعت بل کے مخالفین کے کیمپ میں بیٹھے دکھائی دیتے تھے تو ہمیں وہ زمانہ یاد آتا ہے جب جبہ و دستار کے مالک گاندھی اور نہرو کی جے جے کرتے سنائی دیتے تھے۔ ان علمائے کرام اور لیڈران عظام کے علاوہ مغربی تہذیب کے دلدادہ بھی میدان میں نکل آئے یہ وہ لوگ ہیں جو ملک کو مغربی تہذیب کی نجاستوں سے آلودہ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور تو اور خواتین کے حقوق کی جنگ لڑنے والیاں بھی شریعت بل کی مخالفت میں نعرہ زن ہیں وہ سڑکوں پر مظاہرہ کرتی ہیں اور مرنے مارنے کی دھمکیاں دیتی ہیں۔

الحمد للہ! ان مخالفین شریعت بل کے برعکس ملک کے علمائے کرام کا ایک کثیر طبقہ صبح نظام مصطفیٰ کی کرنوں کا استقبال کرتا ہے۔ ملک میں نظام مصطفیٰ کی عملداری کے خواہاں کروڑوں عوام اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہیں ظلم وستم کے ستائے ہوئے مساکین ہاتھ اٹھا کر شریعت بل کی کامیابی کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔ سود خوروں اور حرام خوروں کے چنگل میں پھنسے ہوئے لاکھوں بے بس لوگ اس دن کے منتظر ہیں جب اس ملک میں شریعت کی بالادستی ہوگی۔ لاطائل مقدموں میں ایک

طویل سے عرصے سے پھنسے ہوئے بے بس عوام اس دن کی راہیں دیکھ رہے ہیں جب عدالتوں کے دروازے شریعت کی روشنیوں سے کھلیں گے اور عدل و انصاف کے پروانے لے کر گھروں کو آئیں گے۔ غربت و افلاس کے مارے ہوئے لاکھوں لوگ صبح شریعت کی طرف آنکھیں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے ہیں۔ بھوک اور پیاس سے نڈھال پاکستانی صبح نظام مصطفیٰ کی روشنیوں کو ترس رہے ہیں جو انہیں پیٹ بھر کر روٹی کی ضمانت دیتی ہیں۔

ہمارے وزیراعظم کمزور ہیں وہ زبردستوں میں گھرے ہوئے ہیں، ہمارے وزیراعظم دہشت زدہ ہیں وہ ڈرانے والوں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمارے وزیراعظم ڈر رہے ہیں وہ دہشت گردوں کے گھیرے میں ہیں۔ مگر ہم انہیں مشورہ دیں گے اگر مان جائیں کہ آپ اللہ کا نام لیکر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام کر آگے بڑھیں استقامت کے ساتھ نظام مصطفیٰ نافذ کریں سارا پاکستان آپ کے ساتھ ہوگا۔ ساری خدائی آپ کے ساتھ ہوگی۔ ساری دنیا آپ کے ساتھ ہوگی۔ زمین و آسمان آپ کے ساتھ ہوں گے۔ یہ ڈرانے والے، یہ دھمکانے والے، یہ بزدل بنانے والے، یہ دبانے والے، یہ ریکانے والے آپ کے ایک نعرۂ مستانہ کے سامنے جھاگ کی طرح بیٹھ جائیں گے۔

یہ وقت کے ہیں شعبدے، ابھی نہیں تو کل مٹے
یہ تیری زد میں آئیں گے اور تجھ سے منہ کی کھائیں گے
اٹھا قدم، قدم بڑھا! قدم بڑھا قدم بڑھا!
یہ میکدے اجاڑ کر یہ جام توڑ تاڑ کر
یہ سرزمیں بسائیں گے اک پاک گھر بنائیں گے
جہاں ملے گی ہر گھڑی حجاز کی پکھی ہوئی

ہمارے چند علمائے کرام جب ہمارے ساتھ بیٹھتے ہیں تو اس خدشہ کا اظہار کرتے ہیں کہ ہمیں ان حکمرانوں سے نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی توقع نہیں نہ وہ شریعت بل لائیں گے نہ نظام مصطفیٰ نافذ کریں گے وہ اپنے خدشات کی بنیاد حکمرانوں کے ان دعووں پر رکھتے ہیں جو سیکڑوں کی تعداد میں قوم سے کیے گئے اور پھر ان کو بھلا دیا گیا۔ پھر یہ زر پرستوں کا طبقہ، یہ قرضے کھانے والا گروپ، شریعت کو کس طرح اپنا سکتا ہے ہم ایسے علماء کرام کے خدشات کو دور کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اور انہیں بتاتے ہیں کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں قادیانیوں کے خلاف ایک ترمیم ہوئی تھی جو ایک ایسے شخص کے ہاتھوں سے انجام پائی جو اسلام سے بیزار تھا ایسے ممبران کے ووٹوں سے ہوئی جو اسلام سے لاتعلق تھے، ترمیم منظور ہوگئی، آئین کا حصہ بن گئی۔ ترمیم کرانے والا شخص چلا گیا ووٹ دینے والے ممبران چلے گئے۔ اقتدار کی کرسیاں الٹ گئیں مگر آج ہماری عدالتیں اسی ترمیم کی روشنی میں قادیانیوں کے خلاف فیصلے دے رہی ہیں۔ مرزائیوں کو پاکستان کی سرزمین پر اقلیت ہونے اور مرتد ہونے سے کوئی نہیں بچا سکا۔ اقتدار آنی جانی چیز ہے اگر موجودہ حکمرانوں سے انہیں خدشات ہیں تو یہ شریعت بل کی منظوری میں رکاوٹ نہ بنیں۔ یہ شیطانی محرکات ہیں جو ایسے نیک فطرت علماء کرام کو شریعت بل کی تائید سے روک رہے ہیں۔ شریعت کی بالادستی آئین کا حصہ بننے دیں پھر دیکھیں کون شرابی، کون زانی کون ڈاکو، کون سود خور اور کون ظالم اور چور پاکستان میں سر اٹھا کر چل سکتا ہے۔

یہ زمیں آباد ہو گی نغمۂ توحید سے
یہ جہاں بیدار ہو گا نعرۂ تکبیر سے

پاکستان کی دینی جماعتوں کا رخِ کردار

جلد ۷.........دسمبر ۱۹۹۸ء.........شمارہ نمبر ۴/۷

چند دنوں سے وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف پاکستان کے مختلف علاقوں میں دورے کر رہے ہیں۔ انہوں نے پاکستان کے شمالی علاقوں پر خصوصی توجہ دی ہے اور بڑے بڑے اجتماعات کو خطاب کر کے ملک کی موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالتے رہے ہیں ان خطابات میں وزیراعظم کا خصوصی نقطۂ خیال شریعت بل کی منظوری اور ملک میں قانون شریعت کے نفاذ پر مرکوز رہا ہے۔ آپ نے ہر جگہ بڑے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ ہمارے تمام مصائب کا علاج شریعت کے نفاذ میں ہے۔ انہوں نے عدل وانصاف، مظلوموں کی دادرسی، قتل وغارت کے خاتمہ، فرقہ واریت کا انسداد، حتیٰ کہ ملک کی معاشی اور اقتصادی بدحالی کا علاج نفاذ شریعت قرار دیا ہے۔ وہ اس معاملہ میں اتنا آگے چلے گئے ہیں کہ اپنی جماعت کی ساری توانائیاں نفاذ شریعت میں صرف کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں ایک مقام پر تو انہوں نے اپنی ذات کو بھی نفاذ شریعت کے لیے وقف کر دینے کا اعلان کر دیا۔

وزیراعظم کے یہ اعلانات پاکستان کی اکثریت کے دل کی آواز ہیں۔ دین سے محبت رکھنے والے لوگ انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ پچاس سالہ سیاست کے مارے ہوئے لوگ اسلام کے دامن میں پناہ لینے کے لیے بے تاب ہیں۔ پھر طبقاتی

لوٹ کھسوٹ کے روندے ہوئے عوام نظام مصطفیٰ کی صبح کی روشنی کو دیکھ کر سکون کا سانس لیتے نظر آ رہے ہیں۔ بایں ہمہ جب ہم ملک کی دینی جماعتوں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ان میں وہ جوش و خروش نہیں پایا جاتا جس کی ان سے امید تھی۔ وہ وزیراعظم کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے سنائی نہیں دے رہے جس کی ان سے توقع تھی وہ وزیراعظم کے اعلانات کی اس طرح پذیرائی نہیں کر رہے جن کی ان سے امید تھی۔ ان میں کئی دینی جماعتیں تو پوری قوت کے ساتھ وزیراعظم کی مخالفت کر رہی ہیں کئی دینی لیڈر تو بڑھ چڑھ کر شریعت بل کے خلاف بیان بازی کر رہے ہیں۔ کئی سینیٹرز تو دھمکیاں دے چکے ہیں کہ ہم شریعت بل پاس نہیں ہونے دیں گے۔ کئی دینی راہنما تو شریعت بل کو ''شرارت بل'' کے فتوؤں سے نواز چکے ہیں۔ ان مخالف دینی راہنماؤں کے بر خلاف جب ہم نواز شریف کی اپنی مسلم لیگ کے راہنماؤں کو دیکھتے ہیں تو وہ اس طرح خاموش، بے حس و حرکت اور ''صم بکم'' دکھائی دیتے ہیں۔

ع۔ جیسے کوئی گناہ کیے جا رہے ہوں وہ

وزیراعظم کی تقریر کے وقت یوں خاموش تماشائی بنے نظر آتے ہیں جیسے بادل نخواستہ جلسہ میں لائے گئے ہوں ان میں کئی شرابی کبابی ہیں جو شریعت بل کا نام سن کر گردن جھکا دیتے ہیں۔ کئی لیٹرے اور نادہندہ ہیں جو نفاذ اسلام کو اپنے لیے خطرہ جانتے ہیں۔ کئی مار دھاڑ کرنے والے ہیں جو محسوس کرتے ہیں جیسے شریعت بل ان ہی کے خلاف آ رہا ہے۔ ایسے سیاسی ساتھیوں کی بے حسی، خاموشی، بے اعتنائی، اور بے نیازی سے محسوس ہوتا ہے کہ شریعت بل صرف نواز شریف کا ذاتی مسئلہ ہے انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔

وزیراعظم کے رفقائے کار کا یہ رویہ قابل افسوس بھی ہے اور قابل مذمت بھی، مگر دوسری طرف دینی جماعتوں کے راہنما جس انداز سے شریعت بل کی مخالفت کر

رہے ہیں وہ نہایت افسوس ناک بھی ہے اور خطرناک بھی، جماعت اسلامی اپنی تمام تنظیمی اور مالی توانائیاں لے کر میدان مخالفت میں کھڑی ہے، انقلاب مصطفوی کے علمبردار علامہ طاہرالقادری کی دینی جماعت پیپلز پارٹی کے مسترد شدہ جیالوں کا جلوس لے کر ''مظلوم بی بی'' کی ہمنوائی کر رہی ہے، نواب زادہ نصراللہ خاں اپنے حقہ کی ''نے نوازی'' سے شریعت بل کے خلاف رندانہ اشعار سناتے رہتے ہیں۔ جمعیۃ العلمائے اسلام مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں عمر رفتہ کو آواز دینے میں مصروف ہے دیو بندی مکتبہ فکر کی دوسری جماعتیں بھی گومگو کی حالت میں ہیں۔ کراچی میں ایم کیو ایم اور سرحد میں پی این اے تو نہ کبھی شریعت کے خواہش مند تھے اور نہ ان سے کسی کو گلہ ہے۔ مگر دینی جماعتوں اور دینی راہنماؤں کا انداز فکر بڑا حیران کن ہے۔

گلہ وفائے جفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے
جو میں بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

ان دینی جماعتوں کے علاوہ ملک کی عظیم اکثریت اور سواد اعظم کی راہنما جماعتیں اہل سنت کے مختلف دھڑوں اور طبقوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ جمعیۃ علماء پاکستان تین ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے جماعت اہل سنت دو دھڑوں میں بٹ کر بکھر چکی ہے۔ مشائخ کرام ابھی تک صف بندی نہیں کر سکے۔ سنی دینی مدارس ابھی تک باہر نہیں نکلے اگر کوئی سنی طبقہ شریعت بل کی حمایت کرتا ہے تو اسے دوسرا گروپ تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ اگر ایک طبقہ حمایت کرتا ہے تو دوسرا طبقہ اسے ہزاروں طعنوں سے مطعون کرتا ہے۔ یہ صورتحال شریعت بل کی حمایت اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی جدوجہد میں بڑی ہی قابل افسوس ہے۔ دینی سیاسی جماعتوں کے ساتھ ساتھ ملک کی کئی دینی جماعتیں اپنی خاموش اجتماعی قوت کے باوجود ملک میں نفاذ شریعت کے بل سے علیحدہ ہیں۔ دیو بندیوں کی تبلیغی جماعت ''رائے ونڈ'' کے کعبہ میں جمع ہو کر ''دین کی باتیں'' کر کے

گھر چلے جاتے ہیں۔سنیوں کی ''دعوت اسلامی'' سبز عماموں کے سایہ میں تو فقط اللہ ہواللہ ہو'' میں مست ہے وہابیوں کا ''لشکر طیبہ'' مرید کے میں بندوقوں کی نمائش کر کے گھر چلا جاتا ہے، دیو بندیوں کا متحارب گروپ سپاہ صحابہ'' اپنا شکار'' ٹھکانے لگا کر منقار زیر پر ہو جاتا ہے شیعوں کے'' سپاہ محمد'' کوئی'' موٹی تازی مچھلی'' پکڑ کر'' خیمہ سادات'' میں جا بیٹھتے ہیں۔ یہ تمام دینی طبقے شریعت بل سے بے نیاز اور'' نفاذ شریعت'' سے دور'' خیمہ بستیوں'' میں تان کر سوتے ہیں۔

دینی جماعتوں کا یہ رخ کردار بڑا حیران کن ہے دوسری طرف وزیر اعظم بھی عجیب راہوں پر چل رہے ہیں۔ بات نفاذ شریعت کی کرتے ہیں مگر علمائے دین کو اعتماد میں نہیں لیتے۔ بات'' شریعت بل'' کی کرتے ہیں مگر شریعت پر یقین رکھنے والوں کو نظر انداز کرتے جاتے ہیں۔ بات'' نظام مصطفیٰ'' کی کرتے ہیں مگر لٹیروں، زر پرستوں، رسہ گیروں، اور شراب کے ٹھیکیداروں کا قافلہ لے کر چلتے ہیں۔ بات موسیٰ کی کرتے ہیں، دستر خوان فرعون کا بچھاتے ہیں، بات حسینؑ کی کرتے ہیں، دربار یزید کا سجاتے ہیں، بات قائداعظم کی کرتے ہیں، راستہ جاگیرداروں کا اختیار کرتے ہیں، بات غریبوں کی کرتے ہیں، مگر درخواستیں امیروں کی منظور کرتے ہیں، بات شریعت کی کرتے ہیں اعزازات رنڈیوں کو دیتے ہیں، بات شریعت بل کی کرتے ہیں انعامات فلمی پریوں میں بانٹتے ہیں۔ شریعت لانی ہے تو شریعت سمجھنے والوں کو اکٹھا کریں۔ شریعت نافذ کرنی ہے تو علمائے شریعت کو بٹھائیں، شریعت کا اعلان کرنا ہے تو شریعت کو جاننے والوں کو بلائیں اگر شریعت کو نافذ کرنا ہے تو

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

اس تمام مایوس کن صورتحال کے باوجود ہم وزیر اعظم پاکستان کی کوششوں کو

سراہتے ہیں، ان کے اعلانات پر اظہار مسرت کرتے ہیں۔ ان کے اقدامات پر لبیک کہتے ہیں۔ ہم ان سنی علماء کو سلام کرتے ہیں۔ جو پچھلے دنوں اسلام آباد کی ''یا رسول اللہ ریلی'' میں شریک ہوئے تھے۔ ہم وزیراعظم کی جدوجہد کو ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہیں اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ وہ صدق دل سے قدم بڑھاتے جائیں گے تو کامیابی ان کے قدم چومے گی۔ وہ ناموس مصطفیٰ کے لیے دن رات ایک کر دیں اللہ ان کا حامی و ناصر ہوگا اور ان کی کوششیں ایک دن رنگ لائیں گی، اور یہ خطہ پاکستان نظام مصطفیٰ کی روشنیوں سے معمور ہو کر رہے گا۔ اس راہ میں مشکلات آتی ہیں، رکاوٹیں آتی ہیں مخالفتیں آتی ہیں۔ آوازیں اٹھتی ہیں، دہشت ناکیاں ڈراتی ہیں، شیطانی آوازیں خوف زدہ کرتی ہیں لیکن دین کے لیے استقامت کے ساتھ قدم اٹھانے والے آخر کار کامیاب ہوتے ہیں۔

ایک وقت تھا جب قائداعظم محمد علی جناح برصغیر کے ضعیف اور کمزور لوگوں کا قافلہ لے کر نکلے تھے تمام سرمایہ دار قوتیں طوفان بن کر سامنے آتی تھیں۔ ہندو اور انگریز کے تربیت یافتہ فتنے اٹھ اٹھ کر قائداعظم کو ڈراتے تھے۔ کانگرس کے زرخرید ''علماء کرام'' پاکستان کی مخالفت کے لیے ''جہاد'' کرتے تھے۔ ''مجلس احرار اسلام'' کے راہنما پاکستان کی ''پ'' پر لعنت بھیجتے تھے۔ دیوبند کے بلند و بالا دینی راہنما اپنے وطن کی گائے کو ذبح ہوتے دیکھتے تو قرآن کی آیات پڑھ پڑھ کر گاندھی اور نہرو سے ہمدردی جتلاتے تھے۔ خاکساروں کی عسکری قوتیں قدم قدم پر ٹکراتی تھیں۔ سرحدی گاندھی کے ''سرخ پوشوں'' کی تلواریں پاکستان کے خلاف چمکتی نظر آتی تھیں۔ جاگیرداروں کے یونینسٹ انگریز کی وفاداریوں کے قبالے اٹھا اٹھا کر پاکستان کی مخالفت کرتے تھے۔ ان تمام فتنوں اور طوفانوں کے باوجود قائداعظم محمد علی جناح نے

میدان عمل میں نکلے تھے، مسکینوں اور غریبوں کو پاکستان کا نعرہ دے کر آگے بڑھے تھے اور اپنے نعرہ میں مخلص تھے وہ اپنے مقصد میں سچے تھے، وہ کامیاب ہوئے اور مخالفت کے تمام طوفان دھول بن کر ان کے قافلوں کی گرد راہ بن گئے۔ پاکستان کو گالیاں دینے والے پاکستان کے دامن میں پناہ لینے آگئے اور پاکستان کی ''پ'' پر لعنت بھیجنے والے پاکستان کی سرزمین میں دفن ہونے لگے۔

آج ایسے ہی طوفانوں کا سامنا ہے، آج ایسے ہی فتنوں کا سامنا ہے آج ایسے ہی راہنماؤں کا سامنا ہے، آج ایسے ہی قوم پرستوں کا سامنا ہے آج ایسے ہی دہشت گرد مقابلے میں کھڑے ہیں، اگر عزم راسخ ہے ایمان ہے اور نیت نیک ہے تو ان شاء اللہ اس ملک میں قانون مصطفیٰ کا نفاذ ہوگا، نظام مصطفیٰ کی حکمرانی ہوگی، پاکستان کے لوگ دیکھیں گے کہ مخالفت کرنے والے، رکاوٹیں کھڑی کرنے والے، شریعت بل کے خلاف ووٹ دینے والے، نفاذ اسلام کے خلاف جلسے کرنے والے، نظام مصطفیٰ کے خلاف جلوس نکالنے والے، شریعت بل کے خلاف دھرنے دینے والے، شریعت کے قوانین پر طعنہ زنی کرنے والے گرد راہ کی طرح بیٹھ جائیں گے اور

یہ زمیں معمور ہوگی نعرۂ تکبیر سے

یہ جہاں آباد ہوگا جلوۂ توحید سے

خوش قسمت قیادت کے بدقسمت لوگ

جلد ۷........جنوری فروری ۱۹۹۹ء........شمارہ نمبر ۵

مسلم لیگ کی موجودہ قیادت اتنی خوش قسمت ہے کہ سابقہ حکمرانوں کی لوٹ کھسوٹ سے تنگ آئے ہوئے لوگوں نے اسے بھرپور اعتماد سے کامیاب کیا اور پاکستان بھر کی صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں اتنی زبردست اکثریت نصیب ہوئی جس کی مثال پاکستان کے سابقہ سیاسی ادوار میں نہیں ملتی۔ بایں ہمہ مسلم لیگ قیادت نے کئی دشمن جماعتوں کو اقتدار میں شریک کر کے انہیں غیروں کی طرف دوڑنے سے روک دیا۔ مسلم لیگی قیادت نے اپنی اس حکمت عملی کو یہاں تک استعمال کیا کہ ملک دشمن اور اسلام دشمن جماعتیں اس کی حلیف بن کر وزارتوں اور نوازشوں سے خوش کام ہو گئیں۔ سرحد کی ''نیشنل عوامی پارٹی'' کے نظریات سے کون واقف نہیں تھا اسے اپنا رفیق اقتدار بنا لیا ''ایم کیو ایم'' کی لسانی تحریک کے زہر کا کسے علم نہیں تھا مگر مسلم لیگی قیادت نے اسے نہ صرف شریک اقتدار کر لیا بلکہ اس کے قاتلوں اور لٹیروں کو بے پناہ نوازشوں سے مالا مال کر دیا۔

یہ تو ملک دشمن اور اسلام دشمن جماعتوں سے مسلم لیگ حکومت کا حسن سلوک تھا دوسری طرف ملک کی کئی دوسری سیاسی جماعتوں کو خواب گراں سے بیدار ہونے سے پہلے ہی سیاست کی جادوگری نے نیم پختہ نیند سلا دیا۔ جمعیت علماء اسلام (فضل الرحمٰن

گروپ)اورنواب زادہ نصر اللہ کی (جمہوری پارٹی) تو سابقہ حکومت کے ''ڈیزل'' اور حقے کی ''نے نوازی'' سے بدنامی کی موت مر چکی تھی۔مگر جمعیت علماء اسلام (سمیع اللہ گروپ) اور جمعیت اہل حدیث کو جن اندھیروں میں لا کر مارا گیا اس کا نشان تک نہیں ملتا۔ ''جمعیت علمائے پاکستان'' کو پہلے دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا، پھر تین ٹکڑوں میں بانٹا، پھر اس کو اپنے ٹکڑوں پر لگا لیا اور پھر ان بچے کھچے ٹکڑوں کو ایسی موت مارا کہ آج کوئی ان کو رونے والا بھی نہیں ملتا۔

سیاسی طور پر یہ ''خوش قسمت قیادت'' بلا شرکت غیرے حکومت کرنے لگی اور ہر سیاسی حریف کے خطرے سے محفوظ ہو گئی۔ ملک میں سیاسی جماعتوں کی موت کے بعد صدر مملکت کو ''ارسطو'' کے زہر کا پیالہ پلا کر پہلے بے بس کیا گیا، پھر ایسی موت مارا کہ ڈیرہ غازی خاں کی ''چوٹی'' کے شکستہ مکانوں کے علاوہ انہیں کہیں جگہ نہ ملی۔ سپریم کورٹ کے سربراہ نے انصاف کا نام لیکر آنکھیں دکھائی ہی تھیں کہ گمنامی کی وادی میں دھکیل دیے گئے۔ ملک کے طاقتور فوجی سربراہ کے لبوں نے ابھی شراکت اقتدار کی بات کی ہی تھی کہ زبان گدی سے نکال دی گئی۔

نگاہ کے تیر سے گر بچ گیا شکار کوئی
تو بڑھ کے زلف نے اس کو اسیر دام کیا

صدر اپنا، کمانڈران چیف اپنا، چیف جسٹس اپنا، اسمبلیاں اپنی سب کچھ اپنا ہی اپنا، ایسی ''خوش قسمت قیادت'' شاید ہی کسی ملک کو نصیب ہوئی ہو گی جس کا سب کچھ اپنا ہے۔آپ اندازہ کریں خیبر سے لیکر کراچی تک

ہم سا ہے تو سامنے آئے !
ہم سے آکر آنکھ ملائے !

بیچاری ''بی بی بے قصور'' کی پیپلز پارٹی آدھی قیادت جیل میں ہے اور آدھی

عدالت کے برآمدوں میں'' **فاعتبروا یا اولی الابصار** ''۔

ع۔ کچھ آرزو میں کٹ گئی کچھ انتظار میں

ہمارے ذہین وفطین جواں سال عالم دین ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی بھی'' خوش قسمت قیادت'' سے روٹھ کر سیاسی مظلوموں اور یتیموں کو دینی سہارا دینے باہر نکلے تھے مگر'' مظلومان اقتدار'' اور'' یتیمان سیاست'' نے حضرت واعظ کی قدر نہ کی اور وہ بھی ان مظلوموں اور یتیموں کو ایک'' پیر حقہ کش'' کے سہارے چھوڑ کر کنارہ کش ہو گئے۔ جماعت اسلامی کے قاضی اپنی گھن گرج سے'' اقتدار کے مغ بچوں'' کو ڈراتے رہتے ہیں مگر بات بنتی نظر نہیں آتی اور یہ'' مغ بچے'' کرپشن، لوٹ کھسوٹ، مار دھاڑ کی باتیں سن کر بابا کے غصے کو قہقہوں میں اڑا دیتے ہیں۔ کتنی'' خوش قسمت قیادت'' ہے یہ

یہ تو'' خوش قسمت قیادت'' کی کہانی تھی اب اس قیادت کے گن گانے والے بدقسمت لوگوں پر ایک نگاہ ڈالیں۔ گرانی اور بے روزگاری نے اس جواں سال قوم کو بوڑھا کر دیا ہے۔ جو بھرپور اعتماد کے ساتھ ان خوش قسمتوں کو خوش نصیبیاں دے کر مطمئن ہے۔ قوم تو مطمئن ہو گئی مگر سود خوروں اور حرام خوروں نے عوامی ذرائع دولت پر قبضہ کر لیا ہے۔ سابقہ دور میں لوٹ مار کرنے والے اب اقتدار کے خیموں میں براجمان ہو گئے ہیں۔ ان خونخوار گرگوں سے جو بچ گیا اسے گلی کوچوں میں ڈاکو دبوچنے لگے۔ جو شاہراہوں کے قزاقوں سے بچ جاتے ہیں وہ اغواء کنندگان کے عذاب خانوں میں پہنچ جاتے ہیں اور'' خوش قسمت قیادت'' کے کارندوں کو خبر ہونے سے پہلے پہلے ہی لاکھوں روپیہ'' فدیہ'' دے کر خاموشی سے گھر آ جاتے ہیں اور لمحہ بہ لمحہ معیشت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتے چلے جاتے ہیں۔

'' خوش قسمت قیادت'' کے یہ'' بدقسمت لوگ'' صرف پیٹ کی بھوک اور جان

کے خوف سے ہی دوچار نہیں ہیں اب تو ان کے ایمان اور ایقان پر محمد شاہ رنگیلے کی فوج حملہ آور ہونے لگی ہے۔ عریانی اور بے حیائی شرافت کا منہ چڑا رہی ہے۔ بدمعاشی اور بدکرداری کو فن کاری کا مقام مل رہا ہے۔ جمعہ کا خطبہ اور صلوٰۃ وسلام کی آواز پر تھانیدار مسجد کے دروازے پر آدھمکتا ہے مگر رات گئے تک فاحشہ عورتوں کے گھنگروؤں کی جھنکار نغمۂ شبانہ بن کر جوان نسل کو ''خوش قسمت قیادت'' کی کامیابیوں پر تالیاں بجانے پر لگائے رکھتی ہے۔

شریعت بل کی بالادستی کے اعلان کے ساتھ ہی فلمی ہیروز اور فاحشہ پریاں ایوارڈ پاتی ہیں، تمغے حاصل کرتی ہیں اور ''خوش قسمت قیادت'' کے وزیروں کو اپنے حسن وشباب کی جلو میں لے کر رقص کرتی ہیں۔ یہ بدقسمت قوم کتنی بدنصیب ہے کہ پہلے ان کی غربت اور تہی دستی سے مذاق ہوتا رہا اور اب ان کے ایمان اور غیرت کو طوائفوں کے پاؤں کی ٹھوکروں سے روندا جانے لگا ہے۔

ع۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو !

علماء کرام خاموش ہیں ان کو زکواۃ کھا گئی ہے، پیران عظام چپ ہیں ان کو بیت المال کھا گیا ہے، مذہبی راہنما دم بخود ہیں ان کو انتشار وافتراق اڑا لے گیا ہے۔ کبھی مسجد کے دروازے کے سامنے باجا بجتا تھا تو لوگ کٹ مرتے تھے، آج سارے پاکستان میں بدمعاشوں کے باجے بج رہے ہیں کوئی آواز اٹھانے والا نہیں، یہ قوم یہ بدقسمت لوگ کن اندھیروں میں دھکیل دیے گئے ہیں؟ یہ بدقسمت عوام کن اندھیری راہوں میں مارے جارہے ہیں؟ یہ بدقسمت پاکستانی لوگ کس جرم کی سزا بھگت رہے ہیں؟

؎ اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے !

دنیا کے گوشے گوشے میں مسلمان دفاعی جنگ لڑ رہے ہیں

جلد ۸.................. مارچ ۱۹۹۹ء.................. شمارہ نمبر ۶۷

آج دنیا کے گوشے گوشے میں مسلمان اپنی بقا کے لیے دفاعی جنگ لڑ رہے ہیں۔ مشرق ومغرب، شمال وجنوب جہاں جہاں مسلمان موجود ہیں کفار کے حملوں کی زد میں ہیں۔ دنیا بھر کی غیر مسلم قومیں اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی قوت کو نیست ونابود کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ مغربی استعمار پسندوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا جس خطہ ارضی پر مسلمان حکومتیں تھیں انہیں ختم کر کے انہیں نوآبادیاتی آرڈرز میں جکڑا ہوا تھا جو برائے نام مسلمان حکمران آزاد کہلاتے تھے انہیں سامراجی قوتیں اپنے زیر انتظام معیشت کا پابند بنائے ہوئے تھیں۔

نوآبادیاتی نظام کے خاتمے کے بعد ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک آزاد ہوئے اور انہوں نے اپنے اپنے انداز میں آزادی کے علم لہرا کر نئی زندگی کا آغاز کیا۔ مگر ان آزاد ممالک پر بھی سابقہ حکمرانوں کی ساحری کام کرتی رہی۔ ایک وقت آیا کہ ایشیا اور افریقہ سے ہٹ کر روس جیسی وسیع سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے ہونا پڑا اور روسی

سامراج کی زنجیریں ٹوٹتے ہی کئی مسلمان ممالک آزادی کی فضا میں کھڑے نظر آئے ایشیا اور افریقہ کے علاوہ روس کے ٹکڑے ہوئے تو جہاں غیر مسلم آزاد حکومتیں بنیں وہاں متعدد مسلمان ممالک بھی آزاد فضا میں سامنے آئے۔ مسلمان ممالک اپنے اپنے علاقائی اور داخلی حالات کے پیش نظر آزادی کی فضا میں ابھرے تو غیر مسلم اقوام کو ایک خطرہ لاحق ہوا کہ یہ آزاد شدہ مسلم ممالک مل کر کہیں دنیا کی عظیم قوت نہ بن جائیں۔ چنانچہ کافرانہ قوتوں نے ''ملت واحدہ'' بن کر مسلمانوں کے خلاف ایک ایسی جنگ کا آغاز کیا جو ساری دنیا میں پھیلتی گئی اور اس جنگ سے دنیا کا کوئی مسلمان ملک نہ بچ سکا۔ اس جنگ کے کئی محاذ تھے کئی پہلو تھے اور کئی انداز تھے، آج ہم اس دنیا پر نگاہ ڈالیں تو جہاں جہاں مسلمان ممالک آزادانہ زندگی بسر کرنے کے لیے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے ہیں کفر اپنی پوری یلغار سے انہیں سرنگوں کرنے کے درپے ہے۔

آج کا عراق امریکہ اور برطانیہ کے میزائل بردار بمباروں کی زد میں ہے۔ آج چیچنیا کوسوو اور سربیا کے مسلمان روس اور سربوں کے مظالم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ آج کا لبنان اسرائیلی قزاقوں کے حملوں سے دوچار ہے۔ آج وادی کشمیر کے مسلمان ہندوستان کے سات لاکھ فوجیوں سے نبرد آزما ہیں۔ ان جارحانہ حملوں کے علاوہ بہت سے مسلمان ممالک ان استعمار پسندوں کے معاشی اور اقتصادی بائیکاٹ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ لیبیا کو سابقہ تیس سال سے مغربی طاقتوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ایران سابقہ بیس سالوں سے امریکہ اور یورپی ممالک کی مقاطعاتی قید میں ہے۔ عراق کے کروڑوں عوام سابقہ بارہ سال سے معاشی اور اقتصادی ناکہ بندی کے علاوہ آئے دن ننگی جارحیت کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ جو مسلمان ممالک جارحیت کے طوفان سے محفوظ ہیں وہ اپنے ہی عوام دشمن اور مغربی دوست ممالک کے جور و ستم کا تختۂ مشق بن رہے ہیں۔

مصر کے حکمران اپنے ان مجاہد مسلمانوں پر ظلم توڑ رہے ہیں جو حکمرانوں کی یہودنواز پالیسی کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں اور ملک میں اسلامی آئین کے نفاذ کے خواہاں ہیں۔ آج ترکی کے لاکھوں عوام اپنے ہی حکمرانوں کے ہاتھوں صرف اس لیے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں کہ وہ ''دین مصطفیٰ ﷺ'' کا نام لیتے ہیں۔ آج شام ، الجزائر، اور سوڈان کے مسلمانوں پر عرصۂ حیات اس لیے تنگ کیا جارہا ہے کہ وہ اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے جدو جہد کررہے ہیں۔

باہر کی بات اپنی جگہ آج پاکستان کے مسلمان عوام اپنے ہی حکمرانوں کے خلاف ''نظام مصطفیٰ ﷺ'' کے نفاذ کی جنگ لڑرہے ہیں۔ افغانستان کو ساری دنیا نے اس لیے نظر انداز کر دیا ہے کہ وہاں ''شریعت محمدیہ ﷺ'' کو نافذ کرنے والی قوتیں ان کے سامنے سرنگوں نہیں ہوئیں۔ آج وسط ایشیا کی مسلمان ریاستوں پر صرف اس لیے کڑی نظر رکھی جارہی ہے کہ کہیں دیر سے آنکھ کھولنے والے مسلمانوں کے دلوں پر'' روح محمد ﷺ'' بیدار نہ ہو جائے۔ دنیا بھر کے مسلماں ان مختلف مصائب کا سامنا کرنے کے باوجود آج اپنی بقا کی جنگ لڑرہے ہیں۔ نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی جنگ لڑرہے ہیں۔ آج دنیا کے ہر خطہ کا مسلمان مسلمان بن کر رہنے کی جنگ لڑرہا ہے۔

ایسے ہی مسلمانوں کو دشمنوں اور دوستوں، اپنوں اور غیروں سے جن حالات کا سامنا ہے اس نے اسے میدان جنگ میں لا کھڑا کیا ہے۔ مسلمانوں کے اس عمل کو آپ آزادی کی جدوجہد کہہ لیں یا اپنی بقا کی جنگ، اسے کفر کے خلاف جہاد کہہ لیں یا باطل قوتوں سے نبرد آزمائی۔ مسلمان ہر انداز اور ہر خطے میں ''جنگ کی حالت'' میں ہے۔

یہ صورت حال تو ان ممالک کی ہے جہاں مسلمان آزاد سلطنت کا مالک ہے، جہاں مسلمان بلا شرکت غیرے خود مختار ہے۔ مگر دوسری طرف دنیا کے بہت سے خطوں میں مسلمان اسلام کی روشن شمعیں لے کر آگے بڑھ رہا ہے۔ آج مغربی ممالک

امریکہ، روس اور افریقی براعظم میں مسلمان کفر کے سنگلاخ قلعوں کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔ آج فرانس میں عیسائیوں کے بعد دوسری بڑی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔آج برطانیہ کی پوری آبادی کا تیسرا حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ آج امریکی ریاستوں میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں مسلمان اپنی امتیازی حیثیت منوا رہے ہیں۔آج روسی سلطنت کی آزاد ریاستوں یا زیرانتظام خطوں میں مسلمانوں کی اکثریت اپنا علم بلند کیے ہوئے ہے۔آج مغربی چین میں مسلمان اپنا وجود تسلیم کرانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

یورپ کے اکثر ممالک مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کو دیکھ رہے ہیں جاپان اور آسٹریلیا اور مشرق بعید کے غیر مسلم ممالک بھی مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے کردار پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ براعظم افریقہ کی اکثر ریاستیں خواہ ان کے حکمران عیسائی ہوں یا دوسرے مذاہب سے تعلق رکھتے ہوں، مسلمانوں کے ابھرتے ہوئے وجود سے انکار نہیں کرسکتیں۔بعض ممالک تو اپنی اپنی معاشرتی رپورٹیں بھی شائع نہیں کرتے مگر یورپ اور امریکہ جیسے ممالک کے تجزیہ نگار اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آج امریکہ میں تین ہزار مساجد بن چکی ہیں۔ایک ہزار دینی تدریسی درس گاہیں قائم ہوچکی ہیں۔ پھر امریکہ کی جیلوں سے آزاد ہونے والے اکثر قیدی دولت ایمان سے منور ہوکر باہر آتے ہیں۔امریکہ کے کالے گورے حبشی یا غیر ملکی ہزاروں کی تعداد میں اسلام قبول کر رہے ہیں۔آج صدر کلنٹن کی بیٹی اسلام کے فلسفۂ حیات کا مطالعہ کررہی ہے۔پھر امریکہ اور اس کی ریاستوں کے اکثر گورے دامن اسلام میں پناہ لیتے دکھائی دیتے ہیں۔

یہ صورت حال جہاں کافرانہ قوتوں کے لیے ایک زبردست خطرہ ہے وہاں اہل ایمان کے مستقبل کے لیے بڑی خوشخبری ہے۔آج کفر کے قلعوں کے دیواریں آہستہ آہستہ کھوکھلی ہورہی ہیں۔آج اسلام کی ضیائیں دنیا کے تاریک گوشوں کو روشن

کررہی ہیں۔آج اسلام یورپ اور امریکہ کے اکثر دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔

یہ تو دنیا کے گوشے گوشے سے آنے والی ٹھنڈی ہواؤں کا ایک رخ ہے مگر خود ہمارے اپنے ملک کے اندر ''نظام مصطفیٰ ﷺ'' کے نفاذ کے لیے جو قوتیں کام کررہی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اوران کے تجزیہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔آج پاکستان کا حکمران طبقہ اگرچہ ''نظام مصطفیٰ ﷺ'' کے نفاذ سے آنکھیں چرا رہا ہے مگر اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت سے خوف زدہ بھی ہے وہ اپنے بیرونی آقاؤں کے ڈر یا پاسداری کے پیش نظر زبان سے اقرار کرنے سے قاصر ہے مگر اس کے دل کی دھڑکنیں بتارہی ہیں کہ اسلام کی بڑھتی ہوئی روشنیاں ان کے کمزور اور سیاہ دلوں پر اثر انداز ہورہی ہیں۔آج ''شریعت بل'' کے سامنے دیواریں کھڑی کرنے والے بھی پریشان ہیں۔

میڈیا کو عریانی اور بے حیائی کی درس گاہ بنانے والے،سود کی غلیظ کمائی کو مال حلال جان کر ہضم کرنے والے،شراب و کباب کی مجالس کی سرپرستی کرنے والے، ناچ گھروں اور کلبوں کی نگہبانی کرنے والے ،فلمی رقاصاؤں کو اعزاز سے نوازنے والے،ان بڑھتے ہوئے طوفانوں کی زد میں ہیں جن کے پیچھے پیچھے ''نظام مصطفیٰ ﷺ'' کے جھنڈوں کی قطاریں آرہی ہیں۔خواب غفلت کے یہ متوالے ان آوازوں کو نہیں سن رہے جو ''حی علی الفلاح'' کا اعلان کرتی آرہی ہیں۔محلات اور ایوانوں کے اندر مست مے پندار ان آوازوں کو نہیں سن رہے جو ''کاخ امراء کے در و دیوار ہلا دو'' کے عمل سے پہلے آیا کرتی ہیں۔

ہم بلا خوف و تردید کہتے ہیں کہ اس صبح کی کرنیں پاکستان کے در و دیوار کو رشن کرنے لگی ہیں جو ''نظام مصطفیٰ ﷺ'' کا پیغام لارہی ہیں۔ہم بلا شک شبہ کہتے ہیں کہ چمنستان مصطفوی کی باد نسیم کے وہ قافلے روانہ ہوچکے ہیں جو پاکستانیوں کے دل و جان کو زندہ کردیتے ہیں۔ہم بلا شک و ریب ان گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سن

رہے ہیں جو وادی بطحا سے نکل کر دنیا پر چھا جایا کرتے تھے۔ ہماری نگاہیں نظام مصطفیٰ ﷺ کے سورج کی ان کرنوں کو دیکھ رہی ہیں جن کے لیے نصف صدی سے زیادہ آنکھیں فرش راہ بن چکی ہیں۔

؎ اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

ایوان اقتدار میں علمائے کرام کی آمد

جلد نمبر ۸..................اپریل، مئی ۱۹۹۹ء.........شمارہ نمبر ۷۷

پچھلے دنوں مملکت خداداد کے تینوں سربراہان مملکت (میاں محمد شریف، میاں محمد نواز شریف اور میاں شہباز شریف صاحبان) خود چل کر ملک کے ایک بلند پایہ ڈاکٹر، دانشور اور مفکر زمانہ جناب اسرار احمد صاحب کے گھر جا پہنچے۔ میاں خاندان کی یہ ایک اچھی روایت ہے کہ بایں اقتدار وقوت وہ علماء کرام اور صوفیائے عظام کو ملتے رہتے ہیں۔ علماء ومشائخ کے علاوہ یہ تینوں اعیان مملکت بزرگان دین کے مزارات اور مجذوبان وقت کے دروازوں پر دستک دے کر اپنے اقتدار واقبال کیلئے دعاؤں اور عطاؤں کا سہارا لیتے رہتے ہیں۔ بزرگان دین کے مزارات اور ارباب کرامت کی خانقاہوں پر حاضری اس خاندان کی محبوب روایت رہی ہے۔ مگر وہ کچھ عرصہ سے رائے ونڈ کے تبلیغی اجتماعات اور ڈاکٹر اسرار احمد جیسے خارجی عالم دین سے بھی استمداد واستعانت کے لیے ہاتھ پھیلانے میں عار محسوس نہیں کرتے۔ واقفان حال بتاتے ہیں کہ اس بار جب یہ تینوں سربراہان مملکت ڈاکٹر اسرار کے ''اسرار خانہ'' میں پہنچے تو انہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ ملکی حالات کی بہتری اور طول اقتدار کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان بھر کے علمائے کرام اور ائمہ وقت کو ایوان مملکت میں بلا کر پہلے خاطر تواضع کی جائے، کچھ عزت افزائی کی جائے، کچھ قرب سلطانی سے نوازا جائے پھر ان

حضرات علم و فضل کو ٹی وی کی رنگین تصاویر کی جھلکیوں کے دامن میں لیکر ان کے عقیدت مندوں کو خوش کر دیا جائے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے گھر پر حاضری کی خبر اخبارات میں آئی ہی تھی کہ ہم نے دوسرے دن دیکھا کہ ٹی وی پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی قیادت میں ملک کے علمائے ذیشان کا ایک مولویانہ وفد وزیر اعظم سے ''دینی معاملات'' پر گفتگو ہی نہیں بلکہ سرگوشیاں کر رہا ہے اور وزیر اعظم خوش ہو کر سر ہلا ہلا کر انہیں یقین دلا رہے ہیں کہ'' آپ نے بجا فرمایا'' درست کہا'' سچ کہا'' ''صحیح کہا'' ہمیں یوں لگا کہ علماء کرام کی اس مشاورتی اور راہنمایانہ ملاقات کے بعد ملک میں شراب خانے بند، ڈاکا اور چوری بند، رشوت اور ٹھگی بند، بدکاری کے اڈے بند، مشاہد حسین کے فلمی ستارے بند، تھوڑا سا سود بھی بند ہو جائے گا۔

ہم اپنے علماء کرام کی اس کامیاب کوشش اور'' مجاہدانہ کردار'' پر بڑے خوش ہوئے۔ ہمیں دوسرے عقائد کے علماء کی کامیابیوں کا تو اندازہ نہیں مگر جب ہم نے اپنے ہم مسلک علمائے کرام کو'' صفوف مجاہدین'' میں بیٹھے دیکھا تو دل خوش ہو گیا اور داد دیتے ہوئے کہا یہ ہیں وقت کے بلند پایہ علمائے احناف جو اورنگ زیب عالم گیر کے دربار کے علمائے احناف کی طرح'' فتاوی عالمگیری'' مرتب کرنے میں مصروف ہیں اب ان کی علمی اور دینی راہنمائی میں قوم پاکیزہ راہوں پر چل نکلے گی۔

دوسرے دن اخبارات میں ایک سرکاری اعلان چھپا کہ تمام مسالک کے علمائے کرام پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی گئی ہے جو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی سربراہی میں ملک میں فرقہ واریت اور دہشت گردی پر قابو پانے کے لیے حکومت سے تعاون کرے گی۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ملک میں دہشت گردی خصوصاً فرقہ وارانہ دہشت گردی ایک اہم مسئلہ ہے اور اس کو روکنے کے لیے'' ملی یکجہتی کونسل'' سے لیکر

ملک کا ہر فرد حکومت کی کوششوں کو سراہے گا۔ مگر علمائے کرام کے سامنے تو ملک کے عظیم تر مفاد ہیں وہ تو اس مملکت خداداد میں ''نظام مصطفیٰ ﷺ'' کے نفاذ کیلئے کوشاں ہیں۔ اس سلسلہ میں نہ کسی عالم دین کے درمیان اختلاف ہے نہ کوئی فرقہ انکار کرتا ہے۔ جب علمائے کرام ایوان اقتدار میں آتے ہیں تو ان کے سامنے یہی مقاصد ہوتے ہیں مگر حکومت ان کی ایسی باتیں سننے یا ایسے مشورے قبول کرنے کی روادار ہی نہیں۔ اکثر علماء کرام تو ایوان اقتدار کی اس روش پر مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ وہ مساجد، مدارس اور اپنے حلقۂ اثر میں بھی آواز اٹھانے کے قابل نہیں رہے اور اگر کوئی عالم دین دربار شاہی کی طرف جاتا دکھائی دیتا ہے یا ایوان اقتدار میں سرگوشی کرتا نظر آتا ہے تو لوگ اسے حکومت کا وظیفہ خوار سمجھتے ہیں یا طول اقتدار کے لیے دعا کرنے والا ملاں خیال کرتے ہیں۔

علمائے کرام کے اس اجلاس میں بھی ایسے ہی علمائے کرام کے ''روشن چہرے'' نظر آئے اور ایسے ہی علماء کرام اپنے رنگین چہرے لیے ہوئے ٹی وی پر دکھائی دیتے ہیں۔ ملک کا کوئی بلند پایہ عالم دین، سارے پاکستان کا کوئی بابصیرت دینی راہنما نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لیے کام کرنے والا کوئی فرد، ہمیں ان بزرگوں کے حلقہ میں بیٹھا نظر نہیں آیا جو ٹی وی کے رنگین کیمروں کی نورانی شعاعوں میں دکھائے گئے تھے۔

علماء کرام کے سامنے ملک وملت کی دینی راہنمائی کے مقاصد ہوتے ہیں چودہ کروڑ عوام کے لیے دین مصطفیٰ ﷺ کی رحمتوں کو پکارتے ہیں۔ مگر علمائے ذیشان کے اس وفد کو دیکھ کر یوں محسوس ہوا کہ

ع۔ میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں

علامہ اقبالؒ اگر زندہ ہوتے تو اس وفد کو دیکھ کر ''دو رکعت کے امام'' ''درباری ملا'' کہہ کر پکارتے مگر ہم تو انہیں دینی راہنما اور علماء و فضلا ہی کہیں گے۔

اس اجلاس کے بعد جو مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا اس میں ڈاکٹر اسرار احمد

صاحب کو کسی انتخاب کے بغیر، کسی تحریک کے بغیر، کسی قید و بند کے بغیر، کسی دھرنے کے بغیر، کسی واک کے بغیر، تمام مسالک کے علمائے کرام کی کمیٹی کا سربراہ بنا دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب تو ''جناح باغ'' کی مسجد سے اٹھے اور علمائے عصر کے سربراہ بن گئے مگر ہمیں تو بیچارے اپنے علماء کرام کے لٹکتے ہوئے چہرے دیکھ کر ترس آتا ہے کہ یہ کیا لینے گئے تھے اور کیا لے کر آئے ہیں؟ موجودہ حکمران علماء کرام سے جس انداز سے مذاق کر رہے ہیں اس سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ایک وقت آئے گا کہ مذاق کا یہ انداز ان کے لیے سامان عبرت بن جائے گا۔

ملک کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ علمائے کرام اور مشائخ عظام کو اس طرح استعمال کیا جا رہا ہے، اس انداز سے بلایا جا رہا ہے، اور اس انداز سے لوٹایا جا رہا ہے اور اس انداز سے بٹھایا جا رہا ہے اور اس انداز سے دکھایا جا رہا ہے۔

بہ ایواں چناں محفل آراستند
نشستند و گفتند و برخاستند!

ان سے تو وہ فلمی ہیرو اور ہیروئن اچھی رہتی ہیں جو مشاہد حسین کی دعوت پر اسلام آباد جاتی ہیں تو کچھ لے کر آتی ہیں۔ ایوارڈ، تمغے، اعزازات، خطابات، انعامات، سندات اور پھر کئی قسم کے ''محرکات'' لے کر لوٹتی ہیں۔ ہمارے ان مسکین علمائے کرام سے تو آج سے چالیس سالہ ''پرانے درویش'' اچھے تھے جو چوک دالگراں لاہور میں میاں محمد شریف صاحب کے گھر جاتے تھے تو کم از کم گیارہویں شریف کا ''تبرک'' تو لے کر آتے تھے مگر آج شریف فیملی اقتدار میں ہے تو کسی مولوی یا پیرزادے کو تبرک تو کیا گھاس تک نہیں ڈالتی۔ یہ تبلیغی جماعت اور ڈاکٹر اسرار احمد جیسے خشک ملاؤں کی صحبت کا اثر ہے کہ بہتے ہوئے چشمے سوکھ گئے، روشن چراغ گل ہو گئے اور اب علماء جاتے ہیں تو خالی ہاتھ واپس چلے آتے ہیں۔

ع۔ شراب گر نہیں دیتا نہ دے جواب تو دے!

آج علمائے کرام مسجدوں میں دبک کر بیٹھ گئے ہیں۔ آج مدرسوں کے استاد حجروں میں بند ہو گئے ہیں۔ آج درباروں کے گدی نشین مراقبہ نشین ہو گئے ہیں۔ آج سٹیجوں کے خوش بیان خطیب ''وعظ فروش'' بن گئے ہیں۔ آج رسول اللہ ﷺ کے نعت خوان ''امراء کے مدحت سرا'' بن گئے ہیں۔ آج حق گو صحافی ''اداریہ نویس'' ہو کر رہ گئے ہیں۔

ع۔ کہاں سے آئے گی اب صدائے لا الٰہ الا اللہ

کاش یہ دینی قوتیں یکجا ہوتیں اور اقتدار کے نشے میں دھت راہنماؤں کو دین کی دعوت دے سکتیں۔ کاش یہ علماء کرام جرات سے کام لیتے ہوئے جواریوں اور سود خوروں کو کلمہ حق کہہ سکتے۔ مشائخ عظام زندہ ہوتے تو دین سے بیزار سیاستدانوں کو تربیت دے سکتے۔ کاش ملک کے دینی دانشور دیدہ ور ہوتے تو عریانی اور بے حیائی کے طوفان کو روک سکتے۔

ایوان اقتدار میں علمائے عصر کی حاضری پر ہم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں کہ وہ ملک کے مختلف مسالک کے علماء کے کمیٹی کے سربراہ بن گئے ہیں۔ ہم اپنے سنی علماء کرام کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں کہ انہیں ایک ہوشیار راہنما مل گیا ہے۔ ہم ''سپاہ صحابہ'' کو خوش آمدید کہتے ہیں کہ ان کی حکمت عملی سے کئی ''مجاہد'' گھر آ جائیں گے۔ ہم ''سپاہ محمد'' کے راہنماؤں کو داد دیتے ہیں کہ وہ سر پر کالی پٹیاں سجا کر گئے اور اپنے ''خون خوار نوجوانوں'' کو چھڑا لائے ہیں۔

یہ تھی وہ میٹنگ جو ایوان اقتدار میں ہوئی۔ یہ تھا علمائے کرام کا وہ اجلاس جو اسلام آباد میں بلایا گیا تھا۔ یہ تھا وہ سفر جس کے لیے ہمارے علمائے دین خوش لباسی میں دوڑے پہنچے۔ یہ تھی وہ ملاقات جو کامیاب بھی تھی اور ناکام بھی۔ یہ تھی وہ دعوت جو پر لطف بھی تھی اور بے نتیجہ بھی۔

ع۔ من اے میر عرب داد از تو خواہم

دینی القابات وخطابات کا بے جا استعمال

جلد نمبر ۸...........جون ۱۹۹۹ء..............شمارہ نمبر ۸۷

تاریخ عالم پر نگاہ ڈالی جائے تو انسانی شرف وفضیلت کو اجاگر کرنے کے لیے القابات وخطابات کا استعمال نسل انسانی کے مختلف ادوار میں رہا ہے اور اصل نام کے ساتھ اوصافی اور صفاتی القابات کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ انسانی معاشرہ میں سب سے باعظمت اور ارباب فضیلت انبیاء کرام کا گروہ ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو لوگوں کی ہدایت کے لیے پوری صلاحیت اور قابلیت سے پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کرام کو ان کے ذاتی ناموں کے ساتھ ساتھ بڑے اہم القابات وخطابات سے نواز کر ان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور عام لوگوں کو ان انبیاء کرام کی عظمت سے روشناس کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو "نجی اللہ" کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "خلیل اللہ" اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو "ذبیح اللہ" کے خطابات سے سرفراز فرمایا گیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے ابتدائی مراحل سے کامیاب وکامران گزرے تو آپ کو "امام الناس" کا خطاب دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام" کو کلیم اللہ" اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "روح اللہ" قرار دیا گیا۔

غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین کی خدمات کو اتنا نمایاں کیا کہ انہیں بڑے بڑے باوقار اور باعظمت خطابات والقابات عطا کیے گئے۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد

مصطفیٰ ﷺ کو جن خطابات اور القابات سے نوازا گیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ رحمۃ للعالمین، سیدالمرسلین، امام الانبیاء، شفیع المذنبین، بشیر، نذیر، سراج منیر جیسے ہزاروں القابات و خطابات عطا فرمائے۔ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ کو تین ہزار سے بھی زائد خطابات سے سرفراز کیا گیا۔

سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے اصحاب اور احباب کی خدمات کو بلندی عطا فرمانے کے لیے ایسے ایسے خطابات عطا فرمائے کہ آج ہم ان حضرات قدسیہ کے ذاتی ناموں سے ہٹ کر ان القابات سے زیادہ واقف ہیں جو سرورِ دو عالم ﷺ نے عطا فرمائے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''صدیق'' سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''فاروق اعظم'' سیدنا عثمان غنی بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''ذوالنورین'' اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو ''اسد اللہ الغالب'' کے خطابات عطا فرما کر تاریخ اسلام میں درخشاں کر دیا۔ پھر یہاں تک ہی نہیں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو سیدالشہداء اور سیف اللہ، جیسے خطابات عطا فرمائے۔

ان پرشکوہ خطابات سے ہٹ کر پیار کی زبان کھلی تو ابوتراب، ابوہریرہ، البتول الحمیرا، سیدۃ النساء جیسے القابات عطا ہوئے۔ صحابہ کرام کا دور گزرا تو امامت کا دور آیا، یہ خطابات بھی اپنی رفعتوں کے لحاظ سے بے مثال تھے۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام مسلم، امام زین العابدین، امام باقر، امام جعفر صادق، رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے خطابات سامنے آئے۔ پھر خانوادۂ رسالت کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی روشنیاں پھیلیں تو امام مالک، امام اعظم، امام شافعی، امام احمد (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جیسے خطابات آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے ان خطابات کا حق ادا کر دیا اور یوں محسوس ہونے لگا کہ ان حضرات کی خدمات کے سامنے ان کے خطابات کم تر ہیں۔

اماماں مذاہب سے تھوڑا سا آگے چل کر جب محدثین کا دور آیا تو سراج الامت، امام المحدثین، شمس الائمہ، امام الائمہ، جیسے خطابات سامنے آنے لگے، ان حضرات کا زمانہ گزرا اور فقیہان اسلام کا دور آیا تو ہم دیکھتے ہیں فقیہ العصر، فقیہ الزمان فقیہ ذیشان جیسے القابات سجنے لگے، امام اعظم، محدثین اسلام، فقیہان ملت نے واقعی اپنے خطابات و القابات کا حق ادا کر دیا اور انہوں نے امامت، فقاہت اور تدوین احادیث کا اتنا عظیم کام کیا کہ ان کے خطابات ان کے کاموں کے سامنے دست بستہ نظر آنے لگے۔

یہ تو وہ لوگ تھے جو کسی تحسین و ستائش کے بغیر کام کرتے گئے مگر جب اسلام میں ملوکیت کا دور آیا تو بہت سے سربراہان مملکت نے اپنے درباری اہل علم وفضل کو بڑے اعلیٰ خطابات و القابات سے نوازا۔ تاریخ میں ایسے حضرات کے نام گنتی سے بھی زیادہ ہیں جنہیں ایسے خطابات سے نوازا گیا مگر حقیقت ہے کہ اگرچہ انہیں سربراہان مملکت نے خطابات دیے مگر ان حضرات نے ان خطابات کا حق ادا کر دیا اور ان کی علمی و دینی خدمات کے پیش نظر واقعی یہ خطابات موزوں اور مناسب تھے۔

علمی اور دینی خدمات کے علاوہ ایسا طبقہ بھی سامنے آیا جو مختلف فنون، کمالات اور ذہانت کی وجہ سے بڑے بڑے خطابات کا مالک بنا۔ ان ارباب فن اور ارباب سخن نے اپنے خطابات کی لاج رکھی اور اپنے کمالات فن اور سخن وری کے جھنڈے گاڑ دیے اور دنیائے علم وفن نے تسلیم کیا کہ واقعی یہ لوگ ایسے خطابات کے مستحق تھے۔

زوال امت کے ساتھ ساتھ زوال علم وفن کا زمانہ آیا تو بہت سے درباری حضرات نے خطابات و القابات کے حصول کے لیے ہر وہ حربہ استعمال کیا جو اقتداری قوتوں کو خوش کر سکے اور ان سے وہ مراعات حاصل کی جا سکیں جو ایسے خطابات سے وابستہ ہوتی ہیں۔ اگرچہ تاریخی اوراق اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ بعض نااہل

لوگوں نے ایسے ایسے خطابات حاصل کر لیے جو ان کی ذات کو زیب نہیں دیتے تھے اور جنہیں دیکھ کر کہنا پڑتا تھا کہ زنگی کا نام کافور، اندھی کا نام نور بھری، بدصورت کا لقب پری چہرہ، یک چشم گل کو گل بکاؤلی کا نام دیا گیا اگر چہ یہ رسم صدیوں سے رواج یافتہ ہے مگر ہمارے معاشرے میں ان القابات اور خطابات کو جس انداز سے بانٹا گیا ہے یا حاصل کیا گیا ہے اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

اگر چہ دنیا کی اسلامی حکومتوں کے درباروں سے ایسے ایسے خطابات اور القابات تقسیم کیے گئے جن کے بعض خطابات یافتہ اہل تھے۔ مگر بعض ایسے بھی لوگ خطابات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جو نااہل تھے۔ جب اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں تو امراء، وزراء، اور سپہ سالاران افواج کے علاوہ مشائخ ،شعراء ،حکماء اور دانشوروں کو بھی مختلف خطابات اور القابات سے نوازا گیا جن کی تفصیلات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مگر سلاطین کے درباروں کے برعکس بعض اولیاء کرام اور علمائے ذیشان کو ان کے منصب و مقام کے پیش نظر ان کے اپنے مشائخ طریقت اور اساتذہ نے خطابات دیے۔ بعض اوقات عقیدت مندوں اور مریدوں نے بھی از راہ عقیدت واحترام اپنے بزرگوں کو القابات دیے۔ حضرت سید ابوالحسن ہجویریؒ کو ''داتا گنج بخش'' سید خواجہ معین الدین اجمیریؒ کو ''خواجۂ خواجگان'' حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو ''محبوب الٰہی'' حضرت سید مسعود فاروقیؒ کو ''گنج شکر'' جیسے خطابات و القابات سے متصف کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے اور دوسرے صوفیائے عظام نے ان خطابات سے کہیں بڑھ چڑھ کر کام کیا۔

مغل بادشاہوں نے جہاں اپنے دربار سے علماء و مشائخ اور شعراء کو مختلف القابات سے نوازا وہاں دربار کے باہر یا دربار کے اندر علماء و مشائخ بھی بلند منصب القابات سے ملقب ہوئے۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کو اس وقت کے زبردست عالم

دین مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ''مجدد الف ثانی'' کا لقب دیا، پھر خانوادہ مجددیہ کے چار بلند پایہ حضرات قیوم اول، قیوم ثانی، قیوم ثالث اور قیوم رابع کے خطابات سے مشہور ہوئے۔ مغلوں کے آخری دور اقتدار میں نقشبندی سلسلہ روحانی میدان میں چھایا رہا۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو ''آفتاب پنجاب'' کے خطاب سے نوازا اور حضرت شیخ عبدالحقؒ ''محدث دہلوی'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ایک وقت آیا کہ دنیائے اسلام میں علماء کرام اور مشائخ عظام نے مختلف ناموں سے شہرت حاصل کی۔ ایک وقت تھا دنیائے علم و فضل میں ''ملا'' کا لقب بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ ملا جامی، ملا دوانی، ملا صدرا جیسے نابغہ روزگار لوگ سامنے آئے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد یہ لقب اتنا عام ہوا کہ اپنا مقام کھو بیٹھا۔ ہر شخص نے اس لقب کو اپنا کر ''ملا'' سے ''ملاں'' بنالیا۔ شیعوں کے ہاں مجتہد کا لقب بڑا مقبول ہوا۔ مجتہد العصر، مجتہد الزماں، مجتہد فی العلم، مجتہد فی المذہب جیسے خطابات تقسیم ہونے لگے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ذاکر بھی مجتہد کہلائے جنہیں ناظرہ قرآن بھی پڑھنا نہیں آتا تھا۔

ایک زمانہ تھا کہ ہر مرید اپنے پیر کو ''قبلۂ عالم'' کہا کرتا تھا۔ ہر شاگرد اپنے استاد کو ''شمس العلماء'' کہتا تھا۔ ہر عقیدت منداپنے شیخ کو ''قطب الاقطاب'' کہا کرتا مگر آہستہ آہستہ جب یہ خطابات پست قد سجادہ نشینوں اور درباری علماء نے اپنا لیے تو ان کی قدر و قیمت باقی نہ رہی۔ برصغیر میں انگریزی اقتدار آیا تو انہوں نے مغل سلطنت کی بعض روایات کو قائم رکھا۔ ان کے دربار سے وابستہ کئی علماء کرام اور شعراء عظام نے خطابات حاصل کیے۔ دولت عثمانیہ کے آخرین فرمانروا، نوابان حیدر آباد دکن نے علماء و فضلاء کو بڑے بڑے خطابات سے نوازا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے ہی خطابات کے مستحق تھے۔

پاکستان بنا تو یہ روایت حکومتی سطح پر بہت کمزور پڑ گئی مگر علمی اور روحانی اداروں

میں خطابات والقابات کا مقابلہ چلتا رہا۔ہم جب پاکستان کے ایسے القابات یافتہ حضرات کو دیکھتے ہیں تو وہ اپنے ان خطابات سے نہایت پست بلکہ بعض اوقات ''بر عکس نہند نام زنگی کافور'' کا منظر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ خطاب یافتہ حضرات علمی اور عملی معیار میں اس قدر پست تھے کہ ان کے القابات وخطابات بذات خود کانپنے لگے کہ ہمیں کہاں لا رکھا گیا ہے۔ بعض حضرات تو ایسے ہیں جنہیں یہ بھی تمیز نہیں کہ اس خطاب کے کیا معنی ہیں۔اس کو کس انداز سے استعمال میں لانا ہے۔ بعض اوقات ان خطابات کا استعمال مضحکہ خیز نظر آنے لگتا ہے۔

تحریک پاکستان کے دوران دیوبند کے ایک زبردست عالم مولانا حسین احمد مدنی ہندو کانگریس کے کیمپ سے وابستہ تھے۔ وہ تشکیل پاکستان کے خلاف تقریریں کرتے اور ہندوؤں کی حمایت میں بیان بازی کرتے تھے، وہ اپنے آپ کو ''ننگ اسلاف'' لکھا کرتے تھے۔کانگریسی ہندو اس عالم دین کے ''ننگ اسلاف'' کے لقب کے معنی سے ناواقف تھے۔انہوں نے دہلی میں ''حضرت مدنی'' کی زیر صدارت ایک کانفرنس منعقد کی تو بہت بڑا اشتہار چھپا جس میں موٹے حروف میں لکھا تھا ''ننگ اسلاف مولانا حسین احمد مدنی'' خطاب کریں گے۔

مولانا محمد بخش مسلم مرحوم تحریک پاکستان کے زبردست ترجمان تھے۔وہ ایک عرصہ تک سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے احراری لیڈروں سے ملتے جلتے رہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے پورا ہفتہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھ گزارا مگر اس پورے ہفتے میں انہوں نے ایک نماز بھی نہ پڑھی مگر ان کا لقب ''امیر شریعت'' تھا۔

لکھنوی شیعوں کے ایک زبردست ذاکر شام غریباں میں لوگوں کو رلایا کرتے تھے۔ان کا لقب ''مجتہد العصر والزماں'' تھا مگر وہ ناظرہ قرآن پاک بھی نہیں پڑھے ہوئے تھے۔وادی کشمیر کے ایک دیوبندی عالم دین تھے جن کی زبان میں لکنت تھی

تقریر کبھی نہ کی مگر وہ ساری زندگی ''میر واعظ'' کہلاتے رہے۔ دہلی کے دانشور جانتے ہیں کہ مرزا غالب کا ابتدائی تخلص ''اسد'' (شیر) تھا وہ ایک دن نواب مومن خان مومن کے گھر گئے تو نواب صاحب کے کتے نے انہیں اندر نہ جانے دیا۔ جب نواب صاحب نے یہ منظر دیکھا تو زور سے آواز دی۔ اسد اندر آ جاؤ مگر نوکروں کی آمد کے بغیر اسد اندر نہ جا سکے۔ اس دن سے غالب نے ''اسد'' کا لقب چھوڑ دیا۔

پاکستان میں جب علم و فضل کا جنازہ نکل گیا روحانیت کے چراغ بجھ گئے، خانقاہیں اہل اللہ سے خالی ہو گئیں تو یہاں کے علماء و فضلا، سجادہ نشینوں اور دربار نشینوں نے بڑھ کر ان خطابات والقابات پر قبضہ کر لیا جو ان کے آباؤ اجداد کو سجتے تھے۔

ہندوستان کی سرزمین میں جب مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنے علم و تقویٰ کی بناء پر ''اعلیٰ حضرت'' کہلائے تو یہ خطاب اتنا پسند کیا گیا اور عام ہوا کہ ہر شخص اپنے پیرو مرشد کو ''اعلیٰ حضرت'' کہنے لگا اور اسی طرح کئی صوبائی اور ضلعی سطح کے ''اعلیٰ حضرت'' سامنے آ گئے۔

نقشبندی مجددی خانقاہوں سے وابستہ حضرات نے اپنے آپ کو ''قیوم پنجم'' ''قیوم زماں'' ''قیوم عصر'' ''قیوم وقت'' اور ''قیوم ملت'' کہلانا شروع کر دیا۔ پھر ایک وقت آیا کہ مجدد کے لقب کو ''مجدد زماں'' ''مجدد اہل سنت'' ''مجدد مسلک'' ''مجدد شریعت'' ''مجدد روحانیت'' اور ''مجدد علمیت'' اپنایا جانے لگا۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی کے افکار و فتاویٰ کو پھیلانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت کے شاگردوں نے ''ملک العلماء'' ''صدر الافاضل'' ''صدر الشریعہ'' جیسے خطابات اپنائے، مگر اب ہر سنی عالم دین مفتی اعظم، مفتی زماں، مفتی پنجاب، مفتی کراچی، مفتی لاہور بن کر ایسے سامنے آتا ہے جیسے ''مفتی'' کا خطاب ''مفت'' مل گیا ہو۔

اس وقت ہمارے نو وارد علماء کو ''علامہ'' کہلانے کا بڑا شوق ہے۔ ہر مسجد ہر مدرسے بلکہ ہر گلی کوچہ میں سیکڑوں ''علامے'' نظر آتے ہیں۔ اگر ان سے ''گلستان سعدی'' کے ایک شعر کا معنی پوچھیں تو داڑھی کو کھجانے لگتے ہیں۔ ہمارے ایک زبردست مقرر جب ایک جلسہ میں خطاب کرنے لگے تو انہوں نے جلسے کے قد آدم اشتہار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کے جلسہ کے اشتہار میں زبدۃ العارفین...... کے عرس پر زبدۃ العارفین...... کی صدارت میں زبدۃ العارفین...... کا خطاب ہوگا۔

انہوں نے سوال کیا کہ اگر صاحب مزار صدر اور مقرر، تینوں ''زبدۃ العارفین'' ہیں تو پھر ان میں اصلی زبدۃ العارفین کون ہوگا؟

آج ہر گدی نشین ''زبدۃ العارفین'' ہے آج ہر وعظ فروش 'عمدۃ الواعظین' ہے آج ہر نعت فروش ''حسان وقت'' ہے یہ تو ہم اپنے گھر کی بات کرتے ہیں اگر دیو بندیوں، وہابیوں، شیعوں رافضیوں کے اکھاڑوں میں چلے جائیں تو آپ کو ایسے ایسے خطابات ملیں گے کہ آپ ''بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست'' کہہ کر سر پیٹ لیں گے۔ ہم ایک وہابی عالم کے پاس گئے تو اس نے اپنے چھوٹے بیٹے کو آواز دے کر کہا ''اوئے! تیمیہ! اٹھ کر چار بوتلیں لا نا مہمان آئے ہیں، ہم بوتلیں پیتے گئے اور بیچارے امام ابن تیمیہ کو دیکھتے رہ گئے جس نے ابھی تک منہ بھی نہیں دھویا تھا۔

ہم ایک پیر خانے گئے تو صاحبزادہ صاحب نے ایک سوئے ہوئے درویش کو کہا ''قطب'' اٹھ اور سامنے سے چائے لا کر مہمانوں کے سامنے رکھ۔ ہم خوش نصیب چائے پیتے گئے اور ''قطب وقت'' کی زیارت کرتے گئے۔ شیعوں کی بارگاہوں میں کئی ''آیات اللہ'' گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

انحطاطی دور بڑا ابوالعجب دور ہے۔ صدر ضیاء الحق مرحوم کو خدا خوش رکھے اس نے اس رواج کو اہل علم و دانش میں ایسا عام کیا کہ ہر بوالعجب نے ''تمغہ حسن

کارکردگی'' حاصل کرلیا۔ ہم ان تمغہ یافتگان حکومت سے ملتے ہیں تو ہمیں حافظ شیرازی یاد آتے ہیں جنہوں نے کہا تھا ''طوق زریں ہمہ در گردن خرمی بینم''

ہمارے ایک دوست بڑے عزیز ہیں وہ سابقہ دس برس سے ''تمغے'' کے حصول کے لیے بے چین ہیں۔ ہم نے انہیں کئی بار تسلی دی کہ فکر نہ کرو اگر ہمیں صدر یا وزیر اعظم مل گئے تو تمہاری سفارش کریں گے۔ مگر آج تک نہ صدر ملے اور نہ وزیر اعظم اور نہ اپنے دوست کو ''تمغہ حسن کارکردگی'' ملا۔

ع۔ نہ ربط ان سے نہ یاری آسماں سے

ہمارے دینی حلقوں میں القابات و خطابات کا حصول اور پھر ان کا استعمال جس انداز سے ہو رہا ہے وہ قابل افسوس ہے اگر یہی رفتار رہی تو عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ ہر ''بوالہوس عشق پرستی اپنا شعار'' بنا لے گا۔ اگر ہم علمی اور عملی طور پر پیچھے رہ گئے ہیں تو ضروری نہیں کہ ہم غزالی، رازی، رومی اور جامی کہلائیں۔ چھوٹے القابات بھی اپنا مقام رکھتے ہیں اور صبر و استقامت کے ساتھ چھوٹے القابات پر ہی اکتفا کر سکتے ہیں۔ اور اس سے ہماری شان میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

آج کل ہمارے بعض علمائے کرام ''انکساری'' سے اپنے آپ کو ''فقیر'' کہتے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے اچھا لقب ہے مگر ان کے تکبر اور نخوت کا یہ عالم ہے کہ کام کرنے کے بجائے کہتے ہیں ''فقیر'' نے آرام کرنا ہے، ''فقیر نے قیلولہ کرنا ہے'' ''فقیر'' گوشہ نشین ہے۔ ''فقیر'' چھ ہزار روپے لیکر تقریر کرے گا۔ ''فقیر'' بیمار رہتا ہے دیسی گھی میں پکی ہوئی مرغی کھاتا ہے۔ ''فقیر کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ فقیر کے ایک عقیدت مند نے کار لے کر دی۔'' ''فقیر'' کے ایک محبّ نے مکان بنوا دیا۔ یہ ''اللہ کے فقیر'' واقعی فقیر بن جائیں تو ان کا نام روشن ہو جائے اور ان کی قبریں زندہ ہو جائیں اور ان کا وجود امت رسول ﷺ کے لیے روشنی کا مینار بن کر چمکنے لگے۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں!

جلد نمبر ۷..............جولائی ۱۹۹۹ء..........شمارہ نمبر ۹۷

امام اہل سنت حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کی سوانح یا علمی زندگی پر لکھنا اب ایسے ہی ہے جیسے روز روشن میں چراغ جلا کر چلیں۔ آج دنیا کے گوشے گوشے میں آپ کا نام گونج رہا ہے اور اپنے بیگانے آپ کی شخصیت سے واقف ہو گئے ہیں۔ آپ کی شخصیت پر اتنا لٹریچر سامنے آ گیا ہے کہ شاید ہی کسی عالم دین پر اتنا مواد سامنے آیا ہو۔

ایک زمانہ تھا کہ اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی کو صرف اہل علم و فضل ہی جانتے تھے۔ متحدہ ہندوستان کے علمائے اہل سنت آپ کو ''امام اہل سنت'' اور ''مجدد مائۃ حاضرہ'' کہتے ہیں۔ معاندین اور مخالفین آپ کو ''بریلی کا کافر گر'' لکھتے ہیں مگر فاضل بریلوی سنیوں کے لیے آفتاب علم و فضل تھے اور مخالفین کے لیے ''وہ رضا کے نیزے کی مار ہے جو عدو کے سینے میں غار ہے!'' تھے ملک کے عوام کے لیے اعلیٰ حضرتؒ کی ذات گرامی آفتاب اہل سنت ہونے کے باوجود محجوب تھی۔ سنی علماء کرام میں سے خدو خال ایسے ارباب علم و ادب تھے جو آپ سے رابطہ رکھتے تھے۔

آپ کی زندگی میں آپ کی اکثر کتابیں بریلی کے ''حسنی پریس'' سے چھپتیں اور آپ کے شاگردان خاص ملک العلماء محمد ظفر الدین رضوی اور سید محمد ایوب قادری رحمۃ اللہ علیہما انہیں تقسیم کرتے۔ پنجاب (لاہور) میں آپ کے ایک شاگرد رشید اور

خلیفہ مجاز علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ ناظم اعلیٰ مرکزی حزب الاحناف آپ کی بعض کتابیں اپنے اہتمام میں شائع کراتے اور انہیں اپنے شاگرد علماء میں تقسیم کرتے۔ علامہ ابوالبرکات اپنی تدریسی مصروفیات کے پیش نظر فاضل بریلویؒ کی تمام کتابوں کی طباعت واشاعت کا کام نہ کر سکے جس کی ضرورت تھی۔ مگر اسی زمانہ میں ایک فقیر منش عالم دین سید محمد معصوم شاہ صاحب گیلانی نوری نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر انوار کے جوار میں ''نوری کتب خانہ'' کی بنیاد رکھی، آپ نوشاہی سلسلہ طریقت سے تعلق رکھتے تھے مگر آپ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا اہتمام کیا اور اعلیٰ حضرت کی تقریباً ہر کتاب نوری کتب خانہ لاہور سے چھپ کر اہل علم وفضل کو دعوت مطالعہ دینے لگی۔ سید معصوم شاہ گیلانی اگرچہ ایک درویش عالم تھے مگر اعتقادی طور پر اتنے پختہ کار ناشر کی حیثیت سے سامنے آئے کہ اعلیٰ حضرتؒ کی کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو آپ کا نوری کتب خانہ ہی منبع تصانیف اعلیٰ حضرتؒ ثابت ہوتا اور اہل ذوق یہاں سے ہی گوہر مراد تلاش کرتے۔ سید محمد معصوم شاہ گیلانی نے اس زمانے میں جب کہ علمی اور اعتقادی تصانیف سے سنی علمائے کرام بھی ناواقف تھے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سو سے زیادہ کتابیں شائع کرنے میں اولیت حاصل کی۔ اب کوئی انہیں خریدے یا نہ خریدے کوئی پڑھے یا نہ پڑھے نوری کتب خانہ کتابیں شائع کرتا جاتا تھا۔

پاکستان بنا تو دیوبندی ناشرین نے قرآنی ترجموں کی اشاعت میں اپنے ہم مسلک علماء کے قرآنی تراجم ملک بھر میں پھیلا دیے۔ ان دنوں پاکستان میں تاج کمپنی ہی قرآن پاک کی اشاعت کا صف اول کا ادارہ تھا۔ یہ ادارہ دیوبندی مکتب فکر کی گرفت میں آگیا تھا، چنانچہ اس نے دیوبندی علماء کے تراجم نہایت اہتمام سے شائع کیے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد، رفیق کار صدر

الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی نے مراد آباد سے ''کنز الایمان'' کے نام سے اعلیٰ حضرتؒ کا ترجمہ قرآن مجید شائع کیا۔ پھر دوسرا ایڈیشن اپنے گراں قدر تفسیری حواشی ''خزائن العرفان'' کے ساتھ شائع کیا۔ یہی ایڈیشن آپ کے ایک شاگرد مولانا محمد عمر نعیمی کی کوششوں سے بیک وقت ''دارالعلوم احمدیہ'' اور ''مکتبہ رضویہ کراچی'' سے چھپا۔ یہ ابتدائی دور تھا، ناشرین کو اس کی نکاسی میں بڑی دقت پیش آئی۔

لاہور میں پہلی بار مقبول عام پریس اور ''مکتبہ نبویہ'' نے چوب قلم ''کنز الایمان'' معہ ''تفسیر خزائن العرفان'' کے کئی ایڈیشن شائع کیے۔ کچھ عرصہ بعد تاج کمپنی نے نہایت ہی بددلی سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ شائع کرنے کا اہتمام کیا مگر اس نے اس کا نام ''کنز الایمان'' کے بجائے ''رفیع الشان'' ترجمہ رکھا یہ ترجمہ کیا چھپا سنی حلقوں میں دھوم مچ گئی اور تاج کمپنی کے ناشرین حیران رہ گئے پہلے سال کے اندر ایک لاکھ قرآن پاک چھپ کر تقسیم ہوئے۔ اب ''کنز الایمان'' کئی ناشرین چھاپنے لگے کئی زبانوں میں چھپنے لگا، کئی ملکوں سے چھپنے لگا، اس کی مقبولیت یہاں تک بڑھی کہ سنی ناشرین کے علاوہ پاکستان میں دیو بندی ناشرین بھی ''کنز الایمان'' کے ایڈیشن چھاپنے لگے۔ ہندوستان میں ایک سکھ ناشر نے تین لاکھ جلدیں چھپوا کر تقسیم کیں۔ آج اس ترجمہ کی سات لاکھ جلدیں صرف ایک شہر لاہور سے ہی چھپ کر ملک میں تقسم ہو رہی ہیں۔ دنیا میں مختلف زبانوں میں ''کنز الایمان کے ترجمے ہو چکے ہیں اس طرح

ع۔ گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں

۱۹۶۸ء میں لاہور کے ایک سنی، فقیر منش، چشتی، نظامی، طبیب، حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی نے ''مرکزی مجلس رضا'' کی بنیاد رکھی اور اس ادارہ کو امام اہل سنت کے نظریات و افکار کا مرکز بنا دیا۔ فاضل بریلویؒ کی کتابیں نہایت معیاری انداز

میں چھپ چھپ کر مفت تقسیم کی اشاعت ہونے لگیں ۔سنی سکالرز اور اہل قلم کی ایک ایسی ٹیم تیار ہوئی جس نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر بلند پایہ اور معیاری کتابیں لکھیں اور انہیں ''مرکزی مجلس رضا'' نے شائع کر کے مفت تقسیم کیا۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے یہ کتابیں ایسے ایسے افراد تک پہنچانے کا اہتمام کیا جو فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام تک سے نا آشنا تھے۔ ''مرکزی مجلس رضا'' نے ''یوم رضا'' منانے کا اہتمام کیا اور اس میں ملک کے بلند فکر سکالرز کو دعوت خطاب دی جاتی ۔ پھر ''مقالات یوم رضا'' کو شائع کر کے ملک بھر میں تقسیم کیا جاتا۔

حکیم محمد موسیٰ صاحب کی صدارت میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار ونظریات کی اتنی زبردست اشاعت ہوئی کہ ''نغمات رضا سے بوستان علم و عرفان گونج اٹھے'' حکیم صاحب نے چند برسوں میں بارہ لاکھ سے زیادہ کتابیں چھاپ کر مفت تقسیم کیں اور سنی سکالرز کی ایک ٹیم تیار کر لی ۔حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کی اس تحریک پر سنی اہل قلم ، سکالرز اور علماء ومشائخ کا ایک قافلہ تیار ہو گیا ۔ان اہل قلم حضرات میں ایک ایسا دانشور سامنے آیا جو آگے جا کر ''ماہر رضویات'' کے لقب سے معروف ہوا۔ وہ تھا ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری ایم اے پی ایچ ڈی کراچی۔

ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مظہری ایک بلند پایہ علمی گھرانے کے فرزند تھے ۔ان کے آباؤ اجداد دہلی کی جامع مسجد فتح پوری کے خطیب اور دہلی کی سنی قیادت کے علمبردار تھے۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری ان دنوں سندھ کے ایک کالج میں پروفیسر تھے ۔قلم میں نور تھا انداز تحریر شگفتہ تھا۔ ''مرکزی مجلس رضا'' ان کے لیے نہایت ہی موزوں ادارہ تھا اور ''مرکزی مجلس رضا'' کے لیے بھی ان کی شخصیت ایک خوشگوار رفاقت تھی ۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مظہری نے بڑی بلند پایہ کتابیں لکھیں اور ''مرکزی مجلس رضا'' نے انہیں بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد پہلے

دانشور تھے۔ جنہوں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی افکار کو اپنے نوک قلم پر لا کر سیاستدان کو حیران کر دیا۔ آپ کی پے در پے تحریریں سامنے آئیں تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرتؒ ایک دینی راہنما ہی نہ تھے بلکہ سیاسی قائد بھی تھے۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد اپنی تحریری خدمات کے پیش نظر ''ماہر رضویت ایوارڈ'' کے خصوصی اعزاز کے مالک ہیں۔ آج یہی تحریریں انہیں دنیا بھر کے اہل قلم میں ممتاز کرتی ہیں۔ اسی طرح افکار رضویات کے دوسرے ایسے سکالرز آگے بڑھے جنہوں نے آپ کے سائنسی تجربات اور نتائج پر بڑا تحقیقاتی کام کر کے سائنس دانوں کے ایک طبقہ کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف راغب کر دیا ہے اور وہ سوچنے لگے ہیں کہ ایک عالم دین نے سائنسی دنیا میں بے مثال تحقیقات پیش کی ہیں۔

''مرکزی مجلس رضا'' کی تحریک نے ملک بھر میں ایک بیداری پیدا کر دی ہے اور اب کئی ادارے اعلیٰ حضرتؒ کی کتابیں شائع کرنے لگے ہیں۔ کراچی کے ایک دردمند اور مستعد سکالر سید ریاست علی قادری مرحوم نے ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا'' کی بنیاد رکھی اور پھر فائیو سٹار ہوٹلوں میں ''یوم رضا'' منانے کا اہتمام کیا۔ اس طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام ملک کے اعلیٰ طبقہ تک پہنچنے لگا انہوں نے اپنا ایک سالانہ مجلّہ ''معارف رضا'' شائع کرنے کا اہتمام کیا جس میں فاضل بریلویؒ پر بلند پایہ مقالات اور نایاب تحریریں چھپنے لگیں۔ ''مرکزی مجلس رضا'' کی تحریک نے پاکستان اور پاکستان سے باہر ایسے ماہناموں کو ''فکر رضا'' پر مقالات لکھنے پر آمادہ کر لیا جو ہر اشاعت میں اعلیٰ حضرتؒ کے نظریات کو شائع کرتے اور عوام تک پہنچاتے۔

گوجرانوالہ سے ''رضائے مصطفیٰ ﷺ'' لاہور سے ''کنز الایمان'' اور ''قول السدید'' ''ادارہ معارف نعمانیہ'' ''مرکزی مجلس امام اعظم'' اور ''بزم عاشقان مصطفیٰ ﷺ''

کے علاوہ ہزاروں رسالے اور کتابیں چھپنے لگیں ۔ برطانیہ سے اسلامک ٹائمز (انگریزی) ہندوستان بمبئی سے ''فکر رضا'' دہلی سے ''کنز الایمان'' بہار سے ''الکوثر'' مبارک پور سے ''اشرفیہ'' پوری تحقیق کے ساتھ اعلیٰ حضرتؒ پر کام کرنے لگے ۔ بہاولپور سے مولانا محمد فیض احمد اویسی نے ''حدائق بخشش'' کی شرح کئی جلدوں میں لکھی ۔ ''رضا فاؤنڈیشن لاہور'' نے فتاوی رضویہ'' کو از سر نو مرتب کیا۔ کراچی کے پروفیسر شاہ فرید الحق اور لاہور سے عبدالمجید اولکھ نے ''کنز الایمان'' کے انگریزی تراجم شائع کرا دیے ۔ خود'' مرکزی مجلس رضا'' نے لاکھوں کتابوں کے علاوہ اعلی حضرتؒ کے خصوصی ترجمان ماہنامہ ''جہان رضا'' میں اعلی حضرت پر اتنے اتنے بلند پایہ مقالات شائع کیے کہ ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ

ع۔ گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں

آنکہ شیراں را کند روباہ مزاج

جلد نمبر ۸..........اگست ۱۹۹۹ء..........شمارہ نمبر ۸۰

کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور اس جدوجہد میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں قربانیاں دی جا چکی ہیں۔ یہ قربانیاں شاید ہی دنیا کے کسی خطے کے لوگوں کو اتنے طویل عرصہ تک دینا پڑی ہوں۔ مگر ہندوستان بھی اس تحریک کو دبانے کیلئے اپنی ساری توانائیاں خرچ کرتا آیا ہے۔ اس نے اپنی فوج کا ایک بہت بڑا حصہ صرف وادی کشمیر کے مجاہدین سے نبرد آزمائی پر لگا رکھا ہے۔ پچھلے سال جب وادی کشمیر میں تحریک آزادی میں زیادہ سرگرمی سامنے آئی تو ہندوستان کی سات لاکھ فوج صرف اسی وادی کشمیر میں مسلط کر دی گئی۔ مگر اس کے باوجود نہ کشمیر کا جذبۂ حریت ٹھنڈا ہوا نہ ان کی جدوجہد کو دبایا جا سکا۔

چار ماہ پیشتر کشمیری مجاہدین نے وادی کشمیر میں اپنی جدوجہد کو تیز کر دیا بلکہ بڑی بڑی عسکری کامیابیاں حاصل کیں۔ مجاہدین مقبوضہ کشمیر کی شہ رگ کو کاٹنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے کارگل کا راستہ کاٹ کر ہندوستان کی چالیس ہزار فوج کو سیاچن اور دوسرے علاقوں میں جانے سے روک دیا۔ اتنی بڑی کامیابی آج تک عسکری محاذ پر پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی اور مجاہدین کا یہ کارنامہ ہندوستان کے لیے ''کہ خون دل میں ڈبو دی ہیں انگلیاں میں نے'' ثابت ہوا۔ وہ پہلے غرایا، پھر چلایا

،تڑپا اور پھر واویلا شروع کر دیا۔ وہ پاکستان کی سرحدوں پر بھی فوجیں لے آیا۔ پُر نئے محاذ کھولنے کے لیے پاک و ہند کی سرحدوں پر بسنے والے لاکھوں ہندوستانی شہریوں کو اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

کارگل پر مجاہدین کے آہنی پنجے کو ڈھیلا کرنے کے لیے کئی مقامات پر گولہ باری کرنے لگا مگر بایں ہمہ مجاہدین کشمیر کی کارگل پر گرفت اتنی مضبوط تھی کہ ہندوستان اپنی پوری عسکری توانائیوں کے باوجود کانپ اٹھا۔ یہ گرفت یونہی نہ تھی بلکہ مجاہدین جان کی بازی لگا کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے تھے اس محاذ پر مجاہدین کشمیر نے پروانہ وار جانوں کے نذرانے پیش کیے۔

پاکستان کا شائد ہی کوئی ایسا شہر یا علاقہ ہوگا جہاں سے محاذ جنگ پر گیا ہوا کوئی مجاہد شہادت کا گلگوں کفن پہن کر نہ آیا ہو۔ ہمارے کئی فوجی گھر اپنے فرزندوں، دل بندوں اور شہیدوں کی لاشوں کو دفناتے وقت فخر محسوس کرتے رہے ہیں اور شہیدوں کے یہ تابوت کوئٹہ سے لیکر آزادی کشمیر کی شمالی سرحدوں تک جانوں کے نذرانے کے پھول بکھیرتے رہے ہیں۔ یہ کارگل کے غازی تھے۔ یہ کارگل کے شہید تھے...... یہ کارگل کے مجاہد تھے...... یہ کارگل کے جانباز...... ان کو سلام...... ان کو تحسین...... ان کو آفرین......

دوسری طرف ہندوستانی فوجیوں کی بیشمار لاشیں جب دہلی اور لکھنو کے گلی کوچوں میں پہنچیں تو آہ و بکا کا ایک سیلاب تھا جو مرنے والوں کے عزیزوں کے منہ سے چیخ و بکا بن کر نکلا تھا۔ ہندوستان کا شائد ہی کوئی ایسا شہر یا قصبہ ہو جہاں کسی نہ کسی فوجی کو آگ کے شعلوں کے سپرد نہ کیا گیا ہو۔

سونیا گاندھی نے چلا کر ہندوستان کے وزیراعظم کو للکارا کہ تم نے اپنی بے وقوفی سے اتنے جوانوں کو کیوں موت کی وادی میں دھکیل دیا۔ تم کن لوگوں کے سامنے انہیں لے جا کر موت کا تحفہ دے رہے ہو۔ ہندوستانی پریس نے اپنی حکومت کے خلاف احتجاج کیا۔

دنیا بھر کے اخباروں نے ہندوستانی فوجیوں کی موت پر حیرت کا اظہار کیا اور افسوس ناک اداریے لکھے۔

مجاہدین کی اس گرفت میں حکومت پاکستان کا عسکری تعاون اور جنگی تدابیر شامل حال تھیں۔ پاکستان چاہتا تھا کہ کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کو کسی منطقی نتیجے پر پہنچایا جائے اور مجاہدین کشمیر کی جدوجہد میں پاکستان کی حکومت کامیابی کا کریڈٹ حاصل کرے۔ یہ ایک اچھا اقدام تھا۔ جدوجہد آزادی میں حصہ لینے پر اگر کسی حکومت کو کریڈٹ ملتا ہے تو ملنا چاہیے۔ اگر اس کی نیک نیتی اور نیک نامی کا اس کو اعزاز ملتا ہے تو اس کا حق ہے۔

چنانچہ مجاہدین کی غیر متزلزل مورچہ بندی میں پاکستان کی عسکری قوت نے بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ ہندوستان کی دھمکیوں کی پروانہ کی۔ ہندوستانی افواج کی مختلف علاقوں میں گولہ باری کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ ہندوستان کے عالمی پراپیگنڈے کو خاطر میں نہ لایا گیا۔ پاکستان کی سرحدوں پر ہندوستانی افواج کے اجتماع سے خوف نہ کھایا حکومت پاکستان کا یہ اقدام اپنے بیگانے سب نے سراہا۔ ملک کی اپوزیشن جماعتوں نے بھی حکومت کے اس مجاہدانہ اقدام پر لبیک کہا سیاسی جماعتوں سے ہٹ کر ملک بھر کی مذہبی جماعتوں نے بھرپور ساتھ دیا۔ ان دینی جماعتوں کے تمام عسکری گروپ اپنے اپنے ذرائع اور اپنے اپنے خرچ پر محاذ کشمیر میں صف اول میں کھڑے ہوئے۔

دوسری طرف مقبوضہ کشمیر کے حریت پسند اپنی تمام توانائیوں کو یکجا کر کے شریک جنگ رہے۔ مقبوضہ کشمیر کے عوام ہندوستان کے بے شمار فوجیوں کے سامنے ڈٹے رہے۔ عالم اسلام کے تمام راہنما کشمیریوں کی اس جدوجہد کو تسلیم بھی کرنے لگے تھے اور تائید بھی کر رہے تھے۔ یہ ایک بڑا اقدام تھا یہ ایک بڑا معرکہ تھا کارگل کا یہ مورچہ تحریک آزادی کشمیر کا بہت بڑا معرکہ تھا جس نے ہندوستان کی افواج کی شہ رگ پر پاؤں رکھ دیا تھا۔ سیاچن میں اس کی چالیس ہزار فوج بھوکی مرنے لگی تھی۔ اس کا زمینی راستہ کٹ گیا

تھا۔اس کے رسد لے کر جانے والے چار سو سے زیادہ ٹرک کارگل کے راستوں میں رک گئے تھے۔اس کے ہوائی جہاز کارگل اور دراس کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر سے پرواز کرتے ڈرتے تھے۔وادی کارگل کی زمینی اور فضائی وادیوں پر مجاہدین کا کنٹرول تھا، مجاہدین کے نشانے تھے۔مجاہدین کی طیارہ شکن توپیں تھیں۔حکومت پاکستان نے اس کامیابی پر اظہار مسرت کیا۔پاکستان کے وزیراعظم کے بیانات مجاہدانہ انداز اختیار کرنے لگے۔ اس کی آواز میں ایک مردمومن کی للکار سنائی دینے لگی اور اس کی تقریروں میں ایک مرد مجاہد کا رنگ نمایاں ہونے لگا۔وزیراعظم پاکستان کے اس اقدام کی پوری قوم نے ہیوی مینڈیٹ سے کہیں بڑھ چڑھ کر تائید کی۔اپوزیشن جماعتوں نے کہیں سر جھکا کر اور کہیں سر اٹھا کر وزیراعظم کے بیانات پر لبیک کہا۔پاکستان کے ذرائع ابلاغ جہاد وقتال پر بیان دینے لگے۔ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر وزیر اطلاعات کی خوش آواز، اداکارائیں آزادی کے نغمے گانے لگیں۔پھر حکومت کی کامیابیوں پر تجزیہ نگار اور تبصرہ نگار اہل قلم اخبارات میں مجاہدانہ کالم لکھنے لگے۔ریڈیو اور ٹی وی پر عسکری نیم عسکری اور سیاسی افراد جہاد وقتال پر گفتگو کرنے لگے۔کشمیر میں مجاہدین کی کامیابیوں کو سراہنے لگے۔سرکاری پراپیگنڈا مشینری پوری قوت کے ساتھ اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی پر چھائی ہوئی تھی۔سیاسی وعسکری تجزیہ نگار مجاہدین کی کامیابیوں کو سراہ رہے تھے،فلسفہ جہاد بیان کررہے تھے۔آئے دن بہادروں کی جرأت مندی پر تالیاں بجا رہے تھے۔حکومت کے کچھ خاشامدی ڈھولچی اور ڈھنڈورچی تو شوروغل سے قوم کے دل ودماغ کو جہاد کا خوگر بنا رہے تھے۔یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ لوگ دف بجاتے، نقارے بجاتے، ڈھول پیٹتے،لیفٹ رائٹ کرتے ہوئے ابھی محاذ کارگل پر جا پہنچیں گے۔

آج پاکستان میں نواز شریف ہی ''وزیراعظم'' ہیں میاں نواز شریف ہی ''وزیر دفاع'' ہیں میاں نواز شریف ہی ''وزیر جنگ'' ہیں اور تحسین وتعریف کے جتنے پھول تھے

ان کے قدموں پر نثار ہونے لگے، جرأت و بہادری کے جتنے ترانے گائے جا سکتے تھے ان پر قربان ہونے لگے۔ ماشاء اللہ میاں صاحب ان بلندیوں پر کھڑے تھے اور ایک اعلیٰ مقام پر نظر آ رہے تھے۔ اسی عزت و احترام کی فضا میں بلند آواز ہو کر بال و پر پھیلائے ہوئے تھے کہ.........

ابھی میاں صاحب بھرپور پرواز کرنے بھی نہ پائے تھے کہ امریکہ کے صدر کلنٹن کا فون آ گیا نواز شریف! میرے پاس آیئے! جلدی آیئے! بلکہ فوری آیئے! پاکستان کے پاس امریکہ کے دیے ہوئے اتنے تیز رفتار جہاز ہیں کہ ایک پل میں ساری دنیا کا چکر لگا لیتے ہیں۔ کلنٹن کے اس ٹیلفونی پیغام میں خدا معلوم کیا ''کشش'' تھی کہ میاں صاحب کسی سے بات کیے کسی کو بتائے اور کسی سے مشورہ کیے بغیر فرد واحد بن کر یہ جا وہ جا صبح اسلام آباد دوپہر امریکہ۔ اتوار کی چھٹی کے باوجود وائٹ ہاؤس میں کلنٹن کے سامنے سرو قد کھڑے تھے۔

خدا غارت کرے آج کی سپر پاور کو، خدا خوار کرے اس نیو ورلڈ آرڈر کو، خدا غرق کرے اس صدر امریکہ کو، اس نے ہمارے وزیر اعظم کی ایک بات تک نہ سنی کشمیر کے طویل مسئلے پر بات نہ کرنے دی، مجاہدین کشمیر کی جدوجہد آزادی پر ایک لفظ نہ کہنے دیا، ہندوستان کی زیادتیوں پر ایک حرف نہ بولنے دیا اور کہہ دیا کہ اپنی نہ سناؤ میری سنو صرف میری سنو، اور میری مانو ...... اور فوراً واپس جا کر اپنے فوجیوں اور مجاہدین کو کارگل کے محاذ سے واپس بلاؤ...... ورنہ...... ورنہ...... ورنہ ہائے اقبال تم نے کتنا خوبصورت فلسفہ پیش کیا۔

ع۔ آنکہ شیراں را کند روباہ مزاج

کسی کو یہ توقع ہی نہ تھی کہ وائٹ ہاؤس کا یہ ''شیطان دیو'' یہ بدکردار جن اور دنیا کی کمزور قوموں پر ظلم ڈھانے والا ''سفاک کلنٹن'' ہمارے میاں صاحب کا خون خشک کر دے گا اور بات تک نہ کرنے دے گا۔ وائٹ ہاؤس کے اس بدتہذیب

میزبان نے ہمارے میاں صاحب کو نہ کوئی دعوت دی نہ ڈنر کھلایا نہ صحیح طرح بٹھایا حتیٰ کہ الوداعی سفر کے وقت نہ ہاتھ ہلا کر الوداع کہا نہ مسکرا کر دیکھا نہ چلتے وقت سر پر ہاتھ رکھا لعنت ہو ایسی تہذیب پر اور لعنت ہو ایسی دعوت پر اور لعنت ہو ایسی ملاقات پر

اب میاں صاحب گھر پہنچے تو بیچارے ایسے بجھے بجھے چھپے چھپے شرمائے شرمائے آئے۔ جیسے کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی ورلڈ کپ حاصل کرنے میں ناکامی کی وجہ سے سر جھکا کر آتے رہے ہیں۔ وزراء کی فوج ظفر موج استقبال کے لیے ایئر پورٹ پر نہ پہنچی، مسلم لیگ کے متوالے ٹرک سے نعرے مارنے کے لیے نہ گئے، نہ سکول و کالج کے بچے بچیاں گلدستے لیکر قطاروں میں کھڑے ہوئے۔ نہ مال روڈ پر، نہ قلعہ میں استقبالیہ دیا گیا۔ ہائے اس کلنٹن نے ہمارے شیر کا خون پی لیا۔ یہ بدبخت کلنٹن ہمارے میاں صاحب کے روشن جذبات کے لیے موت کا پیغام بن گیا

ع۔ ہائے او ''موت'' تجھے موت ہی آئی ہوتی!

میاں صاحب گم صم، چپ چاپ آئے اور حیران و پریشان بیٹھے رہے۔ اب انہوں نے میدان جنگ سے ایک شکست خوردہ آئے ہوئے سپہ سالار کی طرح اعلان کیا ''لوگو ہم نے جنگ کے بجائے صلح کا راستہ اپنایا ہے۔ ہم نے خون ریزی کو چھوڑ کر امن کا راستہ اختیار کیا ہے۔ ہم امن پسند ہیں۔ ہم صلح جو ہیں۔ ہم مذاکرات کے خوگر ہیں۔ ہم نے پاکستان کو خوشحال بنانا ہے۔ ہم نے پاکستان کے لوگوں کو ترقی کی راہ پر لانا ہے۔ ہم نے اپنی فوج کو مزید مراعات دینی ہیں۔ ہم ''شملہ معاہدے'' کے پابند ہیں۔ ہم ''اعلان لاہور'' کا احترام کرتے ہیں اور اب ہم ''نواز کلنٹن معاہدے'' پر عمل پیرا ہوں گے۔

لوگو! آرام کرو...... ہم پاکستان کی تعمیر کریں گے لوگو! تم سو جاؤ ہم پاکستان کو خوشحال بنا دیں گے۔ فوجیو...... تم بارکوں میں واپس آ جاؤ ہم آپ کی بارکوں

اور چھاؤنیوں کو خوبصورت بنادیں گے۔ مجاہدو!...... تم کارگل سے لوٹ آؤ ہم تمہارے وظیفے مقرر کردیں گے۔ ہم زکوٰۃ فنڈ اور بیت المال کی دولت سے تمہیں نئی کلاشنکوفیں لے کر دیں گے۔

مولویو...... جہاد کا خیال چھوڑ دو، جہاد کے فتوے واپس لے لو۔ جہاد کی باتیں نہ کرو۔ ہم تمہاری مسجدوں، مدرسوں اور حجروں کو امن کا گہوارا بنادیں گے۔ پیرزادو...... تم مراقبے میں چلے جاؤ ہم تمہارے حجروں کو "روحانیت" سے بھر دیں گے۔ مشائخ کرام...... تم آرام کرو ہم تمہارے درباروں اور خانقاہوں کو پر رونق لگا دیں گے۔ صاحبزادو...... تم قیلولہ کرو ہم تمہارے لیے پر تکلف دعوتوں کا انتظام کریں گے اور تم دیکھو گے کہ پاکستان خوشحال ہو جائے گا اور تمہارے مرید نذرانے لے کر قطار در قطار حاضر ہوں گے۔

پھر میاں صاحب نے اپنے وفادار وزراء کا اجلاس طلب کیا اور "نواز کلنٹن" معاہدے کی تفصیلات بتانے کے بجائے انہیں ملک میں پھیل جانے کا مشورہ دیا اور کہا آپ جہاں چاہیں امن کی بات کریں۔ صلح کی بات کریں۔ خوشحالی کی بات کریں۔ محبت کی بات کریں۔ پیار کی بات کریں۔ اور ہو سکے تو لوگوں کو کہو:

؎ آؤ حسنِ یار کی باتیں کریں
زلف کی رخسار کی باتیں کریں

میاں محمد نواز شریف نے اپنے با تدبیر وزیر اطلاعات کو اپنے قریب بلا کر کہا اب بوڑھی نور جہان کے جنگی نغمے بند کر دو یہ ترانے عمر رسیدہ لوگوں کے لیے تھے اب تو نئی نئی گلوکارائیں اور نغمہ سرائیں بڑے اچھے نغمے اور ترانے سناتی ہیں۔ محبت اور پیار کے نغمے...... گل و گلزار کے نغمے...... صلح و آشنائی کے نغمے...... امن و خوشحالی کے نغمے...... اور پاکستان کی تعمیر و ترقی کے نغمے۔

اب وزیراعظم نے اپنے لاڈلے صاحب قلم کو بلایا اور کہا تم بڑے سمجھدار ہو۔ ان ادیبوں، شاعروں، کالم نویسوں اور اخباری صفحات پر پھول بکھیرنے والے اہل قلم کو ملو۔ ہم نے پچھلے دنوں ان کو بڑے بڑے انعامات دلوائے تھے اب ان کی قلموں اور زبانوں کو لگامیں چڑھا دو۔ ایوارڈز کی لگامیں انعامات کی لگامیں سونے کی لگامیں چاندی کی لگامیں۔ کنٹریکٹ پر ملازمتوں کی لگامیں... اور ان کو کہہ دو اب محبت کے مضامین، پیار کے نغمے، صلح کے مقالات، امن کے کالم، پھر پاکستان کی خوشحالی کے اداریے لکھیں۔

اس ملاقات کے بعد اخبارات کے رنگین صفحات پاکستان کی خوشحالی، لوگوں کو موت سے بچانا ملک کی تعمیر وترقی اور عوام کو زندہ رہنے کا سلیقہ سکھانے کے مقالات سے بھرے پڑے تھے۔ ریڈیو اور ٹی وی کے وہ ڈھنڈورچی، ڈھولکی، طبلچی جو چند ہفتے جہاد اور جوانمردی پر شور مچا رہے تھے اب بھیگی بلی بن کر صلح محبت کا فلسفہ بیان کرتے نہیں تھکتے۔

آنکہ شیراں را کند روباہ مزاج
احتیاج است ! احتیاج است احتیاج

جو چیز شیروں کو لومڑیاں بنا دیتی ہے وہ احتیاج ہے احتیاج ہے۔ احتیاج ہے آؤ اب ہم آرام کریں۔ آؤ اب ہم سو جائیں۔ آؤ اب ہم قیلولہ کریں۔ آؤ اب ہم محبت کریں۔ آؤ اب ہم پیار کریں۔ آؤ اب ہم جانیں بچائیں، آؤ اب ہم ملک سنواریں، آؤ اب ہم خوشحالی لائیں، آؤ اب ہم ایٹم بم کو دفن کر دیں، آؤ اب ہم اپنے غوری کو عجائب گھر کی زینت بنا دیں اور اس پر ایک تحریر لکھیں۔ "یہ چار ہزار میل تک مار کرتا ہے" آؤ ڈاکٹر قدیر خان کو حج پر بھیج دیں۔ آؤ اب ہم آرمی ہیڈ کوارٹر میں بیٹھ کر کمانڈر انچیف کے ساتھ کافی کا ایک "امن کپ" پئیں اور جئیں اور کہیں (الصلح خیر من القتال)

پاکستان میں دینی جماعتوں پر ایک نظر

جلد نمبر ۸............ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۹ء..............شمارہ نمبر ۸۱

پاکستان ان دنوں بڑے نازک دور سے گزر رہا ہے۔ برسر اقتدار مسلم لیگ کی حکومت کو بڑی مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا ہے۔ کارگل سے خود اختیاری ہزیمت اور مجاہدین کی واپسی کے بعد حکومت پاکستان کی اکثریت کی طرف سے نفرت اور مخالفت کا ''ہیوی مینڈیٹ'' ملا ہے۔ ملک کی مخالف سیاسی جماعتوں کی مخالفت اور ایجی ٹیشن کے علاوہ مذہبی اور دینی جماعتوں کی طرف سے بھی کارگل کے محاذ سے واپسی نشانہ تنقید بنی۔ پاکستان کی دینی جماعتیں، پاکستانی معاشرت کا ایک اہم حصہ ہیں وہ دینی راہوں پر گامزن ہونے کی وجہ سے پاکستان کی اکثریت کی امید ہیں۔ پاکستانی عوام کو مرغوب ہیں اور پاکستان کے بچے بچے کے دل میں ان کا احترام ہے۔ مگر ان دینی جماعتوں کی پچاس سالہ جدوجہد نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوسکی اور نہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکیں۔

ملک کی سیاسی جماعتیں اپنی اپنی راہ پر گامزن ہیں۔ مسلم لیگ اقتدار کی کرسی پر ہے تو پیپلز پارٹی محرومی اقتدار پر نوحہ خواں ہے۔ سندھ میں ایم کیو ایم زیر عتاب ہے تو سرحد میں پختونی جماعتیں اقتدار کی دیواروں کے سایہ میں کھڑی محرومی کے آنسو بہا رہی ہیں۔ ائیر مارشل اصغر خان کی سیاسی پارٹی ایک قصہ پارینہ بن کر رہ گئی ہے۔ نواب زادہ نصر اللہ خاں کی ''عوامی جمہوری پارٹی'' حقے کی نے نوازی سے اپنے

حلیفوں کو لطف اندوز کر رہی ہے۔ عمران خان کی ''تحریک انصاف'' نہ عوام سے انصاف کے قابل ہوئی نہ اپنے ساتھ انصاف کر سکی۔ ان سیاسی پارٹیوں کے اقتدار حاصل کرنے کے اپنے اپنے طریقہ کار ہیں۔ وہ اتحاد کرتی ہیں تو بیس تیس اکٹھی ہو جاتی ہیں اختلاف میں آتی ہیں تو ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتیں۔

دوسری طرف ملک میں دینی جماعتیں جس انداز سے کام کر رہی ہیں وہ کوئی اتنا شاندار نہیں ہے کہ ان سے مستقبل قریب میں کوئی بہتری کی امید لگائی جا سکے۔ جماعت اسلامی سابقہ انتخابی مہموں میں مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے لیے دہشت کی علامت تھی۔ مگر اسے انتخابی بائیکاٹ نے ایسا کاٹا کہ اب تک اس کے زخم ہرے نہیں ہوئے۔ البتہ وہ اسی طرح اپنے شور و غل کے ساتھ سیاسی میدان میں اپنا جھنڈا لہرا رہی ہے۔ وہ جمہوریت کے تمام حربے استعمال کرتی رہتی ہے۔ جلسے، جلوس، مظاہرے، دھرنے، گھیراؤ، ایجی ٹیشن، مزاحمت، ڈرانے دھمکانے، ریلیاں وہڑتالیں غرضیکہ ہر انداز میں اپنا تشخص برقرار رکھے ہوئے ہے۔ وہ اقتدار کی کرسیوں پر بیٹھنے والوں کو للکارتی رہتی ہے۔ انہیں قبل از وقت سیاسی موت مرنے کا پیغام سناتی رہتی ہے۔ اور بعض اوقات ان کی اقتدار سے رخصتی کی تاریخیں بھی مقرر کرتی رہتی ہے۔ وہ نہایت ناکامی کے ساتھ ہر شہر، قصبہ اور کوچہ و بازار میں سامنے آتی رہتی ہے۔ وہ موجودہ حکومت کو ہٹانے کے لیے کسی سیاسی یا دینی پارٹی سے مفاہمت نہیں کرتی۔ کسی دوسری دینی یا سیاسی قوت کی حلیف بھی نہیں بنتی۔ وہ کسی سیاسی پارٹی کو درخور اعتنا نہیں گردانتی جب جلسے جلوس کرتی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس زبردست افرادی قوت ہے۔ مگر ان تمام اسباب اور حرکات کے باوجود بیچاری کے پاؤں نہیں لگتے۔ نہ عوام میں نہ خواص میں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسے کسی ''سیاسی بزرگ'' کی بددعا لگ گئی ہے۔

ایک وقت تھا کہ ''جمعیت العلماء پاکستان'' ملک کی عظیم تر اکثریت کی محبوب

سیاسی اور مذہبی جماعت تھی۔ پاکستان کے عوام اسے ''اپنی جماعت'' کہتے تھے۔
ایک وقت آیا کہ انہی سیاسی جماعتوں کے علی الرغم ان کے راہنما اسمبلیوں میں موجود ہوتے اور قلیل تعداد کے باوجود اپنا دینی کردار ادا کرتے۔ پاکستان کے آئین میں ترمیم، مرزائیت کے خلاف بعض آئینی اصلاحات منظور کرانے میں ''جمعیت علماء پاکستان'' کے راہنماؤں کا بڑا ہاتھ رہا تھا۔ پی این اے کی تحریک میں ''جمعیت العلماء پاکستان'' نے جو کردار ادا کیا وہ پاکستان کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے وہ ''نظام مصطفیٰ'' کی داعی جماعت کی حیثیت سے صف اول میں تھی۔ مارشل لا آیا تو عام لوگوں کو یہ دھوکا ہوا کہ شاید مارشل لا کی چھتری کے زیر سایہ نظام مصطفیٰ نافذ ہوگا۔ مگر یہ اتنا فریب ثابت ہوا کہ ''جمعیت العلماء پاکستان'' کے اکثر اراکین خصوصاً علماء کرام بھی اس فریب میں آ کر اپنی جماعت سے علیحدہ ہوتے گئے۔ اور اس کی قوت کمزور پڑتی گئی۔ تاہم اس کے راہنماؤں کی یکجہتی اور اتفاق نے ان تمام حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس جماعت کے راہنما مارشل لا کے طوفانوں میں بھی اپنا تشخص قائم رکھنے میں کامیاب رہے۔ مگر ایک وقت آیا کہ اقتدار پسند سیاسی جماعتوں نے اس پر ایک بھرپور حملہ کر کے اسے دو ٹکڑے کر دیا۔ ایک ٹکڑا اقتدار کا حلیف بن گیا دوسرا اقتدار کو شجر ممنوعہ جانتے ہوئے اپنی بقاء کی جنگ لڑتا رہا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اس جماعت پر ایک اور حملہ ہوا اور اس کے مزید ٹکڑے کر دیے گئے۔ اور نیازی، نورانی اور فضل کریم گروپ سامنے آئے اس طرح اتنی عظیم اور بے لوث قیادت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی۔ نیرنگی سیاست دوراں نے اسے یوں بکھیر کر رکھ دیا کہ اس کا سنبھلنا مشکل ہو گیا اور یہ سارا سانحہ اس مسلم لیگ کے ہاتھوں سرانجام پایا جو اپنی تھی جو دین پسند تھی، جو پاکستان کی بانی ہونے کی دعویدار تھی، جو تحریک پاکستان میں علماء اہل سنت کو اپنی جان کہتی تھی:

پہلے اس نے "جاں" کہا پھر "آں" کہا پھر "نہ" کہا
ہائے اس ظالم نے میری جاں کے ٹکڑے کر دیے

اب تین ٹکڑوں میں بٹی ہوئی یہ عظیم الشان "جمعیت العلماء پاکستان" اقتدار کی چھتری کے نیچے بھی "بے حضوری" ہے اور اقتدار کے باہر بھی "بے جان" ہے۔

دیو بندی مکتب فکر کی دینی اور سیاسی جماعت "جمعیت العلمائے اسلام" کبھی صوبہ سرحد، بلوچستان اور پنجاب کے بعض حصوں میں بڑی مشہور اور مقبول تھی اس کی مرکزیت مولانا عبداللہ درخواستی کی شخصیت تھی مگر مولانا درخواستی کی رحلت کے بعد اس کے دو گروپ مولانا فضل الرحمن گروپ اور مولانا سمیع اللہ گروپ سامنے آئے۔ اور پھر کئی گروپ بنتے گئے۔ اور اس طرح یہ دینی جماعت تین ٹکڑوں میں ہی نہیں کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر دوسروں کے ٹکڑوں پر لگ گئی۔ آج ایک ٹکڑا اٹھے بیٹھے "افغانستان کے طالبان" کا سہارا لیتا ہے تو دوسرا بیت المال اور زکوۃ کمیٹیوں کی سربراہی پر مطمئن ہو گیا ہے۔

اہل حدیث اقلیت کے باوجود متحد تھے۔ مگر اب ایک اقتداری قوتوں کے زیر کفالت ہے تو دوسرا سعودیہ کی خیرات و زکوۃ پر پل رہا ہے اور اس طرح کسی دینی جماعت کا کردار اتنا موثر نہیں رہا جس سے کسی انقلاب کی توقع کی جا سکے۔

ملک کے ایک اور سنی نوجوان اپنی علمی اور سیاسی صلاحیتوں کو اپنوں سے ہٹا کر بیگانوں کے قدموں پر نچھاور کرنے میں مصروف ہو گئے۔ وہ سنی حلقوں میں ابھرے، سنی مدارس میں پڑھے، سنی علماء میں تربیت پاتے رہے، سنیوں میں جوان ہوئے مگر جب سیاسی شعور کی آنکھ کھولی تو انہیں اپنی بوڑھی قیادت کا "نظام مصطفی" پسند نہ آیا اور تن تنہا "انقلاب مصطفوی" کے لیے سب کو چھوڑ کر وادی سیاست میں نکل پڑے۔ مگر نہ وہ اپنی قیادت کے ساتھ چل سکے نہ اپنی ذات کو قائد بنانے میں کامیاب ہو سکے۔ وہ عالمی سطح پر اپنی علمی اور عملی صلاحیتوں کو منوانے میں کامیاب ہو گئے اور مسلمانان عالم

سے بے پناہ فنڈ بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر اپنوں سے کٹ کر بیگانوں کے قافلوں میں جا ملے۔ اب وہ غیروں کی جلو میں کبھی قافلہ سالار بننے کی کوشش کرتے ہیں کبھی بوڑھی سیاسی قوتوں کی بھیڑ میں بے جان ہو کر گھر آ جاتے ہیں۔ وہ اپنوں کے بن سکے نہ غیروں کے بن سکے۔ اس طرح یہ دینی جماعت یا یہ دینی راہنما کٹی ہوئی پتنگ کی طرح آسمان سیاست پر اڑتا، گرتا، ابھرتا، ڈوبتا، ٹوٹتا نظر آنے لگا۔ ان کے ماننے والے انہیں اقبال کا شاہین کہتے ہیں

ع۔ ادھر ڈوبے ادھر ابھرے ، ادھر ٹوٹے ادھر لوٹے

مگر سنی اسے سعدی شیرازی کے شعر کی تصویر بنا کر پیش کرتے ہیں۔

عزیزے کہ از در گہت سر بتافت
بہر جا کہ شد ہیچ عزت نیافت

ملک کی ان سیاسی دینی جماعتوں سے ہٹ کر دیو بندی مکتب فکر کی ایک خاصی تعداد ''تبلیغی جماعت'' کے روپ میں کام کر رہی ہے۔ وہ سالانہ اجتماع بڑے زور سے منعقد کرتی ہے اور اپنی افرادی قوت پر داد وصول کرتی ہے۔ پھر اس کے پیروکار بستر اٹھائے مسلمانوں کو مسلمان بنانے کے لیے کلمہ پڑھاتے رہتے ہیں۔

اسی طرح سنیوں کی ایک سبز عمامہ جماعت ''دعوت اسلامی'' اپنے نوجوان سنیوں کو لے کر اللہ ہو، اللہ ہو میں مشغول ہے ان کے نوجوان سنتوں کے باغوں میں سبز طوطے بن کر چہچہاتے ہیں۔ اور سنی انہیں دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں کہ چلو سیاسی جماعتوں کے انتشار اور افتراق سے بچے ہوئے نوجوان ذکر وفکر کی دنیا میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔

دیو بندیوں کا ایک دینی طبقہ کئی سالوں سے ''سپاہ صحابہ'' کے نام سے دہشت گردی کے ''جہاد'' میں مصروف ہے۔ اس کے نوجوانوں نے کئی شیعہ راہنماؤں کو ''جام شہادت'' پلا کر راہی ملک عدم بنایا ہے۔ اسی طرح ''سپاہ محمد'' کے خونخوار نوجوان

علماء کرام اور مساجد میں بجلیاں برساتے پھرتے ہیں۔ یہ دونوں دینی جماعتیں قتل و غارت کے میدان میں سرگرم عمل ہیں۔

ان جماعتوں کے ساتھ ساتھ اہل حدیث کا ایک ایسا دینی گروپ سامنے آیا ہے جسے ''لشکر طیبہ'' کے نام سے شہرت ملی ہے۔ لشکر طیبہ ملک کے نوجوانوں کو عسکری تربیت دے کر جہاد افغانستان اور جہاد کشمیر کے لیے تیار کرتا رہتا ہے۔ وہ اپنی جدو جہد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہے مگر ملکی سیاست اور دینی معاملات میں اس کا کوئی رول نہیں ہے۔ پاکستان میں دینی جماعتوں کی موجودہ صورتحال کسی بھی دردمند پاکستانی کے لیے باعث اطمینان نہیں ہے۔ خواہ سنی ہوں یا دیوبندی وہابی ہوں یا رافضی، دینی قیادتوں کا ٹکڑوں ٹکڑوں میں بٹ جانا موجودہ حالات میں خوشگوار نہیں ہے۔ سیاسی جماعتیں اقتدار کی جس لڑائی میں شریک ہیں گو ان میں موجودہ دینی جماعتوں کا کوئی موثر کردار نہیں ہے تاہم ان کی اپنی اپنی قوت بھی اہمیت سے محروم ہو چکی ہے۔

آج سیاست دانوں کے لٹے ہوئے لوگ دینی راہنماؤں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ آج لیڈروں کے لیے لٹے ہوئے عوام دینی جماعتوں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ آج بیکاری اور بھوک کے مارے ہوئے نوجوان ''نظام مصطفیٰ'' کی صبح کا انتظار کر رہے ہیں۔ آج امریکہ کے معاشی جال میں جکڑے ہوئے لوگ شاہ مدینہ ﷺ سے فریاد کر رہے ہیں:

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

ان حالات کے باوجود دینی رہنما، دینی جماعتیں، دینی قیادتیں، دینی گروپ اپنے انتشار و افتراق کو مٹانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کاش کوئی مرد مجاہد کوئی عالم دین، کوئی روحانی پیشوا اس مسئلہ کو حل کر سکتا۔

فتادم زتاج وفتادم زتخت!

جلد نمبر ۸.........نومبر ۱۹۹۹ء.........شمارہ نمبر ۸۲

جو لوگ فارسی زبان سے واقف ہیں اور انہوں نے فارسی اساتذہ سے کتابیں پڑھی ہیں انہیں فردوسی کے ''شاہنامہ'' کا تعارف کرانا ضروری نہیں۔ وہ اس تاریخی واقعہ کو بخوبی جانتے ہیں کہ ایران کی شمالی سرحدوں سے روس کی آخری سرحدوں تک ایک وسیع ملک پر ایسا بادشاہ حکومت کرتا تھا جس کا نام ''افراسیاب'' تھا۔ افراسیاب کی فوجوں کے سامنے دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ کھڑا نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ کوہ قاف کے جنات اور پریوں پر یکساں حکم چلاتا تھا اور انسانوں اور حیوانوں سے کام لیتا تھا۔

رستم کا چھوٹا بھائی ''بیژن'' بلا مقصد افراسیاب کے پایۂ تخت میں جا پہنچا اور اس خوبصورت شہر کی سیر کرنے لگا۔ خوش شکل اجنبی کو افراسیاب کی اکلوتی بیٹی نے دیکھا تو اپنے حسن وشباب کی تمام تر رعنائیوں کے باوجود دل دے بیٹھی۔ وہ حسن وجمال کی فراوانی کے باوجود ''برہنہ نہ دیدہ تنم آفتاب!'' کی مالک تھی۔ افراسیاب کو بیٹی کی اس ''حرکت'' کا علم ہوا تو اس نے اسے تو کچھ نہ کہا مگر بیژن کو کوہ قاف کے پہاڑوں کے درمیان ایک ایسے بے آب کنویں میں قید کردیا جہاں نہ روشنی تھی نہ ہوا نہ ٹیلی فون نہ اخبار، نہ کسی کو کسی کی خبر۔ ساری دنیا کی بے خبری کے باوجود وہ چلائی:

برائے یکے بیژن شور بخت
فتادم ز تاج و فتادم ز تخت

لوگو! آج میں اپنے محبوب کی خاطر تاج وتخت سے دستبردار ہو رہی ہوں۔

حسن اور ملکی اقتدار کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے۔ انسان اقتدار میں ہو کر کروڑوں انسانوں کے وسیع سمندر میں حباب بن کر تیرتا ہے۔ سورج کی کرنیں اسے خوبصورت بنا دیتی ہیں۔ اقتدار کا یہ حباب کسی کی پروا نہیں کرتا۔ حالانکہ حباب بر آب کی کیا پائیداری ہے۔

آدمی بلبلہ ہے پانی کا

ہمارے ملک کے وزیر اعظم حباب آب اقتدار کے تخت پر براجمان تھے، ان کے اشارۂ ابرو سے صدر مملکت، چیف جسٹس، افواج پاکستان کے کمانڈر انچیف اور دوسرے اعیان مملکت خاک ہو جاتے تھے۔ کئی ارباب اقتدار احتساب کے شلنجے میں کسے جاتے جب احتساب سیل قائم ہوتا تو "میاں جیل" میں اور "بیوی پردیس" میں رل رل جاتے۔ یہ اقتدار کتنا بے مثال تھا۔ یہ کرسی کتنی مضبوط تھی، یہ حکومت کتنی جمہوری تھی، ایوان ہائے اقتدار کی چھتیں، ہیوی مینڈیٹ کے مصالحے سے کتنی پختہ بنی ہوئی تھیں مگر سری لنکا سے آنے والے عام طیارے کے ایک مسافر نے اقتدار کی ساری کائنات تہس نہس کر دی۔ اگر چہ ہم نے "انقلاب چشم گردوں" کئی بار دیکھا ہے مگر ہمارے میاں محمد نواز شریف علیہ ما علیہ کو گرتے دیکھا تو افراسیاب کی بیٹی یاد آ گئی۔

ع۔ فتادم ز تاج و فتادم ز تخت

تاج وتخت کے بلا شرکت غیرے مالک آج کوہ قاف کے خاموش کنویں میں ایسے "زیر حفاظت اور زیر حراست" دبے بیٹھے ہیں کہ کسی کو خبر تک نہیں ہوئی کہ وہ کس دنیا میں ہیں۔

پاکستان میں اقتدار کے پجاریوں کا ایک وسیع طبقہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ وہ ایوان اقتدار کے ارد گرد ہمیشہ گدھوں کی طرح منڈلاتا رہتا ہے۔ اتنی رونقیں اتنی محفلیں، اتنی مبارکیں، اتنی سفارشیں، اتنے جلسے، اتنے جلوس کہ زمین کمتی جاتی ہے

۔آسمان جھکتا نظر آتا ہے۔آج یہ بندگان زر دور دور تک نظر نہیں آتے۔نہ دوڑے نہ بھاگے، نہ روپوش ہوئے، نہ رفو چکر ہونے دیے گئے۔نہ پرواز کر سکے بس!

ع۔زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے !

اخباروں کے کالم نویس، خبر ایجنسیوں کے رپورٹر، ٹی وی کی سکرین پر آنے والے ڈھنڈورچی، جلسوں میں گرجنے والے خطیب، افسانے لکھنے والے ادیب، قصیدے پڑھنے والے شاعر، نظمیں لکھنے والے سخن ور، خوشامدیں کرنے والے شیریں زباں، مال زکوٰۃ کھانے والے ''مستحقین'' بیت المال کی خیرات پر پلنے والے ''کوٹھی نشین'' ٹھیکے پر ملازمتیں کرنے والے ملازمین، ایوارڈ پانے والے ''ماہ جبین'' خدا معلوم کدھر چلے گئے۔؟

ع۔اہل دل کے کارواں کن وادیوں میں کھو گئے ؎

یہ ہمارے اپنے ہی تھے۔یہ سارے ہمارے واقف تھے۔یہ سارے ہمارے ملنے جلنے والے تھے۔یہ سارے ہم غریبوں سے جدا ہو کر ''ترقی پذیر'' ہوئے تھے۔یہ سارے فقیر انعامات لے کر امیر بنے تھے۔یہ سارے جوتے چٹخانے والے ''جہاز نشین'' ہوئے تھے۔یہ سارے دریدہ گریبان ''کوٹھی نشین'' بنے تھے۔مگر آج یہ سارے کے سارے ایسے گم ہوئے کہ

ع۔اب ان کے دیکھنے کو اکھیاں ترستیاں ہیں !

کل اپنا ایک ''جان جگر'' جس نے صرف دس کروڑ لے کر ڈکار مارا تھا، ملا۔ہم نے اس کی بے رخی کا شکوہ کیا تو کہنے لگا یار ''انہوں نے تاریخ مقرر کر دی ہے'' وہ اتنا بڑا ڈکار مارنے کے باوجود پریشان تھا۔ہم نے حوصلہ دیا، سر پر ہاتھ رکھا، تسلی دی پیار کیا اور اپنے لبوں کو کان کے ساتھ لگا کر کہا، فکر نہ کرو، اس بار احتساب ''نیچے'' سے شروع ہونے والا ہے اور نیچے والوں کے کشتوں کے پشتے لگ جائیں گے۔تم لوگوں

تک پہنچتے پہنچتے یہ لوگ تھک جائیں گے، ہار جائیں گے اور بے بس ہو کر ''احتساب سیل'' ہی توڑ دیں گے۔ تم فکر نہ کرو، جاؤ آرام کی نیند جا کر سو جاؤ۔

ع۔ چڑھی ہے یہ آندھی اتر جائے گی !

اسے کچھ حوصلہ ہوا، خوش تو نہ ہوا مگر سر جھکا کر چلا گیا۔

ہمارے جرنیل صاحب بدنام زمانہ لقب ''چیف مارشل لاایڈمنسٹریٹر'' لے کر نہیں آئے۔ ''چیف ایگزیکٹو'' بن کر آئے ہیں۔ اپنی افتتاحی تقریر میں اپنے تشریف لانے کی وجہ بیان کی اور سابقہ وزیراعظم کو اندھے کنوئیں میں زیرحراست رکھنے کے بعد جو دعوے کیے وہ سب کے سب اچھے ہیں عمدہ ہیں۔ ہر آنے والا ایسے اچھے اچھے دعوے کرتا آیا ہے۔ مگر ہمیں تو ان کی ایک بات پسند آئی کہ اس بار ''سخت احتساب'' ہوگا اور ہمیں صرف اس اعلان سے دلچسپی ہے۔ دوسری چیزیں تو روایتی ہیں اور زیب داستان تو نہیں زیب اقتدار ہوتی ہیں۔ الحمدللہ انہوں نے اپنے مقاصد میں ''نظام مصطفیٰ'' کے نفاذ اور اسلامی قوانین کے اطلاق کی نہ بات کی، نہ وعدہ کیا۔ بقول ایک فوجی کے یہ ایک ''منافقانہ نعرہ'' ہے۔ ورنہ علمائے کرام اپنی تقریروں اور خطبوں میں انہیں یاد دلاتے رہتے۔ جس طرح وہ سابقہ حکمرانوں کے دسترخوانوں پر بیٹھ کر کیا کرتے تھے۔

اگر جان کی امان پاؤں تو ''نظام مصطفیٰ'' کے نفاذ کی بات کروں'' جرنیل صاحب صاف گو، سچے کھرے اور کم گو حکمران ہیں۔ سیدھی سیدھی بات کرتے ہیں بلکہ بہت کم باتیں کرتے ہیں۔ سکول کی کتابوں میں پڑھتے ہوئے ''اتاترک'' کو اپنا ''آئیڈیل'' کہہ کر بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ لیا۔ آج اگر ان کے حلقہ تعلق میں شیخ رشید جیسے مقرر، مشاہد حسین جیسے مفکر، نذیر ناجی جیسے ادیب، نیلام گھر والے طارق عزیز جیسے شیریں بیان، حاشیہ نشین ہوتے تو ایسے مولویوں کی زبان بند کر دیتے جو ''اتاترک'' کو آئیڈیل کہنے پر واویلا کر رہے ہیں۔

ہم لوگ ان لوگوں میں سے ہیں جو چڑھتے سورج کو سلام تو نہیں کرتے مگر ابھرتے آفتاب کی کرنوں کا استقبال ضرور کرتے ہیں۔ ایسے آنے والے کے وعدوں کی قدر کرتے ہیں۔ ایسے بڑھنے والے کے اعلانات پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ اسے محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں اسے دل میں جگہ دیتے ہیں، عزت دیتے ہیں، اسے تخت اقتدار بیٹھے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ یہ ہماری عادت ہے یہ ہماری روایت ہے۔ اس لیے ہم اپنے چیف کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اھلاً وسہلاً کہتے ہیں۔

آمد سنی کسی کی تو اللہ رے اشتیاق !

آنکھیں بچھائیں ہم نے جہاں تک نظر گئی

وہ قرض لینے والوں سے قرضے وصول کریں۔ وہ قوم کا مال کھانے والوں سے مال واپس لیں۔ وہ رشوت خوروں پر سخت گیر نگاہ ڈالیں۔ وہ ملکی امن تباہ کرنے والوں کو بھاگنے کی مہلت نہ دیں۔ وہ دہشت گردوں کا خواہ وہ کسی بھی لباس میں ہوں خاتمہ کردیں وہ بھوک کے مارے ہوئے عوام اور بے کاری اور بے روزگاری سے نڈھال جوانوں پر نگاہ لطف فرمائیں۔ اور ویران مارکیٹوں کو از سر نو آباد کریں۔ وہ جواریوں اور سود خوروں کے بنائے ہوئے اداروں کو بند کردیں۔ ہم ان کا استقبال کرتے ہیں۔ ہم ان کا شاندار خیر مقدم کرتے ہیں۔

ہاں! مگر ہمیں یہ کہنے کی اجازت دیں کہ جانے والے بھی کوئی اتنے برے نہیں تھے جتنے آج کے اخبار والے ان کی شکایتیں لگا رہے ہیں اور کردار کشی کر رہے ہیں۔ بدنام کر رہے ہیں۔ انہوں نے آتے ہی بڑے بڑے وعدے کیے تھے۔ ''قرض اتارو ملک سنوارو'' مہم کا آغاز کیا تھا۔ ملک کی خوشحالی کے لیے ''موٹر وے'' بنا دیا۔ دنیا کے سامنے ''ایٹم بم'' اور ''غوری'' جیسے دور مار میزائلوں کا مظاہرہ کر کے ایٹمی دنیا میں قدم رکھا تھا۔ ٹوٹی پھوٹی سڑکوں کو از سر نو مرمت کرا دیا تھا۔ تجاوزات پر ہاتھ ڈالا تھا۔ ان

ساری خدمات (خوبیوں) کے باوجود وہ پاکستان کے چودہ کروڑ عوام کو ان جونکوں سے نہ بچا سکے جو ان کا خون چوس رہی ہیں۔ وہ نہ رشوت خوروں کا محاسبہ کر سکے، نہ ان کے بنتے ہوئے محلات کو تجاوزات کی صف میں لا سکے۔ اگر آپ اپنے اعلانات کی روشنی میں کچھ کام کر جائیں تو لوگ مطمئن ہو جائیں گے۔ خوش ہو جائیں گے اور آپ کا نام عزت سے لیا کریں گے ورنہ......

ہاں! ہم لوگ علماء کرام کے حاشیہ نشین ہیں۔ ان کی تعلیمات سے فیض یافتہ ہیں۔ ان کی مجالس میں اٹھنے بیٹھنے والے ہیں۔ ان علمائے کرام نے یہ بات ہمیں ذہن نشین کرادی ہے کہ پاکستان جب بنا تو اس کا مطلب ''لا الہ الا اللہ'' تھا آج اس کی سرزمین ''نظام مصطفیٰ'' کے بغیر شاداب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے عوام ''نظام مصطفیٰ'' کے بغیر امن وامان حاصل نہیں کر سکتے۔ اس کے لوگ ''نظام مصطفیٰ'' کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ آپ اگر ہمارا مطالبہ پورا نہیں کر سکتے تو نہ سہی باون سال دندنانے والے حکمران بھی اس نعمت سے محروم رہے ہیں۔ ہم نے انہیں جاتے وقت'' دونوں ہاتھ خالی بام گفن سے نکلے'' ہوئے دیکھا ہے۔ اگر آپ یہ کام نہ بھی کریں تو ہمیں کوئی غم نہیں۔ آپ ''قرض اتارو ملک سنوارو'' کے بجائے مال حرام اگلوانے میں کامیاب ہو جائیں تو بڑی خوش قسمتی ہوگی۔

''نظام مصطفیٰ'' کے نفاذ کے لیے ہم قربانیاں دینا جانتے ہیں، جان دینا جانتے ہیں، مرنا جانتے ہیں اور اگر وقت آجائے تو مارنا بھی جانتے ہیں، ہم تو واقتلوھم حیث ثقفتموھم کا سبق پڑھ کر آئے ہیں۔ ہم اٹھیں گے تو ''نظام مصطفیٰ'' کے نفاذ کے لیے طوفان بن جائیں گے۔ ہمیں کسی جرنیلی سہارے کی ضرورت نہیں ہمیں کسی سیاسی لیڈر کی پروا نہیں۔

یہ جہاں آباد ہو گا نغمۂ توحید سے
گونج اٹھیں گی فضائیں نعرۂ تکبیر سے

حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحلت فرما گئے

جلد نمبر ۸..................دسمبر ۱۹۹۹ء..................شمارہ ۸۳

''جہان رضا'' کے قارئین کے لیے یہ خبر شدید صدمہ اور انتہائی افسوناک اور المناک طوفان لے کر پہنچے گی کہ مرکزی مجلس رضا لاہور کے بانی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات کے ترجمان حکیم محمد موسیٰ امرتسری ۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء کو انتقال فرما گئے۔'' انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ''
حکیم محمد موسیٰ مرحوم حسب معمول علی الصبح اپنے مطب میں تشریف لائے۔ مریضوں کو دیکھا ان کے علاج کے لیے ادویات تجویز کرتے رہے۔ ارباب علم و فضل سے علمی موضوعات پر گفتگو کرتے رہے اور حسب معمول گیارہ بجے رکشہ پر سوار ہو کر اپنے گھر (شاد باغ۔ سراج پارک) روانہ ہوئے گھر پہنچے رکشہ فارغ کیا۔ گھر کے اندر داخل ہوئے چند لمحے آرام کیا اور داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے عالم جاودانی کو روانہ ہو گئے

نہ آہ نہ فغاں نہ اضطراب نہ تڑپ، نہ علاج نہ مداوا نہ درد نہ دوا!

ع۔ ایک ہچکی موت کی وادی میں ان کو لے گی

احباب کو خبر ہوئی لاہور کے اہل علم و فضل قطار در قطار ان کے گھر پہنچے ۔ جس جس کو خبر ملی ۔ شاد باغ آ پہنچا'' شام الم ڈھلی تو چلی درد کی ہوا'' سے شہر کے گوشے گوشے سے اہل درد آنے لگے۔ اشک بار آنکھیں سسکیوں اور آہوں کا مجمع ،غم و الم کا

اجتماع، شکستہ دلوں کا ہجوم، اہل محبت وعقیدت کا انبوہ، رات گئے جنازہ اٹھا۔ ہزاروں غمگسار جنازہ تھامے رات کے دس بجے اندھیروں میں روانہ ہوئے ''اکرم پارک'' ''شادباغ'' میں تمام اہل علم ومحبت کی صفیں درست ہوئیں اور اس مرد جلیل اور درویش بے گلیم کا جنازہ پڑھا گیا جو علم وفضل کی محفلوں کی بساط سمیٹتے ہوئے موت کی وادی میں جا پہنچا۔

رات گئے آپ کو لاہور کے ایک بڑے قبرستان ''مقابر چشتیاں میاں میر'' میں ان کے والدین کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا

ع۔ آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے!

اس طرح دنیائے رضویت کا ایک درخشاں آفتاب قبر کے پہلو میں غروب ہو کر اپنے پیچھے اندھیروں کی ویرانیاں چھوڑ گیا۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نظامی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۷ اگست ۱۹۲۷ء، ۲۸ صفر ۱۳۴۶ھ کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد گرامی فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی سے قرآن پڑھا۔ قاری کریم بخش سے قرأت سیکھی۔ فارسی کتابیں کریما سعدی سے سکندر نامہ نظامی تک دار العلوم نعمانیہ امرتسر میں پڑھیں۔ مولانا محمد عالم آسی سے عربی اور دیگر علوم حاصل کیے مثنوی مولانا روم سبقاً سبقاً اپنے والد کرم سے پڑھی۔ تقسیم ملک کے بعد لاہور آئے۔ یہاں پیر طریقت علی محمد چشتی نظامی بی بی زوضلع ہوشیار پور سے بیعت ہوئے۔ مولانا فتح محمد چشتی نظامی سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں خلافت حاصل کی۔

آپ ۱۳۹۳ھ کو مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ ایک عرصہ تک شہر حبیب میں قیام کا موقع ملا وہاں دنیائے اسلام کے بڑے بڑے شیوخ اور علمائے کرام کی مجالس سے استفادہ کیا۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی مدنی خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مجاز ہوئے۔ ''سلسلہ قادریہ'' کے معمولات کی

اجازت دی۔ شیخ الدلائل شیخ محمد ہاشم شفرون سے ''دلائل الخیرات'' اور ''قصیدہ بردہ'' کی اجازتیں حاصل کیں۔ آپ کی تصانیف میں ''مولانا غلام محمد ترنم'' ''ذکر مغفور'' ''اذکار جمیل'' شائع ہو کر سامنے آئیں۔ کشف المحجوب کا دیباچہ لکھا اور مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کا مقدمہ لکھا۔ جسے دنیائے تصوف میں بڑی شہرت ملی۔

۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلس رضا کی بنیاد رکھی۔ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تالیفات کو نہایت ہی دیدہ زیب انداز میں شائع کر کے تقسیم کرتے رہے۔ فاضل بریلوی کو برصغیر میں متعارف کرانے میں دن رات ایک کر دیا۔ محققین اہل سنت و قلم کاران رضویت سے بلند پایہ مقالات لکھوا کر گلستان رضویت کو مہکا دیا۔ اٹھارہ لاکھ سے زیادہ کتابیں شائع کر کے مفت تقسیم کیں۔ آپ نے ایک طرف افکار رضا کو عام کیا دوسری طرف سنی عقائد پر بے شمار کتابیں لکھوا کر تقسیم کرتے گئے۔ آج دنیا کے گوشے گوشے میں نغمات رضا سے بوستان علم و فضل گونج رہے ہیں اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری اپنی روایت کو آگے بڑھا رہے تھے۔

آج ''مرکزی مجلس رضا'' انہی اشاعتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اپنے ماہنامہ ''جہان رضا'' کے صفحات پر افکار رضا کو دنیا کے گوشے گوشے تک پھیلانے میں مصروف ہے۔ اس کا سارا کریڈٹ حکیم محمد موسیٰ مرحوم کو جاتا ہے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم نے ''مرکزی مجلس رضا'' کی بنیاد رکھی تو اپنی ساری توانائیاں اس کے لیے وقف کر دیں مطب کے ساتھ صبح و شام آپ نے افکار رضا کی ترجمانی و تشہیر کے لیے اہل قلم احباب کا ایک حلقہ قائم کیا سنی رائٹرز کا ایک گلڈ بنایا اور گمنام گوشوں میں سونے والے سنی اہل قلم و سخن کے دروازوں کو کھٹکھٹایا۔ انہیں کنج خمولی اور گوشۂ تنہائی سے نکال کر ان کی تحریروں کو چمکا چمکا کر زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ یہ روشن تحریریں

فاضل بریلوی کی تحریروں کو نہ صرف پڑھا بلکہ اس کے مطالب و معانی کو مرتب کر کے عوام تک پہنچانا شروع کیا۔ حکیم مرحوم ہر سال یوم رضا (عرس رضا) کا اہتمام کرتے۔ جامع مسجد نوری ریلوے اسٹیشن لاہور پر شاندار اجلاس ہوتا۔ ملک کے مقتدر علماء و مشائخ اظہار خیال کرتے اور حاضرین جلسہ دل و جان کے دامن پھیلا کر گوہر مراد سے جھولیاں بھرتے۔ ''یوم رضا'' کے قد آدم اشتہار چھپتے۔ لاہور کی دیواروں پر لگانے کے علاوہ ڈاک کے ذریعہ پاکستان کے ہر شہر ہر قصبہ ہر قریہ اور ہر گاؤں کی مساجد کے دروازوں پر چسپاں کرنے اہتمام کیا جاتا اور اس طرح گلستان رضویت کا غنچہ غنچہ، بوٹا بوٹا خوشبوئے رضویت سے مہک اٹھتا۔ ''یوم رضا'' ختم ہوتا تو حکیم صاحب ''مقالات یوم رضا'' چھپوا کر اہل علم و فضل تک پہنچاتے۔ حکیم صاحب کی عادت تھی کہ جہاں جہاں اعلیٰ حضرت کے مخالفین کے پراپیگنڈے سے لوگ متاثر تھے وہاں ''مقالات یوم رضا'' بھیجنے اور پہنچانے کا اہتمام کرتے۔ اسمبلی کے اراکین، وزراء، وکلا، اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کی میزوں پر ''یوم رضا'' کے کتابچے پہنچتے۔ ان کے گھر جانے سے پہلے ہر ایک کے گھر میں ان کے بیڈروم میں ''مقالات یوم رضا'' موجود ہوتے۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی اس شبانہ روز کارکردگی نے پاکستان بھر میں نغمات رضویت کی دھوم مچا دی۔ دلوں کے دروازے کھلنے لگے دل و جان وجد کرنے لگے اور ہر محراب و منبر سے

ع۔ مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام!

کی آوازیں گونجنے لگیں۔

آج حکیم محمد موسیٰ امرتسری حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے تاریخی قبرستان میں خوابیدہ ہیں۔ ان کے پیچھے ہزاروں اہل علم و فضل سوگوار اور غمگساران کی یادوں کے امین ہیں۔ ۱۹ نومبر ۱۹۹۹ء کو آپ کے ایصال ثواب کے لیے جامع مسجد دربار

حضرت داتا گنج بخش لاہور میں ''ختم قل'' پر ہزاروں اہل محبت قرآن خوانی کے لیے جمع ہوئے۔ جسٹس میاں نذیر اختر صاحب، جسٹس ڈاکٹر محمد منیر مغل صاحب، قاضی محمد مظفر اقبال رضوی صاحب، پیر اصغر علی چشتی، مدیر جہان رضا پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مولانا بشیر حسین ناظم صاحب اور ثناء اللہ بٹ نے مرحوم کی علمی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ حضرت مولانا مفتی جلال الدین صاحب قادری آف کھاریاں نے دعائے مغفرت کی۔ اور آپ کے یاران خاص میاں محمد زبیر صاحب ضیائی، محمد ریاض صاحب ہمایوں، حکیم عبدالباسط صاحب چشتی، نعیم احمد صاحب رضوی ،اور حافظ محمد فیاض قادری صاحب، انتظامی معاملات میں مصروف ہے۔

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری چشتی بانی مرکزی مجلس رضا صدر الصدور مرکزی مجلس رضا کی یاد میں پاکستان اور بیرون پاکستان تعزیتی جلسے ہوئے۔ اخبارات نے آپ کی علمی خدمات پر مقالات لکھے۔ اہل محبت وعقیدت نے تعزیت نامے بھیجے۔ اور آپ کے متوسلین نے اظہار غم والم کرتے ہوئے دعائے مغفرت کی۔

آج ہم ایک ایسی شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں جو حقیقی معنوں میں بیمثال تھی، آج ہم ایسے راہنما سے محروم ہو گئے ہیں جو افکار رضا میں ہماری راہنمائی کیا کرتا تھا، آج ہم ایسے شفیق طبیب سے محروم ہو گئے ہیں جو ہماری جسمانی اور روحانی بیماریوں کے دفاع کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا، آج ہم ایک ایسے راسخ العقیدہ سنی سے محروم ہو گئے ہیں جو اپنے عقائد میں کسی قسم کی مصلحت کو خاطر میں نہ لاتا، تھا آج ہم ایسے فدا کار رضویت سے محروم ہو گئے ہیں جو سب کچھ لٹا کر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے علم کو بلند رکھتا تھا۔ آج ہم ایسے دانشور اور محقق سے محروم ہو گئے ہیں جو طلباء اسکالرز، اور مقالہ نگار حضرات کی علمی راہنمائی کیا کرتا تھا۔

ع۔ رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار

اداریہ......شذرہ......انشائیہ......فکریہ......المیہ......الزیاریہ

جلد نمبر ۹ .... جنوری فروری ۲۰۰۰ء ...... شمارہ ۸۴

چیف ایگزیکٹو آج سے چار ماہ قبل بڑے زور و شور سے آئے بصد اقدام فوجائی بصد انداز گویائی اقتدار کی کرسی پر آ بیٹھے۔ ہیوی مینڈیٹ فوجی بوٹوں سے کچلتے ہوئے آتے ہی قوم کی بگڑی بنانے کے اعلان کرنے لگے پاکستان کے چودہ کروڑ عوام نے بیک زبان ہو کر کہا! لو ہمارا نجات دہندہ آ گیا، لو چوروں اور ڈاکوؤں کو پکڑنے والا آ گیا! لو غریبوں کا حامی اور امیروں کا دشمن آ گیا! ان تمام اعلانات سے بلند و بالا اعلان ''احتساب'' تھا۔ اب احتساب! احتساب کی آوازیں فوجیں بینڈ باجوں کی دھن کے ساتھ بلند ہونے لگیں۔ پکڑ و دھکڑ و جانے نہ پائیں کا شور برپا ہوا۔ لٹیرے بھاگنے نہ پائیں۔ ملک کی دولت لوٹنے والے ملک سے باہر نہ جائیں۔ تیس دن کے اندر اندر سب لٹیروں کو پکڑ لیا جائے گا، گھڑیاں ٹک ٹک کرنے لگیں، ٹی وی ایک ایک لمحہ گننے لگا۔ اخبارات دنوں کا حساب لگانے لگے۔ لٹیروں کے نام کی لسٹیں لگیں، تصویریں شائع ہونے لگیں۔ ہوائی اڈوں پر ''تیز نظروں والے'' بیٹھ گئے۔

لوگ خوش تھے کہ پہلی بار ایک مرد مجاہد آیا ہے جسے کارگل کے محاذ سے سیاسی چال بازوں نے ہٹا کر اس کی مجاہدانہ یلغار کو کچل دیا تھا، عوام خوش تھے کہ کئی سالوں سے ملکی دولت کو لوٹ کر اللوں تللوں میں اڑانے والے شکنجوں میں کسے جائیں گے۔ لوگ مطمئن تھے کہ پاکستان میں پہلی بار ایسا ایگزیکٹو آیا ہے جو ایک ایک کا حساب لے

گا مگر...... مگر......

چار ماہ گزر گئے۔ پاکستان کے مگر مچھ فوجی جال توڑ توڑ کر باہر آنے لگے۔ عسکری جال ایک ایک کر کے ٹوٹنے لگے۔ جال پھینکنے والوں کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ واقفان حال بتاتے ہیں کہ آج تک جتنے جال پھینکے گئے وہ کچے دھاگے کے بنے ہوئے تھے وہ ٹوٹ جاتے تھے اب تو احتسابی کمانڈوز آہستہ آہستہ اعتراف کر رہے ہیں کہ مگر مچھ اتنے زبردست اور زور آور ہیں کہ انہیں قابو کرنے کے لیے اتنا وقت لگے گا جتنا اقتدار پر قبضہ کرنے والے کے اقتدار کو رہنے کے لیے دیا جاتا ہے۔ اب مگر مچھ کو پکڑنے والے نہروں کی ریت چھاننے لگے ہیں۔ اور آئے دن اپنی کامیابیوں کے اعلان کرتے رہتے ہیں کہ ہم نے ''بھل صفائی'' کر دی۔

کہ کٹ سکتا ہے سر خوددار کا پر جھک نہیں سکتا

دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمان اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں عراق افغانستان اور کشمیر سے دور روس کے قلب میں چیچنیا کے جانباز مسلمان اپنے سے ہزار گنا بڑی طاقت سے نبرد آزما تھے روس انہیں باغی کہتا تھا۔ امریکہ انہیں خون میں نہاتے دیکھتا رہا۔ یو این اے انہیں باغی تو نہیں کہتی مگر روسی جارحیت کا شکار ہوتے بھی ''ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم'' بنی رہی مسلمان ممالک مغربی طاقتوں سے ڈر کر چپ سادھے بیٹھے رہے۔ امداد تو بڑی بات ہے ان کی حمایت کرنے سے بھی گریز کرتے رہے۔ چیچنیا کے تمام گھر اور قریے روسی گولہ باری سے تباہ ہو چکے ہیں، ہزاروں جانباز لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ لاکھوں مسلمان اپنا گھر بار چھوڑ کر ہمسایہ ممالک میں پناہ گزین ہیں۔ روسی فوجیں توپ خانے ٹینک اور جنگی بمبار لمحہ بہ لمحہ ان جانبازوں کو کچلنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ جانباز مرنا تو جانتے تھے جھکنا نہیں جانتے تھے۔ سر کٹانا تو

جانتے تھے سر جھکانا نہیں جانتے تھے۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی دنیا کے ایک خطہ چیچنیا کے یہ فرزندان توحید باطل قوتوں کے سامنے سینہ سپر رہے ہیں۔

چیچنیا کے یہ جان باز مسلمان نشان مرد مومن بن کر عالم اسلام کا پرچم لہراتے رہے ہیں۔ وہ جانوں کے نذرانے دے کر اسلام کی سربلندی اور عظمت کی تاریخ رقم کرتے رہے ہیں۔ وہ سب کچھ قربان کر کے مسلمانان عالم کو بیدار کرتے رہے ہیں۔ چیچنیا کے یہ مسلمان آج سے دوصدی قبل روسی اقتدار کے باوجود ایک نقشبندی عالم دین اور ولی اللہ امام شامل رحمۃ اللہ علیہ کے زیر تربیت جانبازی کی تربیت حاصل کرتے رہے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ کے تربیت یافتہ مجاہد آج ایک مثالی مسلمان بن کر عزم و استقلال کی چٹان بنے ہوئے ہیں۔ ماہنامہ ''اخبار اہل سنت'' لاہور میں جناب عمران چوہدری (برطانیہ) نے حضرت امام شامل نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ پر مندرجہ ذیل نوٹ لکھا ہے۔

''آج سے ڈیڑھ سو برس قبل داغستان، انگوشتیا اور چیچنیا میں روسی تسلط کے خلاف تحریک مزاحمت شروع ہوئی۔ اس تحریک مزاحمت کے بانی حضرت امام شامل رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کا تعلق داغستان سے تھا۔ امام شامل نے تحریک کا مرکز چیچنیا کو بنایا کیونکہ یہ داغستان اور انگوشتیا کے درمیان واقع تھا۔ تینوں علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ یہ مسلمان زیادہ تر زراعت کے پیشے سے وابستہ تھے۔ لیکن ان میں مالک کم اور مزارعے زیادہ تھے۔ بڑے جاگیرداروں کو شاہی خاندانوں کی سرپرستی حاصل تھی جو ماسکو میں بیٹھ کر استحصالی طبقے کے مفادات کی حفاظت کرتا تھا۔ بڑے جاگیردار مسلمان مزارعوں کو نہ تو محنت کا مناسب معاوضہ دیتے تھے اور نہ ہی انہیں اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنے کی اجازت دیتے تھے۔ مسلمانوں کو باجماعت نماز ادا کرنے کے علاوہ اسلامی نام رکھنے سے بھی روکا جاتا تھا۔ امام شامل رحمۃ اللہ علیہ نے

سب سے پہلے اپنے چند سو شاگردوں کو جہاد کے لیے تیار کیا۔ آہستہ آہستہ اسلحہ جمع کیا۔ اس کے بعد چیچنیا اور انگوشتیا کے مسلمانوں کے ساتھ رابطے شروع کیے۔ امام شامل رحمۃ اللہ علیہ نے ترکی، ایران اور افغانستان کی حکومتوں کے پاس بھی اپنے سفیر بھیجے اور مدد کی درخواست کی لیکن یہ وہ دور تھا جب عالم اسلام خود بہت سے مسائل کا شکار تھا اور سلطنت عثمانیہ روبہ زوال تھی۔ امام شامل رحمۃ اللہ علیہ کو ترکی اور ایران اور افغانستان سے اتنی بھرپور امداد نہ ملی جس کی توقع کی جارہی تھی تاہم انہوں نے ہمت نہ ہاری اور اپنی صفیں منظم کرتے رہے۔

تحریک مزاحمت کا باقاعدہ آغاز ۱۸۳۴ء میں ہوا۔ مسلمان مجاہدین نے گوریلا جنگ کی حکمت عملی اپنائی اور گروزنی کے عقب میں واقع کاکسز کے پہاڑوں میں اپنی پناہ گاہیں بنائیں۔ یہ مجاہدین عام طور پر رات کی تاریکی میں روسی فوجوں کے اسلحہ خانوں پر حملہ کرتے اور کافی گولہ بارود حاصل کرلیتے تھے۔ مزاحمت کو دبانے کے لیے روس کی زارشاہی حکومت نے داغستان چیچنیا اور انگوشتیا کے مسلمانوں پر ظلم شروع کر دیا۔ ہزاروں مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا، سیکڑوں افراد کو ایسے شہروں سے نکال دیا گیا جہاں مجاہدین کا زور تھا۔ امام شامل رحمۃ اللہ علیہ ۲۵ سال تک کسی بیرونی امداد کے بغیر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ روسیوں کے ساتھ برسرپیکار رہے۔ ۱۸۵۹ء میں امام شامل رحمۃ اللہ علیہ دوران جہاد شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت کے بعد تحریک مزاحمت بھی دم توڑ گئی لیکن اس ۲۵ سالہ تحریک نے مسلمانوں کو اسلام کے خاصا قریب کردیا۔ چیچنیا سے تعلق رکھنے والے امام شامل رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے ساتھی اپنے قائد کی شہادت کے بعد ترکی چلے گئے۔ بہت سے مسلمان پہاڑوں میں غائب ہوگئے اور انہوں نے کبھی کبھی روسی فوجوں پر اپنے حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ گزشتہ صدی کے آغاز میں لینن نے روس کے شاہی خاندان کی آمریت کو للکارا تو چیچنیا کے مسلمانوں نے لینن

کی حمایت کی ۔لینن نے چیچنیا اور انگوشتیا کے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ انہیں آزادی دی جائے گی انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا انقلاب روس کے بعد ایک مشترکہ چیچنو انگوش خودمختار ریاست وجود میں آ گئی ۔لینن کی موت کے بعد جوزف سٹالن نے چیچنیا کے مسلمانوں کے ساتھ وعدہ خلافی شروع کر دی۔ سٹالن نے لینن کے وعدوں کا پاس نہ کرنے کے علاوہ لینن کی تعلیمات کی خلاف ورزی شروع کر دی اور کمیونزم کے نام پر آمریت قائم کر دی ۔ جوزف سٹالن نے ایک درجن سے زائد خودمختار ریاستوں پر قبضہ کر لیا ۔۱۹۴۴ء میں چیچنیا اور انگوشتیا کے مسلمانوں کو ان کے شہروں سے نکال کر قازقستان بھیج دیا گیا اور خالی شہروں میں روسیوں کو لا کر آباد کیا گیا۔ سٹالن کی موت کے بعد چیچنیا اور انگوشتیا کے مسلمانوں کو ان کے علاقوں میں واپس آنے کی اجازت دی گئی ۔ واپسی پر روسی آبادکاروں کے ساتھ ان کی کشمکش شروع ہوئی ۔آبادکاروں کو چیچنیا میں تیل اور گیس کے ذخائر دریافت کرنے اور روزگار دینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ۱۹۵۸ء تک روس نے چیچنیا میں تیل اور گیس کے ذخائر دریافت کر کے ان ذخائر کو استعمال کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور روسی آبادکاروں کا مقامی آبادی کے ساتھ تصفیہ کرا یا۔

۱۹۷۹ء میں روسی فوجوں نے افغانستان پر قبضہ کر لیا ۔چیچنیا کے لوگوں نے اس قبضہ کی کبھی حمایت نہ کی بلکہ میخائل گورباچوف کے دور میں گروزنی میں مسلمان طلبہ نے روسی جارحیت کے خلاف مظاہرے بھی کیے ۔۱۹۹۱ء میں جب سویت یونین کا خاتمہ ہوا تو متعدد ریاستوں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا جس میں چیچنیا بھی شامل تھا۔ جب روسی فوجوں نے لیتھونیا پر چڑھائی کی تو اس وقت اپوزیشن لیڈر بورس یلسن نے روسی فوجیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بیان دیا تھا کہ ’’طاقت کے زور پر کسی کو اپنے ساتھ نہیں رکھا جا سکتا‘‘ اس وقت بورس یلسن اپوزیشن میں تھے تو انہوں نے لیتھونیا پر

روسی فوجوں کی یلغار کو جارحیت قرار دیا، آج وہ روس کے صدر ہیں اور چیچنیا پر روسی فوجوں کی یلغار کو اپنی سالمیت کی جنگ قرار دے رہے ہیں۔ لندن سے شائع ہونے والے ہفت روزہ جریدے ''دی اکانومسٹ'' نے بورس یلسن کو روسی فوجوں کے نام ان کا پرانا بیان یاد دلایا جو انہوں نے ۱۳ جنوری ۱۹۹۱ء کو جاری کیا تھا۔

۱۵۰ سال قبل امام شامل رحمۃ اللہ علیہ نے روسی تسلط کے خلاف جو تحریک شروع کی تھی وہ ۱۳۵ سال کے بعد ایک نئی شکل میں دوبارہ شروع ہوگئی۔ کہ سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھنے والے امام شامل رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اپنی مجاہدانہ تحریک میں کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں اور مسلمان ممالک اس تحریک کی مدد کرتے ہیں یا نہیں؟ پاکستان نے چیچنیا کی مالی وفوجی امداد تو نہیں کی لیکن کم از کم اخلاقی امداد ضرور کرنی چاہیے تھی۔ آج چیچنیا کے مسلمان روسی جارحیت کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کی بستیاں، ان کے شہر، ان کے گھر، ان کے بچے، ان کے نوجوان، موت کی وادیوں میں چلے گئے۔ انہوں نے اپنے خون سے حریت کی تاریخ رقم کی ہے آج روسی فوجیں چیچنیا کی سرزمین فتح کر کے فخر کر رہی ہیں۔ مگر اس قوم نے روسی بربریت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ اگرچہ آج وہ چیچنیا پر قابض ہوگئے ہیں مگر ان جانبازوں نے ثابت کر دیا ہے''
کہ کٹ سکتا ہے سر خوددار کا پر جھک نہیں سکتا'' ....

اے کلیم وادی احمد رضا

پچھلے دنوں مرکزی مجلس رضا کے بانی، حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا۔ ان کے احباب اور عقیدت مندوں کی کثیر تعداد نے اپنے یار عزیز کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا، تعزیتی اجلاس کیے، تعزیتی خطوط لکھے، اظہار رنج وغم کے جتنے ذرائع ہو سکتے ہیں انہیں بروئے کار لایا گیا، اخبارات، رسالوں، ماہناموں نے

اپنے اپنے کالموں میں اس درویش کی موت پر ادایے لکھے ایصال ثواب اور مغفرت کے بے شمار ذرائع اختیار کرتے ہوئے اہل محبت نے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے اور اخبارات ورسائل سے ہٹ کر ''مرکزی مجلس رضا'' کے ماہنامہ ''جہان رضا'' نے ایک خاص تعزیتی نمبر نکالا جس میں لوگوں نے اظہار غم کیا، حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے اپنی زندگی میں جو بڑا کارنامہ سرانجام دیا وہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی کے افکار ونظریات کی اشاعت ہے۔آپ نے ہزاروں نہیں لاکھوں کتابیں شائع کر کے مفت تقسیم کیں آپ نے اپنی حیات عزیز کو اس عظیم انسان کے افکار کی اشاعت کے لیے وقف کر دیا تھا، برصغیر کے گوشہ گوشہ میں فاضل بریلوی کی تحریروں کو پہنچایا اور اسے اتنی کامیابی اور تیزی سے پھیلایا کہ پاکستان کا بچہ بچہ امام اہل سنت سے متعارف ہو گیا قریہ قریہ گلی گلی کوچہ کوچہ بلکہ بیابان وصحرا میں ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے جان نواز نعرے گونج اٹھے، آج پاکستان ہندوستان کے علاوہ مختلف ممالک میں امام اہل سنت فاضل بریلوی پر کام کرنے والے ادارے قائم ہو گئے ہیں، ان کے نام پر مدارس قائم ہوئے ہیں، فاضل بریلوی کے نام پر سیکڑوں تالیفی اور اشاعتی مراکز کھل گئے ہیں، ان کے احوال ومقامات پر تحقیقاتی سنٹر قائم ہو گئے ہیں۔ان کے افکار و نظریات کی تحقیق وتشریح پر بے پناہ کام ہو رہا ہے، ان تمام چیزوں کا کریڈٹ حکیم محمد موسیٰ مرحوم کی مسلسل کوششوں کو جاتا ہے۔جس پر انہوں نے اپنی زندگی کی تمام توانائیاں صرف کر دیں آج حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے احباب، عقیدت مند، محبت کرنے والے، مخلصین اور حاشیہ نشین حضرات کو مل بیٹھنے کی ضرورت ہے، ان کی زندگی کے مقاصد کی تکمیل کے لیے یک جہتی سے کام کرنے کی ضرورت ہے، ان کے مشن کو مل جل کر آگے بڑھانے کی ضرورت ہے، خصوصاً ان کی قائم کردہ مرکزی مجلس رضا کو قائم رکھنے کے لیے حصہ لینے کی ضرورت ہے، دردمند سنیوں کو علیحدہ علیحدہ مراکز قائم

کرنے کے بجائے حکیم صاحبؒ کی مرکزی مجلس رضا کو مضبوط اور مربوط کرنے کی ضرورت ہے، ہم ایسے تمام حضرات کو دعوت خیر دیتے ہیں جو حکیم صاحب کے مخلصین میں ہوں یا ان کے نام سے آشنا ہوں وہ مرکزی مجلس رضا کے کام کو مضبوط کریں اور آگے بڑھائیں۔..........

آں ساقی نہ ماند!

پچھلے دنوں جمعیۃ العلماء پاکستان کے صدر شاہ احمد نورانی صدیقی نے لاہور میں جمعیت کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کے اجلاس میں صدارت سے استعفا دے دیا آپ کے اس استعفے سے جمعیت سے وابستہ تمام اراکین اور خادمین کو بڑا صدمہ ہوا اراکین اور خادمین سے ہٹ کر وہ حلقے جو جمعیت العلماء پاکستان کو اپنی واحد نمائندہ جماعت سمجھتے ہیں اور شاہ احمد نورانی کو اپنا سیاسی اور دینی راہنما سمجھتے ہیں بڑے ہی رنج وملال کا شکار ہوئے ہیں۔ موجودہ حالات میں پاکستان میں دینی جماعتوں کا وجود بے دین اور مادی قوتوں کی زد میں ہے۔ پاکستان میں دین سے محبت کرنے والی اکثریت جمعیۃ العلماء پاکستان کو ان اندھیروں میں روشنی کا مینار خیال کرتی ہے اور نظام مصطفیٰ کی داعی ہونے کی وجہ سے اپنی امیدوں کی جلوہ گاہ تصور کرتی ہے۔ جمعیۃ العلماء پاکستان کی صدارت سے صدر کا مستعفی ہونا بڑا شاق گزرا ہے۔ ہم شاہ احمد نورانی کے قریبی ساتھیوں میں سے ہیں ان کی قربت اور رفاقت ہمارے لیے باعث افتخار رہی ہے۔ ہم ذاتی طور پر ان حالات اور کوائف کو بخوبی جانتے ہیں جن کی بناء پر ہمارے عظیم قائد نے استعفا دیا مگر ان کوائف کو بیان کر کے اپنے حلقے کے حساس علمائے کرام اور اراکین جمعیۃ العلماء پاکستان کی نازک طبعی کو گزند نہیں پہنچانا چاہتے لیکن ہمیں اس استعفا سے بڑا صدمہ ہوا اور ہم ان لاکھوں سنیوں کے درد میں شریک ہوئے ہیں جو

ایسے قابل قدر قائد کی قیادت سے محرومی پر افسردہ ہیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے اٹھائیس سال قبل جمعیت العلماء پاکستان کی صدارت قبول کی تھی ان دنوں جواں سال تھے دینی علوم سے فارغ ہوکر عوامی حلقوں میں آئے تھے اپنے والد مکرم شاہ عبدالعلیم صدیقی کی عالمی تبلیغی سرگرمیوں میں شریک رہے تھے۔ اور دنیا کے مختلف ممالک میں اسلامی تبلیغ کے فرائض کو ادا کرنے کی تربیت حاصل کر چکے تھے انہوں نے صدارت کا اعزاز حاصل کرتے ہی پاکستان کے سوئے ہوئے سینوں کو بیدار کرنے کا بیڑا اٹھایا آج اپنے اور بیگانے گواہ ہیں کہ مولانا شاہ احمد نورانی نے دن رات ایک کر دیا پاکستان کے گوشے گوشے میں جہاں کوئی دردمند سنی موجود تھا اس کے دروازے پر دستک دی مساجد، مدارس، یتیم خانے، علمی مراکز، جہاں جہاں تھے مولانا نورانی نے جا کر بذات خود ایک ایک کو جگایا ایک ایک شخص کی صلاحیتوں کو بیدار کیا اس طرح ان کا ایک عظیم کارواں تیار ہوکر میدان عمل میں آیا آپ نے اپنے احباب کو ملا کر علماء کا ایک باصلاحیت طبقہ جمعیۃ العلماء پاکستان کی سٹیج پر جمع کر دیا اور ان کو سیاسی اور دینی مشورے دیتے رہے آج ہر سنی اس بات کا اعتراف کرتا ہے جب یہ قافلہ رواں دواں ہوا تو ہر سنی بھی اس میں شامل تھا ہم شاہ احمد نورانی کی ان مجاہدانہ سرگرمیوں کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جب انہوں نے '' نظام مصطفیٰ '' کا پرچم بلند کیا تو سارے سنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے سر بکف دکھائی دیتے تھے اور انہوں نے ہر موقع پر قربانیاں دیں قید و بند کو قبول کیا، مال و جان کو قربان کیا، قدم قدم پر استقامت و عزیمت کا ثبوت دیا آج زمانے نے سنیوں کو بکھیر کر رکھ دیا ہے اور ان کی ہزاروں قیادتیں حضرت مسیح کی بھیڑوں کی طرح ممیاتی نظر آتی ہیں مگر اس حقیقت سے یہ خانہ ساز قائدین بھی انکار نہیں کر سکتے جب ان حضرات کو شاہ احمد نورانی کی قیادت پر یقین تھا وہ ایک قوت تھے، وہ ایک لشکر تھے، وہ ایک جان تھے، وہ ایک چٹان تھے، ان میں

سے اکثر علماء اور مشائخ شیران غاب سے بڑھ کر نظر آتے تھے وہ شاہین تھے، عقاب تھے، جانباز تھے، جان نثار تھے آج وہی لوگ قیادت سے محروم ہو کر قافلے سے بکھر کر اپنی اپنی جگہ موجود ہیں مگر دم بخود بیٹھے ہیں سرنگوں ہیں سر گرفتہ ہیں اور سب کچھ ہوتے ہوئے کچھ بھی نہیں مدارس موجود ہیں، علماء کرام موجود ہیں، خطیب موجود ہیں، ادیب موجود ہیں، مساجد موجود ہیں، ان کے میناروں سے اللہ و رسول کی صدائیں بھی بلند ہوتی ہیں جلسوں میں نعرۂ تکبیر بھی بلند ہوتے ہیں نعرۂ رسالت بھی گونجتے ہیں مگر

؎ تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضاؤں میں لیکن
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے وہ ضرب لگانا بھول گئے

شاہ احمد نورانی مدظلہ نے اپنی صدارت اور قیادت کے دوران بے پناہ دینی خدمات سرانجام دی ہیں جس کا اعتراف اپنے بیگانے سب ادنیٰ و اعلیٰ کرتے ہیں پاکستان کے آئین کی تدوین میں شاہ احمد نورانی کا اہم کردار ہے، مرزائیوں کو اقلیت اور مرتد قرار دینے میں ان کا بے مثال حصہ ہے، آج دنیا کے وہ ممالک جو امریکی یہودی صیہونی اور ہندوانہ سازشوں کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں ان میں شاہ احمد نورانی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ لیبیا، عراق، افریقی ممالک اور دنیا بھر کی اسلامی جہادی تحریکیں جہاں ہمارے سیاسی اور دینی رہنما جاتے ڈرتے اور گھبراتے ہیں وہاں شاہ احمد نورانی امریکہ دشمن رہنماؤں کے شانہ بشانہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ ہم دینی طور پر انحطاطی دور سے گزر رہے ہیں، سیاسی انحطاط دینی انحطاط، علمی انحطاط، یہاں تک کہ اب روحانی اور اعتقادی انحطاط سے بھی دوچار ہیں۔ ہم عقل رکھتے ہوئے بھی اپنے راہنماؤں کی خدمات کے اعتراف سے قاصر ہیں خاص کر شاہ احمد نورانی کی دینی اور سیاسی خدمات کے اعتراف و قبولیت سے محروم ہو گئے ہیں بیگانے تو بیگانے بعض

ذمہ ڈال کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں اور غفلت کے دامن میں منہ چھپا کر مجاہد کہلاتے ہیں شاہ احمد نورانی کا جمعیت العلماء سے استعفا افسوسناک اقدام ہے اس کے نہایت مکروہ نتائج نکلیں گے اور دولت مندوں کے محلات کے طواف کرنے والوں کی تعداد بڑھ جائے گی علماء اور پیرزادے سنی اپنی قیادت کو از سرنو مرتب کرنے کی صلاحیتوں سے محروم ہیں وہ خواہشات اور لیڈری کے گھوڑوں پر دندناتے پھرتے ہیں مگر ان کے ہاں قربانی اور لگن نہیں پائی جاتی۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

لو دیکھو مجھے شہر محبت نے پکارا

رمضان کے آغاز پر زائرین حرمین الشریفین کے قافلے روانہ ہونے لگے جہازوں کے جہاز بھر بھر کر دیار حبیب کا رخ کرنے لگے" کارواں در کارواں اہل محبت ہوا کے دوش پر اڑتے دکھائی دینے لگے، ہم شکستہ پا، خستہ حال ان خوش بختوں کو دیکھتے رہتے ہیں اور دل پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ اے قافلہ والو! ذرا رک جاؤ! دیکھو ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں! نہ مال نہ زر نہ ویزہ نہ ٹکٹ دن گزرتے گئے، رمضان گزرتا گیا اور دیار محبوب کی نسیم جانفزا کے نرم نرم جھونکے دل کو بہلاتے رہے۔ میرا ایک یار غم خوار جو لوگوں کو دیار مصطفیٰ بھیجنے پر مامور ہے ڈوبتے سورج کی شفق کی لالی میں آ پہنچا پاسپورٹ، ویزا ٹکٹ اور دوسرے کاغذات پکڑا کر کہنے لگا کہ آج اندھیری رات کے تین بجے دیار محبوب کو جہاز اڑے گا بارہ بجے سے پہلے پہلے ایئر پورٹ پہنچ جانا بس کچھ نہ پوچھیں ہمارے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے دائیں بائیں کی پروانہ رہی شام و سحر کی گردش کی پروا نہ کرتے ہوئے جہاز میں جا بیٹھے اور چند گھنٹوں میں جدہ پھر

اور ایک گھنٹے میں کعبۃ اللہ جا پہنچے طواف کی لطافتیں اور زم زم کی نہریں ''رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت'' پھر تو ''دھوم دیکھی ہے درکعبہ پہ بے تابوں کی'' طواف کر چکے تو ''خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ'' سے چند قدم ہٹ کر ملتزم سے تو گلے لگ کے نکالے ارمان مگر ابھی غلاف کعبہ پر نظر پڑی ہی تھی کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی یاد آئی۔

؎ غور سے سن تو اے رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے میرے یار کا روضہ دیکھو

اب مدینہ منورہ جانے والی راہیں باہیں کھول کر دعوت سفر دینے لگیں۔ دل مچلنے لگا نماز پڑھی تو ''ناقۂ تیز گام'' نے اپنے کجاوے میں بٹھا لیا حرمین شریفین کی وادیاں طے کرتی ہوئی شہر حبیب میں جا پہنچی سحری کے وقت دیار حبیب پر دستک دی تو آواز آئی:

ع۔ کعبہ تو دیکھ چکے اب کعبے کا کعبہ دیکھو

آملیں گے سینہ چاکان وطن سے سینہ چاک

جلد نمبر ۹ .... مارچ ۲۰۰۰ء .... شمارہ نمبر ۸۵

کئی برسوں کے انتشار، افتراق اور خاموشیوں کے بعد جماعت اہل سنت پاکستان کی کال پر یکم اپریل کو سنیوں کے قافلے ملتان پہنچ رہے ہیں۔ وہ ملتان میں اپنی یکجہتی، اتفاق اور رواداری کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی افرادی قوت کا مظاہرہ کریں گے۔ یہ نہایت اہم اور ضروری اقدام ہے جسے "جماعت اہل سنت پاکستان" کے راہنماؤں نے ایک عرصے کے بعد اٹھایا ہے۔ پاکستان کا ہر سنی العقیدہ مسلمان اس اقدام پر اظہار مسرت کرے گا اور ملتان کی "سنی کانفرنس" کے منتظمین کو ہدیۂ تحسین پیش کرے گا۔

ایک طویل عرصہ سے پاکستان میں دینی جماعتوں کا کردار بڑا ہی مایوس کن رہا ہے۔ بے دین سیاسی جماعتیں اقتدار پر قبضہ کر کے نہ صرف ملکی ذرائع سے کھیلتی رہی ہیں بلکہ دینی جماعتوں کے استحصال، تحلیل اور دبانے میں سرگرم رہی ہیں۔ ان سیاسی قوتوں کی وجہ سے دینی اقدار کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ دینی جماعتیں اپنی مسلسل جدوجہد کے باوجود اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہیں۔ اگرچہ ملک میں سیاسی جماعتوں کی اقتداری جنگ نے انہیں بھی بے حال کر دیا ہے اور وہ اپنی تمام سیاسی چالبازیوں کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکیں۔

ان لوگوں کی دین سے بیزاری، سرکشی اور بغاوت کی وجہ ہے آج انہیں اللہ کے غضب کا نشانہ بننا پڑا ہے۔ اگر چہ یہ سیاسی راہنما ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہی رہے ہیں مگر ان لوگوں نے ملک کی دینی جماعتوں کا جو حشر کیا وہ تاریخ کا ایک المیہ ہے۔ دینی جماعتوں نے اپنا وجود برقرار رکھنے کے لیے مختلف انداز سے ملک کی سیاسی فضا میں اپنی حفاظت کی مگر کوئی جماعت بھی اپنی کامیابیوں کو بروئے کار نہ لاسکی۔ چھوٹے چھوٹے دینی طبقے مختلف ٹولیوں میں بٹ کر جلسے جلوس اور مظاہرے کرتے رہے ہیں۔ بعض نے ایران اور سعودی سرمائے پر اپنے اپنے تشخص کو ابھارنے کی جدوجہد کی۔ بعض نے جہادی نعروں کا سہارا لے کر شہداء کشمیر کے غائبانہ جنازوں سے اپنے وجود کو برقرار رکھا اور لوگوں کو باور کرانے کی کوشش کرتی رہیں کہ وہی دینی قیادت اور جہادی تحریکوں کی حقدار ہیں۔

پاکستان کی اکثریت اہل سنت و جماعت کے عقائد کی پابند ہے۔ اس کی اعتقادی تربیت میں صدیوں سے مجاہدین اسلام اور بزرگان دین کے راہنمایانہ کردار کے اثرات ہیں۔ ان کو اس راہ سے ہٹانے کے لیے بے دینی کے طوفانوں اور زلزلوں کی یلغاریں بھی موثر نہیں ہوسکیں۔ ان کے رگ و ریشہ میں عشق رسول کے اثرات اتنے گہرے ہیں کہ ان کو نہ ''تبلیغی جماعت'' کے گشتی قافلے زائل کر سکتے ہیں نہ ''جماعت اسلامی'' کے منظّم اجلاس بدل سکتے ہیں ''ایرانی شیعوں'' کی راہنمائی اس ملک کے لوگوں کو بدراہ کرسکتی ہے نہ ''سپاہ صحابہ'' کے خونخوار لشکر اسے ڈرا سکتے ہیں۔ ان فرقہ پرست دینی جماعتوں کی وقتی یلغاریں بعض حساس سنی نوجوانوں کو متاثر کرتی ہیں اور نہایت مایوسی کے عالم میں کہتے رہتے ہیں کہ شیعہ چھا گئے، وہابی مسجدیں بنا گئے، دیوبندی مدرسے پھیلا گئے تبلیغی جماعت والے رائے ونڈ میں قافلے لے کر آ گئے ہمارا کیا بنے گا؟

سواد اعظم اہل سنت و جماعت ایک عظیم اکثریت ہے جسے ملک کے چند فرقے، جماعتیں اور تحریکیں ہزار شور مچائیں متاثر نہیں کر سکتیں۔ وہ ایک بحرِ بے کراں ہے وہ ایک بیابان بے کنار ہے۔ وہ ایک گلستان پر بہار ہے۔ اسے مجاہدین اسلام اور بزرگان دین نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے۔ وقت کے شعبدے اور چند فرقوں کے ریوڑ اسے پامال نہیں کر سکتے۔ سنیوں کا باغ ہمیشہ ہرا بھرا رہے گا یہ شاداب رہے گا اور یہی پاکستان میں نظام مصطفیٰ کا علم لہرائے گا۔

ہم سنیوں کی موجودہ صورت حال کو کوئی قابل ستائش نہیں کہہ سکتے مگر جماعت اہل سنت کے راہنماؤں نے جن حالات میں ملتان میں اجتماع کی کوشش کی ہے وہ ہمارے تھکے ماندہ اور صحرا میں سوئے ہوئے قافلے میں اذان دینے کے مترادف ہے۔ خدا کرے وہ جماعت اہل سنت کی آواز پر کروٹ بدلیں اور اپنی اجتماعی اور انفرادی قوت کا مظاہرہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

بات اگرچہ ناگوار ہے مگر ہمیں کہنے کی اجازت دیں کہ آج سنیوں کی عظیم اکثریت انتشار، افتراق اور مایوسی کا شکار ہے۔ اس کی دینی اور سیاسی قوتیں کمزور ہو چکی ہیں۔ ''جمعیت العلماء پاکستان'' جو کبھی ایک عظیم الشان دینی اور سیاسی قیادت تھی تین چار ٹکڑوں میں بٹ چکی ہے۔ بٹنے کے بعد ہر ٹکڑا ٹوٹے ہوئے جہاز کے تختوں کی طرح بھٹک رہا ہے اور کوئی ٹکڑا بھی موثر نہیں رہا علمی اور تدریسی ادارے دم توڑ رہے ہیں۔ پیرزادے ایسے ایسے بد عقیدہ راہنماؤں کے سایہ میں سر جھکائے جا رہے ہیں جنہیں ان کے بزرگ دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔

واعظان وعظ فروش اپنے وعظوں کا مول چکاتے پھرتے ہیں۔ مغربی ممالک میں بسنے والے سنیوں سے دانہ دنکا حاصل کرنے کے لیے علمائے کرام کا ایک ٹولہ آئے دن اڑانیں بھرتا رہا ہے۔ نعت خوانان رسول دنیا داروں کی جیبوں پر نظر جمائے

……"میرا دین پارہ ناں نہیں……" سناتے رہتے ہیں۔

مسجدیں جاہل اماموں کے رحم وکرم پر ہیں۔ خانقاہیں ملنگوں کی رقص گاہیں بن کر رہ گئی ہیں اور بزرگوں کے مزارات "تبرک خوروں" کے قبضہ میں ہیں۔ ان حالات میں "جماعت اہل سنت" کے راہنماؤں اور ملتان کی حالیہ سنی کانفرنس کے منتظمین کو بڑی سخت جدوجہد کی ضرورت ہے، دن رات کام کرنے کی ضرورت ہے۔ آج شب وروز سفر کی ضرورت ہے، گلی گلی کوچہ کوچہ میں جانے کی ضرورت ہے۔ آج کی مصروف دنیا میں لوگوں کو بلایا نہیں جاتا لایا جاتا ہے……ملایا جاتا ہے اور اپنایا جاتا ہے۔ ہماری رپورٹ کے مطابق جماعت اہل سنت کے راہنما کئی ماہ سے دورے کر رہے ہیں۔ مختلف سنی طبقوں کو ملتان سنی کانفرنس کی دعوت دے رہے ہیں۔ مختلف سنی جماعتوں کو ملتان آنے پر آمادہ کر رہے ہیں۔ بہت سے سنی راہنماؤں کو ساتھ ملا رہے ہیں بہت سے پیروں اور پیرزادوں سے تحریری وعدے لے رہے ہیں۔ یہ ایک نہایت حوصلہ افزا بات ہے۔ کامیابی کی راہ ہے، وقت کی ضرورت ہے، مگر ہم اپنے ان" کامیاب راہنماؤں" سے ایک گزارش ضرور کریں گے کہ اتنے عظیم اجتماع کے اہتمام اور اتنے بڑے سرمایہ کے خرچ کے بعد اگر وہ اہل سنت کو کوئی پیغام نہ دے سکے، کوئی پروگرام نہ دے سکے، کوئی قابل عمل لائحہ عمل نہ دے سکے تو ملتان کا یہ اجتماع

نشستند و گفتند و برخاستند

آپ کو یاد ہوگا جماعت اہل سنت پاکستان کا ایک تاریخی اجلاس ۱۹۹۲ء میں" دارالعلوم حزب الاحناف" لاہور کے صدر ہال میں ہوا تھا۔ اس میں پاکستان بھر کی اہل سنت جماعتوں نے اپنی اپنی جماعتوں اور تنظیموں کو توڑ دیا تھا اور ایک اجتماعی جماعت اہل سنت پاکستان میں مدغم کر دیا تھا اور بھاری اکثریت نے نئی منتخبہ تنظیم کو پورا پورا اختیار دیا تھا کہ سنیوں کی بگڑتی ہوئی صورت حال کی اصلاح کریں۔ انہیں پورا اعتماد

دلایا تھا کہ تمام سنی ان کے تنظیمی اقدام پر لبیک کہیں گے۔

ماہنامہ ''جہان رضا'' نے سنیوں کے اس اقدام کو سراہا تھا اور ہدیہ تبریک پیش کیا تھا مگر ساتھ ہی اس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ سنیوں نے اپنی کشتی پر جن خداؤں کے ہاتھوں پتوار دے کر بٹھا دیا ہے وہ کام کرنے میں تساہل کرتے ہیں اور جماعت کے بجائے اپنی ذاتی مصروفیات کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہماری اس تنقید پر بعض سنی حضرات چیں بہ جبیں بھی ہوئے تھے مگر بات وہی نکلی کہ آج آٹھ سال کے بعد ہمارا قافلہ وہاں سے دوبارہ روانہ ہو رہا ہے جہاں سے چلا تھا خدا کرے ملتان سنی کانفرنس کے بعد روانہ ہونے والے قافلے پھر صحراؤں میں نہ کھو جائیں اور ہم انہیں دیکھ کر یہ نہ کہیں کہ۔

اہل دل کے کارواں کن وادیوں میں کھو گئے

مولانا باغ علی نسیم کی رحلت

مولانا باغ علی نسیم ایک طویل علالت کے بعد ۲۹ فروری کی صبح کو انتقال فرما گئے، ان کی نماز جنازہ داتا گنج بخش کے مزار پرانوار کے سایہ میں ادا کی گئی جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ انہیں اپنے پیر و مرشد اور استاد گرامی مولانا نبی بخش حلوائی نقشبندی (مولف تفسیر نبوی) رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں مسجد نبویہ ٹی کوتوالی بیرون دہلی دروازہ لاہور میں دفن کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ رجعون۔

مولانا باغ علی نسیم ''مرکزی دارالعلوم انجمن حزب الاحناف'' لاہور کے فارغ التحصیل تھے اور حضرت سید علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگردوں میں سے تھے وہ حضرت مولانا محمد نبی بخش حلوائی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے، ان کے شاگرد تھے، ان کے خلیفہ تھے اور ان کی مسجد کے متولی اور ان کی

خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ وہ نہایت سادہ، خاموش طبع اور بلند حوصلہ عالم دین تھے۔

میں نے جب ''مکتبہ نبویہ'' کی بنیاد رکھی تو انہوں نے میرے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، ساتھ دیا، بلکہ زندگی بھر'' مکتبہ نبویہ'' میں کتابوں کی اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ مولانا محمد نبی بخش حلوائی کی تصانیف کی اشاعت کا ارادہ کیا تو مرحوم نے نہایت خوشی سے میرا ساتھ دیا۔ خصوصاً ہم نے جب ''تفسیر نبوی پنجابی'' کی پندرہ جلدوں کا اردو ترجمہ کرنے اور اسے زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا پروگرام بنایا تو انہوں نے زبردست تعاون کیا۔ ان کے اس تعاون اور خاموش رفاقت کی وجہ سے'' مکتبہ نبویہ'' کی مطبوعات دنیا بھر میں متعارف ہوئیں اور آج یہ ادارہ مولانا باغ علی مرحوم کی شبانہ روز کوششوں کا ثمرہ ہے۔

مولانا باغ علی نسیم مرحوم ایک عالم دین، مدرس، معلم اور شفیق انسان کی حیثیت سے علمی حلقوں میں معروف تھے، ان کا گھر طالب علموں، بے آسرا بچوں اور دینی علوم کی تلاش میں آنے والے نوجوانوں سے بھرا رہتا تھا، وہ سیکڑوں بے سہارا بچوں کو علم و عمل کی تربیت دینے کے بعد انہیں زندگی کی کامیاب راہوں میں ڈال کر کبھی'' حرف تشکر'' کی بھی توقع نہیں رکھتے تھے۔ آج سیکڑوں ایسے علماء دین، دانشور، پروفیسر اور سرکاری دفاتر کے ملازمین ان کی شفقت اور غریب پروری کی زندہ تصویر ہیں، وہ نہایت ہی صابر، شاکر اور عبادت گزار تھے۔ وہ اپنے استادوں، دوستوں، شاگردوں، ساتھیوں خصوصاً علماء و مشائخ کے نیاز مند و رفیق تھے۔ ان کی موت پر جتنا غم کیا جائے کم ہے، جتنا رنج کیا جائے کم ہے۔

ع۔ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

آمین

آندھیاں غم کی یوں چلیں باغ اجڑ کے رہ گیا!

جلد نمبر ۹ ...... اپریل مئی ۲۰۰۰ .... شمارہ ۸۶

ہم نے سابقہ شمارے میں پاکستان کی دینی جماعتوں کی زبوں حالی کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ ان دینی جماعتوں کی تباہی ان کے سیاسی حریفوں کے علاوہ ان کی اپنی بے اتفاقی اور انتشار کا نتیجہ ہے۔ ہمارے اس دعوی کی ہمارے قارئین کے ایک طبقہ نے تائید کی اور اس سلسلہ میں چند مقتدر دانشوروں کے خطوط آئے مگر ان کے ساتھ ہی بعض حضرات نے یہ تجزیہ بھی کیا ہے کہ پاکستان کی دینی جماعتوں میں ابھی دم خم ہے۔ وہ ملک کی سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں اپنے کردار کی روشنی میں زیادہ قابل احترام ہیں اور لوٹ مار کی لعنت سے پاک ہیں۔ ان کا یہ بھی تجزیہ ہے کہ ملک کی سیاسی جماعتیں اپنے مکروہ کردار کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہیں ہوتی ہیں بلکہ بعض اوقات تو احتسابی عمل نہ سہی احتسابی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے برعکس دینی جماعتیں اپنی تمام تر مشکلات کے باوجود اپنا وجود دیر تک قائم رکھے ہوئے ہیں۔

آج ہم ملک کی سیاسی جماعتوں کے عبرت ناک حشر کے علی الرغم پاکستان کی دینی جماعتوں کی صورت حال پر اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں۔ خاص طور پر اہل سنت کی دینی اور سیاسی جماعتوں کے کردار پر روشنی ڈالیں گے۔ سنی العقیدہ جماعتوں کے مقام و اہمیت کو ایک گونہ اوّلیت حاصل ہے کیونکہ اس طبقہ نے تحریک پاکستان

میں حصہ لیا تھا، تشکیل پاکستان میں اہم کردار ادا کیا تھا ان کے علماء و مشائخ نے آزادی وطن کے لیے بڑا کام کیا مال و جان کی قربانیاں دیں اور اپنے عقیدت مندوں کی کثیر تعداد کے ساتھ ان تمام سیاسی اور مذہبی قوتوں کا مقابلہ کیا جو اسلامی لباس میں تحریک پاکستان کے خلاف تھیں اور جو علم و فضل کے باوجود ہندو فسطائیت کا ساتھ دے رہی تھیں۔

قیام پاکستان کے بعد سب سے بدترین جو مسئلہ سامنے آیا وہ مرزائیوں کی بالا دستی کا تھا۔ اور قادیان سے آنے والے مرزائی حکومت پاکستان کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو کر مسلمانوں کے عقائد کو للکارنے لگے تھے۔ ان قادیانیوں کی مسلسل بالا دستی کے نتیجہ میں ''تحریک ختم نبوت'' چلی اس تحریک میں صف اول میں جن علماء کرام نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا، ان میں اکثریت علمائے اہل سنت کی تھی۔ ملک میں سب سے پہلے مارشل لاء نے پاکستان میں قادیانیوں کو اپنے زیر سایہ محفوظ کیا۔ خصوصاً پنجاب میں مارشل لاء کے ظلم و ستم کا جو لوگ نشانہ بنے ان میں نوے فیصد علمائے اہل سنت اور مشائخ وقت تھے یا ان کے شاگرد اور مرید تھے۔ یہ پہلا معرکہ تھا جو فوج اور سیاست دانوں کی مشترکہ قوت نے اہل سنت کے خلاف برپا کیا تھا اور ان دونوں قوتوں نے مل کر اہل سنت کو بڑا نقصان پہنچایا۔

وقت کے ساتھ ساتھ جہاں سیاسی انداز بدلتے گئے اور سیاست دانوں کی آمریت مذہبی اقدار کو کچلتی رہی وہاں اہل سنت میں بھی اتحاد و اتفاق بڑھتا گیا اور وہ ایک جان ہوتے گئے۔ سنی عوام پر کئی طوفان آئے اور ہر طوفان سنیوں کا خرمن اتحاد کو درہم برہم کرتا رہا۔ مگر وہ ایک سیسہ پلائی دیوار بن کر ان طوفان سے اپنے آپ کو سنبھالا دیتے رہے۔ اس کے راہنماؤں نے بکھرے ہوئے سنیوں کے ایک قافلہ تیار کیا ملک کے گوشے گوشے سے اتحاد و اتفاق کے آثار سامنے آنے لگے۔ علماء فضلا، پیر زادے اور گدی نشین اتفاق اور اتحاد کی راہوں پر چل کر سنی عوام کی قوت کو مضبوط

کرنے میں کامیاب ہونے لگے۔اس اتفاق واتحاد کی فضا نے سنیوں کو ایک دینی ہی نہیں سیاسی قوت بنا دیا۔ پھر خواہ انتخابی معرکے ہوں یا مذہبی مسائل ہر مقام پر سنیوں نے اپنا لوہا منوایا۔ آج کا سنی نوجوان نہ تحریک پاکستان میں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کا تصور کر سکتا ہے۔ نہ پاکستان کی فضا میں اپنے بزرگوں کا مقام دیکھ سکتا ہے۔اس نے اپنے علماء کرام کو ناکامیوں کی راہوں پر ہی چلتے دیکھا ہے مگر پاکستان کی سیاسی تاریخ میں اہل سنت نے جس قوت کا مظاہرہ کیا تھا اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کراچی سے لے کر خیبر تک ملک کی دوسری دینی جماعتوں کے برعکس قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں اکثریت نہیں تو کم از کم ایک موثر سیاسی قوت بن کر سامنے سنی ہی آئے۔ پاکستان کے آئین کی تدوین میں سنی راہنماؤں نے بڑا اہم کردار ادا کیا اور آئین کی بہت سی شقیں قرارداد مقاصد سے لیکر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نام تک میں علمائے اہل سنت کے سیاسی تدبر کے دینی نقوش نظر آتے ہیں۔ جب مرزائیوں کو آئینی طور پر اقلیت قرار دینے کا مطالبہ ابھرا اور انہیں قانونی طور پر مرتد قرار دینے کا وقت آیا تو سنی راہنما ہی پیش پیش تھے اور دوسری دینی جماعتیں محض ان کی حلیف تھیں۔

ایک وقت تھا کہ ملک میں ہر دینی مسئلہ کے لیے تمام دینی جماعتیں اہل سنت کا سہارا لیا کرتی تھیں۔ وہ محسوس کرتی تھیں کہ اس قوت کے بغیر ہمیں کسی دینی مسئلہ میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ان کے تعاون کے بغیر کوئی مطالبہ تسلیم نہیں کروایا جا سکتا پی این اے کی تحریک چلی تو ملک کی تمام سیاسی اور دینی جماعتوں نے سنیوں کے ''نظام مصطفیٰ'' کے علم کے سایہ میں چل کر کامیابی حاصل کی۔ جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے دوران جب ملک کی بعض سیاسی قوتوں کا زور توڑنے کے لیے کئی لسانی، علاقائی، فرقہ پرست، زر پرست اور دین بیزار ٹولے اندھیروں سے نکل کر اسمبلیوں کی کرسیوں پر براجمان نظر آئے اندھیروں میں پلنے والے گم نام لوگ قانون ساز اداروں کے

اراکین بن گئے۔ دنیا پرست اور زر اندوز اراکین اسمبلی نے جب حکومتی اقتدار حاصل کرلیا تو وہ ملک کے ہر طبقے کا استحصال کرنے لگے اور ملک کی دولت اور خوشحالی کو عوام کی جھونپڑیوں تک سے سمیٹ سمیٹ کر اپنی ذات کے لیے جمع کرنے لگے اور اپنے محلات بنانے لگے۔

لٹیروں کے ایسے ایسے طبقے برسر اقتدار آتے گئے جن کی صدائے بازگشت آج احتساب، احتساب اور احتساب! کی شکل میں نظر آ رہی ہے۔ دوسری طرف جنرل ضیاء الحق نے دینی قوتوں کو پارہ پارہ کرنے کے لیے ایسی ایسی جماعتوں اور مذہبی فرقوں کو ابھارا جن کے سامنے نہ دین تھا نہ مذہب تھا۔ کونے کھدروں سے ایسے ایسے دینی راہنما سامنے آنے لگے جو زکاتوں خیراتوں کے قبالے اور ایوارڈ لے کر دینی اداروں میں دندنانے لگے۔ ایسے ایسے لوگوں کو تمغے ایوارڈ اور انعامات سے نوازا جانے لگا جو کسی مسجد کی امامت، دینی مدرسہ کی نوکری، سکول کی ٹیچری کے بھی لائق نہیں تھے۔ یہ لوگ علم و ادب کے نام سے بھی آشنا نہ تھے۔ اس برخود غلط طبقہ نے دین کا لبادہ اوڑھ کر دینی اقدار پر جو ستم کیا اس کے نتائج آج پاکستان کے سارے مسلمان بھگت رہے ہیں۔ مگر اس آمریت کے دور نے سنیوں کی قوت کو جس انداز سے پارہ پارہ کیا اس کی پاکستان کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ سنیوں کے چند افراد کو انعامات اور مناصب سے نواز کر ملت سے جدا کر دیا گیا۔ اس کے بھیانک نتائج آج بھی ہمارے سامنے ہیں۔ ''علماء کرام'' اور ''مشائخ عظام'' کو زر اندوزی اور امراء پرستی کی چاٹ لگا دی کہ وہ آج تک چھوٹ نہیں سکی اور آج بھی ادھر ادھر منہ مارتے پھرتے ہیں۔

ہم پاکستان کے دوسرے فرقوں اور دینی جماعتوں کی بات نہیں کرتے۔ یہ لوگ تو اپنے ٹولوں کی قوتوں کو بڑھانے کے لیے ہر بد سے بدترین حربہ استعمال کرنے سے نہیں شرماتے مگر اپنے علماء اہل سنت میں سے اکثر حضرات کو قریب سے جانتے

ہیں جو زر پرستی کی دیمک کا شکار ہو کر اپنی عظیم قوت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ اب نوبت بایں جا رسیدہ است کہ سنی کہلانے والا ہر عالم دین ''ملت کا راہنما ہے'' ہر پیر زادہ ''پیر طریقت'' بن گیا ہے۔ ہر زکوٰۃ خور مولوی ''راہنمائے سنت'' بن بیٹھا ہے۔ پھر ان کے فخر و غرور کا یہ عالم ہے کہ وہ کسی کو نہ اپنا راہنما مانتے ہیں نہ لیڈر۔ وہ صرف اپنے آپ کو ہی ''ہم چو ما دیگرے نیست'' کا مقام دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ سنیوں کی ہر جماعت کا عہدہ دار جو چاہے کرتا پھرتا ہے۔ سنیوں کی عظیم اکثریت سیکڑوں ٹکڑوں میں بٹ کر رہ گئی ہے ہر ٹکڑا یا تو بذات خود قیادت کا دعویٰ دار ہے یا اپنوں سے کٹ کر ملک کی بدعقیدہ ٹولیوں کی حمایت کے لیے دن رات ہاتھ پاؤں مارتا نظر آتا ہے۔ بڑے بڑے ''بلند پایہ'' علماء کرام اور پیران عظام اپنی جماعت سے کٹ کٹ کر ملک کی سیاسی اور دینی جماعتوں کی دیواروں کے سایہ میں کھڑے نظر آ رہے ہیں۔ اتحاد بین المسلمین کی مجلسوں میں بدعقیدہ مولویوں کے ساتھ سرکاری پلیٹیں صاف کرتے رہتے ہیں۔

''جمعیۃ العلماء پاکستان'' جو کبھی سنیوں کی عظیم الشان قوت تھی آج کئی ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے۔ یہ نورانی گروپ ہے! یہ نیازی گروپ ہے۔ یہ فضل کریم گروپ ہے۔ پھر ان گروپوں میں کئی کئی گروپ بنتے جا رہے ہیں اور ہر گروپ اہل سنت کے سینے پر زخم اگاتے جاتا ہے۔

ع۔ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

ہم ان گروپوں کے رازہائے اندرون خانہ سے بخوبی واقف ہیں۔ ہمارا قلم ان ''ارواح قدسیہ'' کی وہ باتیں بیان کرنے سے قاصر ہے جو ان کے اصاغر اور اکابر اپنی زبانوں پر لاتے ہیں ان گروپوں کے وجود غلط عہدہ داروں پر اب ان کے گروپ لیڈروں کا کوئی کنٹرول نہیں۔ وہ جس طرح چاہیں ان سیاسی اور دینی جماعتوں کے فیصلوں پر اپنی جہالت کی مہریں ثبت کرتے پھرتے ہیں۔ اب یہ بگاڑ یہاں تک آ پہنچا

ہے کہ راہنمایان جماعت ایک ''بیمار بادشاہ'' کی طرح اپنی ناخلف اولاد کی ہر بات ماننے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ان کے انتشار اور خلفشار کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بات کرنے کے روادار نہیں اور اگر کبھی اتحاد اتفاق یا یکجہتی کی بات چلتی ہے تو یہ سیاسی اصاغر شور مچاتے ہیں۔ کہ ''ہمارے لیڈر کو پہلے اونچی کرسی دو'' بعض اوقات باہمی اتحاد واتفاق کا معاملہ طے ہوتا ہے تو کئی کئی مہینے گزر جاتے ہیں دوسری ملاقات ہی نہیں ہونے پاتی۔ پھر یہ لوگ اس گلی سے بھی نہیں گزرتے جہاں صلح وصفائی کی ہوا آتی ہوان سیاسی اصاغر نے سنیوں کے مقتدر راہنماؤں کا امیج خراب کر دیا ہے حالانکہ ان سنی راہنماؤں نے اپنی ساری زندگیاں سیاسی سرگرمیوں میں گزاری ہیں قید و بند کی سختیاں برداشت کی ہیں۔موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے مقاصد پر ڈٹے رہے ہیں۔سب کچھ لٹا کر بھی دنیا کے انعام واکرام کو ایک نظر نہیں دیکھا۔آج ان کے مشیران بے تدبیر وہ لوگ ہیں جو قربانی تو کیا قربانی کے معنی تک سے واقف نہیں ہیں۔اللہ اللہ! آج ہمارے سنی راہنماؤں کے وہ مشیر اور حاشیہ نشین بنے ہوئے ہیں جو مڈل سکول میں داخلہ لینے جائیں تو انہیں داخلہ بھی نہیں مل سکتا۔ زمانہ کی ستم ظریفی دیکھیے یہ ان لوگوں کے حاشیہ نشین بن گئے ہیں جن کو سورج سلام کرتا ہے! جن سے یزداں کلام کرتا ہے! جن کی باتوں سے پھول جھڑتے ہیں اور زندگی کے اصول پلتے ہیں! ہمیں قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی الصدیقی مدظلہ العالی اور مجاہد ملت مولانا عبدالستار نیازی دامت برکاتہم العالیہ کا نام لینے کی ضرورت نہیں زمانہ انہیں جانتا ہے مگر آج ان سنی راہنماؤں کے حاشیہ نشین، مشیر، حلقہ بگوش اور دوسرے فتنہ بدوش جو کردار ادا کر رہے ہیں۔اس سے ملت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی ہے۔ یہ بات لکھتے ہوئے ہم ان ''سنی اصاغر سیاست بازوں'' سے معذرت خواہ ہیں جن میں اکثر ہمارے دوست ہیں یار ہیں دلدار ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ''شاہ کے مصاحب'' کو برا بھلا کہا

جائے تو وہ شاہ کے کان بھر دیتے ہیں مگر ہم بایں احترام واکرام وہ بات جو ہمارے ہزاروں سنیوں کے سینوں میں سلگتی ہے بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

سیاسی میدان سے ہٹ کر اب سنیوں کے کئی گروہ سامنے آنے لگے ہیں۔ جماعت اہل سنت و جماعت اگرچہ ایک سنی و دینی جماعت ہے مگر اس کا مزاج سیاسی ہے۔ اس کا ہر فرد لیڈر ہے وہ ملک کے کسی دینی مسئلہ پر نہ بات کرتی ہے نہ احتجاج کرتی ہے۔ نہ وہ کسی دینی تربیت کا اہتمام کرتی ہے۔ نہ کسی اعتقادی بات پر سوچ بچار کرتی ہے۔ یہ جماعت غیر سیاسی اور دینی ہونے کا دعویٰ کرتی ہے مگر وہ ''بوڑھے سیاست دانوں'' کی جگہ لینے کے لیے پریشان ہے۔ اہل سنت کے عقائد پر لاکھوں زد آئے بدعقیدہ مولوی ان کے عقائد پر ہزاروں اعتراض کریں ملک میں بیسیوں دینی مناقشات واقعات یا مسائل انہیں سلجھانے میں اس جماعت کا کوئی فرد اس کے حل کرنے میں اپنا کردار ادا نہیں کرتا۔ ان کا اگر کوئی راہنما جماعتی انتخاب میں ناکام ہوتا ہے تو وہ انٹرنیشنل سطح پر جا بیٹھتا ہے۔ دوسرا عالم دین روٹھتا ہے تو وہ اپنی تمام تر قوت بیان اور تنظیمی صلاحیتیں تھکی ہاری سیاسی جماعتوں کی چوکھٹ پر نثار کرتا جاتا ہے۔ اسی عقیدہ کے اللہ والے جب اجتماعی زندگی کا آغاز کرتے ہیں تو سبز لباسوں میں شب بیداری کی چند سنتیں ان کا اوڑھنا بچھونا ہوتی ہیں۔ اور انہیں سنیوں کے دینی مسائل سے کوئی سروکار نہیں۔ ہماری اکثر روحانی بارگاہیں اب درگاہیں بن کر رہ گئی ہیں یا صاحبزادوں کے انتشار و افتراق کے اکھاڑے بن گئے ہیں۔ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا ہے کیا کرنا چاہیے۔

ع۔اب کس کو راہنما کرے کوئی

یہ ہے وہ بات جو ہر سنی کی زبان پر آتی ہے، ہر سنی کے ذہن میں آتی ہے، ہر سنی کے دماغ میں اٹھتی ہے اور ہر دل کو پریشان کرتی رہتی ہے۔

ہم اس پریشان بیانی کے باوجود اپنے مستقبل سے ناامید نہیں، ہم اپنے حالات سے مایوس نہیں، ہم اپنے راہنماؤں سے جدا نہیں، ہم اپنے علماء ومشائخ کے دامن سے دور نہیں۔ یہی وہ چراغ ہیں جو ہماری زندگی کی راہوں کو روشن کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہمارے مردہ دلوں کو حیاتِ تازہ بخشتے ہیں۔ یہی وہ اہل علم وبصیرت ہیں جو نظام مصطفیٰ کا پرچم لہراتے رہیں گے۔ آج سے کئی سال پہلے ہم ایک پیرزادہ احمد ندیم قاسمی صاحب سجادہ نشین انگہ شریف کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ ان کے کہے ہوئے چند اشعار اپنے راہنمایان اہل سنت کے کردار کے متعلق ہدیہ قارئین کر لیں تو خالی از لطف نہ ہوں گے:

جو خالق گلشن تھے وہی وقف خزاں ہیں
دریاؤں کے مالک تھے مگر تشنہ دہاں ہیں
پا برہنہ تپتی ہوئی راہوں پہ رواں تھے
وہ لوگ کہ جو راحت دل راحت جاں ہیں
جو حسن تھے، رحمت تھے، محبت تھے، اماں تھے
آنچ آئی جو حق پر تو وہی شعلہ بیاں ہیں

کھل گیا خورشید کا چہرہ کہ بادل چھٹ گیا

جلد نمبر ۹.........جون 2004ء.........شمارہ ۸۷

پاکستان کے اقتدار پر آئے ہوئے ملٹری کی وردیوں کو سات ماہ گزر گئے ہیں مگر ان کی ناکامیوں اور وعدہ ہائے دور دراز کو سن سن کر ہر شخص چپ سادھے بیٹھا رہے۔ ملک کی ایک زبردست سیاسی جماعت جسے ''ہیوی مینڈیٹ'' کا دعوی تھا اپنے لیڈروں کی قید و بند پر ایسے چپ سادھے بیٹھی رہی جیسے وہ پاکستان میں ہے ہی نہیں۔ ایک اور دوسری سیاسی جماعت جس کی جڑیں عوام کے تحت الثریٰ تک ہوا کرتی تھیں اپنے راہنماؤں کی قید و بند اور اپنی بے نظیر راہنما کی خود ساختہ جلا وطنی کے باوجود سارے جیالے چپ کے روزہ رکھے بیٹھے ہیں ان بڑی حکمران جماعتوں اور ان کے بڑی شان اور آن بان والے لیڈروں پر جو کچھ گزری اس پر خاموش بیٹھنے کے بجائے ان کے چاہنے والے مر جاتے تو بہتر تھا مگر چیف ایگزیکٹو کے ''ہونے'' کے سامنے یہ سارے سیاسی طاقتور لوگ ایسے دم بخود ہو رہے ہیں جیسا انہیں سانپ نہیں کوئی جن سونگھ گیا ہو۔

فوجی حکمرانوں نے ملک کے زبردستوں کو زیردست کرنے کے بعد ''ناموس مصطفی'' پر ہاتھ ڈالنا شروع کر دیا ہے اور علماء کرام کی مانیٹرنگ کرنے لگے ہیں۔ گستاخ رسول کے خلاف شکایت لکھانے سے پہلے ڈی سی صاحب کی خدمت میں

حاضر ہونا، پھراس کی رضا مندی کے بعد تھانے میں نالش کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔علماء کرام نہ کسی کے متوالے تھے نہ جیالے اور بقول سیاسی راہنماؤں کے ''نہ تینوں میں تیراں میں'' مگر انہوں نے اپنے محراب و منبر سے آواز بلند کی اور لوگوں کو بتایا کہ ناموس مصطفیٰ پر ایسی ناپاک ترمیم اور قانون سازی برداشت نہ کی جائے گی۔ محراب و منبر سے ماوراء علماء کرام نے اپنے جلسوں، دینی اجتماعات اور اخبارات میں مسلسل مطالبہ کرنے میں خاصا وقت دیا اور کہا حکومت سیاست دانوں تاجروں اور لیٹروں سے جو چاہے سلوک کرے مگر ''ناموس مصطفیٰ'' کی مانیٹرنگ نہ ہی کرے تو بہتر ہے مگر فوجی حکومتیں بظاہر بڑی مضبوط ہوتی ہیں۔گولی چلاتی ہوئی آتی ہیں اور لوگوں کو بوٹ کھڑکاتی ہوئی دباتی رہتی ہیں۔علماء کرام کی آواز کو انہوں نے اپنی گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور بوٹوں کی کھڑکھڑاہٹ کے شور میں نہ سنا اور نہ اس پر توجہ دی۔

آخر ایک وقت آیا کہ علماء کرام نے اپنے حجروں سے نکل کر احتجاج کا راستہ اختیار کیا۔اپنے مطالبات منوانے کے لیے تاریخ مقرر کی بار بار مطالبہ کیا مگر حکومت کے اعلیٰ کارندے ٹس سے مس نہ ہوئے بلکہ انہوں نے اپنے تنخواہ دار علماء کرام (جنہیں تاریخ علمائے سوء کے نام سے یاد کرتی ہے) کو جمع کیا اور فتوٰی لیا کہ ''ناموس مصطفیٰ'' کوئی مسئلہ ہی نہیں ناموس مصطفیٰ پر شور مچانے والے لوگ سابقہ سیاست دانوں سے روپے لے کر شور مچا رہے ہیں سرکاری علماء کرام کے آئے دن بیان چھپتے۔تصویریں چھپتیں پھر نوبت بایں جا رسید کہ انہیں ٹی وی پر بنا سنوار کر لایا جانے لگا اور ''ناموس مصطفیٰ'' کی اہمیت پر بیانات دیے جانے لگے۔کبھی چیف سیکرٹری صاحبان اپنے دسترخوان پر بلا کر بیان دلا رہے ہیں اور کبھی گورنر صاحبان اپنے گورنر ہاؤس میں بلا کر ان ''پالتو مولویوں'' کو پچکارتے ہوئے دکھا رہے ہیں۔یہ سب کچھ

گئے ہیں آج تک آپ کے سامنے تو چڑیا نے بھی پر نہیں مارا بھلا یہ مولوی کس شمار قطار میں ہیں۔

پھر ایک وقت آیا کمزور اور ناتواں مولویوں نے ''ناموس مصطفیٰ'' کا پرچم لہراتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش کے مزار سے ایک جلوس نکالا۔ پاکستان کی سابقہ سات ماہ کی خاموش تاریخ میں یہ پہلا جلوس تھا جو فوجی اقتدار اور عسکری بے التفاقی کے خلاف نکلا۔ ہم نے اس جلوس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ علماء کرام کا ایک سیلاب تھا جو داتا دربار سے نکلا۔ ''یارسول اللہ'' کے نعرے مارتا ہوا نکلا۔ پولیس کی رکاوٹوں اور جلوس سے چار گنا زیادہ پولیس کے گھیروں کو توڑتا ہوا آگے بڑھا۔ یہ خالص سنی علماء کا جلوس تھا۔ ''یارسول اللہ'' کہنے والوں کا جلوس تھا۔ یہ حضرت داتا گنج بخش کے مزار کو سلام کرنے والوں کا جلوس تھا۔ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ سنیوں کے قائدین میں سے ان کی قیادت کس جماعت نے کی مگر ہم نے یہ دیکھا کہ ہر سنی عالم، ہر سنی واعظ، ہر سنی مدرس، ہر سنی طالب علم، خواہ وہ کسی سنی قیادت سے تعلق رکھتا تھا، اس جلوس میں شامل تھا۔ انتظامیہ کا خیال تھا کہ چند بے یار و مددگار مولوی نکلیں گے۔ ہم انہیں دبوچ لیں گے اور آئندہ کے لیے کوئی قدم باہر رکھنے کی جرأت نہ کرے گا۔ مگر ہم نے دیکھا کہ مولویوں کا جلوس بڑھتا جا رہا ہے اور پولیس کے سیاہ بادل چھٹتے جا رہے ہیں اور اس کے سارے گھیرے ٹوٹتے جا رہے ہیں۔

ع۔ کھل گیا خورشید کا چہرہ کہ بادل چھٹ گیا!

کمزور و ناتواں مولویوں کے سامنے کے پولیس کے ہزاروں شیر جوان بے بس نظر آ رہے ہیں پھر جلوس کے پیچھے زائرین دربار داتا گنج بخش کی بے پناہ تعداد چلی آ رہی ہے یہ جلوس نہیں ایک سیلاب ہے۔ یہ مولوی نہیں ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ پولیس ٹک ٹک دیکھنے لگی۔ ڈی سی صاحب سٹپٹا گئے۔ ایس ایس پی لاہور گھبرا

گئے اور جلوس کی نگرانی کرنے والے مجسٹریٹ حیران رہ گئے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جن کے قدم نہیں رک پاتے۔ یہ کمزور اور ناتواں کس قوت کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ حکم ہوا ان پر ٹوٹ پڑو، لاٹھی چارج کرو، آنسو گیس کے طوفان برپا کرو۔ شیلوں کی بارش برسا دو یہ ساری قوت آزمائی ہوتی رہی ''تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں'' ہی کا منظر سامنے آ گیا۔ تین سو سے زیادہ علماء کرام گرفتار کر لیے گئے۔ ہزاروں لوگ آنسو گیس کی زد میں آ گئے۔ درجنوں لاٹھی چارج کا نشانہ بنے، ناموس مصطفیٰ پر جلوس نکالنے والوں نے سب کچھ قبول کیا مگر سرنگوں نہ ہوئے۔ داتا دربار سے لے کر ریگل چوک تک علماء ہی علماء تھے۔ پولیس ہی پولیس تھی۔ آنسو گیس کا دھواں تھا اور گیرودار کا شور تھا اور معرکہ پولیس و علماء تھا۔

یہ پہلا جلوس تھا جو ملک پر فوجی اقتدار کے بعد سڑکوں پر آیا تھا اس میں نہ ''مسلم لیگ کے متوالے'' تھے نہ پیپلز پارٹی کے ''جیالے'' نہ ''قاضی حسین احمد کے بہادر'' نہ ''لشکر طیبہ کے کلاشنکوف والے'' نہ ''سپاہ صحابہ کے خونخوار'' ''نہ سپاہ محمد کے وفادار'' سارے بندوقوں، توپوں اور تیر و تفنگ پر ناز کرنے والے اپنے اپنے گھروں میں دبکے بیٹھے تھے۔ ہاں نحیف و ناتواں بے سروساماں مولوی سب سے پہلے فوج کا خوف ہٹاتے ہوئے ناموس مصطفیٰ کا پرچم لیے سامنے آئے۔

نہ زور و شور پر تکیہ نہ نیزے پر نہ بھالے پر
بھروسا تھا انہیں بس ایک کالی کملی والے پر

ایسے معاملات کے بعد اکثر یہ سرکاری اعلان ہوتا ہے ہم نے اتنے گرفتار کر لیے، اتنے نظر بند کر دیے، اتنے حوالاتی بنا لیے، اتنے قید کر لیے، اتنے پرچے کاٹ دیے، اتنے جیل میں بھیج دیے اتنے پکڑ لیے، اتنوں کی آنکھوں میں آنسو گیس مار دیا اس موقع پر بھی کچھ ہوا ان کمزوروں، نحیفوں اور بے سروساماں مولویوں پر بھی

اقتدار کے کمروں میں بیٹھے ہوئے افسروں نے اپنی بہادری اور فتح کے فردنامے تیار کیے پھر یہی نہیں اپنے ''پالتو مولویوں'' کو بلاکر ''ناموس مصطفیٰ'' میں شریک ہونے والوں کے خلاف بیان بازی کرائی گئی۔ ٹی وی کے جھوٹے تجزیہ بازوں نے طرح طرح کے الزامات لگائے۔ دوسری جماعتوں کے علماء تو اپنی جگہ ہمارے اپنے ہم مسلک سنی علماء کرام میں سے حکومت کے ازلی وظیفہ خواروں نے محراب ومنبر پر کھڑے ہوکر ناموس مصطفیٰ کے لیے سختیاں برداشت کرنے والوں کی تضحیک کی۔ انہیں بکاؤ مال کہا گیا، انہیں غلط کار گردانا گیا۔ انہیں شرپسند کہا گیا۔

ما ایم و کوئے عشق ہزاراں ملامتے

یا رب دریں مقام دہی استقامتے

کمزوروں، ناتوانوں اور بے سروسامانوں کا یہ قافلہ مقام ابتلا میں کھڑا رہا۔ آخر چیف ایگزیکٹو نے وطن واپس آتے ہی ناموس مصطفیٰ کے پرچم کے سامنے اپنا سرنگوں کر دیا۔ ناموس مصطفیٰ کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا۔ ناموس مصطفیٰ کے قانون پر ترامیم کو واپس لے لیا اور قید و بند میں پڑے تمام علماء کرام سر اٹھا کر گھروں کو آئے۔ ہم سلام کرتے ہیں ان جانبازوں کو، ہم سلام کرتے ہیں ان جاں نثاروں کو، ہم سلام کرتے ہیں ناموس مصطفیٰ کا پرچم اٹھانے والوں کو، ہم اور آگے بڑھتے ہیں اور سلیوٹ مارتے ہیں جنرل پرویز مشرف کو جس نے ناموس مصطفیٰ کے پرچم کے سامنے سر جھکا دیا۔ ہم مبارک باد دیتے ہیں چیف ایگزیکٹو کو جس نے مسلمانوں کے درست مطالبہ کو تسلیم کر لیا اگرچہ ناموس مصطفیٰ کا مطالبہ کرنے والوں پر بڑے مظالم توڑے گئے۔ نادان افسروں نے بے جا سختیاں کیں۔ تنخواہ دار مولویوں نے ان مسکینوں پر بے پناہ ملامت کی مگر ہم چیف ایگزیکٹو پولیس کے افسران اور حکومت کے قصیدہ خواں علماء کو دعا دیتے ہیں کہ انہوں نے ''ناموس مصطفیٰ'' کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا۔ ہمیں غالب کی زبان سے کہنے کی اجازت دیں۔

پاکستان میں فوجی حکومت کے دوران دینی جماعتوں کا حشر

جلد نمبر ۹ .... جولائی اگست ۲۰۰۰ء .... شمارہ نمبر ۸۸

پاکستان میں فوجی حکومت کے اقتدار کے بعد ملک کی دو بڑی سیاسی جماعتیں اپنے عبرتاک انجام کا سامنا کر رہی ہیں۔ پیپلز پارٹی کئی سالوں تک اقتدار کی کرسی پر براجمان رہی۔ مسلم لیگ کے زمانۂ اقتدار کے دوران اور بعد اپنی بھرپور عوامی نمائندگی کے دعوؤں کے باوجود احتسابی عمل کی زد میں آ گئی۔ اس کے صف اول کے راہنما قید و بند میں ڈالے گئے اور ان کے حاشیہ نشین بھی ملک بدر ہو گئے یا انہیں احتسابی عدالتوں نے بے جان کر دیا۔

ہیوی مینڈیٹ کی دعوی دار ''مسلم لیگ'' ایک عرصہ تک ملک کی سیاہ و سفید کی مالک ہونے کے بعد احتساب کے شکنجے میں کسی ہوئی ہے۔ اس کے چوٹی کے راہنما پس دیوار زنداں ہیں۔ مختلف عدالتوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ کچھ راہنما جو احتسابی اور جواب ہی کے عذاب سے بچ گئے ہیں۔ وہ باہمی انتشار و افتراق کی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ اس طرح ملک کی دونوں طاقتور سیاسی جماعتیں جنہیں ملک کا اقتدار ورثہ میں ملا تھا۔ اپنے زخم چاٹ رہی ہیں۔

انہی اقتدار پسند جماعتوں کے زیر سایہ لسانی اور علاقائی بنیادوں پر ابھرنے والی جماعتیں بھی ان دنوں ''منقار زیر پر ہیں'' کسی زمانے میں ایم کیو ایم اپنی قوت کا لوہا منوایا کرتی تھی۔ اس کی سرکشی اور قوت کا یہ عالم تھا کہ اس کے سامنے حکمران

جماعتیں بھی بے بس تھیں۔ بے نظیر حکومت نے ان پر ایک فوجی جرنیل کو مسلط کر کے برا دبایا مگر وہ اتنی جاندار قوت تھی کہ ان کے راہنما ملک سے دور بیٹھے ہوئے بھی اقتدار کی کرسیوں کو ہلاتے رہتے تھے۔ نواز شریف کی مسلم لیگی حکومت نے اس لسانی قوت کو بے پناہ روپیہ (خراج قوت) دے کر رام کرنے کی کوشش کی مگر وہ روپیہ پیسہ کھانے کے باوجود غراتی رہی۔ بلکہ اربوں روپے کے مال غنیمت کو اپنا حق جان کر سرنگوں نہ ہوئی اور کسی نہ کسی طرح اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی باتیں منواتی رہی۔

سرحد کی علاقائی جماعت اقتدار کی حلیف بن کر انعام و اکرام سے بہرہ ور ہوتی رہی مگر آج یہ جماعت بھی شکست و ریخت کا شکار ہے اور اس کے چوٹی کے راہنما ایک دوسرے سے روٹھی روٹھی باتیں کر رہے ہیں اور نئے نئے ناموں سے جماعتوں کو تشکیل دے رہے ہیں۔

فوجی حکومت آنے کے بعد یہ ساری سیاسی جماعتیں اور سیاسی قوتیں بے بس اور خاموش نظر آتی ہیں۔ حالانکہ ساری سیاسی جماعتوں کی پکڑ دھکڑ نہیں ہوئی بس یونہی بے جان ہو کر رہ گئی ہیں مگر ان کے ساتھ ساتھ پاکستان کی مذہبی اور دینی جماعتوں کا جو حشر ہوا ہے وہ افسوسناک ہے آج ہم انہی دینی جماعتوں پر اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں۔

جماعت اسلامی اپنی تنظیمی اور مالی صلاحیتوں کی وجہ سے سابقہ اقتداری قوتوں کو للکارتی رہی ہے۔ اس کے امیر اعلیٰ قاضی حسین احمد صاحب ہمیشہ اقتدار کی کرسیوں کو ہلاتے رہے ہیں۔ ہر علاقہ اور ہر شہر میں بڑے بڑے اجتماعات میں کھڑے ہو کر اقتدار کو چیلنج کرتے رہے۔ اگرچہ وہ کسی لوٹ کھسوٹ میں ملوث نہیں ہوئے مگر وہ بھی فوجی حکومت کے آنے کے بعد بے جان سے ہو کر ''یوسف بے کارواں'' کی طرح مغربی ممالک میں ''بیاناتی دورہ'' کر رہے ہیں دیوبندی مکتب فکر کی مذہبی جماعتیں کبھی سمیع الحق گروپ کبھی درخواستی گروپ اور کبھی فضل الرحمان گروپ کے ناموں

سے سامنے آیا کرتی تھیں اور اپنا تعارف س، دف کے ناموں سے کرایا کرتی تھیں۔ آج یہ دینی جماعتیں کہیں نظر نہیں آتیں۔ مولوی فضل الرحمان افغانستان کے طالبان کے ''رشتہ دار'' ہونے کی وجہ سے زندہ ہیں اور جناب مشرف صاحب سے ایک بار شرف ملاقات پا کر اپنے آپ کو دنیائے سیاست میں زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارا ایک اور دینی گروپ پروفیسر طاہر القادری کی قیادت میں مختلف سیاسی جھمکٹوں میں نسیم بہاری بن کر سامنے آتا رہا ہے، مگر اب نہ ان کی حلیف جماعتوں میں زندگی رہی نہ ان کی مخالف قوتوں میں توانائی رہی۔ اب فوجی اقتدار سے وزارت و امارت کی اچھی اچھی خوابیں سنا کر خوش ہو لیتے ہیں۔ کبھی سپاہ صحابہ کے ''خونخوار مجاہد'' اور فقہ جعفریہ کے ''نقاب پوش'' چیدہ چیدہ دیو بندیوں اور شیعوں کو موت کی وادیوں میں دھکیلنے کا مشغلہ فرمایا کرتے تھے، اب یہ لوگ بھی خدا معلوم کہاں چلے گئے؟

پاکستان کے ان دینی اور سیاسی حلقوں کے علاوہ پاکستان کے سنیوں کی اکثریت جمعیت العلماء پاکستان کے جھنڈے کے نیچے نظام مصطفیٰ کا نعرہ لگایا کرتی تھی۔ یہ جماعت بھی ایک عرصہ سے انتشار و افتراق کا شکار ہو کر کئی ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے۔ کبھی ''جماعت اہل سنت، کبھی عالمی تنظیم اہل سنت، کبھی جمعیت العلماء پاکستان نورانی، کبھی جمعیت علماء پاکستان نیازی، کبھی جمعیت العلماء پاکستان فضل کریم کے خوبصورت ناموں سے آسمان سیاست پر ''روشن ستارے'' بن کر چمکا کرتی تھیں۔ ان دنوں یہ سارے روشن ستارے فوجی بدلیوں کی اوٹ میں ہیں۔ جمعیت العلماء پاکستان نیازی کے دیرینہ رفقاء اپنے قائد کو پس پشت ڈال کر نفاذ شریعت گروپ کے نام سے گلشن سیاست میں نواء سنجی کر رہے ہیں۔ قائد اہل سنت شاہ احمد نورانی کے نام لیوا اپنی سست روی کی وجہ سے اپنے قائد سے محروم ہو گئے ہیں۔ یہ تمام لوگ اپنی موت خود ہی مر رہے ہیں۔ انہیں نہ پکڑنے کی ضرورت، نہ احتسابی عدالت میں لانے کی

ضرورت اور نہ قید و بند کی دھمکی دینے کی ضرورت ہے۔ یہ انتشار زدہ لوگ جب کبھی کسی فوجی کپتان یا میجر سے ملاقات کرآتے ہیں تو محسوس کرنے لگتے ہیں کہ عنقریب ہمیں پرویز مشرف ملاقات کے لیے بلائیں گے۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھیے!

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے جہاں ''نظام مصطفیٰ'' کا علم بلند ہونا تھا مگر سیاست دانوں اور فوجی حکمرانوں نے ایسے کھدیڑا کہ ہر طرف ملحد، بے دین اور زر پرست دندناتے پھرتے ہیں اور جن لوگوں نے دین کی خاطر جانیں دی تھیں اور اسلام کی خاطر قربانیاں دی تھیں وہ دم بخود ہوکر سہم کر بیٹھ گئے ہیں۔

ع۔گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا!

ہم ان حالات میں کوئی عملی اقدام اٹھانے کا مشورہ نہیں دے سکتے مگر ہم اپنی دلی خواہش کا اظہار کر سکتے ہیں ملکی حالات خواہ کچھ بھی ہوں مگر ہمارا دل چاہتا ہے کہ پروفیسر طاہر القادری صاحب اپنی قوت بیانیہ کی توانائیاں لے کر ''منہاج القرآن'' سے نکلیں اور اپنی سابقہ جامع مسجد اتفاق کے خطیب سید ریاض حسین کا ہاتھ پکڑ کر انہیں محراب مسجد سے اٹھائیں۔ جماعت اہل سنت کی ساری کانفرنسوں کے ایوارڈ اور اعزازات کے ساتھ کرشن نگر لاہور کی اویس قرنی روڈ پر ایک بیمار سنی راہنما مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی صاحب کو حجرے سے اٹھائیں اور ان کو ساتھ لیکر ان کے آسمان محبت کے ٹوٹے ہوئے ستارے صاحبزادہ فضل کریم صاحب کا ہاتھ تھام کر حزب الاحناف کے دینی مرکز میں جاکر نیازی صاحب کے ایک دست پروردہ سیاست کار انجینئر سلیم اللہ خاں صاحب کو تنگ و تاریک کمرے سے باہر نکالیں اور اللہ اور رسول کی خوشنودی کے لیے چھاؤنی کے ایک بنگلہ سے جنرل کے ایم اظہر صاحب کو ساتھ لیں اور کراچی پہنچیں اور قائد اہل سنت شاہ احمد نورانی کے گھر چھاپہ مار کر انہیں

حیرت زدہ کر دیں۔ انہیں اپنے جلو میں لے کر میدان سیاست میں کود پڑیں۔ پھر دیکھیں فوجی قیادت، سیاسی چالباز اور مخالف جماعتیں، پس اندیش مشیر اور بدعقیدہ ان کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم برملا کہیں گے۔

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا

کون تاریک رستوں میں مارے گئے

ایک سیاسی دانشور نے پاکستان میں اقتداری قوتوں کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کی سرزمین سیاست دانوں اور فوجی حکمرانوں کی بازی گاہ (سٹیڈیم) ہے جو باری باری آتے ہیں اور اپنا اپنا کھیل کھیل کر چلے جاتے ہیں۔ سیاست دان آتے ہیں تو ڈھول ڈھمکے سے آتے ہیں، کروفر سے آتے ہیں، جلسے کرتے ہوئے آتے ہیں، جلوس نکالتے ہوئے آتے ہیں، نعرے مارتے ہوئے آتے ہیں، ڈھول پیٹتے ہوئے آتے ہیں، وعدے کرتے ہوئے آتے ہیں۔ کچھ ''عوامی ووٹوں'' سے آتے ہیں۔ کچھ ''ہیوی مینڈیٹ'' لے کر آتے ہیں۔ کرسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد ان کے ایوان سجتے ہیں۔ منصب تقسیم ہوتے ہیں، وفاداروں اور خدمت گزاروں کو نوازا جاتا ہے، پھر ملکی وسائل اور بیرونی انعامات کی تقسیم ہوتی ہے۔ ''حصہ بقدر جثہ'' تقسیم ہوتا ہے اور پاکستان کے چودہ کروڑ عوام منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ لوگ سسکتے رہ جاتے ہیں اور ان سیاست دانوں کے پیدا کردہ مسائل کے اندھیروں میں ہاتھ اٹھا اٹھا کر نجات کی دعائیں مانگنے لگتے ہیں۔

جب ان برخود غلط راہنماؤں پر اللہ کی گرفت آتی ہے تو بارڈروں کے پہرہ دار اور ملٹری بارکوں کے وردی پوش خاموشی کے ساتھ آدھی رات کے وقت اور سحری ختم ہونے سے پہلے پہلے تمام ارباب اقتدار کو گرفتار کر کے اندھیرے کنوئیں میں پھینک

دیتے ہیں۔ سرکاری تنصیبات کے سامنے ملٹری کے چاق و چوبند دستے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صبح کے اخبارات کی سرخیوں کے چھپنے سے پہلے پہلے ایک جرنیل چودہ کروڑ عوام کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہوئے ٹی وی اور ریڈیو پر اعلان کرتا ہے کہ ملک کو بچا لیا گیا ہے۔ لٹیروں کو پکڑ لیا گیا ہے، ٹھگوں اور چوروں کو جکڑ لیا گیا ہے۔ لوگو! خوش ہو جاؤ، ملک بچ گیا! خوشیاں مناؤ، ظالموں سے نجات مل گئی ہے۔ لوگو! شکر ادا کرو ملک دیوالیہ ہونے سے بچ گیا۔ لوگو! سجدے میں گر جاؤ، ملک گروی ہونے سے محفوظ ہو گیا!

لوگ واقعی خوش ہو جاتے ہیں، اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمارا پاکستان بچ گیا ہے۔ لوگ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں کہ لٹیروں کو پکڑ لیا گیا ہے۔ رات کے اندھیروں میں آنے والے یہ ''نجات دہندہ'' چند دنوں بعد تیرہ تیرہ چودہ چودہ نکاتی اصلاحات کا اعلان کرتے ہیں۔ عوام خوش ہو جاتے ہیں۔ ان کی امیدیں بیدار ہونے لگتی ہیں۔ ان کی آرزوئیں بارآور دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے دلوں میں بہار آ جاتی ہے۔ وہ سابقہ حکمرانوں پر لعنت بھیج کر خوش خوش دکھائی دیتے ہیں۔ اب ملٹری عدالتیں لگتی ہیں۔ کل کے حکمراں پابہ زنجیر آتے ہیں۔ عدالتیں کئی کئی مہینے تاریخیں دیتی جاتی ہیں۔ احتساب بورڈ بنتے ہیں، بڑے بڑے ایماندار ججوں کا تقرر عمل میں آتا ہے۔ کروڑوں روپے کے قانونی مشیر درآمد کیے جاتے ہیں۔ اور احتساب پر اتنا خرچ کر دیا جاتا ہے۔ جس کا آدھا روپیہ بھی لٹیروں سے برآمد نہیں ہو پاتا۔

ادھر عوام اندھیروں کی وادیوں میں صبح نو کی آمد پر آنکھیں جمائے بیٹھے رہتے ہیں۔ احتساب اور انصاب کے سورج کی کرنوں کو دیکھنے کے لیے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے جاتے ہیں۔ مگر ان کی یہ راتیں شب فراق کی طرح لمبی ہوتی جاتی ہیں۔ ان کی تمنائیں وعدۂ معشوق کی نذر ہونے لگتی ہیں۔ آہستہ آہستہ ان کی آرزوئیں دم توڑنے

لگتی ہیں۔

؎ تڑپ تڑپ کے گزاری ہے ہم نے ساری رات
وہ کہہ گئے تھے کہ آئیں گے ہم چراغ جلے

ملٹری والوں کے اصلاحاتی نکات ایک ایک کر کے اخباری صفحات، ٹی وی کی سکرین اور ریڈیو کی لہروں میں گم ہونے لگتے ہیں۔ اب عوام زیادہ پسنے لگتے ہیں، کراہنے لگتے ہیں، چیخنے لگتے ہیں اور چلانے لگتے ہیں ادھر خزانے خالی ہونے کی باتیں، ادھر ادارے تباہ ہونے کے فلسفے، قبضہ گروپوں کی بالا دستیوں کے افسانے، پھر باہر قرضے نہ ملنے کی داستانیں سامنے آنے لگتی ہیں۔ اقتدار پر براجمان اپنے گھر خوش، اقتدار سے محروم جیل کی بیرکوں میں پس دیوار زنداں اور چودہ کروڑ عوام مصائب کے اندھیروں میں دم بخود!

کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے
کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے
ہماری بھی شب کیسی شب ہے الٰہی
نہ روتے کٹے ہے نہ سوتے کٹے ہے

پاکستان کے چودہ کروڑ عوام کی شب ہجر نہ روتے کٹے ہے نہ سوتے کٹے ہے

پاکستان کے سیاسی رہنما ڈھول بجاتے آتے ہیں مگر پا بہ زنجیر رخصت ہوتے ہیں۔ پاکستان کے فوجی حکمران رات کے اندھیروں میں خاموشی سے آتے ہیں اور پھر ناکامیوں کے تمغے لیکر خاموشی سے واپس چلے جاتے ہیں۔ ان کے آنے والوں اور جانے والوں کے نام صفحہ تاریخ سے ایسے مٹ جاتے ہیں جیسے کوئی جانتا نہ ہو اور لوگ کہتے ہیں ان "بے چاروں" کو کچھ نہ کہو مقدس لوگ ہیں آئے اور چلے گئے۔

اس بار بھی پاکستان کے چودہ کروڑ عوام کے ساتھ ایسا ہی ہوا جیسے مختلف ادوار

میں ہوتا آیا ہے۔ مسلم لیگ کی ہیوی مینڈیٹ والی حکومت نے جو اودھم مچایا ہوا تھا اس سے لوگ کراہ رہے تھے۔ جو لوٹ مار ہو رہی تھی، اس کے مناظر لوگ روز روشن میں اپنی آنکھوں دیکھ رہے تھے۔ امن وامان کی جو صورت حال تھی وہ کسی شہادت کی محتاج نہیں۔ ایسے ایسے نامور اور شریف لوگ اندھیری راہوں میں قتل ہوئے کہ آج تک ان کی گور غریباں کی طرف کوئی دیکھنے والا نہیں مگر اس اندھیرے کے بعد جو ''عسکری اجالا'' آیا ہے، وہ اپنی سست روی اور ناکامیوں کی وجہ سے سابقہ حکومت کا نام روشن کرنے کے لئے کافی ہے۔ ماشاء اللہ ہر روز تیرہ نکات کے اجالے پھیل رہے ہیں۔ ایک سال گزرنے والا ہے مگر چودہ کروڑ عوام کی بدحالی، پریشان حالی، بے سروسامانی اور مصائب دیدنی ہیں۔ لوٹنے والے مغربی ممالک میں پناہ گیر بنے ہوئے ہیں جو ملک میں ہیں وہ ایک ایک کر کے مک مکا کر کے یا منہ دھو کر گھر آ رہے ہیں۔ احتساب کی عدالتیں سست پڑتی جا رہی ہیں۔ احتساب کے چیف سابقہ چیفوں کی طرح اپنی ناکامی کا کئی بار اعتراف کر چکے ہیں۔ اب ان ''بزرگوں'' کو کون سمجھائے کہ آپ تو لٹی ہوئی قوم کو پاؤں پر کھڑا کرنے تشریف لائے تھے۔ انہیں کون کہے کہ تباہ حال قوم کے لئے بڑی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ ان کو کون سمجھائے کہ قوم کی حالت سنوارنے والے رات جاگتے ہیں دن کو کام کرتے ہیں۔ ان کو کون سمجھائے کہ آٹھ آٹھ کنال کی کوٹھیوں میں رہائش رکھنے والے کرنل اور جرنل سیاست دانوں، کارخانہ داروں، دکانداروں اور ٹیکس نہ دینے والوں کو کس منہ سے پکڑیں گے۔

سابقہ حکمرانوں (خواہ سیاسی ہوں یا فوجی) نے اس ملک کی بنیادوں کو جو نقصان پہنچایا ہے، اور ایک اسلامی اور نظریاتی مملکت کو جس بدنیتی اور سرکشی سے تباہ کیا ہے وہ کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔ پھر ان لوگوں نے اسلام کے نام اور اسلام کے قوانین سے جو مذاق کیا ہے وہ کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ آج جن لوگوں کو ملک کو سنوار

غربت کو دور کرنے اور تباہ شدہ اداروں کو باقاعدہ بنانے کا دعوی ہے وہ ''بے چارے'' تو خود بھی حالات کے سامنے فریاد کناں ہیں کہ

ع۔ہم تو تاریک رستوں میں مارے گئے

یہ لوگ اپنا عسکری یا قانونی تین سالہ زمانہ اقتدار گزار کر خاموشی سے چلے جائیں گے مگر ہم کس سے فریاد کریں اور کس کو کہیں گے کہ

ع۔ ہم بھی تاریک رستوں میں مار گئے !

ملک کی اقتداری اور معاشی حالت دنیا کے سامنے ہے۔ ہم اس ملک میں جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا جسے حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں نے دس لاکھ جانوں کی قربانی دی تھی، صدیوں کے آباد وطن کو خیرباد کہا تھا ان کی روحیں چیخ چیخ کر حکمرانوں کے گریبان کو پکڑ کر جھنجھوڑ رہی ہیں۔ اور تو اور تھے سابقہ تو سابقہ تھے اب اس ملک کو کس انداز سے روندا جا رہا ہے۔ اب ان چودہ کروڑ عوام مذہب اور دین کا کیوں استحصال کیا جا رہا ہے۔ سابقہ چور تھے، لٹیرے تھے، نادہندہ تھے، ملکی وسائل پر قابض تھے کیا موجودہ میں تو یہ حرکتیں نہیں پائی جاتیں۔ اب تو اسلام اور مسلمانوں کی خواہشات کا احترام ہونا چاہیے۔ اس ملک پاکستان کی مقدس وردیاں پہن کر جس ناکامی میں پھنس گئے ہیں۔ اس سے نجات کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ دامن مصطفیٰ تھام کر ''نظام مصطفیٰ'' نافذ کیا جائے، تم لوگ فوجی ہو، مجاہد ہو، بہادر بنو اور امریکہ سے نہ ڈرو۔ خدا سے ڈرو۔ بے دینوں سے نہ ڈرو، رسول خدا سے ڈرو۔ ہندوستان سے ڈرو، اپنے عوام سے ڈرو، دنیا سے ڈرو اپنے حشر سے ڈرو۔

؎ ڈرو خدا سے ڈرو خوف کبریا سے ڈرو
نبی کی غصے میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے ڈرو!

پچھلے دنوں علمائے اہل سنت نے ناموس مصطفیٰ کو پامال کرنے والوں کے

خلاف ایک تحریک چلائی تھی ۔ چیف ایگزیکٹو پاکستان پرویز مشرف صاحب نے نہایت سعادت مندی سے علمائے اہل سنت کی بات مان لی۔ اس مان لینے سے ان کا وقار بڑھا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات مان لینے پر آپ کا نقصان ہوا؟ ہر پاکستانی نے تعریف کی، ہر پاکستانی نے مبارک باد دی، اس طرح اگر آپ نظام مصطفیٰ کی طرف قدم بڑھاتے ہیں، تو کوئی کلنٹن، کوئی باجپائی، کوئی روسی، کوئی یہودی، کوئی انگریز، اور کوئی ترکی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا آپ سربلند ہوں گے۔ آپ کا تاریخی صفحات پر سنہری حروف میں لکھا جائیگا۔

ہمارے کئی علماء اور مشائخ عظام اور دینی راہنما سابق وزیراعظم محمد نواز شریف کے مصاحبین میں سے تھے۔ ان کے بڑے قریب تھے۔ وہ کبھی کبھی وزیراعظم کی محفل میں بیٹھے بیٹھے وزیراعظم کو کہا کرتے تھے حضور! یہ سودی نظام بند کرادیں، یہ کام خدا کے ساتھ جنگ کرنا ہے وہ اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا کرتے سپریم کورٹ میں فائل پڑی ہے، کئی علماء کرام کہتے ملک میں اسلامی دفعات کا نفاذ کرتے جائیں اللہ آپ کو عزت دے گا۔ وہ سر پر ہاتھ پھیر کر کہتے فکر نہ کرو ابھی بڑا وقت پڑا ہے۔ کئی علماء کرام کہتے کہ آپ نے مشاہد حسین کو کھلا چھوڑ رکھا ہے وہ رات بھر اپنے ٹی وی پر نیم عریاں لڑکیوں کو نچاتا رہتا ہے، اسے روکیں، کئی دوسرے علماء نے کہا آج ٹی وی تو نوجوان نسل کو معاشقہ کرنے کی ٹریننگ کا انسٹیٹیوٹ بن گیا ہے، اس کا رخ بدلیں۔ وہ سر پر ہاتھ پھیر کر کہتے اچھا بدلیں گے۔ کئی علماء کرام کہتے میاں صاحب! یہ شراب کے پرمٹ اور ہیرامنڈیوں کے لائسنس جاری کرنا بند کردیں۔ وہ سر پر ہاتھ رکھ کر کہتے مولانا میں تو نہ پرمٹ لیتا ہوں نہ ہیرامنڈی جاتا ہوں پھر وہ مولویوں سے تنگ آکر اٹھتے اور علماء و مشائخ کو ساتھ لیکر کہتے ''آؤ مل کر باجماعت نماز ادا کریں'' میاں نواز شریف ہاتھ پھیرتے جاتے ہاں ہاں کرتے جاتے، نماز باجماعت پڑھتے جاتے مگر پر

نالہ جوں کا توں رہتا۔ ایک وقت آیا کہ کسی کو پتا ہی نہ چلا کہ وہ کس کال کوٹھڑی میں سر پر ہاتھ پھیر رہے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔

ع۔ مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے

آج وہ عبرت کا نشان ہیں۔ آج وہ الزامات، بدنامیوں اور ناکامیوں کی داستاں ہیں، آج وہ حسرتوں اور آہوں کا آشیاں ہیں، **فاعتبروا یا اولی الابصار**

ہم نے میاں نواز شریف کے سر پر ہاتھ پھیرنے اور اچھا اچھا کہنے کی بات یونہی نہیں کی، ہم جو بات کرتے ہیں وہ اپنی جگہ مگر اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اگر کسی کو شک وشبہہ ہو تو وہ مجاہد اہل سنت مولانا عبدالستار خاں نیازی سے پوچھے، حضرت پیر کرم شاہ الازہری کے فرزندان نامور سے پوچھے، مولانا محمد حسین نعیمی کی روح اور ان کے بیٹوں سے پوچھے، مولانا الشاہ احمد نورانی صاحب سے پوچھے، جنرل کے ایم اظہر صاحب سے پوچھے، دیوبندیوں کے سربراہوں سے پوچھے، اگر ان بڑے لوگوں سے پوچھنے سے کوئی شرماتا ہو تو ہمارے عزیز دوست پیر اعجاز احمد صاحب ہاشمی سے پوچھے۔ پیر بنیامین صاحب رضوی سے پوچھے، صاحبزادہ امین الحسنات صاحب ازہری بھیروی سے پوچھے۔ جامعہ اشرفیہ کے سربراہ مولانا عبدالرحمان سے پوچھے۔ تبلیغی جماعت کے امیر سے پوچھے۔ اگر یہ لوگ بھی پاس نہ پھٹکنے دیں تو ہمارے عزیز دوست نعت خوان رسول بشیر حسین صاحب، ناظم ایم اے سے پوچھے، وہ بتائیں گے کہ میاں محمد نواز شریف کتنے اچھے آدمی تھے۔ کتنے نیک آدمی تھے، سر پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے اور اسلامی اقدار کے نفاذ کے وعدے کرتے جاتے تھے۔

ع۔ اڑا لے گئی باد پندار جس کو![۲]

میاں محمد نواز شریف تو طویل اور جمہوری اقتدار لے کر آئے تھے اور کرسی اقتدار پر دیر تک رہے۔ مشرف صاحب تو صرف تین سال کی مہلت لے کر آئے ہیں

جن کا ایک سال مانیٹرنگ میں ہی گزر گیا اور اب ان کا زمانہ اقتدار تو۔۔۔ دو آرزو میں کٹ گئیں ایک انتظار میں۔۔۔۔۔ کی طرح کٹتا جا رہا ہے۔

اگر پرویز مشرف صاحب اللہ و رسول کی رضا کے لیے کوئی کام کر گئے تو شاید ان کا نام زندہ رہے ورنہ وہ بھی پاکستان کی تاریخ میں آنے اور جانے والوں میں شمار ہوں گے۔

ہماری دلی خواہش ہے کہ اس ملک کو جس مقصد کے لیے حاصل کیا گیا تھا اس کی طرف قدم اٹھایا جائے۔ اسلام اس ملک کا مقدر ہے۔ یہاں کے چودہ کروڑ عوام اس صبح کا انتظار کر رہے ہیں جس سے نظام مصطفیٰ کے انوار پھوٹتے نظر آتے ہیں۔ اگر وہ اس سعادت سے محروم رہے تو ان کی قسمت۔ قوموں کی تقدیریں تو قوموں کے عزم و اعتقاد سے بنتی ہیں۔ اتنی عظیم قوم کو تاریک رستوں میں مارنے والے شہنشاہ ایران، سربراہان افغانستان اور اسلام دشمنوں کے قبرستانوں میں جگہ پاتے ہیں۔ ہم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور اسلام کو ہی پاکستان کا مقدر جانتے ہیں۔ جو اس راہ سے ہٹ کر کوئی راستہ نکالے گا عبرت کا نشان بن جائے گا۔

پاکستان میں این جی اوز کا کردار

جلد نمبر۹..........ستمبر ۲۰۰۰ء..........شمارہ نمبر ۸۹

ہمارے قائدین میں ایسے دانشور اور ارباب علم موجود ہیں جو پاکستان کی موجودہ معاشرتی اور دینی حالت کو بخوبی جانتے ہیں اور ان حقائق کا ادراک رکھتے ہوئے اپنی تقریروں اور تحریروں میں ان خدشات کی نشاندہی کرتے رہتے ہیں جو پاکستانی معاشرے کو درپیش ہیں۔ مگر ہمارے قارئین میں ایسے حضرات کی ایک خاصی تعداد موجود ہے جو دینی جذبات سے تو پوری طرح معمور ہے مگر ان کی نگاہیں ان قوتوں پر بہت کم ہے جو غیر محسوس طور پر ملک میں اسلامی اقدار کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں۔ ن میں سے پاکستان میں NGO این جی اوز کا وہ مکروہ کردار ہے جو مختلف انداز میں اسلامی نظریات کو اپنے خفیہ ہتھیاروں سے نشانہ بنا رہا ہے۔

پاکستان میں این جی اوز ایسے ادارے ہیں جو حکومت کے انتظامی معاملات سے ہٹ کر حکومت کی سرپرستی میں بلکہ مالی مراعات سے ان مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہیں جو مغربی مما لک میں بیٹھے ہوئے اسلام دشمن ادارے دیتے رہتے ہیں۔ یہ مغربی ادارے کھل کر سامنے نہیں آتے مگر حکومت وقت نے ہمیشہ ایسے اداروں کی سرپرستی کی ہے اور ان کے بیرونی رشتوں کو استوار کیا ہے اور ان کے غیر ملکی انعامات کی حفاظت کی ہے۔

پاکستان کے این جی اوز ملک کے مختلف قوانین چھتری کے سایہ میں بیٹھے اسلامی معاشرت کو غیر اسلامی افکار سے داغدار کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں مختلف قوانین میں سے والینٹری سوشل ویلفیئر رجسٹریشن اینڈ کنٹرول آرڈیننس ۱۹۶۱، سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ ۱۸۶۰ء کوآپریٹو سوسائٹیز ایکٹ ۱۹۲۵ء کمپنیز آرڈیننس ٹرسٹ ایکٹ جیسے کئی ایکٹ ان اداروں کو قانونی تحفظ دیتے ہیں۔ پاکستان میں ان غیر سرکاری تنظیموں کو ان قوانین کے ماتحت قانونی حق مل جاتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے غیر ملکی اور بین الاقوامی اداروں میں سے امداد حاصل کریں اپنی مرضی سے اس کا استعمال کریں اور پھر ان کے مقاصد کی تکمیل کے لیے مختلف انداز میں کام کریں۔

ملک میں ایسے ہزاروں ادارے رجسٹرڈ ہو چکے ہیں جو غیر ملکی سرمایہ سے اپنے دفاتر بناتے ہیں، اپنے اراکین کی وساطت سے ملک میں اسلامی اقدار کو پامال کرتے ہیں تعلیم، صحت اور تعمیر و ترقی کے نام پر جو چاہیں کریں۔ ان اداروں کے مقابلے میں پاکستان کے دینی مدارس، مساجد، عوامی اصلاح و بہبود کی انجمنیں بے سروسامانی کے عالم میں کام کر رہے ہیں جن کے پاس نہ مالی وسائل ہیں نہ ملکی اور غیر ملکی سرمایہ وہ کچھ عرصہ تک اسلامی درد رکھنے والے مخیر حضرات کی توجہ سے چلتے ہیں مگر جب مخیر حضرات کی وجہ سے دست کش ہو جاتے ہیں تو یہ دینی ادارے بھی دم توڑنے لگتے ہیں۔

مغربی ممالک کے مفکرین کو اسلام کی سر بلندی سے بڑا خطرہ ہے۔ ان کے این جی اوز ہر وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ دنیا کے کسی خطے میں اسلام کی روشنیاں کہیں دوبارہ نہ ابھر آئیں۔ وقت اپنے مقاصد کا اعلان کرتے رہتے ہیں کہ

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں کبھی
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

آج پاکستان کی سرزمین میں ہزاروں این جی اوز رجسٹرڈ ہیں اور وہ اپنے اپنے میدان میں اسلامی معاشرت کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔غلامی کے زمانے میں فری میسن جیسے یہودی ادارے اسلامی معاشرت پر بری طرح اثر انداز ہوا کرتے تھے، پھر ملک بھر میں جم خانے، کلب روٹری کلب، اور ہوٹلوں میں رقص وسرود کی محفلیں ملحد وبے دین، انجمنیں، فرقہ وارانہ تحریکیں اور عیسائی مشنریوں کے تبلیغی مراکز اسلامی معاشرت کوخراب کرنے میں آزاد تھے، مگر جب پاکستان بنا تو ایسے بہت سے مکروہ ادارے بند ہو گئے مگر پھر بھی انگریزی معاشرت کے تربیت یافتہ لوگ ایسی ایسی انجمنیں، تنظیمیں اور ادارے قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جو ظاہری طور پر خوبصورت ناموں کے ساتھ قانونی تحفظ لے کر وہی کام سرانجام دینے لگے جو فری میسن، عیسائی مشنری اور کلبوں کے منتظمین سرانجام دیا کرتے تھے۔

پاکستان میں این جی اوز نے مختلف مقاصد کے پلیٹ فارم بنائے ہیں۔تعلیم کے نام پر ایسے ایسے شاندار تعلیمی اور تدریسی ادارے قائم کیے ہیں۔جنہیں دیکھ کر چیف کالج بھی شرمانے لگا۔اپنی نصابی کتابوں میں بچوں کے لیے وہ وہ مضامین تیار کیے جو عیسائی مشنریوں سے بھی بازی لے گئے۔آج امریکن ٹائپ اور برٹش کالجوں کے نمونوں پر ایسے ایسے تعلیمی ادارے قائم ہو گئے ہیں جن کی نصابی کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکایا ہوا دکھایا جاتا ہے۔حضرت مریم کو یوسف نامی شخص کی بیوی ظاہر کر کے ان کی پاک دامنی کو مسخ کیا جاتا ہے۔اسلامی دنیا میں جہادی

جدوجہد کو دہشت گردی اور خطرناک کہا جاتا ہے۔

ہزاروں این جی اوز میں سے لاہور میں ملک غلام جیلانی مرحوم کی بیٹی عاصمہ جہانگیر صاحبہ ایک این جی او چلا رہی ہیں۔ یہ صاحبہ عورت کی آزادی اور حقوق کی علم برداری کا دعویٰ کرتی ہے۔ اس بی بی نے ایک ادارہ ''دستک'' بنا رکھا ہے جہاں گھر سے بھاگی ہوئی جواں سال لڑکیاں اس کے ''دامن امن'' میں پناہ لیتی ہیں۔ وہ عورت کی آدھی گواہی کی حیثیت پر نالاں ہے، وہ عورت کی وراثت میں تھوڑا حصہ ملنے پر پیچ پا رہتی ہے۔ اس کا ماہنامہ ''صدائے آدم'' عورت کی فریاد لے کر شائع ہوتا ہے۔ اس کی ریحانہ توفیق صاحبہ کس انداز سے اسلامی قانون کا تمسخر اڑاتی ہے۔

کیوں تیری گواہی آدھی ہے ؟

محبوب خدا جس سے کہے جنت ہے تیرے قدموں میں

اے عقل کے اندھو سوچو ذرا کیا اس کی گواہی آدھی ہے

جس روز پکارے جاؤ گے تم نام سے اپنی ماؤں کے

اس روز انہیں بھی کہہ دینا جا تیری گواہی آدھی ہے

اس پر ہی اکتفا نہیں وہ قرآن پاک کی آیت کریمہ کو ''الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض'' مرد عورتوں پر قوام اور حاکم ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اب اس آیت کریمہ کا تمسخر اڑانے کے لیے انصاف کا ایک ترازو کھڑا کرتی ہے، ایک پلڑے میں خوبصورت بھاری بھر کم عورت کو بٹھاتی ہے دوسرے پلڑے میں ایک مولوی کا سر داڑھی سمیت رکھا ہے اور سر والا پلڑا نیچے گراتے ہوئے لکھتی ہے یہ ہے حاکم! یہ ہے قوام! پھر کہتی ہے آج کی ماڈرن خاتون سے تو مولوی کا لوٹا بھی بھاری ہے یہ ہمارے پاکستانی این جی اوز کی قانون دان بیٹیاں [illegible] معاشرے میں حقوق نسواں کی علم [illegible]

بہو بیٹیوں کو مغرب کے انداز میں ناچنے ٹاپنے کے حقوق دلانا چاہتی ہے۔ پرل کانٹی نینٹل سے نکال کر دہلی کے بازاروں تک ککلی ڈالنے سے بھی نہیں شرماتی۔

آج کل ایسے ہی مغربی ''کرم فرماؤں'' نے بنگلہ دیش میں ایسے بے دین اداروں کی وساطت سے ہزاروں مسلمانوں کو عیسائی بنالیا ہے۔ انڈونیشیا کے این جی اوز ''مشرقی تیمور'' میں عیسائی اسٹیٹ بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ مغربی اداروں نے بیجنگ، مصر اور اقوام متحدہ میں عورت کے حقوق پر کانفرنس کر کے خانگی زندگی میں عورت کو آزاد کرنے کے ریفرنس پاس کیے۔ وہ عورت کو خاندانی زنجیریں توڑ کر ایسی آزاد زندگی کی دعوت دیتی ہیں جس میں عورت نہ ماں رہے نہ بہن رہے نہ بیٹی رہے نہ بیوی بلکہ وہ کھلی آزادی کی فضا میں تتلی بن کر آزادی سے اڑتی پھرے۔

پاکستان کے این جی اوز کو بڑے بڑے دانشور چلا رہے ہیں۔ بڑے بڑے مغربی تربیت یافتہ چلا رہے ہیں۔ بڑے بڑے ریٹائرڈ بیوروکریٹ چلا رہے ہیں۔ پچھلے دنوں پنجاب کے ایک وزیر پیر بنیامین رضوی نے ایک ایسے این جی او کا محاسبہ کرنا چاہا بعض کے لائسنس ضبط کرنے کا اعلان کیا۔ بعض تے حساب طلب کرنا شروع کر دیا۔ پاکستان کی اکثر مسلم خواتین این جی اوز چلا رہی تھیں انہوں نے پیر بنیامین کو اچھی نظر سے نہ دیکھا، فوجی حکومت آئی تو این جی اوز کو سکون ملا، بڑے بڑے امریکہ پلٹ چھلانگیں لگا کر وزارتوں، امارتوں پر آ بیٹھے، اب سارا پاکستان این جی اوز کے سربراہوں کی جاگیر ہے، وہ کسی دہشت گرد کہیں کسی دینی ادارے کو دہشت گردوں کا ٹریننگ سنٹر کہیں، کسی مدرسہ کو جہادی تحریک کا مرکز قرار دیں، کسی کی مجال نہیں کہ اب ان این جی اوز کو میلی نظر سے دیکھے یا انہیں کہہ سکے کہ تم کیا کر رہے ہو؟ تم پاکستان کے کیا لگتے ہو؟ آج بے دین طبقہ تو بغلیں جھانک رہا ہے۔ مگر ان کے ساتھ ساتھ اب مرزائی اور قادیانی بھی اکڑ اکڑ کر چلتے ہیں اور پر پرزے نکال کر اڑنے لگے ہیں۔ ان

کے اس رویے نے بیچارے "پرویز مشرف" کو بھی مرزائیوں کا مفت کا مربی ظاہر کر رکھا ہے۔

بنا ہے شاہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

اب یہ ادارے پاکستان میں پھلنے پھولنے لگے ہیں بلکہ پھیلنے لگے ہیں۔ مغربی ممالک کی یہودی لابی انہیں بے پناہ دولت دیتی ہے اور انہیں مختلف قسم کے سوال نامے بھیج کر پاکستان کے اندرونی حالات معلوم کرتی رہتی ہے۔ ایسے این جی اوز میں زیادہ وہ ہیں جن کی نگرانی پاکستان کی "بلند قد خواتین" کرتی ہیں۔ یہ بی بیاں پاکستان کے غرباء، بیماروں اور لاچاروں کا نام لے کر مغربی ایجنسیوں سے روپیہ بٹورتی رہتی ہیں اور اپنی غربت، بیماری اور لاچاری کا اعلان کرتی رہتی ہیں۔ اگر انہیں "یہ امراض" زیادہ تنگ کریں تو انہیں یورپ کے اداروں میں بھی بلا لیا جاتا ہے۔

ہمیں ایک ایسی خاتون پر ترس آتا ہے جو کبھی امیر زادی تھی، خاوند مر گیا تو امارت ختم ہوگئی این جی اوز کی نگران بنی تو وارے نیارے ہوگئے۔ اب سال میں دو بار یورپ کا دورہ کرتی ہے اور پاکستان کی غریب عورتوں کے "حقوق" کی حفاظت کرتی رہتی ہے۔

ایک ریٹائرڈ آفیسر جانے والے ہیں، آپ نے ایک این جی او رجسٹرڈ کرائی ہوئی ہے اور "خدمت خلق" میں مصروف ہوگئے ہیں۔ چند سالوں میں اتنی "خدمت" کی کہ یورپ کی فلاحی انجمنوں کے آفیسر جب پاکستانی این جی اوز کی رپورٹ لینے آتے ہیں تو موصوف کے گھر ہی قیام کرتے ہیں۔

یہ لوگ ہر حکومت کے پالتو ہیں۔ اسلامی معاشرتی زندگی کو خراب کرتے ہیں۔ اسلامی معاشرت کی ایک ایک بات پر تضحیک کرتے ہیں۔ اسلامی اقدار کا مذاق

اڑاتے ہیں۔ جہاد کو دہشت گردی کہتے ہیں۔ دینی مدارس کو دہشت گردوں کا کیمپ کہتے ہیں۔ آزادی کی جدوجہد کو انتہا پسندی کا نام دیتے ہیں۔

این جی اوز نے اب اپنے مقاصد سے ہٹ کر بعض دینی اور سیاسی راہنماؤں کو ''چوگا'' ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ سیاست دان دین کے خلاف بات کرتا ہے۔ دینی راہنما ''اتحاد بین المسلمین'' کا گیت الاپتا ہے۔ یہ سیاسی اور دینی راہنما جب فائیو اسٹار ہوٹلوں میں این جی اوز کی پلیٹوں میں کھانا کھاتے ہیں تو سٹیم روسٹ مرغی کی آواز آتی ہے۔ ''مولوی جی جان دیو'' اب یہ ایجنسیاں اپنی کمائی سے ہمارے علماء ومشائخ کو بھی ہم راز بنانے میں کوشش کر رہی ہیں۔

پاکستان کے علماء کرام اور مشائخ عظام، دینی لیڈران ذوالا احترام کا فرض ہے کہ این جی اوز کی حرکات پر نگاہ رکھیں۔ ان کے شب وروز کی نگرانی کریں۔ ان کی سازشوں سے عوام کو بچائیں اور ان کی رنگا رنگ پارٹیوں میں جاتے ہوئے دیکھیں!

''ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں!''

ہمارے علماء کرام بڑے اللہ والے ہیں، بڑے بھولے ہیں۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے ملک میں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ ان کے گھروں میں کون لوگ ڈیرے جمائے بیٹھے ہیں۔ ان کے کوچہ و بازار میں کون ناچ رہا ہے۔ ان کے ٹی وی پر کون رقص کر رہا ہے۔ ان کی یونیورسٹیوں میں کیا پڑھایا جا رہا ہے۔ ان کے سکولوں میں کون کون سی کتابیں لگائی جا رہی ہیں۔ ان کے قومی ترانوں میں کیا کہا جا رہا ہے۔ پاکستانی علماء کرام اپنے انداز احساس کو بیدار کریں کہ ان کا گھر جل رہا ہے، ان کی اولاد بگڑ رہی ہے۔ ان کی نسل تباہ ہو رہی ہے۔ ان کے مجاہدوں کو کیا سبق دیا جا رہا ہے۔ ان کے ملک کی سرحدوں پر کیا ہونے والا ہے

جہاد کشمیر کی ایک مجاہدہ......آسیہ اندرابی

پچھلے دنوں نیویارک کے ایک نامہ نگار بینری بیرک امریکہ سے چل کر سری نگر مقبوضہ کشمیر پہنچے انہوں نے ایک برقع پوش مسلمان خاتون آسیہ اندرانی سے ایک انٹرویو لیا اور اسے اپنے اخبار ا''نیو یارک ٹائمز'' میں شائع کیا۔ ہم اپنے قارئین کی خدمت میں اس لیے پیش کرر ہے ہیں کہ انہیں معلوم ہو کہ ایسی چنگاری بھی اپنے خرمن میں ہے جو جہاد کشمیر سے دلچسپی رکھتے ہیں اور آزاد کشمیر کیلیے جہاد میں عملی طور پر شریک ہیں۔ وہ اس انٹرویو کو ضرور پڑھیں گے۔

آسیہ اندرابی ایک پختہ ایمان اور مجاہدہ خاتون ہیں جو کشمیر کو بزور شمشیر آزاد کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ مجاہدہ عورتیں بیشک نظر نہ آئیں مگر انکی آواز سنی جائے۔ وہ اپنے حقوق اور آزادی کشمیر کے مطالبہ پر ہمیشہ زور دیتی آئی ہیں۔ وہ سیاہ پردے کے پیچھے برقع کی اوٹ میں عوام تک اپنی آواز پہنچانے میں پیش پیش ہیں اور اس سلسلہ میں وہ اسلام کی ابتدائی جنگوں میں مسلمان خواتین کی شرکت کو دلیل کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ وہ برملا کہتی ہیں کہ عورت کا پردہ اس کی حفاظت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی لیے پردہ میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ وہ پردے کے معاملے میں اتنی سخت ہیں کہ برقع پہن کر دیکھنے کے لیے بھی عینک اور پانی پینے کے لیے پائپ استعمال کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اگر سونے کا ایک ٹکڑا باہر سڑک پر پھینک دیا جائے تو ہر راہ گیر اسے قیمتی چیز سمجھ کر اٹھانے کو ہاتھ بڑھائے گا۔ اسی طرح اگر عورت کو بے پردہ باہر لا کھڑا کیا جائے تو ہر شخص اپنی ناپاک نظروں سے اسے گھور گھور کر دیکھے گا۔

آسیہ اندرابی کے ساتھ سو سے زیادہ ایسی نوجوان خواتین ہیں جو سخت پردہ کرتی ہیں اور آزاد کشمیر کی آزادی کے لیے ان مجاہدین سے رابطہ رکھتی ہیں جو کشمیر کی آزادی کے لیے مسلح جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ ہندوستانی فوجوں اور ہندوستانی اسمبلی کے پاس کردہ قوانین کے خلاف آواز اٹھاتی ہیں۔ احتجاج کرتی ہیں اور مزاحمت کرتی ہیں۔

آسیہ اندرابی نے سابقہ پندرہ سالوں میں اپنی زندگی کا ایک حصہ جیلوں میں گزارا ہے یا نظر بندیوں میں۔ وہ عورتوں کے حقوق کے لیے آواز اٹھاتی ہے اور جہاد کشمیر کو حق بجانب سمجھتی ہے۔ ہندوستان کی انٹیلی جینس آسیہ اندرابی کو مجاہدین میں روپیہ تقسیم کرنے کی ذمہ داری کا الزام لگاتی ہے جو اسے کشمیر، ہندوستان یا بیرونی ممالک کے لوگ مہیا کرتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی اور گھریلو زندگی کے مال ومنال سے بے نیاز دکھائی دیتی ہے۔ وہ مقبوضہ کشمیر میں ''دختران ملت' کی صدر ہے۔ وہ کشمیر کی ایک مجاہدہ بیٹی ہے جو ضرورت پڑنے پر اپنی موثر آواز سے ہزاروں کشمیری خواتین کو سڑکوں اور گلیوں میں لا کر حکومت کے خلاف مظاہرے کرواتی ہے۔

یہ عورتیں جب جلوس نکالتی ہیں تو برقعوں کے اندر چھپائے ہوئے، بینرز لے آتی ہیں اور ضرورت کے وقت انہیں سامنے لاتی ہیں ان میں اکثر ایسی عورتیں بھی آتی ہیں جو برش اور پینٹ ساتھ لے کر آتی ہیں اور مظاہروں کے دوران بینرز لکھ کر اپنے مطالبات پیش کرتی ہیں۔ آسیہ اندرابی ایسی خواتین کو جو پردہ نہیں کرتیں مظاہروں سے پہلے کلر ڈائی مہیا کرتی ہے، عورتیں اپنے چہرے کی رنگت اور آنکھوں کی چمک کو چھپا کر مظاہرہ کرتی ہیں۔ اگرچہ سری نگر اور جموں کے علاوہ وادی کشمیر کے بڑے بڑے شہروں کی امیر خواتین ہندوستانی ساڑھیوں اور بعض مغربی لباس کو پسند کرتی ہیں مگر مظاہروں کے وقت وہ ان چیزوں سے بے نیاز دکھائی دیتی ہیں۔

کشمیر میں احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کی عمر اس وقت ۳۷ سال ہے مگر وہ عزم و ہمت کا پہاڑ بن کر دختران کشمیر کی قیادت کرتی ہے۔ وہ نہ تو شرماتی ہے نہ کسی معرکے میں آنے سے جھجھکتی ہے وہ پریس کانفرنسوں میں پوری تیاری سے آتی ہے۔ پریس رپورٹروں کے سوالات کا جوابات سیاہ برقع اور سنہری فریم کی عینک پہن کر بلا جھجک دیتی ہے۔ وہ ذاتی انٹرویو دینے کی عادی نہیں۔ وہ ایسے انٹرویو لینے والوں کو فن پر کھل کر اپنا نکتہ نظر پیش کرتی ہے۔ اور امریکہ، برطانیہ، ممبئی اور ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بیٹھے ہوئے کئی رپورٹرز اس سے کشمیری جدوجہد آزادی پر انٹرویو لے سکتے ہیں۔ اگر اسے کسی اہم کانفرنس میں آنا پڑے تو اپنے آٹھ ماہ کے بچے کو گود میں لے کر پورے اعتماد سے پریس کو فیس کرتی ہے۔ مغربی ممالک کے اخباری نمائندوں سے نہایت شستہ انگریزی میں گفتگو کرتی ہے اور ان کے سوالات کا جواب دیتی ہے۔ وہ ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اور انگریزی طرز کے سکولوں کی تعلیم یافتہ ہے۔ اس کا انگریزی لہجہ نہایت ہی صاف اور شفاف ہوتا ہے۔ وہ برملا کہتی ہے کہ آزادی کشمیر کی جدوجہد میں میرا پردہ، میرا برقع کبھی آڑے نہیں آیا۔ اور میں جہاد کشمیر کے لیے برملا اپنا نکتۂ نظر پیش کرتی ہوں۔

پچھلے دنوں اپنی مجاہدانہ مصروفیتوں کے پیش نظر اس نے اپنے خاوند کو نہایت خوشی سے اجازت دے دی تھی کہ وہ میرے علاوہ ایک دو یا تین مزید شادیاں کر سکتے ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر ایمان رکھتی ہے کہ مرد دو تین یا چار عورتوں سے شادی کر سکتا ہے۔ مگر اسے عدل و انصاف برقرار رکھنا ہوگا۔ وہ کہتی ہے کہ ہندوستانی فوجوں سے لگا تار جہاد کی وجہ سے ہزاروں کشمیری نوجوان مارے گئے ہیں۔ جواں سال عورتیں بیوہ ہوگئی ہیں۔ ہزاروں بچے یتیم ہو گئے ہیں۔ اگر ان

چاہیے۔ بجائے اس کے کہ جوان عورتیں اور یتیم بچے بے سروسامانی کے عالم میں یو این او کے کیمپوں میں دھکے کھاتے پھریں۔

آسیہ اندرابی نے اپنی ذاتی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا اس کے والد ایک ڈاکٹر تھے۔ ایک دین دار اور صالح مسلمان تھے۔ مگر جب میرے والد نے مجھے سیکولر (بے دین کالج و یونیورسٹی) میں داخلہ لینے کے لیے کہا تو میں نے انکار کر دیا۔ میرے سارے بہن بھائی سیکولر کالجوں سے ہٹ کر قرآن اور حدیث کی تعلیم میں مصروف ہو گئے۔

آسیہ اندرابی نے سری نگر کالج میں عالم تعلیم کی بجائے بائیوکیمسٹری کی تعلیم حاصل کی مگر جب اس فنی تعلیم میں مزید مہارت حاصل کرنے کے لیے دہلی جانا پڑا تو اس کے والدین نے وہاں جانے کی اجازت نہ دی۔ آسیہ اندرابی نے ایسی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر مشتمل تھیں یا ان انگریزی کتابوں کا مطالعہ کیا جن میں غیر مسلم عورتوں نے اسلام کے دامن میں آنے کے تجربات لکھے تھے۔ آسیہ اندرابی نے بتایا ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ میں تو اسلام کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ مجھے مزید مطالعہ کرنا چاہیے۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے مرد تو مساجد جاتے ہیں، وہاں علماء کرام کے وعظ سنتے ہیں اور ان کی ذہنی اور عملی تربیت ہوتی ہے مگر عورتوں کو یہ مواقع نہیں دیے جاتے اور انہیں کہا جاتا ہے کہ تم گھر بچوں کی پرورش کرو۔ حالانکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مردوں اور عورتوں کو ان کے ایمان، اعتقاد اور اعمال کے متعلق ایک جیسے سوال کرے گا۔

آسیہ اندرابی قرآن پاک کا ترجمہ پڑھتی، تفسیر کا مطالعہ کرتی اور دوسری خواتین کو قرآن پڑھاتی ہیں۔ وہ ان لوگوں سے نالاں ہیں جو عورتوں کو قرآن پاک اور احادیث کے مطالعہ یا تشریح کے مواقع دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ان کے خیال

میں آج زمانہ بڑی تبدیلیوں سے دوچار ہے۔ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی مختلف علوم پر عبور حاصل کرنا چاہیے۔ آج کی جاہل عورت سکول سے آنے والے اپنے بیٹے کے سوالات کے جوابات دینے سے بھی معذور ہے۔ اس کے بچے اللہ اور رسول کے متعلق سوالات کرتے ہیں تو خاموش رہتی ہے۔ اسلام کی بات پوچھتے ہیں تو چپ رہتی ہے۔

۱۹۸۹ء میں مقبوضہ کشمیر میں جدو جہد آزادی کی تحریک کا آغاز ہوا، وادی کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اس وادی پر کئی سو سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی ہے۔ آسیہ اندرابی کو یقین ہے کہ ہندوستان کو ایک نہ ایک دن کشمیر چھوڑنا ہوگا۔ اور وادی کشمیر کے مسلمانوں کو پاکستان کے مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی جدو جہد میں شریک ہونا ہوگا۔ ایسا ماحول عورتوں کو زیادہ امن وسکون مہیا کرے گا۔ آسیہ اندرابی نے زور دے کر کہا آج ساری دنیا بے دینی اور اللہ سے سرکشی کی وادی بن گئی ہے۔ انہیں اسلام کے دامن میں آکر امن نصیب ہوگا۔ ایک دن دنیا بھر کے مسلمانوں کو یکجان اور متحد ہونا ہوگا۔

آسیہ اندرابی نے کہا آج کشمیر کی وادی مختلف قوتوں کی زور آزمائی کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ یہاں درجنوں سیاسی گروپ کام کر رہے ہیں۔ ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتیں اپنے اپنے طور پر وادی کشمیر میں زور آزمائی کر رہی ہیں۔ ہندوستان کی فوجیں اس کی ایجنسیاں، اس کے مذہبی گروپ اور بیرونی عناصر، اسلامی اور غیر اسلامی طبقے وادی کشمیر میں اپنا اپنا کھیل کھیل رہے ہیں۔ ان حالات میں عورتوں کو اپنا کردار نہایت ہی تھوڑا ہے۔ یہ مردوں کا میدان جنگ ہے۔ یہ مجاہدین کا میدان جہاد ہے۔ یہ ہندوؤں کی شیوسینا کا میدان ہے۔ یہاں عورت کا کوئی مقام نہیں۔ وہ جنگلوں میں نہیں جاسکتی۔ وہ بندوق نہیں اٹھا سکتی، وہ مر سکتی ہے مگر مار نہیں سکتی۔

آسیہ اندرابی نے بتایا کہ ان کا خاوند محمد قاسم ایک جہادی گروپ [illegible]

المجاہدین سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ اس کا شریک زندگی بھی ہے اور ۱۹۹۰ء سے شریک جہاد بھی۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے والد کو کہا کہ میں جہاد میں شریک ہوں اگر آپ اپنی بیٹی کا میرے ساتھ نکاح کر دیں تو میں اسے زندگی بھر احترام اور عزت سے رکھوں گا۔ میرے والد مان گئے اور میری ۲۷ سال کی عمر میں اس مجاہد سے شادی ہوگئی۔ ہم کئی بار گرفتار ہوئے۔ ہندوستانی جیل، عقوبت خانے ہیں، نہایت ہی پر عذاب جیلیں ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بیٹا دیا۔ مجھے تیرہ ماہ کیلئے جیل میں بند کر دیا گیا۔ بیٹا میرے ساتھ جیل میں رہا۔ اس کی میں نے صرف اپنے دودھ سے پرورش کی۔ حکومت کی طرف سے اس بچے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ کیونکہ کاغذوں میں وہ قیدی نہیں تھا۔

آج میں گھر آ گئی ہوں، میں چاہتی ہوں کہ میرا بیٹا بندوق کا سہارا لے کر بڑا ہو۔ ہاتھ میں بندوق لیکر جوان ہو، میں اسے مجاہد دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں اسے ڈاکٹر یا انجینئر بنانا نہیں چاہتی۔ میں اسے سی ایس ایس کا امتحان دلوا کر ڈی سی بنانا نہیں چاہتی۔ میں اسے صرف مجاہد دیکھنا چاہتی ہوں۔ جس کے سینے میں قرآن ہو، جس کے ہاتھ میں بندوق ہو اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں لڑتا رہے اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ان غازیوں کی صف میں کھڑا نظر آئے۔

؎ دو نیم ان ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم!

جلد نمبر ۹.........اکتوبر، نومبر ۲۰۰۰.........شمارہ نمبر ۹۰

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ مرکزی مجلس رضا کے بانی تھے۔ حکیم تھے، طبیب تھے، نباض تھے، اپنے مریضوں کے لیے سرگرم دم جستجو اور نرم دم گفتگو تھے۔ با دشمناں تلطف، با دوستاں مدارا ان کی عادت تھی۔ طبابت ان کا پیشہ تھا مگر ان کی ساری زندگی امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عشق میں گزری۔ آپ نے انہیں کے علمی مقامات اور نظریات کی اشاعت میں زندگی کی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔ آپ کے افکار کی اشاعت کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ ہزاروں نہیں لاکھوں کتابیں چھپوا کر تقسیم کیں اور ہر پڑھے لکھے شخص کے دروازے پر دستک دی۔ اور اس کے سامنے اعلیٰ حضرت کے نظریات پر کوئی نہ کوئی کتاب رکھ دی۔ اس سلسلہ میں آپ نے اٹھارہ لاکھ سے زیادہ کتابیں زیور طباعت سے آراستہ کر کے پاکستان اور بیرونی ممالک میں تقسیم کیں۔ آپ کے اس کارنامے کو علماء، مشائخ اور دنیا بھر کے دانشوروں نے سراہا۔ حکیم صاحب مرحوم نے اپنے آپ کو صرف فاضل بریلوی کی تعلیمات اور نظریات کی اشاعت تک محدود نہ رکھا بلکہ پاکستان کے اہل قلم دانشوروں کو اعلیٰ حضرت کے قریب کر لیا۔ انہیں فکر رضا پر لکھنے کے لیے تیار کیا اور اس طرح مختلف موضوعات پر کام ہونے لگے۔ ملک کے مختلف شہروں میں ایسے ادارے

قائم کرنے والوں کی راہنمائی اور حوصلہ افزائی کی جو فاضل بریلوی کے نظریات پر کام کرنے میں دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ سیکڑوں اہل قلم وعلم خیابان رضویت میں گلہائے رنگارنگ بن کر مہکنے لگے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم نے بے سروسامانی کے عالم میں وہ کام کیا جو بڑے بڑے ادارے، انجمنیں اور اشاعتی کارخانے نہ کر سکے تھے۔ وہ دن رات کام کرتے۔ اپنی مختصر ٹیم کے ساتھ آگے بڑھتے گئے اور ان کی تہی دستی دست صبا بن کر اپنے معاونین کے قافلے کے ساتھ سارے برصغیر پر چھا گئی اور دنیائے رضویت کے صف اول کے سکالرز دنیائے سنیت کے راہنما بن کر آگے بڑھے۔

آج ہم گلستان رضویت کے پھول ''جہان رضا'' کا خصوصی نمبر شائع کر رہے ہیں۔ یہ شمارہ حکیم صاحب کی علمی اور ملکی خدمات کے اعتراف کا گلدستہ بن کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔ ہم نے دنیائے رضویت کے اہل قلم سے مقالات حاصل کیے ہیں اور انہیں ''جہان رضا'' کے صفحات پر سجا کر آپ کے سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے خصوصی طور پر حکیم صاحب کے حلقہ میں بیٹھنے والے مخلص احباب کے مضامین کو ترجیحی طور پر شائع کیا ہے اور آپ کی نذر کر رہے ہیں۔ ہم نے ایسے حضرات کو لکھنے کی زحمت دی ہے جو سالہا سال حکیم صاحب کے ساتھ رہے۔ ہم نے اہتمام کیا ہے کہ کوئی مطبوعہ مضمون، کسی کتاب یا رسالے کے صفحات کا عکس، آپ تک نہ آنے پائے اور آپ اسے قند مکرر کا اعزاز دے کر نہ پڑھیں بلکہ آپ جو صفحہ کھولیں گے آپ کو ایک گل تازہ کی مہک آئے گی۔ آپ جب ورق الٹیں گے تو آپ کو شبنم سے دھلے ہوئے گلاب کے پھول نظر آئیں گے۔ آپ صفحات الٹتے جائیں گے تو صفحہ صفحہ آپ کے دل ودماغ کو مشام جان بن کر معطر کرتا جائے گا۔

''جہان رضا'' کے اس خصوصی نمبر میں مقالات اور مضامین کے ہدیئے پیش کرنے والے تو ہمارے بے پناہ شکریہ کے مستحق ہیں مگر جن حضرات نے اس نمبر کی

اشاعت میں مفید مشوروں سے تعاون کیا ہے وہ بھی ہمارے تشکر و تفضّل کے حقدار ہیں۔ جن رفقائے کار نے عملی طور پر اس نمبر کی ترتیب میں حصہ لیا ان کے لیے ہم سراپا سپاس ہیں مگر حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص احباب میں سے جناب محمد عالم مختار حق، صاحبزادہ سلیم حما اور حکیم صاحب کے مطب کی شمع فروزاں کو روشن رکھنے والے دونو جوان ہم نشین حضرت حکیم مرحوم صاحبزادہ محمد زبیر ضیائی سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخش اور حکیم محمد موسیٰ کے عزیز مولانا ریاض ہمایوں کی عملی خدمات ہماری دستگیری کرتی رہیں، ہم ان کے دلی طور پر شکر گزار ہیں۔

ماہنامہ ''جہان رضا'' کا یہ خصوصی نمبر اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے مجلس کے اراکین اور طلب گاران نمبر تک پہنچنے کا اعزاز حاصل کر رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری جیسے فقیر بے نوا کا نام ایک دن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ثنا خوانان میں گونجے گا۔ مستقبل کے کئی سکالرز آپ کی علمی خدمات پر تحقیقی کام کرنے والوں کو وادی تحقیق کی شب تاریک میں روشنی بہم پہنچائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ہر مقالہ نگار سکالر کے مختصر حالات بھی شریک اشاعت کر دیے ہیں اور ان کے پتے بھی لکھ دیے ہیں تا کہ ان سے رابطہ کیا جا سکے۔

پاکستان میں اللہ کے خلاف جنگ بندی کا اعلان

جلد نمبر ۱۰..................جنوری فروری ۲۰۰۱ء..........شمارہ نمبر ۹۱

سود کا لین دین ایک بھیانک معاشی اور معاشرتی جرم ہے۔ قرآن واحادیث کے فرمان کے مطابق سودی لین دین اللہ کے ساتھ جنگ کے مترادف ہے۔ غلامی کے ادوار میں انگریزوں نے سود اور سودی کاروبار کو نہ صرف رواج دیا بلکہ اسے قانونی شکل دی۔ سودی ادارے قائم کیے گئے۔ سودی نظام قائم کیا گیا اور اسے مقبول بنانے کے لیے ہر طبقہ، ہر حربہ استعمال کیا گیا۔ انگریز گیا، غلامی کی زنجیریں ٹوٹیں، آزادی ملی، آزاد مملکت قائم ہوئی تو اقتدار کی کرسیوں پر'' کالے انگریز'' براجمان ہو گئے جنہیں ان معاشی خطوط پر تربیت دی گئی تھی کہ سود کے بغیر معیشت نہیں چل سکتی۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر گیا مگر پاکستان میں بسنے والی مسلم امہ سود کی لعنت میں مبتلا رہی۔ اگر کسی گوشے سے اس کے خلاف آواز اٹھی تو اسے درخور اعتناء نہ سمجھا گیا اور پوری نصف صدی، اللہ کے خلاف یہ جنگ جاری رہی اور ان لوگوں نے جاری رکھی جو لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے۔

پچھلے ماہ حکومت پاکستان کے وزیر وزارت امور مذہبیہ جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے اعلان کیا کہ حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا ہے کہ جولائی ۲۰۰۱ء سے پاکستان میں سودی کاروبار بند کر دیا جائے گا۔ سودی ادارے بند ہو جائیں گے۔ سودی کام کرنے والوں پر پابندی لگادی جائے گی۔ وزیر مذہبی امور کے اس اعلان کا

پاکستان کے نیک سیرت مسلمان نے خیر مقدم کیا۔ ہر پاکستانی مسلمان نے خوشی کا اظہار کیا۔خصوصاً علمائے کرام اور مشائخ عظام نے بلا امتیاز مسلک و مذہب وزیر صاحب کے اعلان کو سراہا۔علمائے کرام کے علاوہ ملک کی تمام مذہبی جماعتوں نے بھی اس اعلان کو ایک انقلابی اقدام قرار دیا۔ ہم بھی وزیر موصوف کے اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہیں اور حکومت کے اس اقدام کو ملک میں خدا سے جنگ بندی کرنے کا فیصلہ تصور کرتے ہیں۔

اگرچہ دو صدیوں سے خوگر سود خور اس کام کو بڑا مشکل خیال کرتے ہیں اور ایسے ملک جس کی معیشت کی بنیادیں سود پر کھڑی ہوں، کو سود خوری کا مرکز بنائے بیٹھے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پاکستان کا عام آدمی بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ سود کے بغیر کام چل سکیں گے۔ایک ایسا طبقہ بھی حکومت کے اس اعلان پر خدشہ کا اظہار کر رہا ہے کہ وزیر امور مذہبیہ کا اعلان حکومت کے عام خوش کن اعلانات کی طرح محض ''طفل تسلی'' ہی نہ ہو۔ بے یقینی کی یہ فضا ایسے خدشات کو سامنے لاتی ہے پھر جن کے ہاتھ میں ملک کی اقتصادیات اور معاشیات کی باگ ڈور ہے وہ اللہ سے جنگ کرنے کے خلاف اپنے ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار ہوتے ہیں یا نہیں۔ پاکستان کے عوام تو یہاں تک بد گمانی کا شکار ہیں کہ خدا معلوم وزیر مذہبی امور نے ایسا اعلان کرنے سے پہلے اپنے وزیر خزانہ اور ملک کے چیف ایگزیکٹو سے مشورہ بھی کیا تھا یا نہیں کیونکہ خدا کے ساتھ جنگ کرنے کے اسلحہ کے سارے ذخائر تو ان دونوں کے پاس ہیں۔وزیر مذہبی امور تو صرف اعلان فرما رہے ہیں۔

آج ملت اسلامیہ کے اکثر لوگ ایسے ہی شبہات اور خدشات کا شکار ہیں۔ جیسے کبھی مدینہ منورہ کے یہودی اور خود مسلمانوں کا ایک طبقہ اس وقت خدشات کا شکار تھا جب ہجرت کے دوسرے سال سود پر پابندی لگائی گئی اور نبی کریم ﷺ نے اعلان

کرتے ہوئے اپنے سارے خاندان کی طرف سے بقایا سود کو معاف کر دیا اور آئندہ کے لیے تمام مسلمانوں کو سودی کاروبار سے روک دیا گیا۔ اس اعلان کو سن کر یہودی کانپ اٹھے، ان کی معیشت کا دارومدار تو سودی کاروبار پر تھا۔ اس اعلان کو سن کر وہ مسلماں بھی پریشاں ہو گئے جن کے تجارتی قافلے ان ممالک میں جایا کرتے تھے۔ جہاں سود کی بلائیں مسلط تھیں۔ عرب کے اردگرد بڑی بڑی طاقتور سلطنتیں روم، یونان، فارس اور مصری سرمایہ اداروں نے ساری دنیا کو سود کے چنگل سے دبا رکھا تھا۔ اب مدینہ کے تجارتی قافلے ان سے کس طرح لین دین کریں گے۔ اب مدینہ کی سرزمین میں آنے والے بیرونی تاجر کس انداز سے کاروبار کریں گے۔

آج ہم بھی ایسے ہی حالات وخدشات سے دوچار ہیں۔ مگر قرآن کریم نے ان خدشات کے سامنے پرزور اعلان کیا "لو اعجبکم" اگرچہ تمہیں تعجب ہوتا ہے کہ سود کے بغیر کس طرح کام چلے گا۔ مگر تم دیکھو گے کہ سود کے بغیر تمہاری تجارت، تمہارے کاروبار، تمہارے خزانے مالا مال ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ٹوٹ ٹوٹ کر آئیں گی اور لوگوں کو آرام ملے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ صرف مدینہ منورہ ہی نہیں عرب کی سرحدوں کے پار قوموں نے بھی اس نظام رحمت میں راحت دیکھی اور آہستہ آہستہ اسے اپنانا شروع کر دیا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اسلامی فتوحات نے جب روم، یونان، مصر اور فارس کی سلطنتوں کو تہ و بالا کیا تو یہ سارا علاقہ سود سے پاک معیشت کا گہوارہ بن گیا۔

آج دنیا بھر میں سودی طوفان اس انداز میں چل رہا ہے کہ پاکستان کی سرزمین میں روشن ہونے والی شمع کے لیے اس کی تاب مشکل ہے۔ لیکن اگر ملت پاکستانیہ اپنی قوت ایمانی سے اس شمع کو روشن رکھے تو اس کی روشنیاں چار دانگ عالم تک پہنچیں گی۔ آج کافرانہ معیشت تو غیر سودی کاروبار کا تصور بھی نہیں کر سکتا

۔آج کا سود خور غیر سودی معیشت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔آج کا سود زدہ انسان تصور نہیں کر سکتا کہ وہ سودی اداروں کی امداد کے بغیر اپنے قدموں پر چل سکے گا۔ان لوگوں کو خواہ مخواہ ایک خوف کھائے جا رہا ہے،جس طرح ایک نشہ باز انسان ہر وقت سوچتا ہے کہ میں نشہ کیے بغیر کس طرح زندہ رہوں گا نشہ کیے بغیر میری ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ جائیں گی۔نشہ کے بغیر میری موت واقع ہو جائے گی معاشیات کے ماہرین تو ہر محفل میں ایک ہی بات کرتے ہیں How it is possible یہ خوف زدہ ماہرین معیشت زنگ آلود دل و دماغ کے مالک ہیں۔یہ سود کے نشہ کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اگر جنگ بند ہو گئی تو ان کے کارخانے،ان کی کمپنیاں،ان کے سودی ادارے ان کے ساتھ زمین بوس ہو جائیں گے۔ہم ایسے لوگوں کی توجہ آج کے ان ممالک کی طرف دلانا چاہتے ہیں جہاں سود کے بغیر کام ہو رہے ہیں۔آج کا روس اپنے ۸۰ فیصد علاقوں میں سودی کاروبار کے بغیر اپنی معیشت کو استوار کیے ہوئے ہے۔آج چین کی نصف آبادی سود کے بغیر کاروبار سے آشنا نہیں ہیں۔آج ایشیائے کوچک کی نو آزاد شدہ ریاستیں ابھی تک سودی کاروبار کر رہی ہیں۔آج دنیا میں بائیس ممالک ایسے ہیں جو سود کے لین دین سے محفوظ ہیں۔یہ سارے ممالک مسلمان نہیں غیر مسلم ہیں۔مگر ہمارے سود زدہ معاشیین کبھی باہر جھانک کر دیکھا ہی نہیں کہ دنیا کا ایک حصہ سود کے بغیر بھی زندہ ہے وہ ان اسلامی ممالک کا کاروبار کا مطالعہ کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتے جہاں سودی کاروبار روک دیا گیا ہے۔ان کے سامنے مغربی ممالک کے سرمایہ دار ہیں۔امریکہ کے یہودی ہیں۔ہندوستان کے سود خور بنیے ہیں۔انہوں نے کبھی ان ممالک کی طرف نظر نہیں ڈالی جو سود کے بغیر اپنی معیشت کو چلا رہے ہیں۔

ہم ایسے لوگوں کو علمائے کرام کے فتووں قرآن حکیم کی آیات کریمہ،رسول

اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ اور فقہائے اسلام کے اقوال سے زیر بار نہیں بنانا چاہتے۔ مگر ایک تاریخی حقیقت ان کے سامنے لانا چاہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے غلبہ سے پہلے کئی صدیاں دنیا کی غالب اکثریت سود کے بغیر زندہ رہی۔ ترقی کرتی رہی ، بلکہ سپر پاور کی حیثیت سے قائم رہی۔ کبھی معاشی بدحالی، کبھی اقتصادی گراوٹ اور کبھی مالی بحران نہیں آیا۔ اگر ہم آج بھی سود کے بغیر زندگی بسر کرنے کا تہیہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھل جائیں گے۔

ہمارے علماء کرام نے پچیس سال پہلے غیر سودی نظام معیشت کے پہلوؤں پر کام کیا ہے۔ غیر سودی معیشت کی برتری کو سامنے لائے ہیں۔ ایسے تمام مسائل پر تحقیقاتی مقالات لکھے، غیر سودی نظام پر تحقیقات کی ہیں۔ ان علمائے کرام اور فقہاء کی ساری تحقیقاتی رپورٹیں اسلامی ریسرچ کونسل کے دفتر میں چاندی کے صندوقوں میں بند رکھی ہوئی ہیں۔ مگر غلامان مغرب نہ ان پر عمل کرنے کو تیار ہیں نہ انہیں عوام کے سامنے لاتے ہیں۔ صرف ایک ہی بات کہتے جاتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

ہم دوبارہ وزیر مذہبی امور کے اعلان کا خیر مقدم کرتے ہیں، ان کو سلام کرتے ہیں اور اگر حکومت کے دوسرے وزراء، فوجی جرنیل اور سربراہ بھی اس نیک کام میں ان کا ساتھ دیں تو پاکستان میں ایک انقلاب برپا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ سے پچاس سالہ لڑی جانے والی جنگ ختم ہو جائے گی اور پھر بقول علامہ اقبالؒ

''مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے''

پاکستان میں مرزائیت نے پھر سر اٹھایا

جلد نمبر ۱۰.........مارچ ۲۰۰۱.........شمارہ ۹۲

بانی مرکزی مجلس رضا حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ پر "جہان رضا" کے خصوصی نمبر نے اہل علم و فضل کے مختلف حلقوں سے بڑی پذیرائی حاصل کی ہے۔ اس کے بعد مجلس رضا شجاع آباد (ملتان) کے تعاون اور مرکزی مجلس رضا لاہور کی طرف سے "امام احمد رضا اور رد فتنہ قادیانیت" شائع کی گئی جو ملک بھر میں تقسیم ہوئی۔ رد قادیانیت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور بے حد پسند کیا اس موضوع سے دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ ہمارا پورا ایڈیشن ختم ہو گیا مگر ایک ہزار حضرات ابھی تک تشنہ کام ہیں جنہیں ہم کتاب نہیں پہنچا سکے۔

موجودہ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد بے دین اداروں۔ ملحد افراد اور قادیانیوں نے پر پرزے نکالنے شروع کیے ہیں۔ اور ملک کے ہر ادارہ کو اپنے باپ دادا کی جاگیر جاننے لگے ہیں۔ قادیانی امت نے تو خصوصی طور پر پاکستان کے گوشے گوشے میں سر اٹھا کر عام مسلمانوں کو آنکھیں دکھانا شروع کر دی ہیں۔ چونکہ پاکستان کے آئین میں مرزائیت کو غیر مسلم اقلیت اور مرتد قرار دیا گیا ہے اور یہ لوگ ایک عرصہ سے منقار زیر پر تھے لیکن موجودہ حکومت میں مرتدوں کو دانہ دنکا ملنے لگا اور حکومت کے مختلف کلیدی عہدوں پر مرزائی افسران کو فائز کیا گیا تو مرزائیوں کو یہ خیال ہونے لگا

کہ سارا پاکستان ان کے بابا کی جاگیر ہے۔ چیف ایگزیکٹو جنرل مشرف صاحب نے اپنے مرزائی ہونے کی بار بار تردید کی مگر مرزائیوں نے اسے اپنا رشتہ دار سمجھ کر مسلمانوں کو آنکھیں دکھانا شروع کردی ہیں۔

اندریں حالات ایک طرف قادیانی امت سر اٹھاتی گئی اور دوسری طرف ملک بھر کے علمائے کرام حکومت کی قادیانی نواز پالیسی پر احتجاج کررہے ہیں علماء کرام کے علاوہ دین سے وابستہ لوگ لاکھوں کی تعداد میں اس احتجاج اور مزاحمت کی تحریک میں علماء کے ہمنوا رہے ہیں آج ملک کے گوشے گوشے میں مرزائیوں کے خلاف احتجاج ہو رہا ہے اور حکومت کو مرزائی نوازی کا مرتکب گردانا جارہا ہے اب نوبت بایں جا رسیدہ است کہ مولانا شاہ احمد نورانی چیئر مین سپریم کونسل جمعیت العلماء پاکستان چیئر مین ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ نے قادیانی خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے برملا کہا ہے کہ ''اب تو پاکستان میں مرزائیت ہمارے بیڈروم میں گھس آئی ہے۔''

آئے دن ملک کے اندر دینی فتنوں کے طوفان اٹڈے چلے آرہے ہیں اور اسلام کی دیواروں سے ٹکرارہے ہیں ان فتنوں میں قادیانی فتنہ سب سے بڑا طوفان بن کر دینی بنیادوں کو پامال کررہا ہے۔ اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے ہمیں پوری قوت کے ساتھ سامنے آنا پڑے گا۔

ہم نے اپنے قارئین ''خصوصا مرکزی مجلس رضا کے معاونین'' کے لیے ایک ایسی کتاب شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے جس کے صفحات ہمیں اہل سنت کے مایہ ناز عالم دین اور صاحب قلم صحافی حضرت مولانا محمد مظہر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے موقلم کا شاہکار ہیں۔

آپ کا یہ مقالہ ''خاتم المرسلین'' کے عنوان سے مزین ہوکر قارئین تک پہنچ رہا ہے یہ مقالہ پہلی بار اس وقت شائع کیا گیا تھا جب قادیانیت کا بے ثمر پودا انگریز کے

سایہ میں پھل پھول رہا تھا۔ اس بلند پایہ تحریر نے عوام کی رہنمائی کی '' خاتم المرسلین'' میں مرزائیوں کے عقائد کا زبردست رد کرتے ہوئے مرزائیوں کے برخود غلط اعتراضات کا ایسا مسکت جواب دیا گیا جس کا اس وقت کے ''مرزا کے صحابی'' جواب دینے سے عاجز رہے تھے۔

مقالہ کے فاضل مولف حافظ محمد مظہر الدین چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۱۶ء میں ضلع امرتسر ''انڈیا'' کے قصبہ رمداس میں پیدا ہوئے تھے والد کا اسم گرامی مولانا نواب الدین رمداسی تھا۔ جو اپنے وقت کے ایک زبردست عالم دین بھی تھے اور مناظر اسلام بھی آپ نے بذات خود قادیانی نبوت کے قلعہ پر بار بار مناظرانہ حملے کیے اور نبوت کے دعویدار مرزا قادیانی کو للکارا۔ ملک کے گوشے گوشے میں مرزائیوں سے مناظرے کیے اور انہیں شکست دیتے گئے۔ مولانا نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس بیٹے حافظ محمد مظہر الدین کو بچپن میں اپنے پیرومرشد شاہ سراج الحق رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں دیتے ہوئے دعا کی التجا کی تو پیرومرشد نے فرمایا'' یہ بچہ حافظ بنے گا، عالم دین بھی ہوگا اور سخنور بھی۔ حافظ محمد مظہر الدین نے ۱۹۳۱ء میں دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں داخلہ لیا اور دینی علوم کی منزلیں طے کرنے لگے۔ دارالعلوم حزب الاحناف کے بانی اور مہتمم حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ الوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۴ھ تا ۱۹۳۵ء) اور ان کے دونوں صاحبزادے علامہ ابوالحسنات قادری اور استاذ العلماء مولانا ابوالبرکات قادری زیر تعلیم تھے۔ اس طرح حافظ محمد مظہر الدین ان دونوں صاحبزادگان کے ہم درس تھے کچھ عرصہ بعد ابوالنور مولانا محمد بشیر صاحب کوٹلی لوہاراں بھی اسی دارالعلوم میں داخل ہوئے اور حافظ محمد مظہر الدین کے ہمدرس بن گئے۔ انہی دنوں سید ابوالبرکات قادری دستار فضیلت لے کر مسند تدریس پر جلوہ فرما ہوئے تو حافظ محمد مظہر الدین اور مولانا محمد بشیر کوٹلی لوہاراں (سیالکوٹ) آپ کے

شاگردوں کی صف میں بیٹھے نظر آئے۔

دوران تعلیم ''تلون'' میں ایک مناظرہ ہوا جس کے ایک فریق مولوی خیر محمد آف جالندھر (غیر مقلد) اور مولوی محمد علی جالندھری (احراری لیڈر) اور اہل سنت کی طرف سے جواں سال مناظر حافظ محمد مظہر الدین تھے جب کہ علامہ ابو البرکات آپ کے معاون تھے۔ اس مناظرے میں یہ دونوں بزرگ فاتحانہ انداز سے ابھرے۔ دینی حلقوں میں دھوم مچ گئی۔ زمانہ تعلیم میں ہی بزرگان دین کے آستانوں پر حاضری دیتے تھے خصوصاً مرزائیوں کے خلاف مناظروں میں شریک ہوتے اور اپنے والد کے مناظرانہ استدلال کو نوٹ کر لیتے آپ نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے۔

''میرے عنفوان شباب میں والد صاحب کے مرزائیوں سے جو مناظرے ہوتے تھے اس کے نتیجہ میں مجھے تمام سوالات اور جوابات یاد ہو گئے تھے۔ میں انہیں قلمبند کرتا گیا اور انہیں اپنی کتاب ''خاتم المرسلین'' کی شکل میں شائع کیا یہ میری پہلی تصنیف تھی جس پر میرے استاد علامہ ابو البرکات سید احمد قادری۔ مولانا مرتضیٰ احمد میکش میرے والد مکرم نواب الدین ستکوہی اور مولانا مہر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے تقاریر لکھیں۔ سن شعور کو پہنچا تو والد صاحب نے جتنے مناظرے کیے ان کے دلائل بھی ابھی تک میرے حافظہ کے صفحات پر محفوظ ہیں۔''

حافظ محمد مظہر الدین ۴۷۔۱۹۴۵ء کے دوران مسلم لیگ کے صدر رہے تحریک پاکستان میں دن رات کام کیا۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۳ء میں ''تحریک ختم نبوت'' میں اہم کردار ادا کیا۔ شعر و شاعری میں اپنا مقام پیدا کیا۔ ملک کے بلند پایہ اخبارات میں کالم نویس بنے اپنے ملک کے علماء اور ملک کے ادبی حلقوں میں صف اول میں رہے۔ نعت گوئی میں اہل محبت کے محبوب بنے وقت کے نامور اہل علم و قلم نے آپ کی شعر گوئی، خوش بیانی اور ادبی رشحات کو ہدیۂ تحسین پیش کیا۔ احسان دانش، جسٹس پیر محمد

کرم شاہ ازہری، ابوالاثر حفیظ جالندھری جیسے نامور اہل سخن نے آپ کی کتابوں پر زبردست مقدمات سپرد قلم کیے اور آپ کی نگارشات کو ہدیۂ تحسین اور نذرانۂ توصیف پیش کیا۔

حافظ محمد مظہر الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک علمی خانوادے کے گل سرسبد تھے۔ آپ کے ایک بھائی مولانا غلام ربانی زبردست عالم دین، معلم علوم دینیہ اور روحانی شخصیت تھے والد گرامی مولانا نواب الدین چشتی مناظر اسلام اور فاتح قادیانیت تھے۔ آپکے بہنوئی ابوالنور مولانا محمد بشیر کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ ایک زبردست واعظ ہیں۔ علامہ محمد شریف نسیم حجازی بلند پایہ ادیب ناولسٹ اور نامور صحافی تھے۔

آپ بذات خود دارالعلوم حزب الاحناف کے سند یافتہ تھے۔ اہل سخن اور اہل قلم خانوادہ میں بلند مقام رکھتے تھے آپ کی نگارشات قلم نے بے شمار قارئین کے دل و دماغ کو عشق رسول کی روشنی بخشی۔ پھر آپ کے والد گرامی مولانا نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فتنۂ مرزائیت کے خلاف ایسا زبردست کام کیا جس کی مثال برصغیر میں مشکل سے ملے گی۔ زیر نظر مقالہ ''خاتم المرسلین'' حافظ محمد مظہر الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسی عمدہ کاوش ہے اور مرزائیت کے رد میں اپنی تحقیقی تحریر ہے جسے ہمارے قارئین یقیناً پسند کریں گے۔ فاضل مصنف کی زندگی کا زیادہ حصہ علم و ادب کی آبیاری میں گزرا تھا۔ آپ نے مناظرانہ انداز سے ہٹ کر ادبی دنیا میں بڑا کام کیا ہے۔ آپ نے حضور کی بارگاہ میں نعت کے جو نذرانے پیش کیے ہیں وہ نعتیہ ادب میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔

آپ امرتسر (انڈیا) قصبہ رمداس میں پیدا ہوئے۔ لاہور سے دامن علم بھرا۔ راولپنڈی میں زندگی گزاری۔ زندگی کے آخری ایام یاد خداوندی میں گزارے۔ آخر ۱۹ رجب ۱۴۰۱ھ بروز ہفتہ ۲۳ مئی ۱۹۸۱ء کو واصل بحق ہوئے آپ کا مزار راولپنڈی میں فیض

آباد کے قریب مری روڈ پر واقعہ ہے۔ آپ کے عقیدت مند پیر علی اصغر صاحب چشتی صابری مدظلہ العالی نے ''لا تقنطوا من رحمۃ اللہ'' (۱۴۰۱ھ) سے تاریخ وفات نکالی ہے۔

''جہان رضا'' کا یہ شمارہ مرزائیت کے رد میں ایک زبردست تحریر سامنے لا رہا ہے جسے مرکزی مجلس رضا لاہور کے ایک معاون پیر علی اصغر چشتی صابری مولف ''شمیم جالندھر'' اور ناظم تنویر الاسلام اندرون شاہ عالم دروازہ لاہور نے اپنے ذوق سے چھپوا کر قارئین سے دعائے خیر کی طلب کی ہے۔ ہم موصوف کے اس تعاون کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ اگر دوسرے اہل ذوق حضرات بھی ان کے تعاون کی مثال کو سامنے رکھ کر آگے بڑھیں تو ''مرکزی مجلس رضا'' کا اشاعتی کام تیزی سے آگے بڑھ سکتا ہے۔

افغانستان میں بت شکنی کی روایت زندہ ہوگئی

جلد نمبر ۱۰............اپریل ۲۰۰۱ء............شمارہ ۹۳

مشرقی ایشیا کے ممالک کے مخدوش حالات کے پیش نظر یو این او کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے مارچ میں مختلف ممالک کا دورہ کیا وہ ان ممالک کے سربراہان مملکت سے سیاسی حالات پر گفتگو کرنے کے لیے نکلے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ پاکستان بھی آئے۔ ان کے سامنے کشمیری عوام کی جدوجہد آزادی کا مسئلہ سرفہرست تھا مگر انہوں نے پاکستان میں مایوس کن گفتگو کی۔ کشمیری عوام کی خون ریزی کی طرف توجہ نہیں دی۔ افغانستان کی طالبان حکومت کو یو این او میں ابھی نمائندگی نہ ملی۔ اس لیے انہوں نے کابل قندھار جانے کے بجائے اسلام آباد کے فورم کو ہی افغان مسائل پر گفتگو کرنے کے لیے مناسب سمجھا۔ دنیا کی نگاہیں اس بات پر مرکوز تھیں کہ لاکھوں افغانی جو پاکستان کی سرحدوں پر بے سروسامانی کے عالم میں پڑے ہیں ان پر نظر التفات ہوگی۔ مگر کوفی عنان نے اس اہم مسئلہ کے بجائے افغانستان میں بت شکنی کے مسئلہ کو ایک عالمی مسئلہ بنا کر پیش کیا۔ جب انہیں یہ جواب ملا کہ آپ جن بتوں کی حفاظت اور بقاء کے لیے آئے ہیں وہ تو نیست و نابود ہو چکے ہیں تو جناب کوفی عنان آہ سرد کھینچتے ہوئے میٹنگ سے واک آؤٹ کر گئے۔

ان بتوں نے نہ کی مسیحائی

ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

اگر چہ جناب کوفی عنان گردن جھکائے پیر پٹختے ہوئے باہر نکل آئے۔مگر طالبان کی بت شکنی نے سارے عالم کفر کو ہلا کر رکھ دیا۔بعض بت پرست ممالک تو ان بتوں کو خریدنے کے لیے بھی آگے بڑھے۔بعض غیر مسلم ممالک افغانستان کو منہ مانگے دام دینے کو تیار ہو گئے۔یونیسکو جیسے ادارے افغانستان کو بے پناہ مالی مدادد ینے پر آمادہ تھے۔بعض بت پرست ممالک ان پتھروں کو سونے کے مول خرید کر اپنے ممالک میں لے جانے کو تیار تھے۔ہندوستان کے حکمران مسلمانوں کی عبادت گاہ بابری مسجد کو تہس نہس کرنے کے شرمناک حرکت کے باوجود نہایت بے شرمی سے ان بتوں کی بقا کی جدو جہد میں پیش پیش تھے۔سری لنکا کے وزراء دوڑے دوڑے پاکستان آئے کہ ہمارے خداؤں کو کچھ نہ کہو یہ پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔تمہارا کیا لیتے ہیں۔مگر افغانستان کے ملا عمر کی حکومت نے برملا کہا ''ہم مسلمان ہیں بت شکن تو کہلا سکتے ہیں مگر بت فروش نہیں بن سکتے۔''

بتوں کے پجاریوں نے اپنے اخبارات میگزین اور ذرائع ابلاغ میں اتنا شور مچایا کہ ان بے ضرر اور بے جان خداؤں کو کچھ نہ کہو۔یہ ہماری ثقافت کا حصہ ہیں۔تاریخ کا ورق ہیں۔صدیوں سے افغانستان کی سرزمین میں چپ چاپ کھڑے ہیں۔کسی کو کچھ نہیں کہتے۔تمہارا کیا لیتے ہیں مگر فاقہ کش طالبان نے اس سارے واویلا کا جواب ضربِ حیدری سے دیا اور آج ساری دنیا جو بابری مسجد کے انہدام پر خاموش تھی چیخ چیخ کر طالبان کو بت شکنی پر ''دہشت گرد'' ٹھہرا رہی ہے۔پچھلے ہفتے امریکہ کے مشہور اخبار ٹائمز کے ایڈیٹر رابرٹ ہاگ نے اس موضوع پر ایک زبردست اداریہ لکھا ہے جس کی سطر سطر میں دنیا بھر کے بت پرستوں کی سسکیاں سنائی دیتی ہیں وہ لکھتے ہیں۔

''طالبان ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو علم سیکھنے کی تلاش میں نکلتے ہیں۔

افغانستان کی خانہ جنگی کے دوران طالبان نے ۱۹۹۶ء میں افغانستان کے نوے فیصد حصے کو اپنے اقتدار میں لے لیا تھا تو ان کٹر مسلمانوں نے مغربی دنیا کے بنائے ہوئے انسانی ہمدردی کے اصولوں کو پس پشت ڈال کر اسلامی طرز زندگی کو اپنا لیا۔ آج افغانستان ان تمام اصولوں کو نظر انداز کر رہا ہے جسے یو این او نے اپنایا ہوا ہے۔ آج افغانستان کی لڑکیاں مردوں کی درس گاہوں سے نکال دی گئی ہیں۔ آج افغانی مرد اساتذہ کو عورتوں کی درس گاہوں میں داخل ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ آج افغانستان کے مردانہ ہسپتال خواتین سے خالی ہو گئے ہیں۔ اور آج افغانستان میں خواتین کے علاج معالجے کے لیے صرف خواتین ڈاکٹروں کو اندر آنے کی اجازت ہے۔ آج افغانستان میں جب تک کوئی شخص داڑھی نہ رکھے اسے سرکاری ملازمت نہیں مل سکتی۔''

سابقہ برسوں کی طویل خانہ جنگی نے افغانستان کو صنعتی تجارتی اور زرعی اعتبار سے دیوالیہ بنا دیا ہے۔ آج ساری افغان قوم قحط اور تباہی کا شکار ہو کر رہ گئی ہے اور اس کے لاکھوں باشندے ہمسایہ ممالک کی سرحدوں پر پڑے ہیں۔ ان حالات کے باوجود افغان حکومت نے ساری دنیا کے بت پرستوں کی پروانہ کرتے ہوئے بت شکنی کا آغاز کر دیا ہے۔ اور افغانستان کے امیر المومنین ملا عمر نے اعلان کیا ہے کہ ''ہم مسلمان ہیں قرآن پر ایمان رکھتے ہیں ہم اپنی سرزمین پر بتوں کو نہیں دیکھ سکتے۔''

آج حکومت افغانستان نے بدھ کا بہت بڑا بت ٹکڑے ٹکڑے کر کے خاک میں ملا دیا ہے بت افغانستان میں مسلمانوں کی آمد سے آٹھ سو سال پہلے کا نصب تھا۔ افغانستان کی وزارت خارجہ کے ایک ترجمان قدرت اللہ مجال نے بتایا کہ افغانستان میں ان بتوں کا کوئی مسئلہ نہیں یہ مٹی اور پتھر کے بنے ہوئے تھے۔ جنہیں صدیوں پوجا جاتا رہا ہے۔ اب ان کی کوئی حقیقت نہیں افغانستان میں ان کو کوئی پوجنے والا نہیں۔

دنیائے کفر خواہ مخواہ اسے ایشو بنا کر افغان قوم پر پابندیاں نافذ کرنے کا جواز تلاش کر رہی ہے۔ اس سے پہلے افغانستان کے عجائب خانوں پر پڑے ہوئے سیکڑوں بت خانہ جنگی کے دوران توڑ پھوڑ دیے گئے تھے یا مختلف ممالک کے بت پرست انہیں چرا کر لے گئے تھے۔ روس کے حملے کے دوران افغانستان کا کوئی بھی ایسا علاقہ نہیں بچا جہاں سے چوروں نے بت اور مورتیاں چرا چرا کر مختلف ممالک میں نہ بھیجی ہوں۔ کابل کے نیشنل میوزیم سے تین سو سے زیادہ بت (مورتیاں) اس وقت چرا کر باہر لے جائی گئیں جب روس کی سرخ فوج افغانستان کے غریب مسلمانوں کو توپوں اور گولوں سے اڑانے میں مصروف تھی۔ سارے افغانستان میں کوئی عجائب گھر یا آثار قدیمہ کا کوئی ادارہ ایسا نہ تھا جو ان کی زد سے بچ گیا ہو اسی دوران ہندوستان، ایران اور مغربی ممالک کے بت فروش بتوں کو اٹھا کر ملک سے باہر لے گئے۔ آج مغربی ممالک میں بتوں کی مارکیٹیں افغانستان کی سرزمین سے چرائے ہوئے بتوں کو سجائے بیٹھی ہیں اور انسانی ہمدردی کا کوئی دعویٰ داران چوری کے بتوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ نہیں کہتا کہ "یہ ہمارا ثقافتی ورثہ ہے اور ہمارے خدا ہیں"

ملا عمر افغانستان کے بتوں کی بقا کے لیے کسی کی بات نہیں سنتے۔ حتیٰ کہ چند مسلمان ممالک کے علاوہ اپنے ہمسایہ ملک پاکستان اور ایران کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ کابل سے ۱۵۰ کلومیٹر دور شمال مغرب میں بامیاں میں بدھ کا ایک بہت بڑا بت کھڑا تھا وہاں ایک وادی ہے جو ڈیڑھ سو کلومیٹر پر پھیلی ہوئی ہے جہاں آج پتھروں اور غاروں کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آتا، ایک غار کی دیوار پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے چار پانچ سو سال قبل بدھ کا ایک بہت بڑا بت کھڑا ہے یہ علاقہ کبھی بدھ مت کا مرکز تھا۔ جہاں بدھ کے دو بڑے بڑے قد آور بت بنائے گئے تھے۔ سب سے بڑا بت تقریباً ۵۵ کلومیٹر بلند ہے۔ بت پرست تسلیم کرتے ہیں کہ یہ بت دنیا بھر کے

بتوں سے بڑا ہے۔ ملا محمد عمر کے سپاہیوں نے اس بت کے گرانے کے لیے طاقتور انہدامی آلات استعمال کیے۔آج بت پرستوں کے حوارئین حتیٰ کہ مسلمانوں میں بے دین دانشور بھی کہتے ہیں کہ قرآن میں بت شکنی کا حکم کہیں بھی نہیں آیا۔ اسلام نے دوسروں کے مذہبی خیالات کا احترام سکھایا ہے رواداری سکھائی ہے۔

نیو یارک کے میٹرو پولیٹین کے عجائب گھر کے ڈائریکٹر جنرل فلپس ڈی مانو گیلیلو نے فتویٰ دیا ہے ''کہ اسلام تو عیسائیت سے بھی زیادہ غیر مسلموں کو برداشت کرنے والا مذہب ہے۔ یہ افغان ملا کس اسلام پر عمل پیرا ہیں۔'' یہ ہیں وہ خیالات جسے دنیا بھر کے بت پرست اور بت پسند پیش کرتے رہتے ہیں۔ہم پوچھتے ہیں کہ یہ لوگ کونسے قرآن کی بات کرتے ہیں۔جس میں بت شکنی کا حکم نہیں! یہ لوگ اسلام کی کونسی رواداری کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ لوگ تاریخ سے اتنے نا آشنا ہیں کہ کعبۃ اللہ سے بتوں کو توڑ کر باہر پھینکنا اور جزیرۃ العرب کو بتوں سے پاک کرنا۔ پھر ایران اور مصر کی فتوحات کے بعد ان ملکوں کو بتوں سے خالی کرنا اسلامی تعلیمات کا عملی ثبوت نہیں تو اور کیا ہے؟

ساری دنیا میں تو اسلام ہی ایک واحد مذہب ہے جو دنیا کو بت پرستی سے پاک کرتا ہے اور بتوں کے نام و نشان مٹاتا ہے۔ آج دنیائے عیسائیت انسانیت کا سبق دیتی ہے مگر ان کی تاریخ جتنی بھیانک ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ انگلینڈ کی سرزمین میں اولیور کرامویل نے پیورٹین کے لارڈوں کے بت جلا کر راکھ کر دیے تھے۔ یورپ کی ساری تاریخ اپنے پیشتر حکمرانوں کے بتوں کو سرنگوں کرنے کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ سابقہ سالوں میں خود روس کے اندر خروشوف کے زمانۂ اقتدار میں سٹالن اور اس کے ساتھیوں کی لاشوں کو ان کے بت کدوں سے نکال نکال کر گٹروں میں پھینکا گیا تھا۔ یہ وہ جرائم ہیں جو کفر کی تاریخ کے اوراق کا حصہ بن چکے ہیں۔

آج افغانستان کے طالبان جب بت شکنی کرتے ہیں تو ساری دنیا چیخ اٹھتی ہے۔آج طالبان پر طعن زنی کرنے والے نازیوں کے کردار کو کیوں بھول گئے ہیں جنہوں نے لاکھوں زندہ یہودیوں کو گیس ہاؤس کی نذر کر دیا تھااور یہودیوں کے بتوں ،کتابوں ،آرٹ گیلریوں اور دوسرے آثار کو آگ کے شعلوں کے حوالے کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر کے انصاف پسندی کے دعوی داروں کے پاس طالبان کے اس عمل کی مذمت کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

یورپ کے عجائب خانوں کے ڈائریکٹر یونیسکو کے سرمایہ کار اور ہندوستان میں بابری مسجد کو توڑنے والے ہندو لیڈر کس منہ سے طالبان سے بتوں کو حاصل کرنے ، خریدنے یا یہاں سے منتقل کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔جہاں انہیں پوجنے والا ایک شخص بھی صدیوں سے اس سرزمین میں نہیں آیا۔پچھلے دنوں ان بتوں کے پجاریوں کا ایک خصوصی جہاز پاکستان کی سرزمین پر اترا اور حکومت پاکستان کی وساطت سے زور دیتا رہا کہ وہ طالبان کے سربراہ ملا عمر کو بت شکنی سے روکیں۔پھر کوفی عنان یو این او کے سربراہ کی حیثیت سے دوڑا دوڑا آیا کہ بتوں کو نہ توڑا جائے مگر یہ ساری کوششیں بیکار گئیں۔اور ملا عمر کو بت شکنی سے نہ روک سکیں۔

آج افغانستان کی سرزمین اور بامیاں کی وادی بدھ کے قد آور بتوں سے خالی ہو چکی ہے۔لاکھوں افغانیوں کو بھوک اور قحط سے تڑپتا دیکھنے کے باوجود مغربی دنیا کے انسانی ہمدردی کے ادارے صرف ایک بت کے لیے تڑپ رہے ہیں۔بھوک کی ماری پوری مسلمان قوم کو بت فروشی پر آمادہ کرنے پر زور دے رہے ہیں۔اسامہ بن لادن کی تلاش میں مارے مارے پھرنے والے جاسوسی کتے پاکستان کی سرحدوں سے آگے دوربینیں لگائے بیٹھے ہیں۔آج اقوام عالم نے دیکھ لیا ہے کہ افغانستان کی

اسلام کا ایک مجاہد اسامہ بن لادن دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ کے لیے سر درد بنا ہوا ہے۔ آج بت پرست ملکوں کے لیے افغانستان کا ایک ملا عمر بت شکن بنا ہوا ہے۔ آج عراق کا ایک صدام ہزاروں اقتصادی مصائب کے باوجود امریکہ اور برطانیہ کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔ لیبیا کا ایک قذافی چالیس سال سے تن تنہا امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہے۔ اگر دنیا بھر کے اسلامی ممالک اپنی آن بان سے کھڑے ہو جائیں تو دنیائے کفر اپنی تمام ترقیوں اور توانائیوں کے باوجود راہ راست پر آ جائے۔

آج سارے عالم اسلام کی نگاہیں پاکستان پر لگی ہوئی ہیں آج ساری دنیا کے مسلمان پاکستان کے مسلمانوں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ آج دنیا بھر کی قومیں پاکستان کی ابھرتی ہوئی قوت کو دیکھ رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے حکمران اپنے اندر قوت ایمانی بیدار کریں اور ایک سچے مسلمان کا کردار ادا کریں تو دنیائے کفر کے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ اور پاکستان کا بچہ بچہ اسامہ بن لادن، ملا عمر، صدر صدام اور قذافی بن کر یہود و ہنود کی ساری سازشوں کے جال کو تار تار کر دے گا۔

اٹھ کہ پھر بزم یہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

بحث ڈاکٹر ص ۴۰۹ تا ۴۱۵

تین بزرگانِ دین کے اعراس

جلد نمبر۹..............مئی جون ۲۰۰۱ء..............شمارہ نمبر۹۴

ماہ صفر المظفر ہمارے لیے اس لیے بھی مبارک ہے کہ اس میں امام اہل سنت مجدد دین وملت، عظیم البرکت، رفیع الدرجات، محی السنۃ، ماحی الفتنہ، شیخ الاسلام والمسلمین، عمدۃ المحققین، تاج الفحول المدققین، غیظ المنافقین، قالع اساس النجدین، قامع المرتدین، سموالمکانیہ، والمکان، اعلیٰ حضرت مولانا الحاج قاری الشاہ محمد احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا (۸۲)واں سالانہ عرس نہایت تزک واحتشام سے منایا جا رہاہے آپ کا عرس دنیا کے گوشے گوشے میں ''یوم رضا'' یادرضا'' محافل رضا'''' بزم رضا '' اور'' رضا کانفرنس'' کے مختلف ناموں سے منایا جاتا ہے۔ آج صرف پاکستان اور ہندوستان کے شہر، قصبے اور قریے ہی ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے دلنواز نغموں سے نہیں گونجتے بلکہ عرب ممالک، یورپ، امریکہ اور افریقہ میں جہاں جہاں اہل سنت موجود ہیں اعلیٰ حضرت کے سالانہ عرس کی تقریبات منعقد کرتے ہیں۔ آج مشرق و مغرب میں ''گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستان'' کا سماں نظر آتا ہے۔

حسن اتفاق سے اسی عرس کے موقع پر اعلیٰ حضرت مجدد مانۃ حاضرہ کی قائم کردہ علمی درس گاہ ''منظر اسلام بریلی'' (انڈیا) کا صد سالہ جشن بھی منایا جا رہا ہے۔ جہاں دنیا بھر کے علماء اہل سنت جمع ہو رہے ہیں۔ چاروں سمت سے عاشقان رسول کے قافلے آرہے ہیں۔ ہر سمت سے اہل محبت کارواں در کارواں بریلی پہنچ رہے ہیں۔

مختلف ممالک کے سکالرز، دانشور، اہل علم وقلم بریلی شریف میں حاضر ہوکر اس مادرعلمی کی خدمات کو ہدیہ تحسین پیش کر رہے ہیں جس نے اپنی گود میں سیکڑوں نہیں ہزاروں ایسے علمائے کرام کو تربیت دی جو اکناف عالم میں پھیلے اور علم وفضل کی شمعیں روشن کرتے گئے۔ آج دنیائے اہل سنت کی اکثر درس گاہیں اور دنیائے رضویت کی تمام بارگاہیں اسی ''دارالعلوم منظر اسلام بریلی'' کی ضیاؤں سے درخشاں ہیں۔

اہل سنت کے دارالعلوم'' جامعہ رضویہ منظر اسلام'' کی بنیاد ۱۳۲۲ھ میں رکھی گئی تھی۔ جہاں سے سیکڑوں علماء ذیشان فارغ ہوکر آسمان علم وفضل میں آفتاب وماہتاب بن کر چمکے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دارالعلوم کے اولین رفقائے کار محبین اور فارغین جن میں ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی بہاری، حضرت مولانا غلام جان ہزاروی، حضرت مولانا حشمت علی خاں، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب بریلوی، محدث زماں احسان علی، برہان الملت مولانا برہان الحق، حضرت مولانا حسنین رضا، محدث اعظم مولانا سردار احمد (فیصل آباد) مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن، حافظ ملت مولانا عبدالعزیز (بانی دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور) صدر العلماء مولانا غلام جیلانی (میرٹھ) اور حضرت قاضی شمس الدین جونپوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی درخشاں نظر آتے ہیں۔'' دارالعلوم منظر اسلام'' کے بانی خود امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی تھے۔ مگر حضرت سید نعیم الدین مرادآبادی صدر الافاضل بانی ''منظر'' کے خلیفہ تھے۔ اعلیٰ حضرت کے بھائی حسن رضا خاں بریلوی ناظم اعلیٰ تھے۔ حضور نوری میاں مہتمم تھے۔ مولانا نورالحسن فاروقی جانشین اعلیٰ حضرت تھے۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی بہاری نگران تھے۔ علامہ وصی احمد محدث سورتی صدر المدرسین تھے مولانا عبدالسلام مفتی اعظم ہند ممتحن ''منظر اسلام'' تھے مولانا رحم الٰہی سرپرست تھے۔ صدر الشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی

،مولانا حامد حسن اور مولانا ظہور الحسن صدور اساتذہ منظر اسلام تھے۔(نور اللہ مراقدہم)

اس عظیم الشان دارالعلوم کے بعض فارغین میں سے مفتی وقارالدین صاحب، اجمل العلماء مفتی محمد اجمل، علامہ شمس الحسن بریلوی، علامہ ابراہیم خوشتر ماریشس، مفتی سید افضل حسین، مولانا محمد حنیف قادری انگلینڈ، مفتی رجب علی نانپاری، مفتی عبد الواحد، مفتی غلام مجتبیٰ، سید اجمل میاں کچھوچھوی، مولانا محی الدین، اور مولانا اشرف میاں کے اسمائے گرامی دارالعلوم کے ریکارڈ میں درخشاں نظر آتے ہیں۔جن علمائے اہل سنت نے ''دارالعلوم منظر اسلام'' سے ایوارڈ حاصل کیے ان میں سے قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی، مفتی تقدس علی خاں، تاج الفحول مولانا سلامت اللہ، مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی، مولانا ریحان ملت بریلوی، مفتی اعظم ہند، شاہ جی میاں خطیب پیلی بھیت، حضور شیر میاں کے اسمائے گرامی صفحہ تاریخ میں روشن ہیں۔''

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیاسویں عرس کی تقریبات اور صد سالہ جشن '' دارالعلوم منظر اسلام'' کی تقریبات میں شرکت کے لیے سارے ہندوستان سے لاکھوں سنی خصوصاً حلقۂ رضویت سے وابستگان اہل محبت جوق در جوق قافلوں کی شکل میں بریلی شریف پہنچ رہے ہیں۔دنیائے اسلام کے مختلف ممالک سے قافلے آرہے ہیں۔یورپ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا، سری لنکا، بنگلہ دیش پاکستان، اور عرب ممالک سے علماء ومشائخ پہنچ رہے ہیں۔

بریلی شریف میں ان تقریبات کے سلسلے میں دوسرے شعبوں کے علاوہ ۲۳ صفر المظفر مطابق ۱۸ مئی بروز جمعہ بعد از نماز عشاء ایک طرحی مشاعرہ ہوگا جس میں طرحی مصرع، ''ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ'' ہوگا اس شعر پر شعراء کرام طبع آزمائی کریں گے ۲۴ صفر ۱۹ مئی بروز ہفتہ بعد از نماز فجر قرآن خوانی، نعت خوانی کی مجالس منعقد ہوں گی اسی روز ۹ بج کر ۵۸ منٹ پر ''قل شریف'' ہوں گے بعدہٗ ''منظر

اسلام سیمینار'' ہوگا جس میں دنیا بھر کے رضوی۔ کالرز اپنے مقالے پیش کریں گے نماز عشاء کے بعد علماء کرام کی تقاریر ہوں گی اور صلوٰۃ وسلام کے ساتھ اعزاز نوازی اور تقسیم ایوارڈ ہوگی۔ ۲۵ صفر ۲۰ مئی بروز اتوار بعد از نماز فجر قرآن خوانی، نعت خوانی، مناقب اور تقاریر علمائے کرام کا سلسلہ ہوگا۔

ان تمام تقریبات میں علماء کرام اپنے اپنے خیالات کا اظہار کریں گے۔ ان ساری تقریبات میں ایک بات منفرد نظر آئی کہ منتظمین نے اعلان کیا ہے کہ کسی حکومتی وزیر، امیر، نواب یا دنیادار کے اعزاز میں کسی قسم کی کوئی نشست و برخاست نہیں ہوگی۔ حالانکہ اس زر پرست دور میں ایسے اداروں کو وزیروں، امیروں اور اہلِ دول کے بغیر جاری رکھنا بڑی مشکل بات ہے اور ہمارے اداروں کے اکثر سربراہان دولت مندوں کا سہارا لیتے رہتے ہیں۔ مگر ان منتظمین منظر اسلام نے یہ تلخ فیصلہ کر کے بانی دارالعلوم کی روح کو خوش کر دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے زمانہ میں نظام حیدرآباد دکن نے آپ کے صاحبزادہ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں کو دکن کی علمی مجلس کا صدر الصدور مقرر کر دیا تھا جب یہ آرڈر فاضل بریلوی کو دکھایا گیا تو آپ نے آرڈر پھاڑ کر کہا بیٹا:

ع۔ ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ

ایسی خواہش پھر کبھی نہ کرنا، پھر نظام حیدرآباد دکن نے '' منظر اسلام بریلی'' کیلئے دو صد روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کیا مگر امام احمد رضا نے تاحیات وصول نہ کیا۔

کروں مدح اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

تقریبات ختم ہوتے ہی بریلی سے مختلف اطراف کو قافلے روانہ ہوں گے۔ اور ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے دلنواز نغمے فضائے بریلی سے پھیلتے ہوئے مختلف ممالک میں پہنچیں گے۔

ایک زمانہ تھا کہ برصغیر پاک و ہند (رنگونسے لے کر تا بہ حد کابل) علم وفضل کا گہوارہ تھا۔ مسلمانوں کے ادوار حکمرانی میں اتنا بڑا وسیع علاقہ مدرسوں، مکتبوں درس گاہوں اور تدریسی اداروں سے مالا مال تھا۔ شہر تو شہر قصبوں، دیہاتوں، گوٹھوں، بیابانوں کے ڈیروں اور زاویوں تک علم کے چشمے پھوٹتے تھے۔ مسلمان تو مسلمان ہندو، سکھ، عیسائی اور دوسری قومیں بھی ان اسلامی درس گاہوں سے علم وفضل سے جھولیاں بھر رہی تھیں۔ مغلوں کے زوال تک یہ درس گاہیں قائم تھیں۔ ہم ان تفصیلات میں نہیں جاتے لیکن جن دنوں شہزادہ داراشکوہ لاہور آیا تو اس نے دیکھا کہ لاہور کے ایک محلّہ ''طلا'' میں سات ہزار حافظان قرآن موجود ہیں۔

سکھ دور نے ان مدرسوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ پنجاب میں علم کے چراغ بجھ گئے۔ علم وفضل کے بہتے ہوئے چشمے بند ہو گئے۔ درس گاہیں، لائبریریاں، مساجد، خانقاہیں، جلادی گئیں۔ اہل علم وفضل پہاڑوں اور غاروں میں پناہ لینے لگے۔ سکھوں کا ظالمانہ دور ختم ہوا تو انگریزی اقتدار آیا۔ اس نے علم پھیلانے کے بلند بانگ دعووں کے باوجود علمی سرچشموں کو کھولنے کے بجائے انگریزی تعلیم وتہذیب کے سکول، مدرسے، کالج اور یونیورسٹیاں قائم کیں جن میں محدود افراد ایک خاص طرز تعلیم میں تربیت پانے لگے ان دو صدیوں میں برصغیر میں علم وفضل کی روشنیاں دم توڑتی گئیں اور جہالت کے اندھیرے پھیلتے گئے تعلیم کے عددی دعووں کے باوجود برصغیر میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد گھٹتی گئی اور جس ملک میں نوے فیصد لوگ پڑھے لکھے تھے وہاں دس فیصد تعلیم رہ گئی۔ اور تعلیم بھی انگریزی مدارس کی تیمم تھی۔ ملک آزاد ہوا۔ مسلمان حکمران پاکستان کے مختار حکمران بن کر سامنے آئے۔ مگر یہ لوگ علم کی روشنیاں بحال کرنے اور علم پھیلانے کے بجائے جہالت کی وادیوں میں اضافہ کرتے گئے۔ آج کروڑوں کے بجٹ سامنے آتے ہیں۔ تعلیمی کانفرنسیں ہوتی ہیں مگر ملک میں

جہالت کے سائے پھیلتے جاتے ہیں حکمرانوں کے جھوٹے اعداد وشمار آئے سال جہالت کی سیاہیوں میں اضافہ کرتے جاتے ہیں۔اور پاکستان کے عوام علم وفضل سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔اب حکومتوں نے اپنی علمی ناکامیوں کو چھپانے کیلیے درس و تدریس کے مقدس شعبے کو زراندوز ٹھیکے داروں کے حوالے کردیا ہے یہ لوگ گلی گلی کوچے کوچے بڑے بڑے بورڈ لگا کر علم بیچ رہے ہیں۔اور فرزندان پاکستان سے منہ مانگے دام وصول کررہے ہیں۔

حکومتوں کی اس ناکامی اور مجرمانہ غفلت کے باوجود پاکستان کے بعض علمائے دین بے سروسامانی کے عالم میں دینی درس گاہوں کو قائم کیے ہوئے ہیں۔وہ ملک کے مخیر حضرات کی امداد سے ہزاروں نہیں لاکھوں طلباء کو علم سے آراستہ کررہے ہیں۔وہ مساجد، مدرسوں، مکتبوں، خانقاہوں، حتی کہ دوردراز علاقوں میں تعلیم کو پھیلانے میں مصروف ہیں۔حکومت کے نمائندے ان کی ایسی کوششوں کو پسند کرنے کے بجائے ''دہشت گردی کے تربیتی کیمپ'' کہہ کر اپنے ''آقایان ولی نعمت'' کو خوش کرلیتے ہیں مگر ملک میں جہالت کے اندھیروں کو دور کرنے میں کوئی کردار ادا نہیں کرتے۔

آج کی دنیا کے مختلف ممالک پر نگاہ ڈالی جائے تو ہر خطے کی حکومتیں علم وفن کی ترویج وتربیت میں کوشاں ہیں اور مختلف ممالک میں عوام کی علمی سطح بلند ہوتی جارہی ہے۔ان ملکوں کے علمی شعبے خواہ فنی ہوں یا سائنسی ان کی علمی اور فنی پرسنٹیج میں ہر سال اضافہ ہورہا ہے۔جب کہ ہم لوگ ابھی حکومت کے علمی اداروں، علم فروشوں کے اڈوں اور علمی تجارت کے بڑے بڑے زراندوزوں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔آج علمائے کرام اپنی بے سروسامانی کے باوجود پاکستان کی سرزمین میں اٹھارہ لاکھ نوجوانوں کو دینی علوم سے بہرہ ور کررہے ہیں ان غریب طلباء کے کھانے، رہائش اور کتابوں کے سارے اخراجات بھی یہ عظیم علمائے کرام مہیا کرتے ہیں۔حکومت انہیں''

دہشت گرد'' کہے حکمران انہیں'' رجعت پسند'' کہیں۔حکومت کے حاشیہ نشین انہیں'' دقیانوسی نظام تعلیم'' کے طعنے دیں مگر یہ عظیم لوگ آج بھی قدم بڑھا رہے ہیں۔ہم یہاں ان دینی درسگاہوں اور اداروں کی تفصیلات نہیں دے سکتے اور ان طالب علموں کی تعداد نہیں بتا سکتے۔مگر ہمیں فخر ہے کہ ہمارے علماء کرام اور قوم کے درد مند لوگ اپنی تعلیمی اور تدریسی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے ان دینی مدارس کے اخراجات برداشت کر رہے ہیں۔یہ نہایت حوصلہ افزا بات ہے پاکستان کی سرزمین میں ہمارے علماء کرام بہت اہم کام کر رہے ہیں۔اب ہمارے مشائخ کا ایک طبقہ بھی بیدار ہو رہا ہے اور وہ محسوس کر رہا ہے کہ ان کی خانقاہوں میں بھی دینی تدریسی ادارے قائم ہونے چاہئیں۔الحمدللہ ہمارے اکثر پیرزادے دینی تدریسی مدارس کے قیام پر غور کر رہے ہیں۔ہم نے اکثر سجادہ نشینوں کے ڈیروں پر کتوں گھوڑوں، موروں، چکوروں، کبوتروں، کو'' حضرت کے دربار'' میں'' اللہ کی حمد و ثناء'' میں مست دیکھا تو عرض کی حضور اگر ان کتوں بلوں، بازوں، عقابوں، موروں اور چکوروں پر خرچ کرنے کے بجائے ایک دینی درس گاہ قائم کی جائے۔تو کتنی اچھی بات ہے فرمانے لگے۔ہمارے بزرگوں نے علم و فضل کے دریا بہا دیے تھے وہ تلواریں چلا گئے ہیں۔ہم فصل کاٹ رہے ہیں پڑھنا پڑھانا تو'' مولویوں'' کا کام ہے پھر ان جانوروں پر جتنا خرچ آتا ہے ہمارے مرید اور عقیدت مند برداشت کرتے ہیں ہم تو ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کرتے۔

ایسے سجادہ نشین'' حال مست اور مال مست'' ہیں مگر پھر بھی ہماری بہت سی خانقاہیں درس و تدریس کی طرف بڑھ رہی ہیں اور اب ملک میں ہمارے مشائخ ایسے ایسے تدریسی ادارے قائم کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں جنہیں دیکھ کر ایک علمی انقلاب کا احساس ہونے لگا ہے مختلف ملکوں میں ایک عرصہ سے چھائی ہوئی مایوسیاں چھٹنے لگیں گی۔اب پاکستان کے باہر لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے درد مند مسلمان

بھی محسوس کرتے ہیں۔ کہ پاکستان میں دینی علوم کی ترویج واشاعت کے لیے دل کھول کر امداد کرنی چاہیے۔

آج ہم ''دارالعلوم منظر اسلام بریلی'' کے صد سالہ جشن کی روشنی میں پاکستان بھر کے ان دینی اداروں کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں جو فاضل بریلوی کے علوم و افکار کی اشاعت میں سرگرم ہیں ہم ان اساتذہ کو ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہیں جو نہایت ہی قلیل وظیفوں پر ''منظر اسلام'' بریلی کے اساتذہ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں ہم ان مہتموں اور ناظمان مدارس کو سلام کرتے ہیں، جو پاکستان کے گوشے گوشے میں بے سروسامانی کے عالم میں علم کے چشمے جاری کیے ہوئے ہیں۔ ہم ان معاونین کو نذرانہ محبت پیش کرتے ہیں جو ان مدارس کے اخراجات برداشت کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہم ان علماء، اساتذہ اور طلباء کے حوصلوں کو سلام کرتے ہیں۔ جو اس زر اندوز ماحول میں دین مصطفیٰ کا علم حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔

قارئین محترم! ہمارا زیر مطالعہ ''جہان رضا'' یہ خصوصی شمارہ ماضی کے ان علماء امت کی خدمات کا جائزہ پیش کر رہا ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں اپنے آقا و مولیٰ کے علوم کی اشاعت میں وقف کر دی تھیں ہمارا مقصد یہ ہے کہ آج کے علماء اور اساتذہ اس پر ایک نظر ڈالیں اور ان حضرات کے عزم وہمت کی داد دیں۔ پھر اپنے گرد و پیش دیکھ کر مایوسیوں کی فضاؤں سے گزر کر اپنے روشن مستقبل کی طرف قدم بڑھائیں۔ اگر چہ ہمارا یہ نمبر صرف اور صرف علمی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کے لئے ہے مگر ہم علم دوست حضرات کو بھی دعوت مطالعہ دے رہے ہیں۔ ہم ان علم دوست اور علماء کرام سے محبت رکھنے والے اس معاون کو ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہیں جس نے اس مستحسن اقدام سے علماء کرام کے حوصلوں کو بلند رکھنے کے لیے اس نمبر کی اشاعت میں حصہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو قبول کرے اور طلباء علوم دینیہ کی راہنمائی کے لئے ہمارے اس اقدام کو پسند فرمائے۔

اپنی سیاست، اپنی باتیں

جلد نمبر ۱۰.........جولائی ۲۰۰۱ء...........شمارہ نمبر ۹۵

آج ہمارا ملک عزیز جن حالات سے گزر رہا ہے وہ کسی بھی حساس انسان سے پوشیدہ نہیں صبح کچھ شام کچھ دن کچھ رات کچھ سیکڑوں موضوعات ہیں جن پر قلم اٹھانے کو جی چاہتا ہے اور قارئین "جہان رضا" کی نگاہیں ان موضوعات (ایشوز) پر تفصیلی تجزیہ کی منتظر ہیں۔ مگر آج ہم صرف "اپنی سیاست اور اپنی باتیں" کریں گے اپنوں کے شب و روز اور اپنوں کے لیل و نہار پر گفتگو کریں گے۔ اپنوں کے غم اور اپنوں کے زخم دیکھیں گے۔

ع۔ ہم آج آئے ہیں زخم جگر دکھانے کو

جون کا مہینہ آیا تو مجاہد ملت مولانا عبدالستار نیازی خاں ہماری بھری محفلوں سے اٹھ گئے وہ کیا گئے ہماری سیاسی بساط لپیٹ گئے ہماری مجالس ویران کر گئے ہماری جمعیت العلماء پاکستان کا ایک توانا بازو توڑ گئے وہ ایک کامیاب زندگی بسر کر کے گئے ہیں وہ اپنی مجاہدانہ تب و تاب کو ہمارے لیے مثال بنا کر گئے ہیں وہ اپنی یادوں کو ہمارا سیاسی اور دینی اثاثہ بنا کر گئے ہیں۔ ان کا سفر آخرت پاکستان کے تمام سینوں کی آنکھوں کو اشکبار کر گیا اب ہم

ے روئیں گے فریاد کریں گے
انکی باتیں یاد کریں گے

اہل سنت کے بچے بچے نے ان کی رحلت کو محسوس کیا ان کے چلے جانے کو ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ ہر حساس سنی نے تو یوں محسوس کیا جیسے:

ع۔ پارۂ دل زمن جدا شدہ است

ان کی یاد میں تعزیتی جلسے ہوئے ایصال ثواب کی محفلیں ہوئیں ، دعائے مغفرت کیلئے لاکھوں ہاتھ اٹھے ، ان کی اپنی جماعت جمعیت العلماء پاکستان نے ہزاروں نہیں سیکڑوں جلسے کیے، ان کے اذکار و حالات سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا سنیوں کی ہر مسجد، ہر مدرسہ اور ہر خانقاہ ان کے اذکار میں سوگوار رہی آہ!

جو اپنی زندگی میں آسمانوں سے نہ ڈرتے تھے
مگر اب بعد مرنے کے دبا بیٹھی زمین ان کو

مولانا عبدالستار خاں نیازی کی موت کی خبر اگرچہ سنیوں پر بجلی بن کر گری مگر ان کے ایک رفیق کار مولانا خدا بخش شجاع آبادی کے دل پر تیز قضا بن کر برسی اور شجاع آباد میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے وہ سنیوں کے بہت بڑے عالم تھے انہوں نے اپنی زندگی تعلیم و تدریس میں گزاری جنوبی پنجاب میں ان کا مدرسہ اظہر العلوم ایک بہتا ہوا دریا تھا جس سے سیکڑوں طلباء سیراب ہو کر نکلے وہ ایک منارۂ نور تھا جو پورے ملتان ڈویژن میں روشنیاں پھیلا رہا تھا ایسے مستقل مزاج روز روز پیدا نہیں ہوتے، ایسے راسخ العقیدہ آئے دن نظر نہیں آتے، ایسے پرعزم مجاہد برسوں بعد پیدا ہوتے ہیں ان کی موت نے لاکھوں سنیوں کو سوگوار بنا دیا۔ نور اللہ مرقدہ

☆☆☆☆☆

ابھی ان کے تعزیتی اجلاس ہو ہی رہے تھے کہ کراچی میں ''سنی تحریک'' کے جواں سال مجاہد مولانا محمد سلیم قادری کو قتل کر دیا گیا۔ مولانا سلیم قادری ہمارے سست رو کارواں کی جان تھے ان کی للکار ہمیں خواب غفلت سے بیدار کیا کرتی تھی وہ تیغ بکف

میدان عمل میں تھے ''جوانیاں لٹائیں گے مسجدیں بچائیں گے'' کا نعرہ لے کر کراچی پر چھائے ہوئے تھے انہیں جس بے دردی سے قتل کیا گیا وہ کراچی کے مقتل کا ایک خونیں باب ہے مولانا سلیم قادری کے قتل پر سارا پاکستان تڑپ اٹھا اپنے تو اپنے بیگانے بھی سراپا احتجاج بن گئے، جلسے، جلوس، احتجاج اور مزاحمت کے مناظر سامنے آئے۔ کراچی، حیدرآباد اور سندھ کے بڑے بڑے شہروں نے اس مجاہد کی شہادت پر سخت احتجاج کیا کاروبار بند کر دیے حکومتیں لوگوں کو ڈرانے کے لیے کرفیو نافذ کرتی ہیں مگر پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار سارے سندھ نے اپنے آپ پر کرفیو نافذ کر کے اس جواں سال مجاہد کا سوگ منایا۔

لاہور میں سخت احتجاج ہوا زبردست مظاہرے ہوئے حضرت داتا گنج بخش کے دربار سے اس ظلم وستم کے خلاف آواز بلند ہوئی ابھی لوگ احتجاجی صفیں درست کر ہی رہے تھے کہ لاہور کی ساری پولیس ایس ایس پی لاہور کی کمانڈ میں داتا دربار پر ٹوٹ پڑی اور احتجاجی مظاہرین پر ٹیرگیس، لاٹھی چارج اور ہوائی فائرنگ کے تمام حربے استعمال کرنے لگی لاہور کے ایس ایس پی نے نہ صرف مظاہرین کو روکا بلکہ اپنی پوری فورس لیکر جوتوں سمیت دربار کے اندر جا گھسی۔ پولیس والے اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے اور بقول شخصے ''نمبر بنانے'' کے لیے وہ اقدام بھی کر لیتے ہیں جو ان کی ذلت و رسوائی کا قبالہ بن جاتا ہے حضرت داتا دربار کی تاریخ میں صدیوں سے ایسا واقعہ کبھی نہیں ہوا کہ مسلمان پولیس جوتوں سمیت ٹیرگیس کے شیل برساتی ہوئی زائرین اور مظاہرین پر چڑھ دوڑے سکھ دور میں اگرچہ لاہور کی شاہی مسجد گھوڑوں کا اصطبل بن گئی تھی بیگم شاہی مسجد بارود خانہ بن گئی تھی مسجد شاہ چراغ سکھوں کی چھاؤنی بن گئی تھی۔ مسجد دائی انگہ سکھ جرنیل کی رہائش گاہ بنادی گئی تھی مگر حضرت داتا گنج بخش کا مزار

قسمت میں یہ بدبختی لکھی ہوئی تھی اس واقعہ پر سخت احتجاج ہوا۔ بڑے مظاہرے ہوئے سارے پنجاب کے سنی ہی نہیں دوسرے مسلک کے لوگوں نے بھی اس واقعہ کی مذمت کی ہر مسجد سے صدائے احتجاج بلند ہوئی، ہر جگہ حکومت کی رسوائی کے اشتہار لگے ہر منہ سے اس واقعہ پر اظہار نفرت کیا گیا۔

☆☆☆☆☆

ہماری دینی اور سیاسی جماعتوں نے اجتماعی طور پر مظاہرے کیے انفرادی طور پر جلسے کیے ہر جگہ صدائے احتجاج بلند ہوئی سنی ایکشن کمیٹی نے منظم طور پر احتجاج کیا جمعیت العلماء پاکستان نے بھرپور احتجاج کیا۔ نیازی صاحب مرحوم کے کیمپ سے جدا ہو کر ''نفاذ شریعت گروپ'' نے احتجاج کیا۔ ''عالمی تنظیم اہل سنت'' کے مقتدر رہنما احتجاجی جلسوں میں شریک رہے ''جماعت اہل سنت پاکستان'' کے زعما دینی مدارس اور علمائے اہل سنت بھی بھرپور انداز میں شریک احتجاج رہے۔ مولانا سید مظہر سعید کاظمی صدر جماعت اہل سنت پاکستان اور ان کے سیکرٹری جنرل سید ریاض حسین شاہ صاحب نے پاکستان کے علمائے کرام اور سجادہ نشینان ذوی الاحتشام کو داتا گنج بخش کے مزار پر جمع کیا اور زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا۔ حضرت داتا گنج بخش کے دربار میں علماء و مشائخ کے عظیم الشان اجتماع سے دو دن پہلے وزیر داخلہ پاکستان نے ان علماء ذیشان اور پیران عظام کے ایک وفد کو کراچی میں بلا کر شرف ملاقات بخشا، دلاسا دیا، زخموں پر مرہم رکھی اور کئی خوبصورت وعدے کیے۔ ٹی وی پر نمائش کی اور احتجاجی غصے کو ٹھنڈا کیا۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے اگر سنی کبھی
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

یہ تھی ہماری دینی سنی جماعتوں کی جدوجہد کی داستان جن کے احتجاج نے

سارے پاکستان کو نہیں ساری حکومت کو ہلا دیا۔ ہم ''امن پسند سنی'' پھر سے اپنی پناہ گاہوں میں آرام کرنے چلے جائیں گے اور مختلف طبقوں میں بٹ کر اپنی صلاحیتوں کو برباد کرتے رہیں گے۔

☆☆☆☆

یہ واقعہ کسی بیرونی یا اندرونی شہادت کا محتاج نہیں بلکہ امر واقعہ ہے کہ مولانا نیازی کی وفات اور مولانا سلیم قادری کی شہادت نے سنیوں کو بیدار کیا ہے انہوں نے کروٹ لی۔ خواب گراں سے اٹھے سنبھلے۔ اور کراچی اور لاہور میں اپنے اتحاد کا زبردست مظاہرہ کیا اس پر ''راہنمایان صد جماعت'' اور ''قائدان صد جمعیت'' مبارک کے مستحق ہیں مگر ہمیں جس چیز پر دکھ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے سنیوں کے مختلف طبقے مختلف حلقوں میں بٹے ہوئے ہیں ان حضرات کو انتشار زدہ، افتراق زدہ۔ انانیت زدہ اور اختلاف کی ماری ہوئی جمعیت کے سربراہ کہہ کر یاد کیا جائے تو بے جانہ ہوگا اللہ اللہ ہمارے سروں پر قیامتیں گزر گئیں جو لوگ شریک سفر نہ تھے وہ منزل کے قریب ہو گئے جو جماعتیں شکستہ پا تھیں انہوں نے محمل کو جالیا جنہیں کوئی پوچھتا نہ تھا وہ صف اول میں آ گئے۔ جن کا ماضی میں کوئی ''حدود اربعہ'' نہ تھا وہ میدان سیاست میں گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔

ع۔تفو برتو اے چرخ گر دوں تفو!

ہماری جمعیت العلمائے پاکستان جو کبھی آسمان سیاست پر آفتاب کی تابانیوں سے بڑھ کر چمکتی تھی کئی برسوں سے کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر، بادیہ سیاست میں گم نام سفر کر رہی ہے۔ اس جماعت کے قائد محترم جب لاہور آتے ہیں ''تو گلشن میں بہار آجاتی ہے'' وہ چلے جاتے ہیں تو اس کے بعد ''چراغوں میں روشنی نہیں رہتی'' اللہ تعالیٰ قاری زوار بہادر اور اعجاز ہاشمی کو خوش رکھے ان کے دم قدم سے ہم فقیران جمعیت

العلماء پاکستان کی رونق کائنات باقی ہے ورنہ دوسرے صوبوں میں تو سب اللہ والے ہیں۔ ہمارے قائد محترم ملک سے باہر چلے جاتے ہیں تو ہمارے سنی علماء کرام اپنے حجروں سے نکل کر ہمارے کان کے نزدیک لب لاکر کہتے ہیں ''نورانی صاحب کو کہیے کہ ملک کے اندر رہا کریں وہ باہر کیوں چلے جاتے ہیں؟'' ہم ان سادہ لوح علماء کو یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں انجمن غافلان کے بے جان مردو! تم اپنے حجروں میں سو رہے ہو۔ جب نورانی صاحب آئیں گے تمہاری زندہ روحوں کو ثواب بخشیں گے'' تم لمبی چادریں تان کر سو جاؤ''

☆☆☆☆

ہمارے سنیوں کے لیے ''جمعیت العلماء پاکستان'' کے نام میں اتنی کشش اور جاذبیت ہے کہ جو گروپ اس سے علیحدہ ہوتا ہے اسی نام سے سر بلند ہوتا ہے۔ جمعیت العلماء پاکستان (نورانی) جمعیت العلماء پاکستان (نیازی) جمعیت العلماء پاکستان (مرکزی) مولانا نیازی کے ایک لخت عزیز کی ''کچیچیوں'' کے زخم خوردہ لیڈران کرام بھی جمعیت العلماء پاکستان (نفاذ شریعت) گروپ بن گئے۔ جمعیت العلماء پاکستان (طفلان گروپ) جمعیت العلماء پاکستان (زاہدان گروپ) یہ گروپ طالبان کے مقابلہ میں سامنے آیا ہے۔ اللہ اللہ!

بلا کشاں محبت چو از قفس رستند
بہ کنج خانہ صیاد آشیاں بستند

''جمعیت العلماء پاکستان'' کے نام سے یہ وابستگی علماء اہل سنت کے قلبی اتحاد کی علامت ہے اور اللہ کرے یہ علامت برقرار رہے آج سے پندرہ سال قبل بعض نوجوان سنیوں نے ''بوڑھی قیادت'' سے جان چھڑانے کیلئے ''جمعیت اہل سنت پاکستان'' کی داغ بیل ڈالی اور صرف اعتقادی راہوں پر چلنے کا اعلان کیا اس جمعیت

میں بڑے بڑے مدبر۔ مفکر، پیرزادے اور صاحبزادے جمع ہوئے۔ مگران کا اعتقادی اور دینی سفر ایسا ناکام رہا کہ ''بوڑھی قیادت'' کے سائے سے ہر قدم پر ڈرتے رہے ہر سال میں ایک بار سنی کانفرنس منعقد کرتے دھواں دار تقریریں، شعلہ باریاں آتے اور'' آتش فشاں'' پروگرام بنتے مگر چند روز گزرنے کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہتی۔ ان عزیز ان اہل سنت پر غالباً ''بوڑھی قیادت'' کا جادو تھا کہ وہ ''سنی کانفرنس'' منعقد کرنے کے بعد سال بھر اس کی روداد تک بھی شائع نہ کر پاتے۔ آج جب ہم سنیوں کی اعتقادی حالت دیکھتے ہیں اور پاکستان کے شہروں، قصبوں، دیہات کے گلی کوچوں میں بدعقیدہ لوگوں کو دندناتے پھرتے دیکھتے ہیں تو چلا اٹھتے ہیں اور اپنے راہنماؤں کو آواز دیتے ہیں۔

بلاؤ ! خدایان دیں کو بلاؤ
یہ کوچے یہ گلیاں یہ منظر دکھاؤ
خدایان تقدیس ''سنت'' کو لاؤ
خدایان تقدیس ''سنت'' کہاں ہے

☆☆☆☆☆

بیابان اہل سنت کا ایک گم گشتہ کارواں ایک نو جواں دانشور عالم دین کے قدموں کے نشانات پر رواں دواں ہے مگر یہ دانشور عالم دین اپنی تمام فکری اور علمی توانائیوں کے باوجود پاکستان کے وسیع بیابانوں میں اپنی سیاسی قوت کو آواز دے رہا ہے کبھی ''بچگانہ انتخابات'' کے اعداد و شمار جمع کر کے خوش ہو جاتا ہے تو کبھی وزارت عظمٰی کے خواب سنا کر نو جوانوں کو خوش کر لیتا ہے یہ بھی اپنے آسمان سنیت کا ٹوٹا ہوا ستارہ ہے مگر خدا معلوم کن اندھیرے راستوں میں گم ہو کر کن لوگوں کی راہنمائی کر رہا ہے۔

گزر گئی تیری مستوں کی وہ بھی تیرہ شبی
نہ کہکشاں نہ ثریا نہ خوشۂ عظمی

ہمارے سنیوں میں اللہ والوں کا ایک خوبصورت طبقہ ابھرا ہے۔ جسے حضرت مولانا محمد الیاس عطار کی راہنمائی ملی ہے یہ سبز عماموں والے نوجوان ''دعوت اسلامی'' کے نام سے اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہ حضور کی سنتوں کے فدائی ہیں یہ شب بیدار لوگ ہیں یہ درود وسلام کے نغموں سے معمور ہیں۔ یہ عبادت و ریاضت کی منازل طے کر رہے ہیں یہ سبز'' عمامہ، مسواک، چہروں پر سنت رسول کی سجاوٹ، بات بات میں ذکر مدینہ اور لفظ لفظ پر مدینہ مدینہ۔ان کے پر رونق اجتماع دیکھ کر بہار مدینہ کی رعنائیاں سامنے آجاتی ہیں انہوں نے کراچی کے مخدوش حالات سے دلبرداشتہ ہوکر ملتان کی سوئی ہوئی زمین کو اپنے سالانہ اجتماعات سے بارونق کردیا وہ ملک کے گوشے گوشے میں نوجوانوں کو قلبی اور روحانی تربیت دے رہے ہیں۔ اللہ انہیں نظر بد سے بچائے۔ اگر یہ لوگ سبز پگڑیوں۔ سبز قافلوں اور سبز جھنڈیوں سے مزین نہ ہوتے تو ہمیں ان پر ''اصحابہ صفہ'' کا وہم گزرتا کیا یہ سنیوں کی قیادت کا رخ بدلیں گے۔ یا فقط اللہ ہو، اللہ ہو! اللہ ہو، اللہ!

ہمارے سنیوں کا ایک گروپ ''اتحاد بین المسلمین'' کے اجلاس کی رونق ہوتا ہے۔ یہ سرکار دولت مدار کے افسروں کی دعوت پر اتحاد بین المسلمین کے سرکاری جلسوں میں حاضری دے کر سنیوں کی نمائندگی کا حق ادا کرتا ہے ٹیلی ویژن پر تصویر دکھانے کے لیے اچھی اچھی سیٹوں پر براجمان ہوتا ہے۔ دوسرے روز اخبارات کے صفحات پر فوٹو لگوا کر بڑی سرخیاں دکھاتا پھرتا ہے یہ ہمارے سنیوں کا وہ طبقہ ہے جس کے لیے کہا گیا تھا۔

محبوب من بہ بیں چہا حقہ باز کرد
باما شراب خورد و با زاہد نماز کرد

اگرچہ بات گراں قدر نہیں گراں بار ضرور ہے مگر ہے مبنی بر حقائق ہمارے سنی

علماء میں ایک ایسا طبقہ ہے جو نہ دین کا کام کرتا ہے نہ دنیا کا۔ دنیاوی وسائل سے وہ محروم ہے تھوڑی تنخواہ پر بڑی عسرت سے زندگی بسر کرتا ہے دینی معاملات میں وہ سست رو ہے بس سارا دن یا سولیا یا گھوم پھر لیا۔ نہ مسجد کے نہ مارکیٹ کے۔ ان میں اکثر ''انجمن غافلان'' کے اراکین ہیں۔ ان کی تعداد کام کرنے والے علماء اہل سنت سے بہت زیادہ ہے اور الحمد للہ دن بدن ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہم نے کئی ایسے علمائے کرام کو ''انجمن غافلاں'' کی رکنیت کی دعوت دی تو انہوں نے بخوشی قبول کر لی۔ ایسے علماء کی رکنیت فری ہے کوئی فیس، چندہ یا فنڈ نہیں لیا جاتا پھر یہ حضرات بھی ایسے صابرو قانع ہیں کہ انہیں پانی کا گھونٹ بھی نہ دیا جائے تو اللہ کی رضا پر قانع رہتے ہیں خفا نہیں ہوتے۔ ناراض نہیں ہوتے اور غفلت کے تمام اصولوں پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ ہمارے ایسے کئی غافلوں سے شناسائی ہے وہ ہمارے پاس آتے ہیں اپنے غافلانہ کارناموں پر روشنی ڈالتے ہیں متحرک اور کام کرنے والے علماء پر تنقید کرتے ہیں بلکہ انہیں برا بھلا بھی کہتے ہیں اور ان کے کام میں ایسی ایسی غلطیاں نکالتے ہیں کہ لطف آ جاتا ہے۔

سنیوں کے ان طبقوں کے علاوہ ''وعظ فروش علمائے کرام'' کا ایک پڑھا لکھا طبقہ پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت گویائی سے نوازا ہے وہ ساری ساری رات گرجتے اور چمکتے ہیں اور ایسے ایسے علمی نکتے بیان کرتے جاتے ہیں کہ

ع۔ جو میں بت کدہ میں کروں بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری

یہ لائق لوگ ہیں یہ قابل لوگ ہیں۔ یہ بیان وکلام کے بادشاہ ہیں۔ یہ علم و فضل سے مالا مال ہیں، ان کی خدمات قابل قدر ہیں مگر جب یہ وعظ فروشی کی مارکیٹ میں کھڑے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں فقیر اس سے کم پر تو وقت نہیں دے سکتا۔ یہ علماء کرام قادر الکلام لوگ ہیں مگر نعت خوانوں سے گھبراتے ہیں ہمارے نعت خوان ''عندلیبان

ریاض رسول'' بن بن کر جب محفلیں سجاتے ہیں پھر'' بلبلان باغ مصطفی '' بن بن کر جب نعت سناتے تو ساری رات کسی کو ہلنے نہیں دیتے۔نعت خواہ سو سال پرانی سنائیں مگر وہ جان محفل بن کر سناتے جاتے ہیں ہمارے علمائے کرام ایسی محفلوں میں پر نہیں مار سکتے نعت خواں ہیں کہ اعلیٰ حضرت کا شعر سناتے جاتے ہیں۔

کروں مدح اہل دول'' رضا'' پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

یہ شعر بار بار سناتے ہیں اور اہل دول سے ویلیں لیتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں۔

میرا دین پارۂ ناں نہیں!

اگر میرے قارئین کبھی حضرت داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دینے آئیں خصوصاً جمعرات کی نورانی رات کو تو آپ کو وہاں کئی پیران عظام کی محفلیں اور رونقیں نظر آئیں گی۔اگر آپ تماشائی بن کر کھڑے رہیں تو آپ کو بیٹھنے کو نہیں کہا جائے گا اگر آپ بیٹھ جائیں تو آپ کی روحانی تربیت شروع ہو جائے گی یہاں مختلف طبقے نظر آئیں گے مختلف سلاسل کے پیران عظام دکھائی دیں گے۔ ہر دکھ کا علاج ہوگا۔ ہر درد کی دوا ہوگی ہر مصیبت سے نجات ملے گی۔ پھر آپ کی ہر سلسلہ روحانیت کی تربیت ہوگی۔مجددی ذکر بالجہر میں مشغول ہیں، چشتی مراقبہ فرما رہے ہیں سہروردی برسر بازاری رقص کی تصویر ہیں سیفی حضرات قلب جاری کر رہے ہیں قادری ہیں وہ حق ہو حق باہو کے نعرے لگا رہے ہیں ہم نے آج کے'' اداریہ'' میں اپنوں کی باتیں بیان کی ہیں اپنوں کی یادیں تازہ کی ہیں اپنوں کے شب و روز بیان کیے ہیں اگر آپ بھی بدعقیدہ اور بے راہ رو دانشوروں، مولویوں فتوی بازوں اور گستاخان رسول اور منکران اولیاء اللہ کی مجالس دیکھ لیں تو آپ مسلسل چالیس روز تک لاحول ولاقوۃ پڑھتے رہیں گے۔

۱۱۷۵

پاکستان میں قادیانیت نبوت کے بدبودار پودے

جلد نمبر ۱۰.......... اگست، ستمبر ۲۰۰۱.......... شمارہ نمبر ۹۶

فوجی حکومت نے جب سے پاکستان کی سرزمین میں قدم بڑھائے ہیں۔ لادینی نظریات رکھنے والے طبقے اپنے پر پرزے نکالنے لگے ہیں۔ خصوصاً قادیانی نبوت کے گماشتے پاکستان کو اپنے بابا کی جاگیر جان کر اکڑنے لگے ہیں۔ پہلے ملٹری بارکوں میں دبے ہوئے قادیانی افسر اعلیٰ پوسٹوں پر آئے۔ ہر فیلڈ میں پھیلنے لگے۔ اگر کوئی اعتراض کرتا تو ڈراتے تم جانتے نہیں کہ جنرل پرویز مشرف ہمارا رشتہ دار ہے وہ صدر مملکت ہے! وہ کمانڈر انچیف ہے! وہ چیف ایگزیکٹو ہے اور چیف آف آرمی سٹاف ہے۔ اگر ہمارے سنی ملٹری جرنیل کبھی دبے دبے لفظوں میں ان قادیانیوں کے رویہ پر بات کرتے ہیں تو چیف صاحب کہتے ہیں ''چھوڑو یار یہ فرقہ بندی'' کی باتیں ہیں۔ اب ملٹری میں قادیانی افسران نے پر پرزے نکالے تو سول میں بھی قادیانی آفیسر کان جھاڑ کر اونچی کرسیوں پر آبیٹھے اور نیچے والے اہلکاروں کو آنکھیں دکھانے لگے ملٹری اور نوکر شاہی میں مرزائیوں کی چہل پہل دیکھی تو ملک کے کونے کونے میں جہاں جہاں قادیانی دبے بیٹھے تھے باہر نکل آئے۔ تقریریں کرنے لگے۔ اجتماع کرنے لگے۔ لٹریچر تقسیم کرنے لگے۔ کتابیں چھاپنے لگے۔ یہاں تک کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں مرزائیوں کے تنظیمی اجتماع ہونے لگے اور ملک بدر خلیفہ قادیان مرزا

طاہر کی لندن سے ہونے والی تقریر پاکستان کے مرزائیوں کے ڈیروں میں سنائی جانے لگی۔

ملک میں یہ صورت حال پیدا ہوئی تو علمائے کرام نے اس کا نوٹس لیا۔ احتجاج کیا، پوسٹ کیا۔ حکومت کے ایوانوں تک اپنی آواز پہنچائی۔ مساجد میں عوام کو قادیانی فتنہ کی از سر نو بیداری سے آگاہ کیا۔ جلسے کیے۔ احتجاجی ریلیاں نکالیں۔ رسالے لکھے کتابیں لکھیں مگر قادیانیت نبوت کے بدبودار پودوں نے پاکستان کی دینی فضا کو اتنا مکدر کیا کہ بچہ بچہ سوال کرنے لگا کہ اس ملک میں کیا ہو رہا ہے۔

صدر مملکت ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ وزیر داخلہ بھی مجاہدین کو ''دہشت گرد'' ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ دینی مدرسوں سے حساب کتاب مانگنے میں مصروف ہیں۔ وہ دہشت گردوں کی تلاش میں مساجد کے محراب و منبر تک جا پہنچتے ہیں۔ اور خطیبان مساجد جمعہ کی آواز لاؤڈ اسپیکر پر سنتے ہیں تو علاقے کے تھانیدار کو مسجد کے دروازے پر لا کھڑا کرتے ہیں۔ وہ رات کے دو بجے تک کیبل کے ذریعہ نوجوانوں کو عریاں ثقافت کے فروغ دینے میں تو حیا نہیں کرتے مگر جہاں سے اللہ اور اس کے رسول کے نام کی آواز آتی ہے وہاں آرڈیننس جاری کر دیتے ہیں۔

اب چیف ایگزیکٹو سے کون پوچھے کہ ''مـــا دیـــنـک'' وہ بیچارہ تو اقتدار کی مصیبت اور محبت میں گرفتار ہے اور اہل دل کہا کرتے ہیں۔

نے مریض محبت نہ شیعہ نہ سنی

یہ بات تسلیم کہ اہل اقتدار کا اور عشاق کا کوئی مذہب نہیں ہوتا مگر ساری قوم کو بدمذہبی اور قادیانیت کے خارزاروں میں دھکیل دینا بھی تو کوئی شرافت نہیں۔ یہ ملک تو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا یہاں تو اللہ کے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کے دین نے نافذ ہونا تھا۔ اور یہاں تو نظام مصطفی کے جھنڈے لہرانے تھے۔ بر صغیر کے

مسلمان تو سب کچھ لٹا کر اپنے آقا و مولا کی خاتم النبیین کے دامن کے سایہ میں آ کر بسے تھے۔ ''قادیانی تو سکھوں سے ڈر کر پاکستان میں آ گھسے تھے۔ وہ پاکستان میں ''شکل مومناں کرتوت کافراں'' بن کر آئے تھے۔ لوگوں نے کچھ عرصہ کے لیے برداشت کیا۔ مگر وہ ''ربوہ'' میں قادیانی سلطنت بنا بیٹھے۔ مسجدیں بنا لیں۔ لٹریچر شائع ہونے لگا۔ حتیٰ کہ ''جنت البقیع'' اور ''جنت المعلیٰ'' بننے لگیں۔ مرزائی عورتیں ''امہات المومنین'' کہلانے لگیں۔ بوڑھے مرزائی ''صحابی'' بن بیٹھے۔ رسول اللہ کی شان کے منکر ''خلیفۃ المسلمین'' کہلانے لگے۔

پاکستان بنا تو اقتدار کی کرسیوں پر دین مصطفیٰ سے ناآشنا اور بے دین افراد قبضہ کرتے گئے اور یہ بدبودار پودا مملکت خداداد پاکستان میں پھیلتا پھولتا رہا۔ جب مسلمانوں نے احتجاج کیا تحریک چلائی۔ اور دینی علمائے کرام نے متفق ہو کر اس فتنہ کو متفقہ رائے سے اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ تو بے دین حکومتوں نے عاشقان ختم نبوت اور جاں نثاران خاتم النبیین کو ہی ظلم وستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ اور انگریز کے خود کاشتہ بدبودار پودے کی حفاظت شروع کر دی۔

''۲۲ جولائی ۱۹۴۸ء کو خلیفہ قادیان مرزا بشیر الدین محمود نے کوئٹہ میں ایک تقریر کی ''ہم بلوچستان کے سارے صوبے کو قادیانی صوبہ بنا دیں گے'' دوسری طرف قادیانی وزیر سر ظفر اللہ خاں نے وزارت خارجہ اور وزارت دفاع میں قادیانی افسران کی نہ صرف بھرتی کی بلکہ انہیں کلیدی عہدوں پر فائز کر دیا۔ پاکستان کی ایئر فورس میں اسی فیصد قادیانی بھرتی کر لیے گئے۔ سول کے مختلف محکموں میں قادیانی افسران کلیدی عہدوں پر براجمان ہو گئے۔ ۱۹۵۲ء میں قادیانیوں کے اخبار الفضل نے مرزا بشیر الدین محمود کا یہ اعلان شائع کیا کہ اب وقت آ پہنچا ہے کہ ''ہم پاکستان کے مولویوں سے خون کا بدلہ لیں گے یہ خونی ملا ہمیں قتل کرانے آئے ہیں اب ہم ان سے بدلہ لیں گے۔''

قادیانیوں کے ان عزائم پر علمائے کرام نے متفقہ طور پر ایک پلیٹ فارم پر تحریک ختم نبوت کا آغاز کیا۔ اور قادیانیوں کے بڑھتے ہوئے منصوبوں پر احتجاج کیا۔ حکومت پر براجمان وزیروں نے تمام علماء کرام کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا۔ ہزاروں مسلمانوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا کئی علماء کو سزائے موت سنائی گئی۔ ہزاروں گھروں کے چراغ گل کر دیے گئے۔ مولانا عبد الستار خاں نیازی، مولانا خلیل احمد قادری رحمۃ اللہ علیہما کو سزائے موت سنائی گئی۔ مولانا ابو الحسنات مولانا عبد الحامد بدیوانی کی قیادت میں ہزاروں علماء اہلسنت پس دیوار زندان چلے گئے۔

قادیانیوں نے ''فتح یابی'' کے بعد ''ربوہ'' کو اپنا دار السلطنت بنا لیا۔ اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔ دوسری طرف علماء کرام نے تحریک ختم نبوت کو جاری رکھا۔ ہر میدان میں قادیانیوں کا مقابلہ کیا ہر محاذ پر ڈٹے رہے۔ ہر موقع پر صدائے احتجاج بلند کی ایک طویل جدوجہد کے بعد ۷ نومبر ۱۹۷۴ء کو قانون ساز اسمبلی نے مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں مسلمانوں کے مطالبہ پر قادیانیوں کو مرتد قرار دیا۔ اقلیت قرار دیا اور انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے کر باقاعدہ آئین میں ان الفاظ میں ترمیم کی گئی۔

۱۔ جو شخص حتمی اور غیر مشروط طور پر حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے پر ایمان نہیں رکھتا یا کسی بھی مفہوم کے انداز بیان کے تحت کسی اور شخص کو نبی مانتا ہے یا ایسے دعوی دار کو مذہبی مصلح سمجھتا ہے۔ وہ آئین اور قانون کے تحت مسلمان نہیں ہے۔

۲۔ پاکستان میں حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی نہ ماننے کے خلاف تنقید سے کا اظہار اور تبلیغ قابل تعزیر جرم ہوگا۔

۳۔ قادیانی گروپ کے افراد یا لاہوری گروپ کے افراد کے لیے جو خود کو احمدی کہتے ہیں ہندوؤں، عیسائیوں، بودھ اقلیتوں کی طرح صوبائی اسمبلیوں

میں علیحدہ نشستیں مخصوص کی جائیں گی۔

۴۔ شناختی کارڈوں اور شہریوں کی لازمی رجسٹریشن سے متعلق قانون اور انتخابی فہرستوں کے قانون میں ترمیم کی جائے، تاکہ اس میں قادیانیوں کے مسلمانوں سے علیحدہ ہونے سے متعلق ضروری اندراج کیا جاسکے۔''

آئین میں یہ ترمیم ہونے کے بعد پاکستان میں قادیانیوں نے اپنی سرگرمیوں کوسست کر دیا۔ قادیانیوں کا خلیفہ پاکستان چھوڑ کر اپنے محسن انگریزوں کی پناہ میں برطانیہ چلا گیا۔ پاکستان میں رہنے والے قادیانی محتاط ہو گئے۔ اکثر زیرزمین چلے گئے اور ہزاروں مرزائی اپنے ''آقایان ولی نعمت'' کی پناہ میں یورپ، امریکہ، اور کینیڈا میں جا بسے۔ تیس سال کے دوران نہ مرزائیوں نے خلاف آئین اقدام اٹھایا نہ کسی مسلمان نے ان سے تعرض کیا۔

موجودہ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد سارے قادیانی پر پرزے نکالنے لگے ہیں۔ جن لوگوں کو اس جماعت کے برسر اقتدار افراد سے واسطہ پڑتا ہے وہ جانتے ہیں کہ مرزائی ان سے کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ مگر پاکستان کے علمائے کرام نے ان کے بڑھتے ہوئے اقتداری حربوں کو محسوس کیا، مساجد میں محراب ومنبر میں عوام کو ان خطرات سے آگاہ کیا جو قادیانیوں کی بالادستیوں سے ابھرنے والے ہیں مسلمان اہل قلم نے اپنی تحریروں میں قادیانیوں کی بالادستیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ صحافتی میدان میں اسلام سے محبت رکھنے والے صحافیوں نے ان خطرات سے آگاہ کیا جو مستقبل میں ملت پاکستانیہ کو درپیش ہیں۔ آج حالت یہ ہو گئی ہے کہ کوئی مسجد کوئی مدرسہ یا مسلمانوں کا کوئی دینی اجتماع ایسا نہیں جہاں قادیانیوں کی بالادستیوں کا ذکر نہ ہوتا ہو۔

مشرف حکومت اتنے احتجاجات کے باوجود چپ سادھے بیٹھی ہے۔ اور اس

مسئلہ کی اہمیت کو محسوس نہیں کرتی۔ اور مرزائی حکومت کی خاموشی کو ''خالہ جی کا واڑا'' جانتے ہوئے دندناتے پھرتے ہیں اور ''اپنی نہانی رشتہ داریوں'' کی کہانیاں سنا کر لوگوں پر رعب جماتے پھر رہے ہیں اور ''پدرم سلطان بود'' کہہ کر خوش ہو رہے ہیں جنرل مشرف ابھی تک دینی راہنماؤں کو ''بے جان مولوی'' جان کر ان کی آواز پر توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ شائد ان کی انٹیلی جنس پاکستان کے مسلمانوں کے جذبات سے نا واقف ہے یا جان بوجھ کر اس مسئلہ کی اہمیت سے دور رکھ رہی ہے۔

ہم چیف ایگزیکٹو، صدر مملکت، چیف آف آرمی سٹاف بلکہ اب چیف سکاؤٹ کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ دینی معاملات کو درخور اعتنا نہ جاننا خاص کر قادیانیوں کو اپنے دامن میں کھل کھیلنے کا موقع دینا عام مسئلہ نہیں علماء کرام اگرچہ توڑ پھوڑ کی راہوں پر نہیں چلتے مگر ان کی راہیں مضبوط اور پختہ ہیں کوئی بڑی سے بڑی قوت بھی ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ آپ انہیں نہ تو پیپلز پارٹی کے لیڈروں کی صف میں رکھیں نہ نواز شریف کے وزیروں کی طرح خیال کریں کہ انہیں احتساب کی عدالتوں میں لا کر خاموش کر دیا جائے گا۔ یہ لوگ اپنے نبی کے دیوانے ہیں۔ نبی کی عزت پر جان دینے والے ہیں۔ اور ناموس رسول پر سب کچھ لٹا دینے والے ہیں۔ یہ بے سروسامانوں کا قافلہ جب روانہ ہوتا ہے تو کوئی طاقت جہادی علم کے طوفانوں کو روک نہیں سکتی، ملٹری والوں کو شاید ان فقیروں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا یہ پروانوں کی طرح شمع نبوت پر کٹ مرنے والے ہیں۔ جن توپوں اور بارود پر آج کی فوجی حکومت کو ناز ہے وہ دیوانگان عشق رسول کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

پڑا تمہیں تو کبھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کر دیں تو داغ نام نہیں!

اندریں حالات ہم فوجی حکومت کے سربراہوں کو آگاہ کر دینا چاہتے ہیں کہ وہ

قادیانیوں کی پاکستان میں بڑھتی ہوئی چیرہ دستیوں کا نوٹس لے۔ان کے فوجی افسروں کے منہ کو لگام دے،سول گورنمنٹ میں پھدکتے ہوئے قادیانی افسروں کو متنبہ کرے اور مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے والے مرزائیوں کو اپنے کپڑوں میں رہنے کی ہدایت کرے ورنہ جن کمزور مولویوں نے ساری قوم کے تعاون سے تیس سال کی جدوجہد کر کے آئینی طور پر ان قادیانیوں کو مرتد قرار دیا تھا، اقلیت قرار دیالا تھا ۔جھوٹے نبی کے دعوی نبوت پر چلنے والوں کو آئینی طور پر راہ راست پر لایا گیا تھا۔وہ پھر میدان عمل میں نکلیں گے اور ہوسکتا ہے کہ اس بار مرزائیوں کو خس وخاشاک کی طرح ملک بدر ہونا پڑے۔ہم مرزائیوں کے اکڑ اکڑ کر چلنے والے افراد کو بھی آگاہ کرتے ہیں کہ اگر ان کی دور دراز کی رشتہ داری نکل بھی آئی ہے۔یا خواہ مخواہ من کہ بڑے صاحب کا سالا ہوں'' بن بیٹھے ہیں۔تو مسلمانوں کے غیظ وغضب سے بچنے کے لیے اپنا اعتدالی راستہ اختیار کریں۔آج سے تیس سال پہلے مسلمان احتجاج کیا کرتا تھا۔اب وہ فیصلہ کرتا ہے آج سے تیس سال پہلے مسلمان مطالبہ کیا کرتا تھا اب مطالبہ منواتا ہے ایران افغانستان اور کشمیر کے میدانوں میں مطالبہ نہیں فیصلے کیے جارہے ہیں اس لیے اب قادیانی.........

دنیا کی سپر پاور کے مینار زمیں بوس ہو گئے

رسالہ پریس میں جارہا تھا کہ دنیا بھر کے ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات چیخ اٹھے کہ امریکہ کے شہر نیویارک پر حملہ ہو گیا۔اور وہاں کے 110 منزلہ ٹاور زمین بوس ہو گئے۔امریکہ کے غرور اور تکبر کے بت گر گئے۔اخباری اطلاع کے مطابق امریکہ کے اڈوں سے اڑنے والے امریکی دیوہیکل چار جہازوں پر نامعلوم دہشت گردوں نے قبضہ کیا۔اور سواریوں کو عملے کے افراد اور پائلٹوں سمیت لے اڑے اور نیویارک کے

بلند و بالا میناروں سے جاٹکرائے ۔ ایک ٹریڈ سنٹر میں پچاس ہزار لوگ کام کر رہے تھے ۔ دوسرے میں ہزاروں لوگ تجارتی مراکز چلا رہے تھے ۔ جہازوں کے ٹکرانے سے ان بلند و بالا عمارتوں کو آگ لگ گئی ۔ عمارتوں کے در و دیوار کاغذی ٹکڑے بن کر ہوا میں اڑنے لگے ۔ ہزاروں لوگ ملبے کے نیچے دب گئے ۔ آگ بجھانے والے سینکڑوں کارکن ،اور پولیس کے سیکڑوں سپاہی ملبے کی نذر ہو گئے ۔

اس حملے نے امریکہ کو ہی نہیں دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ۔ امریکہ کے تمام ہوائی اڈے بند کر دیے گئے ۔ سرکاری عمارتیں خالی کرالی گئیں ۔ جنگی جہاز فضا میں تیرنے لگے ۔ صدر سے لیکر عام امریکی تک اس قیامت خیز منظر میں کھو گئے ۔ وائٹ ہاؤس ، یونائیٹڈ نیشنز کی بلڈنگ اور دوسرے سرکاری دفاتر خالی کر دیے گئے دنیا بھر سے جانے والی ہوائی پروازیں بند کر دی گئیں ۔ دنیا بھر کے امریکی سفارت خانے بند کر دیئے گئے ۔

امریکہ جسے اپنی سیکورٹی پر بڑا ناز تھا ۔ اپنی جاسوسی حرکات پر بڑا فخر تھا ۔ اپنے جاسوسی کتوں پر بڑا غرور تھا ۔ ہکا بکا رہ گیا ۔ صدر بش بدحواش ہو کر اپنی قوم کو سہارا دینے لگا مگر نہ تو وہ اپنے دارالسلطنت نیویارک میں آنے کی جرأت کر سکا ۔ نہ اپنے گھر اور دفاتر میں قیام کر سکا ۔ کہ موت کے فرشتے اس کی جان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ۔

صدر بش نے اعلان کیا کہ یہ کام امریکہ کے دشمن نمبر ا عرب نژاد اسامہ بن لادن نے کیا ہے افغانستان کے خشک پہاڑوں کی غاروں میں چھپا ہوا ہے ، اس کے مجاہدوں نے دو ہفتے پہلے دھمکی دی تھی کہ ہم امریکہ پر حملہ کریں گے ۔ پھر وہ افغانستان کی حکومت کو بھی ذمہ دار ٹھہراتا ہے اور اس طرح پاکستان کے مجاہدین پر بھی نظر رکھتا ہے ۔

ابھی اس واقعہ کی تفصیلات نہیں آئیں ۔ مگر امریکہ پر جو قیامت ٹوٹی ہے اس نے سپر پاور کی تمام سائنسی برتریوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیا ۔ خلائی سفر کرنے والے اپنے گھر کی حفاظت نہ کر سکے ۔ روائتی طور پر دنیا بھر کے ممالک نے اظہار غم کیا ہے اور

اس واقعہ کو ''دہشت گردی'' کا ہولناک واقعہ قرار دیا ہے۔ اور اسے دنیا کی تاریخ میں ایک مثالی حادثہ کہا ہے صرف فلسطینی مجاہدین نے جہاں امریکہ کے ایجنٹ اسرائیل نے تباہی مچا رکھی ہے برملا خوشی کا اظہار کیا ہے اور لوگوں میں مٹھائی بانٹی کہ آج ان کے سفاک دشمن کو اللہ نے سزا دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر کائنات ارضی پر ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سرکش قوموں اور ظالم افراد پر جب اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تو انہیں نیست و نابود کر دیتا ہے ہم طالب علمی کے زمانہ میں شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے پند نامہ سے یہ اشعار یاد کیا کرتے تھے۔

آں خداوندے کہ ہنگام سحر
کرد قوم لوط را زیر و زبر
سوئے آں خصمے کہ تیر انداختہ
پشہ کارش کفایت ساختہ
آنکہ اعداء را بدریا در کشید
ناقہ را از سنگ خار آفرید

مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

جلد نمبر ۱۰ نومبر، دسمبر ۲۰۰۱ شمارہ نمبر ۹۷

۱۱ ستمبر دنیا کی واحد سپر پاور کے بت زمین بوس ہوئے۔ تو دنیا بھر میں قیامت برپا ہوئی۔ امریکہ ہل گیا۔ اس نے ساری دنیا کو ہلا دیا امریکہ کے صدر نے کائنات ارضی پر بسنے والے تمام ممالک کے سربراہوں کو پکارا ''امریکہ دہشت گردی کا نشانہ بنا ہے سب کے سب دہشت گردی کے خلاف میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ مجھے افغانستان کے خشک پہاڑوں کی غاروں میں چھپے ہوئے ایک عرب بڈھا اسامہ بن لادن نے تباہ کر دیا ہے۔''

یہ اعلان سنتے ہی دنیا بھر کے دہشت زدہ سربراہان مملکت غلاموں کی طرح دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد جارج بش کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے۔ اس کی للکار کا یہ عالم تھا کہ کافر تو کافر مسلمان حکمران بھی تمام کے تمام غلامانہ ادب بجا لاتے ہوئے اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ وہ چلا چلا کر واویلا کر رہا تھا۔ مجھے اسامہ بن لادن نے مارا ہے! مجھے اسامہ نے تباہ کر دیا ہے!! مجھے اسامہ سے خطرہ ہے۔ مجھے اسامہ سے بچاؤ اور سارے مل کر اسے افغانستان کے پہاڑوں کی غاروں میں دفن کر دو۔ مجھے زندہ لا کر دو یا مردہ لا کر دو۔ میں تمہیں انعامات سے مالا مال کر دوں گا۔ امداد دوں گا۔ رعائتیں دوں گا قرضے معاف کر دوں گا!

اللہ اللہ! فضاؤں اور خلاؤں پر قبضہ کرنے والا اپنے گھر کو نہ بچا سکا۔ اس کے جاسوسی کیمرے اس کے اڑتے ہوئے طیارے۔ اس کے زمین کی تہوں تک سونگھنے والے کتے، اس کے خلاؤں اور فضاؤں میں اڑنے والے سیارچے، بت کدوں کو نہ بچا سکے جن پر اسے بڑا غرور تھا۔ ناز تھا، تکبر تھا۔ عرب کا ایک درویش جو سابقہ بیس سالوں میں افغانستان کے پہاڑوں میں بے سروسامانی کے عالم میں زندگی گزار رہا ہے وقت کے فرعون کے سپر پاور کے خلاف ''اژدھائے موسوی'' بن کر ابھرا اور غاروں میں بیٹھے بیٹھے وہ کام کر گیا۔ جس سے دنیائے کفر کی چیخیں نکل گئیں۔ عصر حاضر کا فرعون چلایا۔ ''اس نے دنیا کے اعلیٰ حکمرانوں'' کو مدد کے لیے پکارا (حشر فنادی) اور اعلان کیا ''انا ربکم الاعلی'' میں سپر پاور کا مالک ہوں۔ سب نے بیک زبان ہو کر سر جھکا دیے اور حمایت کا اعلان کر دیا۔ بعض نے امداد کا اعلان کیا، بعض نے اپنے ہوائی اڈے دے دیے اور اس طرح وقت حاضر کا فرعون ایک ضعیف، فاقہ کش اور بے سروسامان قوم پر ٹوٹ پڑا اور خستہ حال پر آگ برسانے لگا۔ ساری دنیا نے حیرت سے دیکھا کہ سپر پاور کے سپر بمبار دن رات افغانستان پر بمباری کرتے رہے۔ راکٹ برساتے رہے۔ بستیوں کی بستیوں پر آگ برساتے رہے۔ شہروں کے شہر برباد کرتے رہے۔ ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو موت کی وادی میں دھکیلتے رہے۔ بچے خاک وخون میں نہاتے رہے اور ضعیف لوگ موت کی نیند سوتے رہے۔ گھروں کے گھر خالی ہو گئے۔ خاندانوں کے خاندان مقتل میں جام شہادت نوش کرتے رہے ، ساری دنیا تماشا دیکھتی رہی۔ دنیا بھر کے حکمران دم ہلاتے رہے۔ آفرین ہے افغانستان کے مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی پر کہ کسی ایک نے بھی سر نہیں جھکایا۔ کسی ایک نے معذرت نہیں کی۔ کسی ایک نے ''فرعون'' کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ اپنی ایمانی قوت سے تن تنہا کھڑے ہیں اور ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا ہے۔

اسلامی تاریخ میں سچے مسلمانوں نے مر جانا۔ شہید ہونا، سر کٹانا، گھربار لٹا دینا، دل کے ٹکڑوں اور عزیز رشتہ داروں کو خاک وخون میں تڑپتے دیکھنا (خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را) آتش نمرود میں بے خطر کود پڑنا تو سیکھا ہے مگر سر جھکا دینا، سرنگوں ہونا، مصلحت وقت کے سامنے جھک جانا نہیں سیکھا۔ آج افغانستان کے اہل ایمان "میدان کربلا" میں کھڑے ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمان بھی ان کے ساتھ ہیں وہ اپنے حکمرانوں کے رویوں پر سراپا احتجاج ہیں اور اپنے بزدل حکمرانوں پر ہر روز اظہار نفرت کرتے ہیں۔ وہ امریکہ کے ظلم وستم کی مذمت کرتے ہیں اور ان کے ظلم کے طوفانوں کے خلاف احتجاج کرتے ہیں صرف احتجاج ہی نہیں دنیا بھر کے مسلمان سراپا احتجاج بن کر اپنے حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ جعفر وصادق کے جانشین حکمران اپنے عوام کے مظاہروں کے خلاف اپنی اپنی فوجی عسکری اور پولیس کی قوت استعمال کر رہے ہیں اگر ان دہشت زدہ ملکوں کے عوام احتجاج نہ کرتے تو ان بزدل حکمرانوں سے یہ بعید نہ تھا کہ اپنی فوجیں، اپنی پولیس، اپنے آقا کی خدمت میں پیش کر دیتے اور سر جھکا کر کہتے ہمارے آقا! آپ امریکہ میں ہی بیٹھیں ہم افغانیوں کو ختم کر دیں گے۔

چہ حاجت تیغ شاہی را بخون ہر کس آلودن
تو بہ نشیں و تماشا کن بہ چشم یا بہ ابروئے

افغانستان کے اہل ایمان اپنی بے پناہ قربانیوں پر مبارک کے مستحق ہیں ہی مگر ہم ان مجاہدان بت شکن کی جرأت کو سلام کرتے ہیں جنہوں نے خود مدت کی وادی میں چھلانگیں لگا کر سپر پاور کو سرنگوں کر دیا۔ بش کا غرور خاک میں ملا دیا۔ ایک ظالم اور سرکش قوم کی کمر توڑ دی۔ یہ خاک نشینوں کے تربیت یافتہ نوجوان تھے یہ غاروں میں رہنے والے اسامہ بن لادن کے شاگرد تھے۔ یہ "القاعدہ" کے رضاکار تھے۔ یہ سب

ممالک کے جانباز تھے۔ یہ عصر حاضر کے نشان اسلام تھے۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

ہمارے ملک میں بزدلوں کی کمی نہیں۔ ہمارے ہاں بددل مسلمانوں کی کمی نہیں۔ ہمارے ہاں دہشت گردوں کی کمی نہیں تاریخ کا یہ عظیم کارنامہ جو مجاہدان اسلام نے سرانجام دیا ہے۔ بازاروں میں بیٹھے بیٹھے اسے یہودیوں کے پلے باندھتے رہتے ہیں اور اس یلغار میں چار ہزار یہودیوں کے بچ جانے کا افسانہ سن کر سارا کریڈٹ یہودیوں کو دیتے ہیں۔ یہ لوگ چار ہزار یہودیوں کی غیر حاضری پر اتنا بڑا معرکہ یہودیوں کی بہادری قرار دیتے نہیں شرماتے اور اس مقام پر پچاس ہزار یہودی۔ عیسائی۔ ہندو اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کے واصل جہنم ہونے کو شمار و قطار میں نہیں لاتے۔ یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے کہ کمزور آدمی کوئی اچھا کام کرے بھی تو اسے بڑے لوگوں کے پلے باندھ دیتے ہیں۔

یہ تو ایک ضمنی بات تھی ہم عالم اسلام کے ان بزدل اور دہشت زدہ حکمرانوں کے موجودہ کردار کی مذمت کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جنہوں نے امریکہ کے ظلم و ستم کا ساتھ دیا ہے۔ وہ اپنے اس بزدلانہ فیصلوں کو حکمت عملی، ہوش اور ''ملک بچاؤ'' کا نام دے رہے ہیں۔ صدیوں کی غلامی نے انہیں جہاد کے عمل سے ناآشنا کر دیا ہے مشکلات کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں۔ عیش و آرام کے خوگر ہو گئے ہیں۔ زر اندوزی کو زندگی کا مقصد بنا لیا ہے۔ وہ جہاد کا نام سن کر کانپ جاتے ہیں وہ جرات ایمانی کے تصور سے ڈر جاتے ہیں۔ وہ آرام و آسائش چھوڑ کر میدان جہاد کی طرف قدم اٹھاتے لرز جاتے ہیں۔ وہ سالہا سال سے عیش و عشرت کے خوگر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کبھی غازیوں کی للکار سنی ہی نہیں۔

اے رہین خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب کہ صحراؤں میں آواز رحیل

دوسرے ممالک سے پرجوش مظاہرین کے ساتھ پاکستان کے ان علمائے کرام کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ جو مسجدوں سے نکل کر ''امریکہ کا جو یار ہے غدار ہے غدار ہے!'' کے نعرے بلند کرتے ہیں، ہم ان دینی طلباء کو مبارک باد کہتے ہیں جو احتجاجی مظاہروں میں بڑھ چڑھ کر ظلم کی علامت بش کے پتلے جلاتے ہیں۔ ہم ان عوام کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو افغانستان پر آگ برسانے والوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ ہم سرحد کے ان غیور مجاہدین کو سلام کرتے ہیں جو اپنے مظلوم افغانی مسلمانوں کی حمایت میں سرحد عبور کرنے سے نہیں رکتے ہم پاکستان کے ان مخیر حضرات کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے جو افغان مہاجرین کیلئے امدادی سامان کے بھرے ہوئے قافلے بھیجتے ہیں۔ ہم ان نوجوان ڈاکٹروں کو ہدیہ تحسین پیش کرتے ہیں جو چھپ چھپا کر افغانستان میں آگ کی وادیوں میں پہنچ کر آتے جاتے اور وہاں کے زخموں سے لت پت فرزندان توحید کے علاج میں مصروف رہتے ہیں۔ ہم دنیا کے ان لاکھوں دردمند مسلمانوں کو بھی ہدیہ تحسین پیش کرتے ہیں جو افغانستان کے مظلوم مسلمانوں کے لیے اپنی دعاؤں میں ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ آج افغانستان تباہ ہو چکا ہے۔ برباد ہو چکا ہے۔ ہزاروں جانیں قربان ہو چکی ہیں۔ انسانیت، انسانیت کے رکھوالوں کے ہاتھوں لٹ چکی ہے۔ مگر امریکہ کے فرعون کی بادشاہی میں کوئی نہیں جو آج ان مظلوم انسانوں کو پناہ دے سکے۔

افغانستان کی تباہی و بربادی کے بعد مستقبل میں مسلمانوں کے کئی ملک ظلم و ستم کے طوفانوں کی زد میں آنے والے ہیں۔ ایک ایک کر کے انہیں ''دہشت گرد'' قرار دیا جانے والا ہے۔ ایک ایک کر کے ان پر جھوٹے الزامات لگائے جائیں گے اور حملے ہوں

گے۔ ہر ملک افغانستان نہیں جو ظلم کے سامنے سر نہ جھکائے ہر ملک کا سربراہ ملا عمر نہیں جو مہینہ بھر آگ اور خون کی بارش میں کھڑا رہے۔ ہر ملک کا مشیر اسامہ بن لادن نہیں جو پہاڑوں کی غاروں میں بیٹھ کر امریکہ میں تہلکہ برپا کر دے تادم تحریر ہمارے نہ تو کسی حکمران نے اپنے آقا سے وفاداری بدلی نہ افغانستان نے طوفانوں کے سامنے سر جھکایا اتنی طویل بمباری کے باوجود افغانستان کی سرزمین کے ایک ضلع پر بھی قبضہ نہیں کر سکے۔ اپنے جنگجو فوجی نہ اتار سکے۔ اس ملک کے غداروں کو تلاش نہ کر سکے حتیٰ کہ ان بھوکے اور پیاسوں میں پھوٹ بھی نہ ڈال سکے۔ امریکہ کے ایک تجزیہ نگار صحافی نے لکھا تھا کہ افغانستان کے طالبان ''انسان نہیں دیو ہیں'' جو غاروں میں رہتے ہیں اور بم برستے دیکھ کر قہقہے لگاتے ہیں۔ سپر پاور بھی کیا یاد کرے گی کہ کن درویشوں سے پالا پڑا ہے جو ہمارے میزائلوں اور جہاز کو سکریپ سمجھتے ہیں۔

افغانستان کے مسلمانوں کو سلام!

جلد نمبر ۱۰...... جنوری ۲۰۰۲ء...... شمارہ نمبر ۹۸

سابقہ سال، عالم اسلام پر بڑا گراں گزرا اس کے شب وروز بڑے قہرمان تھے ۔ خطہ ارضی پر اکثر اسلامی ممالک کو اقتصادی اور معاشی بدحالی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان ممالک کے عوام نے جہاں کہیں بھی اپنی ترقی اور تحفظ کے لیے سر اٹھایا وہاں ہی انہیں مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ دنیائے کفر متفقہ طور پر ان ممالک کی معاشی ناکہ بندی کر کے ان کی صلاحیتوں کو محدود کرتی رہی پھر جن خطوں میں مسلمان عوام نے آزادی یا خودمختاری کی آواز بلند کی وہاں زیادہ سختی سے انہیں دبانے کی تدابیر کی گئیں۔ فلسطین، چیچنیا، کشمیر اور افغانستان کے مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے کر جبر وتشدد کو روا رکھا گیا سابقہ سال کے آخری مہینوں میں دنیا کی سپر پاور امریکہ نے سارے افغانستان کو دہشت گرد قرار دے کر اپنے پورے لاؤ لشکر سمیت حملہ کر دیا اور اپنے بمبار جنگی جہازوں کو افغانستان کے کوہ ودمن کو خاک وخوں میں نہلا دینے کا حکم دے دیا۔ اس سرزمین کے عوام کو اس الزام میں ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا ان کے ہاں ایک عرب اسامہ بن لادن ٹھہرا ہوا تھا اس پر الزام تھا کہ اس کی ایک نگاہ نے الاتمبر کو امریکہ کے نخوت و پندار کے ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون جیسے بتوں کو سرنگوں کر دیا تھا۔ امریکہ کانپ اٹھا۔ لرز گیا۔ چلا اٹھا۔ ہائے لوگو! افغانستان کے خشک پہاڑوں کی غاروں میں بیٹھے ہوئے

اسامہ نے میرا گھر اجاڑ دیا ہے وہ دہشت گرد ہے۔ وہ ٹیررسٹ ہے۔ بش زخم خوردہ اژدھا کی طرح پھنکارا۔ تلملایا، چیخا، چلایا، اس کی دہشت زدہ آواز نے ساری دنیا کو ہلا دیا۔ وہ دنیا بھر کو اپنے زخم دکھاتا گیا اپنی مظلومی کی داستان سناتا گیا۔ اپنے خون بہا کا مطالبہ کرتا گیا۔ مجھے اسامہ چاہیے، مجھے اسامہ لا دو! مجھے اسامہ نے مارا ہے۔ مجھے اسامہ نے تباہ کر دیا ہے!!!۔

اسامہ افغانستان کے غیرت مند مسلمانوں کا مہمان تھا۔ وہ ولی اللہ تو نہیں تھا مگر اس کے ''نعرۂ ہُو کی غیبی آواز'' نے امریکہ کے بت کدوں کو سرنگوں کر دیا تھا وہ صاحب کرامت بزرگ تو نہیں تھا کہ اس کی ایک پھونک سے قیصر و کسریٰ کے محلات گر جائیں وہ مرد قلندر بھی نہیں تھا کہ جس کے نفس گرم سے تسخیر آب و گل کا عمل سامنا آ جاتا ہے وہ تو یمنی خانوادے کا ایک عرب نژاد نوجوان تھا (یعنی سنی علماء کے نزدیک وہ مدینے کا وہابی تھا) وہ اربوں روپے دنیا کے مظلوم اور غریب مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر صرف کر چکا تھا۔ وہ افغانستان کے خشک پہاڑوں کی غاروں میں زمیں پر سویا کرتا تھا۔ وہ ایک غیرت مند قوم کا مہمان عزیز تھا۔ وہ ایک بہادر قوم کی پناہ میں تھا۔ مگر دنیا کی سپر پاور نے شور مچا دیا کہ مجھے اسامہ نے مارا ہے دنیا والو! میرے زخم دیکھو! میرا گھر دیکھو! میرے مینار دیکھو، میرے محلات دیکھو وہ ان کو تہس نہس کر گیا ہے! وہ دہشت گرد ہے وہ ٹیررسٹ ہے! امریکہ اپنے زخم دکھاتا گیا۔ دنیا کے حکمرانوں کو ساتھ ملاتا گیا۔ دنیائے کفر تو اس کی تھی ہی دنیائے اسلام کے بزدل حکمران بھی اس کے واویلا سے متاثر ہوئے۔ اور افغانستان پر حملے کے خاموش تماشائی بنے رہے۔

ادھر افغان قوم بے سروسامانی کے باوجود سپر پاور کے سامنے سرنگوں نہ ہوئی۔ اس کے انعام و اکرام کی بارشوں کے بدلے اپنے مہمان عزیز کو ان کے حوالے کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ اس نے کسی قیمت پر اپنے اسامہ کو فروخت نہ کیا۔ لوگ تو پیسے کی خاطر

قومیں بیچ دیتے ہیں مگر افغانیوں نے اپنا مہمان نہ بیچا۔ امریکہ نے اسے ڈرایا، دھمکایا، دبایا اور للکارا، مگر وہ نہ جھکے، انہیں برطانیہ کے وزیراعظم ٹونی بلیئر نے ڈرایا، مگر وہ ثابت قدم رہے انہیں اپنوں نے سمجھایا، مگر وہ نہ مانے، وہ دنیا کی ظالم سپر پاور کے ظالمانہ کارناموں کا حشر عراق میں دیکھ چکے تھے۔ لیبیا میں دیکھ چکے تھے۔ سوڈان میں دیکھ چکے تھے۔ فلسطین میں دیکھ چکے تھے مگر اس کے باوجود وہ سرنگوں نہ ہوئے۔

ع۔ کہ کٹ سکتا ہے سر خوددار کا پر جھک نہیں سکتا

امریکہ نے ان بے سروسامانوں پر آگ کی بارش برسادی۔ دنیا دیکھتی رہی یہ قوم خاک وخون میں تڑپتی رہی۔ دنیا کے امن پسند دیکھتے رہے اس باغیرت قوم کے بچے بوڑھے مرد عورت خاک وخون میں نہاتے رہے۔ مگر سرنگوں نہ ہوئے۔ ان کے پائے استقامت میں لرزش نہ آئی۔ ان کے ہم مذہب حکمرانوں نے جعفر وصادق کا رول ادا کیا۔ اس دہشت گرد سفاک کو اپنے فوجی اڈے دیے۔ راہیں دیں۔ سڑکیں دیں۔ امداد دی اور یونائیٹڈ نیشن میں ان تمام ظالمانہ کارناموں کی حمایت کی۔ عرب و عجم کے تمام مسلمان حکمران جارج بش کے ساتھ رہے اس کے ظلم وستم کی تعریف کرتے رہے۔ اپنے بھائیوں کو خاک وخون میں تڑپتا دیکھ کر اپنی "حکمت عملی" "امن پسندی" اور "عالمی برادری میں شمولیت" کی تعریفیں کرتے رہے۔ انگریزوں نے جعفروں صادقوں کو غداری کے صلہ میں جاگیریں دی تھیں۔ امریکہ نے اس زمانہ کے جعفروں صادقوں کو ڈالر دیے۔ قرضے معاف کیے۔ انعامات دیے، ایوارڈ دیے۔ آج جعفر وصادق کا نام لینے والا کوئی نہیں آج کی دنیا کے جعفروں صادقوں کے نام کس تاریخ میں لکھے جائیں گے؟ آج افغانستان کے مسلمان مٹ گئے ہیں افغانستان کے شہر قصبے، حجرے، گاؤں، سکول، مسجدیں، ہسپتال ملبے کے ڈھیر بن چکے ہیں دشمن کے جہاز افغانستان کی فضا کو خوں آشام بنا رہے ہیں۔ لاکھوں فرزندان توحید جام

شہادت نوش کر چکے ہیں بے گوروکفن لاشے دنیائے اسلام کو آواز دے رہے ہیں۔ کٹے پھٹے جسم دنیا کے مسلمانوں کی غیرت کو جھنجھوڑ رہے ہیں۔ وہ وقت کے جعفروں اور صادقوں کو ان کا حشر یاد دلا رہے ہیں وہ برملا کہہ رہے ہیں۔

بلاؤ خدایان زر کو بلاؤ!
یہ کوچے یہ گلیاں یہ منظر دکھاؤ!
خدایان امن و اماں کو بلاؤ
یہ لاشے یہ خون شہیداں دکھاؤ
خدایان امن و اماں اب کہاں ہیں ؟

آج پاکستان کے زر پرست اپنے پرُتعیش اور پرُ امن محلات میں بیٹھ کر افغانستان کے مسلمانوں کو ضدی، ہٹ دھرم اور بے وقوف کہتے ہوئے نہیں شرماتے۔ کل اسی ضدی، ہٹ دھرم اور بے وقوف قوم نے روس کی ریڈ آرمی کے طوفانوں کو پاکستان کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر للکارا تھا۔ حالانکہ پاکستان کے غدار اور نیشنلسٹ راہنما اور ان کی جماعتیں جھنڈے اٹھائے روس کے ٹینکوں کے استقبال کی تیاریاں کر رہی تھیں اور روسیوں کی پشاور، اسلام آباد اور کراچی تک یلغار کے لیے سڑکیں ہموار کر رہی تھیں۔ افغانستان کی ضدی، ہٹ دھرم اور بے وقوف قوم نے اس وقت کی سپر پاور کو للکارا تھا اور اعلان کیا تھا کہ جو قدم پاکستان کی طرف بڑھیں گے ہم انہیں افغانستان کی وادیوں میں کاٹ کر رکھ دیں گے۔ اس باغیرت قوم نے پشاور اسلام آباد اور سندھ کے میدانوں میں لڑی جانے والی جنگ اپنے گھروں میں لڑی۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جنرل ضیاء الحق مرحوم اور ان کے دست راست جنرل عبد الرحمان نے افغانستان کے مسلمانوں کی امداد کی۔ پاکستان کے دردمند مسلمانوں نے بھی افغانستان کے لیے ہوئے شہریوں کی امداد کی۔ پھر امریکہ بہادر

بھی اس وقت آگے آیا تاکہ اس کا حریف سنٹرل ایشیا کے بعد ایشیا کے سارے خطے پر نہ چھا جائے اس وقت اس کا کردار اور تھا پھر بھی وہ ایک جہاز، ایک بمبار ایک لڑاکا جیپ سامنے نہ لایا کہیں روس کا ریچھ اس کے ٹینٹوے نہ دبا دے۔ آج وہی امریکہ ان مجاہدوں، ان نہتے افغانوں ان بے سروسامان غریبوں اور ان تباہ شدہ کھنڈرات پر بم برسا کر دنیا کا ہیرو بنا ہوا ہے۔ آج پاکستان کے شہ نشینوں کو یاد نہیں رہا کہ ہماری جنگ افغانستان کے مسلمانوں نے اپنی وادیوں میں لڑی تھی اپنے پہاڑوں میں لڑی تھی۔ اپنے مکانوں میں لڑی تھی، صرف گھر بار اور قصبے ہی برباد نہیں کرائے تھے دس لاکھ نوجوانوں کی جانوں کے نذرانے بھی پیش کیے تھے۔ اور ایک سپر پاور کو شکست سے دو چار کر کے پاکستان کو محفوظ کیا تھا۔ پاکستان کو بچایا تھا۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے پاکستان کے زر پرست لوگ شاید پہلو تہی کریں مگر ہمیں یہ اندازہ ہے کہ ہمارے محترم جنرل پرویز مشرف صاحب کسی نہ کسی لباس میں وادی پنج شیر تک گئے ہوں گے۔ وہ مجاہد نہیں غازی ہیں۔ لڑاکے فوجی ہیں۔ اور اب ایک بہادر مسلمان فوج کے کمانڈر ہیں لڑنے کے لیے نہیں تو کم از کم جنرل عبد الرحمان مرحوم کے سپاہی کی حیثیت سے افغانی مسلمان نوجوانوں کے لاشے تو دیکھنے گئے ہوں گے پاکستان کے جنگ لڑنے والے ان افغانیوں کی لاشیں تو انہوں نے دیکھی ہوں گی۔ بریگیڈیئر محمد یوسف کے ساتھ قندھار تک تو گئے ہوں گے۔ جنرل حمید گل کی جیپ کے ساتھ ساتھ ان ضدی، ہٹ دھرم اور بے وقوف افغانوں کے گھر اور ان کی لاشیں تو دیکھی ہوں گی وہ تو اس قوم کی شہادت کے عینی شاہد ہیں۔ وہ تو ان مجاہدوں کے ساتھی تھے آج پاکستان کے زر پرست سرمایہ دار اپنی لوٹ کھسوٹ کے نشے میں افغانستان کے مسلمانوں کی قربانیوں کو بھول جائیں مگر جنرل پرویز مشرف صاحب تو ان وادیوں کو خود دیکھ آئے ہوں گے۔ ''جہاں خاک میں تھمتے ہوئے،

خون میں نہلائے ہوئے۔'' لاشے پاکستان کے تحفظ کے لیے پڑے تھے۔

پاکستان بنا لاکھوں مسلمانوں نے اپنے گھر بار چھوڑ دیے تھے لوگوں نے قافلوں کے قافلے لٹتے دیکھے۔ ہزاروں بے گور و کفن لاشے مشرقی پنجاب کے میدانوں میں پڑے رہے وہاں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی لاشوں کو آج کے کئی لوگوں نے اپنی آنکھوں دیکھا ہوگا۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ان شہیدوں کے رنگین خون نے پاکستان کی بنیاد کو مضبوط کیا تھا۔ آج ہم آرام و آسائش کے محلوں میں ان شہیدوں کے خون کے مرہون احساس ہیں۔ آج ہمارا پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔ آج دنیا میں پاکستان ایک ایٹمی قوت ہے۔ آج ہمارا پاکستان دنیائے اسلام کا سہارا ہے تو اس کا کریڈٹ ان شہداء کو ضرور جائے گا جن کا خون پاکستان کی بنیادوں میں ہے آج اگر کوئی زر پرست یہ کہہ کر کہ وہ بے وقوف تھے اور ہم ان کو بھول جائیں گے۔ جو پاکستان کے لیے خاک و خون میں نہائے تھے کیا یہ سارے دہشت گرد تھے آج پاکستان کا انعام یافتہ طبقہ گھروں میں بیٹھے افغانیوں کو ہٹ دھرم کہہ کر خوش ہوتا ہے لیکن وہ کل کی اس حقیقت کو فراموش نہیں کر سکتا کہ پاکستان کی جنگ افغانستان کی وادیوں میں لڑی گئی تھی۔ یہ معمولی جنگ نہیں تھی ان لوگوں نے دس لاکھ جانوں کا نذرانہ دیا تھا۔ آج ہم اپنی خدمات کے صلہ میں اربوں ڈالر حاصل کر رہے ہیں چند روز بعد میں آنے والی امداد کی بندر بانٹ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں ہمیں اس بات کا احساس ہونا چاہیے۔

ع۔ کہ اس انعام میں شامل رہے خون شہیداں بھی!

آؤ آج ہم جشن منائیں کہ افغانستان تباہ ہوگیا آؤ! ہم خوشیاں منائیں کہ افغانستان کے باغیرت مسلمان صفحۂ ہستی سے مٹ گئے ہیں! آؤ ہم چراغاں کریں کہ امریکہ اور برطانیہ کے فوجیوں کے ناپاک قدم ایک غیرت مند قوم کی زمین کو پامال کر

رہے ہیں (آؤ ہم بے کارسی مولوی ختم پڑھائیں کہ دیو بندی طالبان مارے گئے ہیں) آؤ ہم اپنے آقا جارج بش کا شکریہ ادا کریں کہ اس نے اپنی ساری سپر پاور استعمال کر کے افغانستان کے لاکھوں مسلمانوں کو تباہ کر دیا ہے۔ آؤ ہم امریکہ کی ناکامی پر آنسو بہائیں کہ اس کے جاسوس طیارے دو درویشوں کو ابھی تک نہیں پکڑ سکے جن کے لیے انہوں نے ہزاروں جانیں تباہ کر دیں۔

اللہ کی شان آج ہندوستان کے لالے بھی ہمارے لیے جارج بش بن بیٹھے ہیں غالباً انہیں یہ غلط فہمی ہے کہ پاکستان کے حکمران آزادی کے لیے لڑنے والوں کو دوسروں کے حوالے کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے۔ ان سے جو مانگیں گے وہ دے دیں گے۔ اللہ اللہ آج یہ لوگ بھی مسلمانوں کی غیرت کو للکار رہے ہیں جو مسلمانوں کو دیکھ کر لرز جایا کرتے تھے۔

ع۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

پاکستان کے دہشت زدہ حکمران

جلد نمبر ۱۰.......... فروری ۲۰۰۲................ شمارہ نمبر ۹۹

وَاَنْتُمُ الاَ عْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ...... وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُسْلِمِیْنَ

آج دنیا کی ساری طاغوتی قوتیں عالم اسلام پرحملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہی ہیں ۔ عالم اسلام کی ساری مسلمان حکومتیں دہشت زدہ ہوکر کانپ رہی ہیں ۔ اکیسویں صدی کی واحد سپر پاور اپنا حکم نامہ جاری کر دیتی ہے تو اقوام عالم کو سر جھکانا پڑتا ہے۔اسی ظالمانہ حکم نامہ کے بعد افغانستان کو تہس نہس کر دیا گیا۔اس ملک کے لوگوں کا قصور یہ تھا کہ سپر پاور کے حکم نامہ کے سامنے جھکنے پر آمادہ نہ ہوئے ۔افغانستان کے گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہ گئیں ۔ بے گور وکفن لاشے خاک وخون میں تڑپتے رہے۔ مگر ساری دنیا ''ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم'' کی تصویر بنی رہی۔افغانستان کے بعد عراق ،ایران اور فلپائن کو دہشت گرد بنا کر حملوں کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔

پاکستان دنیا کے ''دہشت زدہ'' ملکوں میں ایک ہے۔ایٹمی قوت ہونے کے باوجود اسے ''حکم کا پتہ'' اور ''بادشاہ کا گولا'' بنا دیا گیا ہے۔چونکہ اس ملک کے حکمرانوں نے افغانستان کی تباہی میں ''وفاداری بشرط استواری'' کا عملی ثبوت دیا تھا۔اب اسے حکم دیا جارہا ہے کہ پاکستان کی سرزمین میں دینی مدارس پر پابندیاں لگائی جائیں اور جو پھر بھی زندہ رہیں ان کا حساب لیا جائے ۔ مذہبی درس گاہوں پر اپنے کمپیوٹروں کی روشنی میں ماڈرن استاد لگائے جائیں ۔ مسجدوں کو رجسٹر کرایا جائے ۔خطیبوں کی آواز

بند کر دی جائے۔ وعظ و نصیحت کو نوٹیفائیڈ کیا جائے۔ جمعہ کے خطبوں کو سرکاری افسر تیار کریں۔ جہاد و قتال کے موضوعات پر گفتگو نہ کی جائے۔ یہ فرمان آتے ہی ''سلطنت خداداد پاکستان'' کے حکمرانوں نے اپنے آقا کو خوش کرنے کے لیے اپنی پولیس کو علماء کے پیچھے لگا دیا۔ اگر پولیس مولویوں سے نرمی کرے تو رینجرز کی خدمات حاصل کی جائیں۔ اگر ان سے قابو نہ آئیں تو فوج کے وہ افسر جو بارڈروں پر بیٹھے بیٹھے تھک گئے ہیں۔ ان کی خدمت میں ان ''سرکش مولویوں'' کے نام بھیجے جائیں۔

پاکستان کے یہ حالات اگرچہ علمائے کرام اور دینی ذہن رکھنے والے پاکستانیوں کے لیے تشویش ناک ہیں۔ پریشان کن ہیں، حوصلہ شکن ہیں مگر اسلام کے نام پر بننے والا ملک کئی بار ایسے حالات سے گزرا ہے، اور حکمرانوں کی ملحدانہ سکیموں کی زد میں آیا ہے۔ مسلمانان پاکستان کو کئی بار ڈرایا دھمکایا گیا ہے مگر اسلام کی قوت اتنی زبردست ہے کہ ان طوفانوں کے باوجود وہ سربلند ہی رہی۔ پاکستان بننے کے کچھ سال بعد مرزائیوں نے ''ختم نبوت'' کا مسئلہ کھڑا کیا تو مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ ملٹری بندوقیں لے کر آ گئی۔ علماء کرام اور مشائخ عظام کو جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ لاہور کے مسلمانوں پر گولیاں برسائی گئیں۔ ان کے کئی راہنماؤں کو سزائے موت سنائی گئی مگر......

ع۔ چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد!۔

کچھ عرصہ گزرا تو ایک فیلڈ مارشل آ گیا۔ تو پھر اسلام لینے والوں کو نشانہ بنایا گیا۔ فیلڈ مارشل کی آمریت گئی تو اس ملک پر ''سوشلزم'' کا طوفان آ گیا گلی گلی کوچہ کوچہ میں ہے جمالو! ہے جمالو! کے نعرے بجنے لگے۔ دینی قوتوں کو ایک اور مصیبت کا سامنا تھا اور ملک میں پیپلز پارٹی کے جیالے دندناتے رہے۔ بے دینی کی اس فضا میں ''انکار حدیث کا فتنہ'' پرویزی روپ میں اسلام کی اقدار کو چیلنج کرنے لگا۔ ملک کے اندر یہ ساری بلائیں اگرچہ

اسلام کی دیواروں سے سر ٹکراتی رہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو محفوظ رکھا۔

جنرل ضیاء الحق مرحوم کو خدا خوش رکھے۔اس نے دین کے خلاف تو زبان نہ کھولی مگر بعض علمائے دین اور مشائخ کو حکومت کا ''دانہ دنکا'' کھلا کر بے جان کر دیا۔ علاقائی اور لسانی تحریکوں کو جنم دے کر اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔بعض علماء کرام اور صاحبزادگان حکومت کے دانے دنکے پر لگ کر ان جذبات سے عاری ہو گئے جو مسلمان کا خاصہ ہوتے ہیں۔اس کے باوجود بعض علمائے کرام اور عام مسلمانوں میں دینی حمیت زندہ رہی اور وہ اپنے مدارس، مکاتب، مساجد اور خانقاہیں تعمیر کرتے رہے۔یہ کاروان محبت رکاوٹوں کے باوجود اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہا۔

پھر ایک ایسا دور آیا کہ دین کا نام لینے والوں اور دینی قیادت کے بعض دعویداروں نے مساجد اور امام باڑوں میں قتل وقتال کا سلسلہ شروع کر دیا۔جو مساجد اور امام باڑوں سے بچ گئے ان کو چن چن کر ہلاک کیا گیا۔پاکستان کی سرزمین میں ایسا شرمناک دور بھی دیکھا گیا پھر یہ سارا تماشا ان لوگوں نے دکھایا جو دین کے دعوی دار بھی تھے۔اور اپنی بداعمالیوں کو اسلام کا نام دیتے تھے اور سٹیجوں پر کھڑے ہو کر قتل و غارت گری پر فخر کرتے تھے۔یہ عناصر بے دینوں کی طرح اسلام کے خلاف تو بات نہیں کرتے تھے مگر انہوں نے اپنے کردار سے اسلام کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

ایک ایسا دور آیا جس نے اسلام سے محبت کی،علماء کرام سے محبت کی،نعت خوانوں سے پیار کیا، پیرزادوں کا احترام کیا مگر جب اسلامی اقدار کے اپنانے یا نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی بات آئی تو یہ لوگ پہلوتہی کر جاتے۔یہ اقتدار پسند لوگ مسلمانوں کیلئے باعث فخر تھے مگر اسلام کے لیے باعث شرم تھے۔سود،شراب،حرام کاری کے سرٹیفکیٹ جاری کرتے رہتے رہے۔جب اسلام کے قوانین کے نفاذ کی بات چلتی تو سر پھیر کر ادھر ادھر چلے جاتے۔یہ دور اقتدار کے لحاظ سے ایک اچھا جمہوری دور تھا مگر

دینی لحاظ سے منافقانہ دور تھا۔ اس جمہوری اقتدار کی کرسیاں الٹیں تو غازیوں، مجاہدوں ، بہادروں اور فوجیوں کا دور آ گیا۔ علامہ اقبال نے ''یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے '' انہیں کو کہا تھا مگر یہ ایسے ''پراسرار'' نکلے کہ آج مغرب کے کافرانہ نظام کو سرزمین پاکستان میں ماڈرن اسلام اور ترقی پسند دور کے نام سے نافذ کرنے کے درپے ہیں۔ جن مجاہدین کی ہیبت سے قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت ہل جاتے تھے۔ آج وہ ''یونین جیک'' کے سائے میں ''پہلے پاکستان بچاؤ'' کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ یہ ''حضرت جارج بش'' سے مدد مانگتے ہیں۔ یہ بڑے دانشور مجاہد ہیں۔ بڑے سمجھدار غازی ہیں ۔اب انہوں نے اپنے آقا کو خوش کرنے کے لیے پاکستان کی مسجدوں، خانقاہوں درگاہوں اور درس گاہوں پر اپنی نگرانی شروع کر دی ہے وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے آقا کا دشمن اسامہ بن لادن انہی درس گاہوں اور خانقاہوں میں چھپا بیٹھا ہے۔ آج پاکستان کے علمائے کرام ان ''پراسرار غازیوں'' اور ''صف شکن مجاہدوں'' کی ز[illegible] ہیں۔ علماء کے حجرے اور مسجدیں ان کی نگرانی میں ہیں۔ علما[illegible] کی اذانوں کی آواز بھی ان کی گرفت میں ہیں۔ علماء کی تقریریں اور خطبات ان کی اج[illegible]ت سے مرہون منت ہیں۔

ہمارے علمائے کرام کو اور ہماری مسجدوں کے [illegible] ہمارے مدرسوں کے منتظمین کو، یہ وردی پوش مجاہد ڈرانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ [illegible] مہمان ہیں اور سابقہ حکمرانوں کی طرح یہ بھی ہمیشہ اقتدار پر رہنے [illegible] ہیں۔ [illegible] کو شاید معلوم نہیں مسجدیں اللہ کا گھر ہیں خانقاہیں اللہ کے [illegible] گاہیں ہیں دینی مدارس ''قال اللہ وقال الرسول'' کی درس گاہیں ہیں۔ [illegible] کسی صدر، کسی حکمران کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔ ان مقامات پر ان کے بنائے ہوئے قانون اور آرڈیننس نہیں چل سکتے۔ ان مقامات پر تو رسول عربی کا قانون ہی چلے گا۔ [illegible] بلاشک [illegible]

چلے گا۔ یہ ''چندروزہ مسافر'' ڈھول باجے بجا کر چلے جائیں گے۔

ہمارے بعض علماء پولیس سے ڈرتے ہیں، ہمارے بعض خطیب لاؤڈ اسپیکر اٹھانے والے تھانیدار سے ڈرتے ہیں۔ ہمارے بعض دینی راہنما وزیر داخلہ کے بیانات سے ڈرتے ہیں۔ اور ہمارے بعض راہنمایان قوم صدر صاحب کے حکم نامہ سے ڈرتے ہیں۔ ہم ان ڈرنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ ڈرانے والے عارضی لوگ ہیں۔ کچھ ملکی خزانے پر پل رہے ہیں کچھ امریکہ کے تنخواہ دار ہیں ہمارا اللہ تو ہمیں پکار پکار کر کہتا ہے۔

وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین

آؤایک دوسرے پر تیر برسائیں!

جلد نمبر ۱۱...... مارچ ۲۰۰۲ء...... شمارہ نمبر ۱۰۰

فارسی ادب کی ایک مشہور کتاب ''کلیلہ دمنہ'' ہے ساٹھ سال سے زیادہ عمر پانے والے علماء کرام اپنے طالب علمی کے زمانہ میں اس کتاب کو پڑھا کرتے تھے بڑی عمدہ کتاب ہے فارسی ادب کا شہ پارہ ہے۔ اور فصاحت و بلاغت کا مرقع! اس میں ایک بڑی دلچسپ حکایت ہے۔ جسے ہم پڑھ کر خوش ہوتے تھے ایک شخص نے کئی بھینسیں پال رکھی تھیں۔ صبح انہیں چراگاہ میں لے جاتا اور شام گئے واپس لاتا۔ ان بھینسوں کے بچے (کٹے وچھے) دن بھر چوپال میں اکیلے لیٹے رہتے جب فارغ بیٹھے بیٹھے اکتا جاتے تو چوپال سے باہر نکل جاتے اور مل کر مشورہ کرتے کہ وقت کس طرح گزاریں ایک کٹے (بھینس کے بچھڑے) نے کہا آؤ یارو! دوڑ لگائیں دوسرے نے کہا نہیں یارا! چھلانگیں لگائیں تیسرے نے کہا آؤ سب مل کر دوڑیں کودیں اور سبز سبز گھاس پر ادھر ادھر بھاگیں۔ ان میں ایک موٹا تازہ بچھڑا (کٹا) تھا اس نے کہا دوستو اور بھائیو! یہ ساری باتیں بیکار ہیں ہمارا کام دوڑنا بھاگنا نہیں آؤ چوراہے میں بیٹھ جائیں۔ اور بیٹھ کر جوگالی کریں۔ یہ بات سب کو پسند آئی سب بیٹھ گئے اور جوگالی کرنے لگے۔ گاؤں کے بچوں نے دیکھا تو کچھ بچے کہنے لگے یہ اچھے کٹے ہیں۔ ''کچھ بچوں نے کہا'' یہ سست کٹے ہیں'' بے کار بیٹھے وقت ضائع کر رہے ہیں۔

یہ حکایت ہمیں اس وقت یاد آئی جب سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے چند مقتدر علمائے کرام اور بلند پایہ راہنمایان اہل سنت ساری دنیا سے منہ موڑ کر ایک دوسرے کے خلاف طعن و تشنیع میں مصروف ہیں۔ہم نے بے شمار علمائے اکرم کو سنا ہے کہ وہ اپنی اپنی مجالس میں اپنا زور بیان دکھاتے رہے ہیں اور بعض زور قلم کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور ایک دوسرے کو زچ کرنے کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔فصاحت و بلاغت کے دریا بہا رہے ہیں۔دنیا کے مسلمان زمانہ کے کافروں کی توپوں کی زد میں ہیں۔مگر ہمارے محترم، محتشم، مکرم علماء کرام عالم اسلام کے چوراہے میں بیٹھ کر

ع۔تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

کا مظاہرہ کر رہے ہیں

ہم ان مقتدر علماء کرام کا نام اس لیے نہیں لیتے کہ ان کے جبہ و دستار اتنے با وقار ہیں کہ کہیں ان آبگینوں کو ٹھیس نہ لگ جائے ''جہان رضا'' کے قارئین ایک ایک ''حضرت'' کو جانتے ہیں کہ یہ حضرات کن کن چوراہوں میں بیٹھ کر معرکے سر کر رہے ہیں۔ان علماء کرام کو اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ دنیائے اسلام کن کن مصائب سے گزر رہی ہے۔افغانستان کے مسلمان کس طرح خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں۔فلسطین کے نوجوان کس طرح یہودیوں کے ٹینکوں کے تلے کچلے جا رہے ہیں۔ہندوستان میں صوبہ گجرات کے مسلمان کن کن راہوں میں مارے جا رہے ہیں۔کشمیر کے لوگ کن کن وادیوں میں دفن ہو رہے ہیں۔ان کے ارد گرد کس کس قسم کے میزائل نصب کیے جا رہے ہیں۔اور دنیائے کفر پاکستان کو کن کن نظروں سے نواز رہی ہے۔امریکہ کی خوشنودی کے لیے پاکستان کے اندر علماء کرام کی کیا حالت کی جا رہی ہے۔ملک کے دینی مدارس اور مسجدوں میں کیا کیا پہرے بٹھائے جا رہے ہیں۔بے دین عناصر پاک سرزمین کو کس طرح پامال کر رہے ہیں صلوٰۃ وسلام کی آواز پر کس کس طرح

کے پہرے بٹھائے جا رہے ہیں۔ ان تمام آفتوں کے باوجود ہمارے محترم علماء کرام بھینسوں کے بیکار بچوں کی طرح چوراہوں میں بیٹھ کر ایک دوسرے کے خلاف طبع آزمائی فرما رہے ہیں۔ اور دنیا ان کے قلم وافکار کے جواہر پاروں کو پڑھ کر تالیاں بجا رہی ہے۔

ع۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

دنیائے اسلام جدھر چاہے جائے۔ جنگ کرے یا جہاد کرے مگر آؤ ہم پاکستان کے چوپالوں سے نکل کر چوراہوں میں بیٹھ کر جوگالی کریں، لڑیں، مریں اور ایک دوسرے پر تیر برسائیں یہ مقدس کام ہمارے سنی خانوادوں کے چند" مقدس ارواح" کو زیب نہیں دیتا یہ "نغمۂ حق ہمیں اچھا نہیں لگتا" یہ "نعرۂ حق" ہمارے حجروں کے پروردہ علماء کے منہ سے اچھا نہیں لگتا اگرچہ آج کے نوخیز علمائے کرام کی طرف سے یہ "قتال وجہاد" تیغ وقلم سے برپا ہو سکتا ہے یہ ہمارا "میدان" ہے یہ ہمارے "معرکے" ہیں یہ ہمارے "کارنامے" ہیں یہ ہمارے "تیر" ہیں یہ ہمارے "نشتر" ہیں یہ ہماری "شمشیریں" ہیں یہ ہماری "تیغیں" ہیں اس محاذ میں شاید ہمارا کوئی ثانی نہیں اس میدان میں غالباً کوئی حریف نہیں اس کام میں بلاشبہ ہمارا "جواب نہیں"۔

مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ علیہ نے ہمارے ایسے ہی ارباب علم کے لیے کیا خوب کہا تھا:

گر دعویٰ مناظرہ دارد بما کسے
ناوک ہمیں، نشانہ ہمیں، معرکہ ہمیں
تحریر در دلائل و تقسیم در اصول
عریف در اوائل وعطریف در پسیں
علامۂ علوم وکتاب و حدیث و فقہ

فہامۂ فہوم اصول و فروع دیں
نطقش چہ خوش مذاق و خوش الحان و خوش بیان
ذہنش چہ بذلہ سنج و سخن فہم نکتہ بیں
بر آسمان حکمت و طب شمسِ بازغہ
براوج علم عقلی و نقلی مہ جبیں

ہم اپنے پڑھے لکھے سنی تیر اندازوں کے نام نہیں لے سکتے ہم اپنے معصوم ناوک اندازوں کو کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ ہمارے یار ہیں۔ یہ ہمارے دوست ہیں۔ یہ ہمارے بھائی ہیں۔ یہ ہمارے علماء ہیں، یہ ہمارے ''حضرت'' ہیں، ہم صبح و شام ان کے جوتوں کی صفوں میں کھڑے رہتے ہیں۔ یہ عالم ہیں۔ یہ فاضل ہیں یہ دینی راہنما ہیں، یہ امام ہیں، یہ خطیب ہیں اور اپنی تحریروں کی روشنی میں ادیب ہیں (چشم بد دور)

ہم اس موضوع کو ''جہان رضا'' کے اداریہ کا موضوع بنانا پسند نہیں کرتے تھے ہمارے سامنے بے شمار عالمی موضوعات ہیں جن پر اظہار کرنے کو جی چاہتا ہے مگر کیا کریں جب گھر کو آگ لگ جائے۔ جب گھر کے افراد ہی اپنا گریبان پھاڑنے لگیں۔ جب اپنے گھر والے ہی گھر کو آگ لگانے لگیں تو واشنگٹن اور نیویارک کے بت کدوں میں لگی ہوئی آگ کو کون دیکھے!

زیرزمین حکمرانوں کا انداز حکمرانی

جلد نمبر ۱۱ .... مئی ۲۰۰۲ء .... شمارہ نمبر ۱۰۲

موجودہ صدی کا سورج طلوع ہوتے ہی کائنات ارضی میں بڑا رد و بدل ہونے لگا۔ دنیا کے مختلف خطوں کے حکمرانوں کی مشکلات، ان کی تبدیلیاں، اپنا اقتدار بچانے کے لیے ان کی جدو جہد، اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ کی سرخیوں میں نمایاں رہی ہے۔ دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ اس کے غرور کے فلک بوس مینار ۱۱ ستمبر کو زمین بوس ہوئے تو اس نے دنیا میں شور برپا کر دیا ہائے ہم مارے گئے! ہم دہشت گردی کا نشانہ بن گئے، دہشت گردی کا سربراہ اسامہ بن لادن افغانستان کے خشک پہاڑوں کی غاروں میں بیٹھا ہمیں تباہ کر دے گا۔ اس طرح امریکہ دنیا کے حکمرانوں کو ساتھ لیکر افغانستان پر چڑھ دوڑا اور وہاں کے بے گناہ عوام پر کئی مہینے بمباری کرتا رہا۔ ہندوستان جو وادی کشمیر میں سات لاکھ فوج سے کر کشمیری مجاہدین پر حملے کر رہا تھا اپنے دارالحکومت دہلی میں قومی اسمبلی کو بھی ہم مجاہدین سے نہ بچا سکا۔ پاکستان کے فوجی سربراہ کو جان کے لالے پڑ گئے۔ اور سب پچھلی باتیں کر کے امریکہ کے اشاروں پر ناچنے لگا۔ عرب دنیا کے امیر حکمران تب تب تکتے رہے اسرائیلیوں نے فلسطینیوں کی بستیوں کو تہہ و بالا کر دیا مگر ساری دنیا کے حکمران دیکھتے رہے۔ آج یو این او کے بے کار مہرے "ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم" کی تصویر

بنے بیٹھے ہیں۔ عراق اور ایران امریکہ کے میزائلوں کی زد میں ہیں روس اپنی موت مر گیا اس کا نام لینے والا کوئی نہیں رہا۔ چین کبھی ابھرتی طاقت تھا اب بیچارے چینی حکمران دنیا میں آنے والی تبدیلیوں پر صرف کانپتے ہوئے ہاتھ ہلاتے نظر آتے ہیں۔

آج کے اداریہ میں ہم وقت کے ''دارا و سکندر'' کی باتیں نہیں کریں گے بلکہ علامہ اقبال کے

قلندراں کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند
زشاہاں تاج ستانند و خرقہ بر دوشند

کا ذکر کریں گے..........

یادش بخیر روزنامہ ''نوائے وقت'' کے کالم نویس میاں عبدالرشید مرحوم کسی زمانے میں حضرت داتا گنج بخش کی حاضری کے لیے آتے تو واپسی پر ہمارے ہاں بھی قدم رنجہ فرماتے اور چند لمحات اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے نوازتے۔ اس طرح ان سے نیازمندی تھی وہ عام طور پر اولیاء اللہ کے روحانی اور باطنی کمالات پر گفتگو کرتے تھے۔ خصوصاً ان کا موضوع ''رجال الغیب'' ہوتا انہیں ''رجال الغیب'' کے احوال و آثار سے بڑی دلچسپی تھی۔ انہیں اس میدان میں اتنا وسیع مطالعہ تھا کہ وہ ہمیں بڑی دور تک لے جاتے ہم نے ایک دن از رہ تلطف کہا ''میاں صاحب یوں لگتا ہے کہ آپ بھی ''رجال الغیب'' میں سے ہیں! انہوں نے صاف انکار کر دیا اور ہم بھی چپ ہو گئے۔

دو سال پہلے ایک شخص ''نوائے وقت'' کا ایک تراشہ ہاتھ میں لیے تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں یہاں عبدالرشید مرحوم نے اپنے کالم میں ایک ایسے شخص کی نشاندہی کی ہے جو ''لاہور کا روحانی گورنر'' تھا وہ انہیں داتا صاحب کے مزار کے قرب و جوار میں ملا تھا مگر وہ اس کی تفصیلات نہیں بتا سکے۔ میاں صاحب آپ کے پاس آتے جاتے تھے۔ آپ میری راہنمائی کریں۔'' اس آنے والے شخص کی گفتگو

نے ہمیں چونکا دیا۔ کیونکہ اب تو میاں رشید رحلت فرما چکے تھے۔ ''نوائے وقت'' کے کالم لانے والے نے ہمیں بتایا کہ اس سلسلے میں وہ بہت سے لوگوں کو مل چکے ہیں۔ میاں عبد الرشید نے ''لاہور کے روحانی گورنر'' کا حلیہ، مقام اور بعض احوال کی نشاندہی بھی کی ہے اس شخص نے بتایا کہ وہ شخص حضرت داتا کے دربار سے نکل کر موہنی روڈ کی طرف جایا کرتا تھا مینار پاکستان سے ہوتا ہوا علامہ اقبال کے مزار پر فاتحہ پڑھتا۔ پھر ٹیکسالی دروازے کے اندر'' دارالعلوم نعمانیہ'' میں آکر طلباء کو احادیث پڑھایا کرتا تھا۔ اس نشاندہی کے بعد ہم نے لاہور کے اس روحانی گورنر کی تلاش شروع کی۔ داتا صاحب کے دربار کے ارد گرد زائرین کا جائزہ لینا شروع کیا۔ علماء و فقراء کے حلقوں میں بیٹھنا شروع کر دیا۔ فقراء و مساکین کے حلقوں کی نگرانی کرنے لگے۔ موہنی روڈ پر آنے جانے والے لوگوں کا تعاقب کرنے لگے مینار پاکستان کے ارد گرد ہزاروں لوگوں پر نظر ڈالی۔ علامہ اقبال کے مزار پر گھنٹوں بیٹھے مراقبے کیے سر جھکائے رہتے لاہور کے لیے روحانی گورنر کی زیارت کے لیے آنکھیں فرش راہ کیں۔

کاسۂ چشم لے کے چوں مجنوں
ہم نے حسن کی گدائی کی

''دارالعلوم نعمانیہ'' کے تمام سابقہ شیوخ الاحادیث کا ریکارڈ چیک کیا مگر ''لاہور کے روحانی گورنر'' کو تلاش نہ کر سکے۔

اخباری اور کتابی دنیا کے لوگ شاید اس حقیقت سے ناآشنا ہوں کہ جن ظاہری حکمرانوں کا ہم نے ابتداء میں ذکر کیا ہے ان کے ساتھ زیرِ زمیں (خفیہ کائنات) حکمران بھی ہوتے ہیں جو کائنات ارضی میں ہونیوالی تبدیلیوں پر نگاہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی طاقتیں دی ہیں۔ وہ کائنات ارضی کے انصرام اور تصرفات میں حصہ لیتے ہیں دنیا کے مختلف خطوں میں بارش برسانا، فصلیں اگانا، آبادیوں میں

تبدیلیاں لانا۔ شہروں اور قصبوں کی تعمیر و تخریب پر نگاہ رکھنا، وقت کے سلاطین اور حکمرانوں کے اقتدار اور زوال میں حصہ لینا امراء و مساکین میں معاشی اور معاشرتی ترقی و تنزلی کا خیال رکھنا۔ دنیا کے لشکروں اور فوجوں کی نقل و حرکت کو دیکھنا۔ ان کے ذمہ ہوتا ہے یہ لوگ ساری تبدیلیاں اللہ کے حکم اور رضا پر عمل میں لاتے ہیں۔ ان ''رجال الغیب'' میں مختلف عہدے ہیں جہاں ہر عہدہ دار نہایت خاموشی سے اپنے فرائض سرانجام دیتا رہتا ہے۔

دہلی میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مغل سلطنت کے اس دور میں موجود تھے جب آخری مغل حکمران عیاشیوں میں پڑ کر ملک کے انتظامی معاملات سے غافل ہو گئے تھے۔ سارے ملک میں افراتفری قتل و غارت گری عام ہو گئی تھی دوسری طرف سکھوں اور مرہٹوں کی چیرہ دستی شہروں میں ڈاکے اور چوریاں اس طرح لوٹ کھسوٹ نے عام لوگوں کی زندگی کو اجیرن بنا دیا تھا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے ایک دوست تھے جو اس بدامنی پر نالاں تھے۔ انہوں نے ایک دن حضرت سے پوچھا حضرت شہروں میں بدامنی نے زندگی تنگ کر دی ہے ان دنوں کون ''روحانی گورنر'' ہے جو سویا ہوا ہے اور انتظامی معاملات کو درست نہیں کرتا میں اس سے ملنا چاہتا ہوں ۔حضرت شاہ صاحب نے فرمایا دہلی سے آگرہ جانے والی سڑک پر ایک بوڑھا شخص فلاں درخت کے نیچے لکھنو کے خربوزے بیچتا ہے وہ ان دنوں دہلی کا روحانی گورنر ہے وہ شخص اس شخص کے پاس جا پہنچا ایک خربوزے کی قیمت پوچھی بوڑھے نے کہا ''ایک انّی'' اس نے ایک آنہ دیا اور ایک خربوزہ اٹھالیا۔ کھانے لگا تو کہنے لگا بابا یہ تو پھیکا ہے۔ جواب ملا پھینک دو دوسرا لے لو، دوسرا اٹھا کر چیرا تو بولا بابا اس سے بدبو آتی ہے۔ فرمایا یہ پھینک دو اور لے لو۔ غرضیکہ وہ شخص خربوزے خراب کرتا گیا پھینکتا گیا، سارے کے سارے خربوزے برباد کر دیے اس نے پھر شکایت کی بابا لوگوں کو لوٹ

رہتے ہو۔ فرمایا بیٹا ناراض نہیں ہوتے یہ اپنی اکنی لے جاؤ کوئی بات نہیں۔ مجھے معاف کرو۔

چند ماہ بعد افغانستان کے ایک سخت گیر حکمران نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ پنجاب کے سکھوں کو مار مار کر بھگایا۔ مرہٹوں کو دہلی سے نکال کر جنوبی ہندوستان کی طرف دھکیل دیا۔ چور ڈاکو ٹھگ لٹیرے جکڑے گئے ملک میں امن قائم ہو گیا کسی کو جرات نہ ہوتی کہ کسی پر زیادتی کرے۔ جو قانون توڑنے کی حرکت کرتا دوسرے دن تختہ دار پر لٹکتا نظر آتا۔ ملک میں امن وامان کی حالت درست ہو گئی۔ اب وہی شخص شاہ عبدالعزیز دہلوی کے پاس آیا اور صورت حال پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اور عرض کی حضور ان دنوں کون روحانی گورنر ہے میں ملنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا دہلی کی شاہی مسجد کی سیڑھیوں پر جمعہ کی نماز کے بعد ایک بوڑھا لوگوں کو دھوپ میں پانی پلاتا نظر آئے گا وہ ان دنوں دہلی کا روحانی گورنر ہے وہ شخص جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر جا پہنچا۔ نماز کے بعد ایک مشک بردار بوڑھے کی طرف لوگ بڑھتے نظر آئے یہ شخص بھی قریب ہو گیا ہاتھ بڑھا کر پانی کا آبخورہ لیا مگر آدھا پانی پی کر آدھا زمین پر گرا دیا۔ بابے نے آبخورہ لے کر اسے ایک طمانچہ زوردار مارا اور کہا کہ تم نے پانی ضائع کر دیا ہے۔ یہ پانی کسی اور نمازی کے کام بھی آ سکتا تھا بھاگ جاؤ یہاں سے اور مولوی عبد العزیز کو کہنا تیرے جیسے بیہودہ لوگوں کو ادھر نہ بھیجا کریں۔

خدا معلوم ان دنوں ہمارے پاکستان پر ''خربوزوں والا بابا'' مقرر ہے یا ''مشک والا'' نہ حکمران سیدھے نہ عوام سیدھے پاکستان کے سابقہ حکمرانوں کے بعض روحانی بابوں سے تعلقات تھے۔ گورنر جنرل غلام محمد دیوانہ شریف کے مجذوب بزرگوں کے مرید تھے داتا صاحب کے مزار پر حاضری دینے آتے تو دعا کے بجائے اپنے آپ کو ایک سو گندی گالیاں دیتے گویا اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرتے تھے جنرل ایوب

خاں مانسہرہ سے آگے برفانی پہاڑوں پر ایک ننگ دھڑنگ بزرگ (لال بادشاہ) سے عقیدت رکھتے تھے۔ فیلڈ مارشل ہونے کے باوجود ان کے پاس حاضری دیتے۔ ذوالفقار علی بھٹو لال شہباز قلندر کے مزار پر بیٹھنے والے ایک بزرگ کے پاؤں چوما کرتے تھے اور بھٹو صاحب کو ''دمادم مست قلندر'' کا نعرہ اسی بزرگ نے سکھایا تھا۔ بھٹو صاحب کا نوکر اس بزرگ کی مالش کرنے ہر جمعرات کو شہباز قلندر کے مزار پر جایا کرتا تھا۔ جنرل ضیاء الحق مدینہ منورہ میں بابا غلام رسول بلیاں والے سے درازی اقتدار کی دعا منگوایا کرتے تھے۔

یہ واقعہ ایک ثقہ راوی نے بتایا تھا کہ جنرل ضیاء الحق گورنر ہاؤس لاہور میں ٹھہرے تو جنرل سوار خان گورنر نے کہا سر میں جب کبھی رات کو میاں میر کے مزار پر حاضری دیتا ہوں تو قبر سے آواز آتی ہے ''سوار خان گھوڑا لاؤ'' مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیا حکم ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے کہا میں ''جامعہ اشرفیہ'' میں جاتا ہوں مولوی طفیل محمد صاحب سے ملتا ہوں مولانا عبید اللہ صاحب سے بات کرتا ہوں وہ تمام فرماتے ہیں کہ قبروں سے آواز آنے میں کوئی حقیقت نہیں۔ تم سیدھے سادے گوجر برادری کے گورنر ہو۔ اپنے گاؤں کی سنی سنائی باتیں سنا دیتے ہو۔ تاہم صدر ضیاء الحق مرحوم نے گورنر سوار خان کو کہا چلو آج رات میاں میر کے مزار پر چلتے ہیں۔ سردیوں کی ٹھنڈی رات تھی رات کے دو بجے گورنر سوار خاں اور جنرل ضیاء الحق ایک باڈی گارڈ کو لیکر میاں میر کے مزار پر جا پہنچے وہاں سناٹا تھا۔ خاموشی تھی گھپ اندھیرا تھا۔ دونوں نے نفل پڑھے فاتحہ کے لیے مزار کی طرف بڑھے اور فرش پر بیٹھ گئے۔ مزار کے اندر سے آواز آئی ''سوار خان تمہیں گھوڑا کہا تھا تم گدھا پکڑ لائے'' ہو دونوں حکمرانوں نے یہ آواز سنی ایک دوسرے کو دیکھا مگر دونوں چپ رہے۔ صبح ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے تو جنرل ضیاء الحق کہنے لگے ''سوار خاں یہ میاں میر کوئی جلالی بزرگ نظر آتے ہیں۔''

محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ بنگلہ دیش میں چٹا گانگ کی پہاڑیوں میں ایک چشتی صابری بزرگ کی عقیدت مند تھیں۔ جب کہ نواز شریف مانسہرہ کے قریب ایک پیر ٹھنگا کے عقیدت مند تھے۔ وہ جتنے سوٹے مارتا اتنے سال حکومت قائم رہتی۔ میاں نواز شریف نے اس پیر کے دربار تک سولہ میل لمبی سڑک بنوادی تھی مگر

ع۔کس کی بنی ہے عالم ناپائیدار میں

جنرل یحیٰی خان خود تو کسی مجذوب کے پاس نہیں جاتا تھا مگر اسے شراب نوشی کے ساتھ ساتھ نور جہاں اور جنرل رانی نے مجذوب بنا رکھا تھا اور اسی حالت میں آدھا پاکستان گنوا بیٹھا

ہم پاکستان کے بدعنوان حکمرانوں کے دور اقتدار کے ''روحانی گورنروں'' کا تو سراغ نہیں لگا سکے۔ اور نہ ان کے نام ہمارے سامنے آئے ہیں۔ مگر ان مجاذیب کا ذکر کر دیا ہے۔ جن کے پاس یہ لوگ گاہے بگاہے جاتے تھے۔ دنیا کے حکمرانوں کے دور اقتدار میں کبھی کبھی ایسے لوگ سامنے آتے ہیں جو خفیہ طور پر ملکی مسائل کے حل کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی نے برصغیر ہندوستان میں سب سے بڑی بت پرست طاقت کو کچلنے کے لیے ''سومنات'' پر سترہ حملے کیے تھے مگر کامیاب نہ ہوئے۔ آخری حملہ کا رادہ کیا تو اس وقت کے ''روحانی گورنر'' حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے فتح کے لیے عرض کی۔ آپ نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری اور محمود غزنوی کے سر پر رکھ دی اور فرمایا اس بار حملہ کرتے وقت میری ٹوپی سر پر رکھنا۔ تاریخ گواہ ہے کہ سترھویں حملہ پر سومنات کا قلعہ فتح ہو گیا اور سومنات کے بت سرنگوں ہو گئے۔

شیخ علاء الدولہ سمنانی آج سے آٹھ سو سال پہلے ہوئے ہیں وہ خراسان کے ایک عالم اور بلند پایہ ولی اللہ تھے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر

حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ تک اور حضور کے وصال سے لیکر ظہور مہدی اور نزول عیسیٰ تک رجال اللہ کا وجود رہا ہے اور رہے گا جو دنیا کی خفیہ طور پر حفاظت کرتے ہیں اور اقوام عالم کی نگرانی کرتے ہیں۔ یہ لوگ ''اولیاء مستورین'' کہلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں عوام کی نگاہ سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ لیکن وہ دنیا بھر کے ملکوں کے حکمران، شہنشاہوں اور اقتدار پر فائز لوگوں کو تبدیل کرنے، ان سے اقتدار چھیننے اور دوسروں کو اقتدار دلانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ علامہ اقبال ایسے لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

قلندراں کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند
زشاہاں تاج ستانند و خرقہ بردوشند

ان ''رجال الغیب'' میں ایک منصب قلندر ہے جسے علامہ اقبال کے ہاں بڑی اہمیت ہے شاہ شرف الدین بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

گر بوعلی نوائے قلندر نواختے
صوفی بدے ہر آں کہ بہ عالم قلندر است

دنیا کے مختلف حصوں میں ایسے روحانی گورنر ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے قلندر شاہ خضر رومی تھے جو سلطان شمس الدین التتمش کے دائیں ہاتھ کھڑے ہوتے اور ہر مہم پر سلطان کیساتھ رہتے۔ قطب الاقطاب قطب الدین بختیار کاکی نے کفرستان ہند میں اسلامی روشنیوں کو پھیلانے میں جو کام کیا تمام مورخین اور فاتحین اس کا اعتراف کرتے ہیں اسلامی دنیا کے علاوہ دنیائے کفر کے وسیع علاقوں میں بھی ان ''حضرات الغیب'' کی حکمرانی ہے روس کے اس پار کوہ قاف سے لیکر جنوبی افریقہ کے پار سمندروں تک یہ لوگ کام کرتے ہیں۔ مغربی امریکہ سے لے کر آسٹریلیا تک کی تمام سلطنتیں ان ''رجال الغیب'' کی نگرانی میں کام کرتی ہیں۔ یہ حضرات واقعات عالم میں ہماری خواہش کے مطابق تبدیلیاں نہیں لاتے وہ اللہ کے

حکم اور اس کی رضا سے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ یہ جو کل کے بادشاہ آج کے قیدی ہیں ۔کل کے شہنشاہ آج در بدر پھر رہے ہیں کل کے حکمران آج کے ''یوسف بے کارواں'' ہیں پھر مغربی ممالک کے جو صدور اور وزرائے اعظم گمنام وادیوں میں چلے گئے ہیں یہ تمام کے تمام ان ''رجال الغیب'' کے انصرام و اہتمام کا شکار ہیں۔

ہم لوگ چاہتے ہیں کہ یہ ''روحانی رجال الغیب'' ہماری خواہشات کے مطابق کام کریں۔مگر یہ لوگ ہماری خواہشات کے پابند نہیں۔ وہ تو اللہ کی رضا کے پابند ہیں جس نے ساری کائنات کا نظام و انصرام چلاتا ہے۔ ہماری خواہش ہے یہودی فلسطین خالی کر جائیں۔ ہمارا قبلہ اول آزاد ہو اور ہم وہاں جا کر مسجد اقصیٰ میں سربسجود ہو کر اللہ کا شکر ادا کریں۔ ہماری تمنا ہے کہ ہندوستان کے ظالم فوجی نیست و نابود ہو جائیں۔ اور کشمیر میں ہمارے مسلمان بھائی آرام سے رہ سکیں۔ ہماری دعا ہے کہ افغانستان سے کفار کی قابض فوجیں نکل جائیں اور افغانستان کے مسلمان دوبارہ باوقار زندگی بسر کرنے لگیں۔ہم چاہتے ہیں کہ عراق کے مسلمانوں کو دنیا کے مختلف گوشوں سے اپنی ضروریات حاصل کرنے کا موقع ملے۔ ہماری دلی تمنا ہے کہ ہمارا کعبۃ اللہ اور دربار مصطفیٰ نجدیوں کے تسلط سے آزاد ہو تا کہ دنیائے اسلام کے تمام مسلمان عاشقان رسول ''الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' کہتے ہوئے حج و عمرہ ادا کیا کریں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ پاکستان کے بے دین حکمران اپنا بوریا بستر سمیٹ کر اپنے مغربی آقاؤں کے پاس جا کر نوکریاں کر لیں اور پاکستان کے چودہ کروڑ مسلمان نظام مصطفیٰ ﷺ سے مالا مال ہوں۔ یہ ہماری خواہشات، یہ ہماری تمنائیں، یہ ساری آرزوئیں، یہ ساری دعائیں اس وقت پوری ہوں گی جب ہمارے ''روحانی حکمران'' اپنے اللہ کی رضا لے کر تبدیلیاں لائیں گے۔

کائنات ارضی کے نظام و انصرام کو چلانے والے ''رجال اللہ'' مختلف مدارج

اورمناصب پر فائز ہوتے ہیں ان کے اپنے فرائض ہیں، ان کی اپنی اپنی ڈیوٹی ہوتی ہے۔ان میں غوث ہیں ۔قطب ہیں۔قطب الاشارد ہے۔اوتاد ہیں ۔رجال الغیب ہیں ۔اولیاء اللہ ہیں اس کے علاوہ ان حضرات کے بیشمار عہدے ہیں ۔ اور بیشمار مقامات ہیں جہاں یہ کام کرتے ہیں ۔آج کی کتابی اورسائنسی دنیا ان حضرات کے مقامات سے ایسے ہی نا آشنا اور ناواقف ہے جس طرح ہم لوگ علوم وفنون میں ماہر ہونے کے باوجود نہیں جانتے کہ خلاء میں جانے والے لوگ کیا کر رہے ہیں کہاں کہاں جاتے ہیں کیا کیا تجربات کرتے ہیں۔مگران کے تجربات اوران کی پرواز سے کوئی انکارنہیں کرسکتا۔''رجال الغیب'' بھی سائنسی لیبارٹری کے بغیر ان خلاؤں اورفضاؤں میں پرواز کرتے رہتے ہیں جہاں خلانوردوں کی رسائی نہیں ہوتی۔

ع۔کوئی اندازہ کرسکتا ہے ان کے زور بازو کا؟

روحانی دنیا سے ناواقف نا آشنا دانشور تو ''رجال الغیب'' کے تصور سے ہی نا آشنا ہیں ۔مگر روحانی کائنات کوتسلیم کرنے والے بہت سے علماء دین بھی ان مقامات سے انکارکرتے ہیں ۔ جواللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کوعطا فرمائے ہیں۔وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اقتدار کوتسلیم کرنے کے باوجود حضرت خضر کے کشتی توڑنے ،ایک نوجوان کوقتل کرنے اور یتیموں کی دیوار بنانے کے تکوینی نظام کونہیں جانتے تپتے ہوئے صحراؤں میں چلنے والے آبلہ پاجب اپنی پرواز پرآتے ہیں تو فقیہ شہر کاعلم جواب دے جاتا ہے۔بکریاں چرانے والے اونٹوں کے حدی خواں جب قیصر وکسریٰ کے تاج وتخت کوروندتے چلے جاتے ہیں توعسکری تجربات کے ماہرین انگشت بدایوں رہ جاتے ہیں۔حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک بارمیرے دل میں آیا کہ حضرت خواجہ خضر سے چند مسائل پرگفتگو کی جائے۔ وہ بدایون سے ایک چاندنی رات کو اٹھے اور دریائے نیل پر ایک کشتی میں بیٹھ کر

حضرت خضر سے باتیں کرنے لگے۔ حضرت بہلول دانا بغداد کے بازار میں بیٹھے بیٹھے جنت کے محلات الاٹ کرنے لگے۔ حضرت خواجہ نقشبند تاشقند کے ایک گڈریے کو باداموں کی چودہ گریاں کھلا کر اس کی چودہ پشتوں کو ہندوستان کی سلطنتیں عطا فرماتے گئے۔ بوعلی قلندر پانی پت میں بیٹھے ہوئے شہنشاہ ہند کو پیغام دیں کہ

باز گیرایں عاملے بد گوہرے
ورنہ ملک تو بہ بخشم دیگرے

تو کیا کوئی خفیہ ہاتھ موجودہ حکمران کے تاج و تخت کو الٹنے میں اپنا کردار ادا نہیں کر سکتا؟۔

ہم ''نوائے وقت'' کے کالم نگار میاں عبدالرشید مرحوم کے لاہور کے ''روحانی گورنرز'' کو تلاش تو نہیں کر سکے۔ مگر ہم موجودہ افراتفری کے زمانہ میں لاہور کے نئے روحانی گورنر کی تلاش میں شہر کی بے چراغ گلیوں میں ضرور گھومتے رہتے ہیں تاکہ پاکستان کے چودہ کروڑ عوام کی قسمت کے فیصلے کرنے والے جرنیل اور سیاسی لیڈر قانون و شرافت کی رسیاں تڑا کر شتر بے مہار کی طرح سرزمین پاکستان کو روندتے نہ پھریں۔ ہم دانائے راز افراد سے پوچھیں گے کہ ان دنوں خربوزوں والے بابے کا حکم چلتا ہے یا مشک بردار بابا حکمرانی کر رہا ہے؟ آج یہ کون لوگ ہیں جو اللہ کی مخلوق کے حقوق سلب کرنے کے باوجود عوام تک، ایک دانہ گندم بھی نہیں پہنچنے دیتے آج پاکستان کی سرزمین میں ایٹم بم کو مرغی کے گندے انڈے کی طرح گھاس میں رکھ دیا گیا ہے۔ کس بابے کو بلائیں جو ظالموں اور ستمگروں کو سرنگوں کر دے۔ یہ لوگ کب نمودار ہوں گے جو پاکستان کے عوام کی قسمت بدلیں گے؟

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی

دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
پہاڑ ان کی ہیبت سے مانند رائی

''روزنامہ نوائے وقت'' لاہور مورخہ ۲۸ اپریل ۲۰۰۲ء کے سنڈے میگزین میں جناب فیروز الدین احمد فریدی نے پاکستان کے صدور اور وزرائے اعظم کے عروج و زوال پر ایک بڑا تحقیقی مضمون لکھا ہے جس میں پاکستان کی کرسی اقتدار پر براجمان ہونے والے اور پھر تاج و تخت سے محروم ہونے والوں کی داستان عروج و زوال بیان کی ہے۔ اس میں ایک بات بڑی غور طلب ہے کہ پیر پگاڑا نے جو سندھ کے ایک روحانی سلسلہ کے گدی نشین ہیں اکتوبر ۱۹۸۳ء کو یہ دعوی کیا تھا کہ پاکستان کے اقتدار پر آنے اور اقتدار سے محروم کرنے والوں پر ''رجال الغیب'' کا ہاتھ ہے۔ پیر پگاڑا کا دعوی ہے کہ وہ ستارہ شناسی کی رو سے ان تمام ''رجال الغیب'' کے احوال کو جانتے ہیں جنہوں نے اہل اقتدار کے عروج و زوال میں اپنا کردار ادا کیا تھا۔ پیر پگاڑا صاحب کے ایک عقیدت مند نے پیر صاحب کے ملفوظات کی روشنی میں بتایا کہ پاکستان کے سربراہوں کے زوال کا فیصلہ کرتے وقت دو ہوائی جہازوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا تھا اور یہ دونوں ہوائی جہاز ''رجال الغیب'' کی کمانڈ میں تھے۔ ایک جہاز نے بہاول پور کے ریگستانوں میں ایک آمر کے اقتدار کی بساط الٹ دی اور ایک جہاز نے سندھ کے صحراؤں میں پرواز کرتے ہوئے ''ہیوی مینڈیٹ'' رکھنے والے حکمرانوں کی کرسی الٹ دی۔ پیر طریقت پیر ہارون الرشید آف موہڑہ شریف کے ایک خلیفہ نے بتایا کہ وزیراعظم بے نظیر اور زرداری کے عروج و زوال کی ساری کمانڈ ہمارے پیر صاحب کے ہاتھ میں تھی۔ یہ شاہی جوڑا ابھی ہمارے حضرت پر جاں نثار کرتا تھا اور اپنے اقتدار کے زمانہ میں مری کی بلندیوں سے موہڑہ کے مزار شریف تک سڑکیں پانی اور دوسری سہولتوں کے نذرانے پیش کرتا تھا۔ صدر ایوب کے ایک عقیدت مند نے بتایا کہ اقتدار

پر براجمان رہنے کے سارے مراحل ہمارے پیر صاحب کی زیر نگاہ طے ہوتے تھے۔

ع۔ بس اک نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا

ان دنوں صدر پرویز مشرف پاکستان کی کرسی صدارت پر براجمان ہیں اور ملک کو سنوارنے، آگے لے جانے دودھ کی نہریں بہانے کے تمام وعدے کرتے جاتے ہیں جو پاکستان کے سابقہ لیڈروں لٹیروں اور جاگیرداروں نے کئے تھے۔ ان کا امتیازی نشان بتاتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ سابقہ حکمرانوں نے لوٹ کھسوٹ میں اپنے ریکارڈ قائم کیے ہیں۔ محلات بنائے، بنک بیلنس قائم کیے مگر مجھے یہ چاٹ نہیں لگی۔ میں جو کچھ اکٹھا کروں گا یا باہر سے لاؤں گا سارے کا سارا پاکستان پر خرچ کروں گا۔ ہمیں تلاش کے باوجود اس روحانی گورو کا علم نہیں ہو سکا۔ جو جنرل پرویز مشرف کے اقتدار اور مستقبل کا نگران ہے ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے جنرل صاحب "خربوزے والے بابے" کی نگرانی میں ہیں یا "مشکیزے والے بابے" کے نزدیک ہیں مستقبل میں جب "رجال الغیب" کے ہاتھ آگے بڑھیں گے تو معلوم ہو جائے گا۔

غ۔ کس کس کی مہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی

عالم اسلام کفار مکہ کے نرغے میں

جلد نمبر ۱۱..........جون جولائی ۲۰۰۲ء..........شمارہ نمبر ۱۰۳

آج ہم دنیائے اسلام کے مظلوم اور گرفتار مصائب مسلمانوں پر نگاہ ڈالتے ہیں۔تو ہمیں کفار مکہ کے وہ مظالم یاد آ جاتے ہیں جو تیرہ سالہ مکی زندگی کے دوران اسلام کا نام لینے والوں پر توڑے گئے تھے۔تاریخ اپنے واقعات کی روشنی میں انسان کو اپنی زندگی کی راہیں ہموار کرنے میں مدد دیتی ہے۔مگر اسلامی تاریخ کے واقعات خصوصی طور پر اہل اسلام ہی نہیں، ساری انسانیت کو روشن راہیں مہیا کرتے ہیں۔آج دنیائے اسلام جن مصائب سے گزر رہی ہے۔ وہ اگر اسلام کے ابتدائی دور کے واقعات اور توحید و رسالت کا اقرار کرنے والے ایک ایک فرد کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا، کو سامنے رکھا جائے تو ان حالات سے گہری مماثلت پائی جاتی ہے جو آج ہمارے اردگرد نظر آتے ہیں۔

حضور فداہ امی وابی (ﷺ) سر پر تاج رسالت سجا کر غار حرا سے مکہ مکرمہ میں تشریف لاتے ہیں تو کفار مکہ میں ایک ہلچل مچ جاتی ہے۔توحید و رسالت کا اعلان کیا ہوتا ہے جفا و ظلم کے طوفان امڈ پڑتے ہیں۔مکہ کا ایک ایک فرد ہاتھ میں پتھر اٹھائے ان مظلوم اور بے یار و مددگار مسلمانوں پر ٹوٹ پڑتا ہے جو دامن مصطفیٰ کی پناہ میں آتا ہے۔مکہ کا ایک ایک کافر اہل اسلام کے ایک ایک فرد پر اپنے مظالم توڑنے پر آمادہ نظر آتا ہے اور مکہ کی کسی گلی، کسی کوچے میں جہاں جہاں کوئی کلمہ پڑھنے والا آتا جاتا دکھائی

دیتا ہے اسے اپنے طور طریقے سے ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے، بلال حبشی کو امیہ بن خلف جیسا سفاک کافر تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹتا ہے چھاتی پر صحرا کے تپتے ہوئے بھاری پتھر رکھے جاتے ہیں۔عمار بن یاسر (آل یاسر) کو علیحدہ علیحدہ نشانہ ستم بنایا جا رہا ہے۔ خواتین اسلام میں سے ام عیس اور زنیرہ پر ظلم توڑے جا رہے ہیں۔نہدیہ اور ان کی صاحبزادی کو تختۂ مشق ستم بنایا جا رہا ہے۔ابوجہل کفار مکہ کا لیڈر ہے۔ضعیف اور مسکین مسلمانوں کے لیے ظلم کا نشان تھا وہ قریش کے ہر قبیلے کو تیار کرتا اور جہاں جہاں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والا کوئی فرد ملتا اس پر ظلم توڑنے پر آمادہ ہوتا۔ دار ارقم میں آنے والوں پر خوف و ہراس طاری کیا جاتا۔قرآن سننے والوں اور قرآن پڑھنے والوں پر پتھراؤ کیا جاتا۔شہر کے ہر محلے ہر گلی کوچے، ہر گوشے میں جہاں جہاں کوئی کلمہ پڑھنے والا دکھائی دیتا اس پر نئی نئی داستان ستم لکھی جاتی۔غرباء ومساکین تو اپنی جگہ خود خواجۂ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نشانہ ظلم وستم بنایا جاتا۔آپ کے آنے جانے والے راستوں میں کانٹے بچھا دیے جاتے۔گلیوں میں گزرتے ہوئے کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا۔کعبۃ اللہ کے اندر گلے میں کپڑا ڈال کر گھسیٹا جاتا۔سجدہ میں ہوتے تو اونٹوں کی اوجھڑیاں لالا کر رکھ دی جاتیں۔

کبھی رکھ دی اونٹ کی اوجھڑی، دم سجدہ گردن پاک پر
کبھی چہرہ خون سے بھر دیا تو گرا دیا کبھی خاک پر

وادی طائف میں جاتے تو سنگ باری سے ذات رحمت کو لہولہان کیا جاتا پھر بھی رحمت للعالمین کی زبان سے اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون (اے اللہ میری پوری قوم کو ہدایت دے کہ وہ نہیں جانتے) مکہ کی ساری وادی اہل ایمان کے لیے تنگ کر دی گئی ہے۔ہر جگہ ظلم ہو رہا ہے۔ہر جگہ سنگ باری ہو رہی ہے۔ہر جگہ ذلت و رسوائی کی حکمرانی ہے۔مظلوموں کی دلدوز آہیں اور سسکیاں جب گوش رحمت

تک پہنچتی ہیں۔تو ارشاد ہوتا ہے "اصبر یا ال یاسر" !(اے خانوادۂ یاسر صبر کرو) اے بلال تم حوصلہ کرو حضرت عمر فاروق کی بہن فاطمہ کے خاوند سعید بن زید کو گردن سے پکڑ کر مکہ کے بازاروں میں گھسیٹا جاتا۔ظلم وستم کی انتہا ہوگئی۔تو ظلم کے مارے ہوئے اہل ایمان اپنے گھر بار چھوڑ کر سمندر پار حبشہ میں پناہ لینے نکل پڑے۔قافلوں کے قافلے اپنا وطن چھوڑ کر چلے جا رہے ہیں۔ان میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی رقیہ ہیں۔ آپ کے داماد حضرت عثمان غنی ہیں۔ یہ سابقون الایمان کا ایک قافلہ ہے جو ظلم وستم کے طوفانوں میں گھرا ہوا ہے مگر طوفان اس پر بھی نہیں رکتے۔ ذات اقدس کو اپنے سارے خاندان کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور کر دیا جاتا ہے۔ بازار سے کوئی چیز لینے پر پابندی ہے۔ کسی کو وہاں تک امداد دینا جرم قرار دیا گیا ہے۔اگر کسی کو بات کرتے دیکھا جاتا ہے تو اس پر جرمانے اور تعزیریں نافذ کی جاتی ہیں۔ یہ سیدنا ابو بکر ہیں۔ یہ سیدنا فاروق اعظم ہیں یہ سیدنا عثمان غنی ہیں یہ سیدنا علی ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جنہوں نے مستقبل کی تقدیریں بدلنی ہیں۔انہیں اذیتیں دے دے کر آزمایا جاتا ہے۔پھر یہاں تک ہی نہیں ان تمام لوگوں کو اپنے گھر۔اپنا شہر،اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔اللہ اکبر اللہ اکبر۔

ایسے مظالم کی تاریخ خطۂ ارضی پر شاید ہی کہیں لکھی گئی ہو۔ظلم وستم کے ان تمام طوفانوں کا سامنا کرنے کے باوجود یہ لوگ کتنے ثابت قدم تھے۔وہ کس شان سے ان امتحانوں سے گزرتے تھے۔وہ دامن مصطفیٰ کو کتنی مضبوطی سے تھامے رہے۔

ع۔ یقیں محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم !

مکہ کے ان حالات کے تناظر میں آج سارے عالم اسلام پر ایک نگاہ ڈالیں پھر ساری دنیا کی وسعتوں کو وادی مکہ تصور کر لیں۔پھر دیکھیں ہر مقام، ہر خطے میں ہر مسلمان پر کیا کیا ظلم ڈھائے جا رہے ہیں۔ ہر ظلم کا انداز علیحدہ ہے۔ ہر ظلم کی نوعیت

جداگانہ ہے ہر ستم کا طریق کار مختلف ہے۔ آج کا ابوجہل (امریکہ کا صدر بش) کس انداز سے عالم اسلام پر جھپٹ رہا ہے۔ اس کی کافرانہ قوتیں عراق، لیبیا، فلسطین، کشمیر حتی کہ فلپائن اور انڈونیشیا کے مسلمانوں پر کس کس طرح کے حربے استعمال کر رہی ہیں۔ فرزندان افغانستان کو کس انداز سے قتل کیا جا رہا ہے۔ پاکستان کے ارد گرد کس کس انداز سے گھیرے تنگ کیے جا رہے ہیں۔ عراق، فلسطین ایران اور دوسرے اسلامی ممالک کو کن کن انداز میں آزمایا جا رہا ہے۔

ع۔ جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو تیرہ سالہ ظلم و ستم کے اندھیروں میں گزرنا پڑا۔ ان کے سامنے ان کے آقا اور ہمارے رسول موجود تھے۔ ان کی قیادت اور راہنمائی اللہ کے احکام کی روشنی میں ہو رہی تھی۔ وہ پاک باز لوگ تھے۔ وہ اہل ایمان لوگ تھے وہ اہل ایقان لوگ تھے۔ وہ دامن مصطفیٰ سے اس قدر وابستہ تھے کہ ان کی مثالیں نہیں ملتیں۔ ان کی جاں نثاری کا یہ عالم تھا کہ دنیا کے کسی خطے میں چلے جائیں ان کا کوئی ثانی نہیں ملتا۔ وہ لوگ تیرہ سالہ دور سے نکل کر مدینہ پاک آئے تو چند سالوں میں دنیا بھر کے مظلوموں کا سہارا بن گئے۔ ظلم و ستم کی ظلمتیں مٹا دیں۔ غریب مسلمانوں پر اٹھنے والے ہاتھ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گئے۔ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں۔ ہم ایمانی قوت کی بجائے گناہوں کے بوجھ اٹھائے جا رہے ہیں۔ ہم اللہ و رسول پر پختہ ایمان رکھنے کی بجائے باطل قوتوں کو خوش کرنے کے لیے غداروں کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہم کمزور ایمان ہونے کی وجہ سے وقت کے کافروں کے سامنے سہمے سہمے، دبے دبے زندگی گزار رہے ہیں۔ مکہ کے اہل ایمان میں یہ بات تو نہ تھی۔ مگر ہم ڈر کے مارے وقت کے بوجہلوں اور امیہ بن خلف کے آلہ کار بن کر فرزندان توحید پر وار کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ آج امت مسلمہ اپنی

کوتاہیوں، گناہوں اور بے عملیوں کے باوجود اس بات پر فخر کرتی ہے کہ

ع۔دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم!

ہمارے دلوں میں محبت رسول کی روشنیاں آج بھی موجود ہیں۔ ہمارے مصائب کی داستاں تیرہ سالہ نہیں درجنوں سالوں پر پھیلی ہوئی ہے ہم گرتے، پڑتے، ڈوبتے، ٹھوکریں کھاتے، گناہوں اور شرمساریوں کے بوجھ اٹھاتے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہمارا ایمان گواہی دیتا ہے۔ اور ہمارا وجدان بولتا ہے کہ ایک دن دنیا کے مختلف مما لک میں اسلام کے پرچم لہرائیں گے۔ تیرہ سالہ نہ سہی ستر، اسی سال میں ہم وقت کے فرعونوں کو سرنگوں ہوتا دیکھیں گے۔

آج کی باطل قوتیں ہمارے نام سے گھبراتی ہیں۔ آج کے کفار ہمارے نوجوانوں کو ''دہشت گرد'' کہہ کر کانپ جاتے ہیں۔ آج کے ظالم کافر ہمارے جہادی نوجوانوں سے آنکھیں نہیں ملا سکتے۔ آج کی کافر طاقتیں ہمارے بے سروسامان مجاہدین سے دہشت زدہ ہیں۔ آج کی ایٹمی قوتوں کے مالک ہمارے ایک ایٹم بم سے لرزہ براندام ہیں۔ آج کے بزدل مما لک ہمارے غوری۔ غزنوی، حتف، طارق اور ابوبی میزائیلوں سے خوف زدہ ہیں۔ اور اپنے ارد گرد دیوار چین جیسی مضبوط حصاری دیواریں کھڑی کرنے کے باوجود کانپ رہے ہیں۔ آج کے ناپختہ ذہن اس بات کو مانیں یا نہ مانیں آج کے بزدل حکمراں اس حقیقت کو تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کافروں کے کئی قلعے ہمارے میزائلوں کی زد میں ہیں۔

پڑا انہیں تو کبھی '' دل جلوں'' سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کر دیں تو '' داغ '' نام نہیں

ہم ان روشن ایمان صحابہ کرام کی طرح مضبوط نہیں ہیں۔ ہمارے دل و جان کا رشتہ حضور کے ساتھ اتنا مضبوط نہیں جتنا صحابہ کرام کا تھا۔ مگر ہم اسی رسول پر ایمان

رکھتے ہیں۔ اسی قافلے کی گرد ہیں۔ ہم اسی کارواں کا غبار ہیں۔ جس نے عرب کے صحراؤں سے نکل کر ایران اور روما کی سپر طاقتوں کو تہ و بالا کر دیا تھا۔

لگاتا تھا تو جب نعرہ تو خیبر توڑ دیتا تھا
حکم دیتا سمندر کو وہ رستہ چھوڑ دیتا تھا
ایران و شام و روما کو جھکایا تھا میدانوں میں
ہو کا لا الہ کا دے دیا تھا سب جہانوں میں

پاکستان میں علمائے کرام کی مشکلات

جلد نمبر ۱۱..........اگست ۲۰۰۲ء.....شمارہ نمبر ۱۰۴

ان دنوں پاکستان میں سیاسی اور دینی حالات دنیا بھر کے اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی کے تجزیہ نگاروں کا موضوع سخن ہیں۔ میڈیا کی تمام مشینری مختلف موضوعات پر معلومات بہم پہنچانے میں مصروف رہتی ہے۔ اندرون ملک کے اطلاعاتی اور نشریاتی ادارے تو حکومت کے پروگراموں کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے مگر دنیا کے گوشے گوشے میں اٹھنے والی آوازیں ہمارے دریچوں پر دستک دیتی رہتی ہیں۔ ان آوازوں میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہر قسم کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اور موجودہ حالات سے دلچسپی رکھنے والے خواستہ یا ناخواستہ عالمی تجزیہ نگاروں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

پاکستان کے معاشرتی اور سیاسی حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں انتخابات کی تیاریوں نے ہر شخص کو ''دیوانہ بنا رکھا ہے'' صبح کچھ شام کچھ مگر ہمیں آج جس موضوع پر بات کرنی ہے وہ پاکستان میں علماء کرام کی مشکلات ہیں۔ آج اپنے بیگانے سب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ پاکستان کی تاسیس وتشکیل اس لیے ہوئی تھی کہ یہاں اسلام کی حقانیت ابھرے گی۔ ''نظام مصطفیٰ'' کے پرچم لہرائیں گے۔ اور دنیا بھر میں یہ ایک ایسا خطہ ہوگا جہاں اللہ اور اس کے رسول کی حکمرانی ہوگی۔ مگر علمائے کرام کی سال ہا سال کی جدوجہد کے بعد بھی ایسا نہ ہوسکا۔ اس سرزمین میں

کئی حکومتیں آئیں۔کئی جمہوریتیں ابھریں۔کئی مارشل لا آئے مگر اس قوم کا مقدر وہی رہا جو بے دین ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کا ہوتا ہے۔ پاکستان کی اقتداری قوتوں کے سامنے اسلام ہاتھ باندھے کھڑا رہا اور سابقہ حکمرانوں کے طور طریقوں کو "خاموش تماشائی" بن کر برداشت کرتا رہا ہے۔

سو بار چمن مہکا سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق دل کی وہی تنہائی !

پاکستان کی موجودہ حکومت مارشل لا تو نہ لا سکی کیونکہ "مارشل لا" کا نام اس ملک میں اتنا بدنام ہو چکا ہے کہ خود فوجی حکمران بھی اس کا نام لینا گناہ سمجھتے ہیں۔وہ "فیلڈ مارشل" اور "مارشل لا ایڈمنسٹریٹر" جیسے بدنام زمانہ القابات سے بھی شرم محسوس کرتے ہیں اب "چیف ایگزیکٹو" اور "چیف آف آرمی سٹاف" کے نام کے ہاتھیوں نے پاکستان کی سرزمین کے سیاسی اقتدار اور معاشرتی کھیتوں کو پامال کر دیا ہے۔اب یہ ہاتھی اس پاک سرزمین کی دینی اقتدار کو پاؤں تلے روندنے لگے ہیں۔ یہ ہمارے پالتو ہاتھی ہیں قوم نے انہیں نصف صدی سے زیادہ عرصہ اپنا خون جگر دے کر پالا تھا۔ اور ملکی دفاع کے نام پر انہیں ہر قسم کا "چارہ" مہیا کیا جاتا رہا ہے۔اگر یہ ہاتھی اپنی سرسبز وادیوں سے نکل کر ہماری بدعنوان سیاسی قوتوں،لوٹ کھسوٹ کرنے والے طبقوں ،دہشت گرد تنظیموں اور اجتماعی سیاہ کاری کے اڈوں اور کرپشن کے خانوادوں کو پامال کرتے تو ہم یہ سمجھتے کہ ہاتھی ایک بے ضرر جانور ہے وہ شیر چیتے ،بھیڑیے،شب مار لگڑ بگڑ کی طرح مخلوق خدا کو چیرنے پھاڑنے والی نسل نہیں ہے۔مگر یہ ہاتھی اب ا ر ع اقتدار اور دینی اداروں کو بھی اپنے پاؤں تلے روندتے نظر آ رہے ہیں۔ اور پاکستان کے کسی کونے میں کوئی دینی [illegible] کی کرن نظر آتی ہے تو اس کی طرف دوڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ مسجدوں سے خطیب کی [illegible] نہ ہو،اس میں "جہادی آیات"

سنائی جاتی ہیں۔ دینی مدارس کو رجسٹرڈ کراؤ یہاں ''دہشت گرد'' تیار ہوتے ہیں۔ حجروں پر چھاپے مارو اس میں ''طالبان اور القاعدہ'' کے بچے کھچے مجاہد رہتے ہیں۔ مولویوں پر کڑی نظر رکھو یہ ''مجھے ہے حکم اذاں لا الہٰ الا اللہ'' کہتے ہیں۔ جہاد پر گفتگو کرنے والوں کی نگرانی کرو۔ یہ مدینے والے مجاہدوں کی باتیں کرتے ہیں۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

پاکستان کی سرزمین میں کئی دینی طبقے رہتے ہیں جو اپنے اپنے علماء اور دینی رہنماؤں کی زیر قیادت زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے کثیر التعداد اہل سنت ہیں ان سے ٹوٹ کر دیوبندی بن گئے، ان سے ہٹ کر ''جماعت اسلامی'' والے آ گئے۔ پھر اہل سنت و جماعت کے انتشار زدہ ٹولے ہیں جو اپنی اپنی قیادت کے جھنڈے اٹھائے سارے ملک میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں ان تمام طبقوں کے علمائے کرام جن مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ وہ کسی حساس پاکستانی سے پوشیدہ نہیں۔

''دیوبندی مکتب فکر'' کے علماء اس لیے نشانہ پر ہیں کہ ان کا رشتہ افغانستان کے طالبان سے رہا ہے ان کے ہزاروں علماء قید و بند میں ہیں۔ ان کے مدرسے آئے دن آدھی رات کے وقت حساس اداروں کی زد میں ہوتے ہیں۔ ان کے مسلکی رشتے دار، سپاہ صحابہ، لشکر جھنگوی، لشکر طیبہ اور ان جیسے دوسرے گروپوں پر آئے دن چھاپے پڑتے رہتے ہیں۔ چلو یہ تو تھے ہی مگر ہمارے سنی علماء اور مدارس کو خواہ مخواہ ''کہ ایں ہم بچہ شتر است'' کہہ کر پریشان کیا جا رہا ہے۔ سیکڑوں علمائے اہل سنت اوقاف کی مساجد سے نکال دیے گئے ہیں۔ بیسیوں علماء اہل سنت کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ سنیوں کی ہزاروں مسجدوں کی تنظیموں کو نوٹس جاری کیے جا رہے ہیں۔ اپنی مسجدیں رجسٹرڈ کراؤ، اپنے مدرسوں میں کمپیوٹر لگاؤ۔ اپنے لاؤڈ سپیکروں کے بارن پر

ٹیپ باندھو تھانوں میں ''معافی نامے'' داخل کرو۔

جرمے نہ کردہ ایم کسے را نہ کشتہ ایم

جرم ہمیں ست عاشق روئے تو گشتہ ایم

علماء اہل سنت و جماعت نہایت پر امن ہیں۔ نہایت خاموش ہیں، کبھی مسجدوں اور خانقاہوں سے باہر نکل کر کسی کو نہیں للکارا، کسی حجرے سے احتجاج کی آواز بلند نہیں کی، کسی مسجد سے بجز ''یارسول اللہ'' کے نعرے بلند نہیں کیے اور کسی کو کچھ نہیں کہا گیا یہ لوگ تو اپنے بے راہ حکمرانوں کے مظالم کے خلاف بھی حجرے میں بیٹھ کر سسکیاں بھرتے رہتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی دبے دبے لفظوں میں ملک کے ظالموں، سودخوروں، حرام خوروں، زانیوں، کلبوں میں ناچنے اور نچانے والے شرابیوں اور کبابیوں کے خلاف آیات سنا لیتے ہیں۔ یہ ایسے بھلے لوگ ہیں کہ بدمعاشوں کو بھی ''بھلا مانس'' کہہ کر بلاتے ہیں۔

''جماعت اسلامی'' کے امیر جمعیت علماء پاکستان کے صدر اور بعض پٹھان مولوی کبھی کبھی حکومت کو للکارتے رہتے ہیں۔ مگر ہمارے سنی علماء تو کبھی شور شرابا، جلسہ جلوس، ڈھول دھپہ، اور کوئیک مارچ جیسی حرکتوں کا نام تک نہیں لیتے۔ مگر یہ فوجی ہمارے کھیتوں کو بھی پامال کرتے جاتے ہیں۔ قائد اہل سنت نے کبھی نعرۂ جہاد بلند نہیں کیا۔ جماعت اہل سنت کے ناظم اعلیٰ نے ''اتفاق مسجد'' کے در و دیوار سے اپنی آواز باہر نہیں نکلنے دی۔ ہمارے حاجی، ہمارے صاحبزادے، ہمارے پیرزادے ایسے شریف اور مرنجاں مرنج علماء کرام ہیں کہ انہیں دیکھ کر جہادی آیات بھی بھول جاتی ہیں۔ سنیوں کا ایک جواں سالہ عالم دین جنہیں ہمارے پرانے علماء کرام ''دست پرور مرغ گستاخ'' کہہ کر یاد کرتے ہیں کئی سالوں سے سنیوں کے قافلے سے کٹ کر وادی تیہ میں سفر کر رہا ہے۔ بڑا قادر الکلام متحرک اور فعال لیڈر ہے۔ پچھلے دنوں

اس نے ان ہاتھیوں کو ریفرنڈم کے چوپال میں ''بڑا چارہ'' ڈالا ہزاروں کارکنوں کو ریفرنڈم کے جلسوں میں لے جاتا، لاکھوں جھنڈے اور بینرز ہاتھیوں کی آمد پر لہراتا رہا، کروڑوں روپے ان کے قدموں پر نچھاور کرتا رہا مگر ان ہاتھیوں نے ایسے وفادار، با وقار، جاں نثار راہنما کو بھی ''گھاس'' تک نہ ڈالی۔ وہ سارا چارہ خود کھا گئے۔ اور اس ''دست پرور مرغ گستاخ'' کو ایک دن کے لیے بھی ''شاہی باز'' بنا کر اپنے ہاتھوں پر نہ بٹھایا اور اس کی عقابی نظروں کی چمک نہ دیکھی۔ ''عوامی تحریک'' کے علماء ونگ کے سیکرٹری جنرل عین عین کراروی نے کتنا کرارہ شکوہ کیا ہے۔

محرومیوں کے دور میں کن حسرتوں کے ساتھ
ہم پتھروں کے دل میں وفا ڈھونڈتے رہے

سنی علماء کرام پرامن لوگ ہیں۔ درود و سلام پڑھنے والے درویش ہیں۔ خانقاہوں میں نذر و نیاز پر گزارہ کرتے ہیں۔ ان میں کوئی ''دہشت گرد'' نہیں ان میں پیرزادے ہیں جو ساری ساری رات عاشقانِ رسول کی مجالس میں نعت پڑھنے اور پڑھانے والوں کے درمیان بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ معصوم لوگ ہیں اگر یہ بھی ہاتھیوں کی زد میں آ گئے تو کتنی ستم ظریفی ہے۔

اگرچہ ہماری تاریخ ایسے بے ضرر علماء دین پر ظلم ڈھانے والے حکمرانوں کے مظالم سے بھری پڑی ہے۔ مگر اب تو زمانہ بڑا بدل چکا ہے۔ حجاج بن یوسف بے گناہ صحابہ اور اہل ایمان والوں کو دیکھ کر کہا کرتا تھا ''اب سروں کی فصل پک چکی ہے اسے کاٹنا باقی ہے'' عباسی حکمران امام ابوحنیفہ پر کوڑے برساتے نہیں تھکتے تھے۔ امام احمد بن حنبل کوڑے کھاتے جاتے تھے مگر سر نہیں جھکاتے تھے۔ علماء کرام نے ہر دور میں اپنے سر قلم کرائے، ہر ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق بلند کیا، مگر ان کے سامنے کبھی سر جھکائے نہیں سر کٹائے ضرور ہیں۔ یہاں برصغیر پاک و ہند میں اکبر بادشاہ نے کن

کن جلیل القدر علماء کرام کو قتل نہیں کیا۔ کن کن علماء کرام کو قلعوں کے قید خانوں میں بند نہیں رکھا۔ کن کن علماء عظام کو ملک بدر نہیں کیا۔ پنجاب کے سکھوں نے ایک لاکھ سے زیادہ علماء کرام کو تلاش کر کے قتل کیا۔ جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے تین لاکھ سے زیادہ علماء کرام کو پھانسیوں پر لٹکا دیا۔ جب پھانسی خانے تنگ ہو جاتے تو سڑکوں کے کنارے درختوں کے تنوں سے پھانسی کا کام لیا جاتا۔ جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد دہلی میں ایک ہی دن میں تین ہزار علماء کرام کو پھانسی سے لٹکایا گیا۔ میرٹھ میں ایک دن میں پانچ سو علماء کرام کو درختوں سے باندھ کر پھانسی دی گئی۔ جب پھانسیوں سے بھی کام نہ بنا تو چھاؤنیوں میں توپوں کے سامنے کھڑا کر کے گولوں سے اڑا دیا گیا۔ لاہور کے علماء کرام کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ ہمارے علما کرام اسی خانوادہ اہل حق سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے علماء کرام انہی مجاہدین کے کاروان کا حصہ ہیں۔ آج ہم خاموش ہیں مگر سر بلند ہیں۔ آج ہم چپ ہیں مگر ''قیامت بسینہ داریم'' ہم نظریں نیچی رکھتے ہیں مگر ''نگاہ بلند سخن دل نواز و جاں پر سوز'' ہیں

ع۔ کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ مانیست

حکمرانوں کو ہمیشہ اپنے ظلم و ستم پر غرور رہا ہے وہ ہمیشہ ستم رانیوں کو کامیابیوں کا ذریعہ جانتے ہیں۔ آج پاکستان کے حکمران چودہ کروڑ عوام کو قحط کے بیابانوں میں دھکیل کر اپنے ملک کیلٹیروں اور بددیانت سیاست دانوں سے لوٹا ہوا مال نکلوانے میں ناکام ہونے کے بعد پاکستان کے بے گناہ عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ لاد کر اپنی معاشی حالت کو سنوارنا چاہتے ہیں۔ وہ پاکستان کے علماء کرام کو ڈرا دھمکا کر اپنا وقت گزارنا چاہتے ہیں وہ جس راستہ پر چل رہے ہیں وہ ''ترکستان'' کو جا رہا ہے۔ وہ جن راہوں پر چل رہے ہیں۔ وہ انہیں تباہی کے صحراؤں میں لا کھڑا کریں گی۔

آج علماء کرام اور دینی مدارس حکمرانوں کی خشمگیں نظروں کا نشانہ ہیں

پاکستان کے شمالی خطوں، بلوچستان، سندھ اور جنوبی پنجاب کے ہزاروں مدارس کو بند کر دیا گیا ہے ہزاروں علماء کرام دہشت گرد قرار دے کر جیلوں میں بند کر دیے گئے ہیں۔ امریکہ نے سعودی عرب اور عرب امارات کو حکم دیا ہے کہ وہ پاکستان کے دینی مدارس کو دی جانے والی امداد بند کر دے کیونکہ ان مدارس میں ''مجاہدین'' کی تربیت ہوتی ہے۔ امریکہ کی خفیہ ایجنسیاں پاکستانی خفیہ اداروں کے تعاون سے ایسے مخیّر حضرات کی بھی نگرانی کر رہی ہیں جو بیرونی ممالک میں رہتے ہیں یا ملک کے اندر ہوتے ہوئے دینی مدارس کو مالی امداد دیتے ہیں۔ حکومت کے اپنے خیراتی ادارے زکوٰۃ اور بیت المال کا خزانہ سابقہ حکمرانوں کی طرح اپنے چہیتوں اداروں میں بانٹ رہے ہیں ان حالات میں پاکستان کے علماء کرام جن دشواریوں کا سامنا کر رہے ہیں وہ قابل ستائش ہیں وہ جن امتحانات سے گزر رہے ہیں وہ تاریخ کا ایک حصہ بنیں گے ۔آج اس اسلامی ملک میں علماء کرام کو دہشت گرد، جہادیہ، جنگجو، رجعت پسند بنیاد پرست جیسی گالیاں دے کر نوازا جا رہا ہے۔ جو ملک دین مصطفیٰ کے لیے بنایا گیا تھا وہاں کے علماء اس انداز سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جس پاکستانی فوج کو ہم اللہ کے سپاہی کہتے تھے اور ان پر سب کچھ قربان کرتے تھے اسی کے جرنیلوں نے اٹھ کر دینی درس گاہوں کو پامال کرنا شروع کر دیا ہے۔ جن مجاہدوں کو ہم نے اسلامی قلعہ کا محافظ قرار دیا تھا وہ آج خدا کا نام لینے والوں پر پتھر برسا رہے ہیں۔

؎ جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھیں دھڑکنیں
جب بولنے لگے تو ہمیں پر برس پڑے

دین اسلام سے دور رہ کر، اپنے اللہ سے ہٹ کر، سیاسی راستے تلاش کرنے والوں کا جو حشر ہوا وہ عبرت ناک ہے آج ان کی قبروں پر فاتحہ پڑھنا تو درکنار کوئی نام لینے والا بھی نہیں۔ ان کی اولادیں آج عبرت کا نشانہ بن گئی ہیں۔ ان کی دولت ان

کے لیے وبال جان بن گئی ہے۔ ان کی زر پرستی انہیں بدنامیوں اور دشنامیوں کے بغیر کچھ نہیں دے سکی۔ آج ان کے بچوں کو پاکستان میں رہنا نصیب نہیں۔ اس کے برعکس پاکستان کے علماء کرام کا نام آج بھی ادب واحترام اور عزت سے لیا جاتا ہے۔ ان کی درس گاہیں آج بھی علم وفضل کے سرچشمے ہیں۔ ان کی قبریں آج بھی روشن ہیں۔ ان کے نام آج بھی سنہری حروف سے لکھے ہوئے ہیں۔ ان کا نام لینے والے آج بھی سر بلند ہیں۔ یہ حکمران کن لوگوں کو دبا رہے ہیں۔ کن مدرسوں کو مٹا رہے ہیں۔ کن مسجدوں پر تالے لگا رہے ہیں اور کن آوازوں پر پابندیاں لگا رہے ہیں وہ یاد رکھیں۔

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

میں تجھ کو محل بنا دوں گا

جلد نمبر ۱۱.........ستمبر ۲۰۰۲ء.........شمارہ نمبر ۱۰۵

الیکشن سر پر آ گئے ہیں۔ جمہوریت کی روشنیاں پھیلنے لگی ہیں۔ سیاسی زندگی میں تر و تازگی آ رہی ہے۔ "آمریت کی شب تاریک" کٹتی جا رہی ہے۔ اندھیرے چھٹتے جا رہے ہیں۔ سیاہ پردے چاک ہو رہے ہیں اور سیاست دانوں کے روشن چہرے آہستہ آہستہ نمایاں ہو رہے ہیں۔ انتخابی میدان میں کچھ تو پرانی جماعتیں اور پرانے چہرے سامنے آ گئے ہیں۔ کچھ نئے چہرے بھی آتے دکھائی دیتے ہیں۔

اس بار الیکشن نے جماعتی اور صرف جماعتی انتخابات کا اعلان کیا ہے غیر جماعتی انتخابات کا تجربہ ناکام ہو گیا ہے اس کی تلخیاں ابھی تک محسوس کی جا رہی ہیں۔ غیر جماعتی الیکشن نے ایسے ایسے مکروہ افراد کو قومی اور صوبائی اسمبلیوں تک پہنچایا۔ جو دولت کے زور سے منتخب ہوئے اور دولت کی لوٹ کھسوٹ کو قانونی شکل دیتے رہے۔ ماضی کے سمگلر چور اچکے قوم کے راہنما بن کر قانون ساز اداروں میں آ بیٹھے اور غربت زدہ قوم کی دولت سے اپنے محلات تعمیر کرنے لگے۔ ان قومی راہنماؤں نے اسمبلیوں کے اندر لوٹ کھسوٹ کرنے والی پارٹیاں تشکیل دیں۔ کسی نے جیالوں کی فوج بنائی، کسی نے متوالوں کے حلقے تیار کیے۔ قوم کی راہنمائی کا دعوی کرنے والے" ہیوی مینڈیٹ" کے مالکوں نے اقتدار کی کرسیوں پر بیٹھ کر ایسے ایسے بھیانک فیصلے

کیے کہ آج ان کے قصور سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ تین سال گزر گئے آمریت کے جھنڈے سر بلند ہوئے مگر قوم جن دلدلوں میں پھنسی تھی ان دلدلوں میں اور ڈوبتی چلی گئی۔ آج فوجی ذرائع ابلاغ (ٹی وی، ریڈیو اور اخبارات) میں معاشی اور اقتصادی خوشحالیوں کے ایسے ایسے نقشے دکھائے جاتے ہیں کہ قوم حیران رہ جاتی ہے۔ یا اللہ یہ لوٹ کھسوٹ سے "پاک وشفاف فرشتے" کیا کھیل کھیل رہے ہیں۔

دنیا نے پاکستان میں جمہوریت کے لیے شور مچایا، دباؤ ڈالا، آوازیں اٹھائیں تین سالوں کے بعد وہ دروازے کھلے جن سے سابقہ سیاست دان، سابقہ سیاسی جماعتیں اور سابقہ قیادتیں پھر منہ دھو کر سامنے آنے لگیں۔ آج پھر وہی سابقہ راہنما حسین وعدوں کی ماری ہوئی قوم کو سبز باغ دکھانے لگے ہیں قوم کے کمزور حافظے سے کھیلنے والے لوگ کتنی بے شرمی سے وہی وعدے، وہی منشور، وہی نعرے، وہی اعلان لے کر سامنے آ رہے ہیں جس نے چودہ کروڑ عوام کی زندگیاں اجیرن کر دی تھیں اور برملا کہنے لگے ہیں۔

ہم تم کو محل بنا دیں گے
اور چاند ستارے لا دیں گے

لوگو! سنو میں تمہارا پرانا لیڈر ہوں، راہنما ہوں، خیر خواہ ہوں، تم نے مجھے بارہا منتخب کیا، کئی بار چنا، کئی بار اسمبلی میں بھیجا، آج پھر میں تمہیں دعوت انتخاب دیتا ہوں آگے بڑھو! مل کر نعرہ لگاؤ! اور مجھے جتاؤ! قدم بڑھاؤ! میں تمہارے ساتھ ہوں۔

ہم تم کو محل بنا دیں گے

ایک اور راہنما آگے بڑھا لوگو! ہم موسمی لیڈر نہیں ہیں جنہیں اخباروں والے "موسمی بٹیرے" کہتے ہیں۔ ہم تیس سالوں سے تمہاری خدمت کرتے آئے ہیں۔ ہم نے اقتدار کی خاطر تمہارے ووٹوں کا سہارا ضرور لیا ہے مگر ہم نے قربانیاں دی ہیں۔

تختہ دار تک پہنچے ہیں ۔ موت کو سر بازار لبیک کہا ہے ۔ اس اقتدار کے لیے اپنے بھائیوں کو قربان کیا ہے اپنے عزیزوں کو پس دیوار زنداں گروی رکھ دیا ہے، آج ہمیں بے گھر کر دیا گیا ہے۔ ملک بدر کر دیا گیا ہے۔ بلکہ در بدر کر دیا گیا ہے۔ ہمارے بنائے ہوئے محلات ویران ہو رہے ہیں ۔ یہ فوجی ، یہ آمر یہ، جرنیل، آج ہمیں اپنے ملک میں بنائے ہوئے گھروں میں نہیں آنے دیتے ۔ تم اگر ہمیں دوبارہ یا سہ بار منتخب کرادو گے ۔ تو ہم جہازوں پر بیٹھ کر اپنے وطن آئیں گے اور وطن میں بنائے ہوئے محلات میں رہیں گے پھر دیکھو گے۔

ہم تم کو محل بنادیں گے۔

لوگوں ہم ملک سے باہر بیٹھے ہیں ۔ مکہ مدینہ میں بیٹھے ہیں ۔ اللہ اللہ کر رہے ہیں ۔ مگر یہ فوجی بار بار اعلان کرتے ہیں کہ ہمیں دس سال تک اپنے وطن میں نہیں آنے دیں گے ۔ اللہ کی قدرت کیا ہم اپنے بنائے ہوئے محلات میں بھی نہیں رہ سکتے ۔ یہ ملک ہمارا ہے یہاں کی اسمبلیاں ہماری ہیں، یہاں کے لوگ ہمارے ہیں ۔ آج ہماری ''مسلم لیگ'' کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ہمارے جاں نثاروں کو غداروں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ہمارے متوالوں کو احتسابی عدالتوں میں مجرم قرار دیا گیا ہے۔ لیکن کوئی بات نہیں ۔ ہم مسلم لیگی ہیں، جمہوریت کے دلدادہ ہیں ۔ آمریت ہمارے خلاف جتنا زور لگائے ہم جیتیں گے اور اکثریت سے جیتیں گے پھر ''ہیوی منڈیٹ'' کے ساتھ اسمبلیوں میں بیٹھیں گے ۔ لوگو تمہارا حافظہ اتنا کمزور نہیں تمہیں یاد ہے ہم نے اس '' ملک کو سنوارا ہے ۔ اس کا قرضہ اتارا ہے۔'' تم اگر دوبارہ ہمیں بھاری اکثریت سے کامیاب کرو تو ہم آئیں گے اور بالضرور آئیں گے۔

ہم تم کو محل بنادیں گے۔

لوگو! ہماری بات سنو! ہم پرانے مسلم لیگی ہیں ۔ جن مسلم لیگیوں کی سابقہ

اسمبلیوں میں اکثریت تھی وہ ملک سے باہر چلے گئے ہیں۔ ملک بدر ہو گئے ہیں اب قائداعظم کی ''اصلی مسلم لیگ'' ہمارے پاس ہے۔ ہم کچھ عرصہ ان ملک بدر ہونے والوں کے ساتھ رہے۔ وزارتوں میں انکا ساتھ دیا۔ زراندوزی میں ان کے شریک کار رہے۔ ان کی تمام ترقیوں اور سربلندیوں میں ان کے ساتھی رہے۔ قومی دولت کو تقسیم کرنے میں ان کا پورا پورا ساتھ دیا مگر ان کے بھاگ جانے کے بعد ہمیں معلوم ہوا۔ یہ تو ''خاندانی لوگ'' ہیں جو اقتدار کی ساری کرسیوں کو اپنے خاندان میں ہی رکھنے کے عادی ہیں۔ اب ہم قائداعظم کی اس مسلم لیگ کا جھنڈا لے کر آئے ہیں۔ جسے آج سے پچپن سال پہلے آپ لوگ ''ملت کا پاسان ہے'' کہا کرتے تھے۔ یہ جھنڈا ہمیں مل گیا ہے۔ ہم قائداعظم کے نقش قدم پر چلنے والے لوگ ہیں۔ ہم بکھرے ہوئے سچے اور پکے مسلم لیگی ہیں۔ ہم قائداعظم کا نام لے کر تمہارے سامنے آرہے ہیں۔ اگرچہ ہمارا دستور ہمارا منشور وہی ہے جو سابقہ مسلم لیگ کا تھا لیکن اگر تم ہمیں اقتدار پر لانے کے لیے ووٹ دو گے تو۔

ہم تم کو محل بنا دیں گے۔

لوگو! ہماری آواز پر کان دھرو! ہم ہمیشہ محروم اقتدار رہے ہیں آپ لوگوں نے کبھی کبھی سیٹیں لے دیں تو ہم نے ان پر ہی صبر کیا۔ خدا گواہ ہے نہ لوٹ نہ کھسوٹ اور نہ دھوکا دہی میں حصہ لیا۔ اور نہ کبھی مار دھاڑ کو نکلے نہ زکوۃ اور بیت المال کو ہاتھ مارا۔ ہم صبر شکر کرنے والے لوگ ہیں، ہم پاکستان کے گوشے گوشے میں بکھرے ہوئے قومی راہنما ہیں۔ کراچی اور حیدرآباد میں رہیں تو اردو بولنے والوں کے راہنما ہیں۔ سرحد اور بلوچستان میں رہیں تو علاقائی لیڈر ہیں۔ آپ لوگوں کے سامنے کسی تعارف کی ضرورت نہیں ہم سارے ملک کے قومی راہنما مل کر ''نیشنل الائنس'' کی شکل میں آپ کے سامنے آئے ہیں۔ ہم مختلف علاقائی جماعتوں کے راہنما ہیں۔ اگرچہ

ہمارے دستور اور منشور مختلف ہیں مگر ایجنڈا ایک ہی ہے ہم ایک قافلے کی شکل میں متحد ہیں۔ اگر آپ ہمارے کاروان میں شریک ہو جائیں تو ملک کے وڈیروں، لٹیروں اور خاندانی لیڈروں کو شکست دے کر اقتدار میں آئیں گے پھر دیکھنا۔

ہم تم کو محل بنا دیں گے۔

لوگو! ہم ''انصاف'' کی بات کرتے ہیں اس ملک کو بے انصافی نے تباہ کر دیا ہے قوم کو نا انصافیوں نے غربت کے سمندروں میں غرق کر دیا ہے۔ اس ملک میں انصاف بکتا ہے۔ امیر لوگ انصاف کو خرید لیتے ہیں مگر غریب لوگ انصاف کی چکی میں پستے رہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ آؤ ہمارے ساتھ چل کر پاکستان کی جیلیں دیکھو۔ غریبوں سے بھری پڑی ہیں قید خانے دیکھو غریبوں کے کیمپ بنے ہوئے ہیں۔ بندی خانے دیکھو غریبوں سے آباد ہیں۔ یہاں عدالتیں بکتی ہیں انصاف بکتا ہے امیر لوگ جرم کر کے آزاد پھرتے ہیں غریب لوگ سڑکوں پر چلتے پھرتے پکڑ کر جیل میں بھر دیے جاتے ہیں۔ عدالتیں ان کو ریمانڈ دے کر بھول جاتی ہیں۔ پولیس ان کی فائلیں دبا دیتی ہے۔ اور وہ سال ہا سال پس دیوار زنداں تڑپتے رہتے ہیں۔ ہمیں ووٹ دو ہمیں منتخب کرو۔ ہم عدالتوں کی صفائی کر دیں گے۔ جیلوں کے دروازے کھول دیں گے۔ غریبوں کو ان کے گھروں تک پہنچائیں گے۔ عدالتوں میں جج نہیں منصف بٹھائیں گے۔ تھانوں میں تھانے دار نہیں دردمند افراد بٹھائیں گے۔ آپ ہمیں لاؤ ہمیں بلاؤ ہمیں ووٹ دو۔

ہم تم کو محل بنا دیں گے

لوگو! ہم ایک تحریک لے کر آپ کے سامنے آئے ہیں۔ ''عوامی تحریک'' کا پھریرا لے کر آئے ہیں۔ ہمیں اقتدار میں لاؤ وزیر اعظم بن گئے تو ہم تنخواہ نہیں لیں گے ''فی سبیل اللہ'' کام کریں گے مزدور کی تنخواہ آٹھ ہزار کر دیں گے۔ بجلی کے بل معاف

کردیں گے۔ ملک میں خوشحالی کا دور دورہ کردیں گے۔تم نے آج تک ہمیں آزمایا نہیں۔کبھی ووٹ نہیں دیا۔حالانکہ ہم تجربہ کار لوگ ہیں ہمارا ''نیٹ ورک'' ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ہم نے سابقہ اقتداری جماعتوں کے ساتھ ہمیشہ تعاون کیا ہے مگر وہ بے وفا لوگ تھے۔یہ مسلم لیگی، یہ پیپلیے، یہ مشرفیے ہمارے دیکھے بھالے ہیں۔ہم نے ان کو اقتداری کرسیوں پر بیٹھے دیکھا ہے۔بھائی بنا کر دیکھا ہے، شاگرد بنا کر دیکھا ہے۔بہن بنا کر دیکھا ہے۔مجاہد بنا کر دیکھا ہے۔مگر یہ سارے کے سارے بے وفا نکلے۔ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے آج تک کسی صاحب اقتدار سے گھاس نہیں کھائی۔گھاس تو بڑی سرسبز چیز ہوتی ہے۔خدا گواہ ہے کہ ہم نے کسی کی چائے کی پیالی پر بھی نظر نہیں ڈالی۔اگر تم لوگ ہماری طرف آؤ ہمیں ووٹ دو ہمیں اقتدار میں لاؤ تو۔

ہم تم کو محل بنادیں گے۔

لوگو! سیاسی نعرہ بازوں کے فریب میں نہ آؤ ہم ''ملت'' کو سنوارنے کے لیے میدان انتخاب میں آرہے ہیں۔ہم سالہا سال پیپلز پارٹی کا پرچم بلند کرتے رہے ہیں۔آپ نے ہمیشہ ہمیں اپنے ووٹ دیئے ہیں منتخب کیا ہے۔بلکہ صدر مملکت کی کرسی پر بٹھایا ہے۔ہم نے لٹیروں، بد دیانتوں اور قومی راہنماؤں کے بھیس میں ایوان صدر میں بیٹھ کر قریب سے دیکھا ہے۔ہماری شرافت کا یہ عالم ہے کہ یہ لوگ ملک کی دولت کو دونوں ہاتھوں لوٹتے رہے۔ہم نے انہیں کچھ نہ کہا۔یہ محلات بناتے رہے۔ہم نے صبر سے کام لیا۔لیکن ان لٹیروں نے انتہا کردی اور ہمارے سامنے ملک اور قوم کی جو چیز آئی اڑالی۔اب یہ لوٹ ''اکیلے پھرتے ہیں یوسف بے کارواں ہو کر'' کی تصویر بنے ہوئے ہیں کوئی جدہ میں بیٹھا ہے۔اور کوئی برطانیہ میں آپ ''ملت پارٹی'' کو ووٹ دیں اور بھاری اکثریت سے منتخب کریں پھر دیکھیں۔

ہم تم کو محل بنادیں گے۔

اے اہل ایمان! تم دکھی ہو تمہیں پورے پچاس سال تک سیاست دانوں نے دکھوں میں رکھا ہے۔ تمہیں دھوکا دیا گیا ہے، تمہیں لوٹا گیا ہے، تمہیں اسلام سے دور رکھا گیا ہے۔ دین کے راستوں کے قریب نہیں آنے دیا۔ تم ایسے نامراد اور بے دین حکمرانوں کے ہاتھوں لٹتے چلے آئے ہو۔ ان لوگوں نے کسی دور میں بھی تمہیں ہوش نہ آنے دیا۔ یہ لوگ صرف اور صرف اپنی ذات کے لیے انتخاب لڑتے رہے ہیں ۔حکومتیں کرتے رہے ہیں ۔ اقتدار میں آتے ہیں تو اسلام اور دین کی اقدار کو پامال کرتے رہتے ہیں ۔ انمیں مغربی جمہوریت اور امریکہ نوازی قدر مشترک ہے۔ اب سابقہ تین سال سے فوجی لوگ آ گئے ہیں ۔ انہوں نے اسلام کو جس بے دردی سے لتاڑا اس کی مثال اس سارے عالم اسلام میں نہیں ملتی ۔ آج اسلام لاوارث اور یتیم بن کر اس زمین میں کھڑا ہے جو صرف اور صرف اسلام کے نام پر حاصل کی گئی تھی ۔ سابقہ دنوں میں افغانستان کے لوگوں پر بمباری ہوئی تو پاکستان میں اسلام کا نام لینے والوں کو دہشت گرد بنا کر پامال کیا جاتا رہا امریکہ کے کہنے پر اس ملک میں جہاد کا نام لینا گناہ بنا دیا گیا۔ آج ہمارے سارے دینی راہنما اپنے مسلکی اختلافات بھلا کر اکٹھے ہو گئے ہیں اور ''متحدہ مجلس عمل'' کا جھنڈا لے کر آپ لوگوں کے سامنے آئے ہیں ہم نے کبھی لوٹ کھسوٹ میں حصہ نہیں لیا اب وقت آ گیا ہے کہ آپ ان بے دین لیڈروں کے وعدوں کی پروانہ کرتے ہوئے ہمارا ساتھ دیں ہمیں اپنے اعتماد کی قوت مہیا کریں ۔ ملک دشمن سیکولر اور امریکہ نواز لیڈروں کو شکست دیں لوگو! ہم طوفانوں میں گھرے ہوئے ہیں ان طوفانوں نے صرف ہمیں ہی سرگرداں نہیں کیا بلکہ چودہ کروڑ عوام کو ہلکان کر کے رکھ دیا ہے۔ پوری قوم کو بے جان کر دیا ہے اگر آپ مل کر ہمارے کاروان میں شامل ہو جائیں تو نظام مصطفیٰ کا پرچم لہرانے لگے گا اور قوم کی تقدیر بدل

ہم تم کو محل بنا دیں گے۔

پاکستان کے درد مند لوگو! ملک کے یتیم نواز انسانو! ہم وہ لوگ ہیں جو اپنی جمعیتوں سے کٹ کٹ کر اپنی اپنی جمعیتوں کے پرچم لے کر سامنے آ رہے ہیں۔ ہم علماء کرام ہیں، ہم علماء دین ہیں، ہم اپنے سابقہ راہنماؤں اور انکی جمعیتوں سے کٹ کر تمہارے پاس آئے ہیں آپ ہم جیسے غریب الدیار دینی لیڈروں اور یتیم سیاستدانوں کا ساتھ دیں۔ ہماری کوئی چیز آپ لوگوں سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ ہم نیک لوگ ہیں، بھلے لوگ ہیں، محراب و منبر میں کھڑے ہونے والے لوگ ہیں۔ آپ ہمیں جانتے ہیں ہم نے کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیا صرف اللہ اللہ کیا ہے اور ہاں آج ہم دین کا جھنڈا لے کر آگے بڑھے ہیں۔ ہم سابقہ دینی راہنماؤں کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے ہمارا ایک ایک فرد خود دینی راہنما ہے۔ ہم دوسروں کی قیادت کے بجائے اپنی اپنی قیادت کا اعلان کرتے ہیں ہماری جمعیتیں دیکھیں ہماری جماعتیں دیکھیں۔ ہم ایک کے بجائے بیس جمعیتیں لے کر آپ کے سامنے آئے ہیں۔ آپ ہمارے چہرے دیکھیں۔ آپ ہمارے جھنڈے دیکھیں۔ آپ ہمارے اعلان سنیں۔ آپ ہمارے نعرے دیکھیں۔ ہم نے کبھی کسی سے غداری نہیں کی۔ آج ہم علیحدہ علیحدہ ہیں مگر آپ کے سامنے ہیں نیک ہیں اگر آپ ہمیں بھاری اکثریت سے کامیاب کر دیں گے تو

ہم تم کو محل بنا دیں گے۔

یہ ملک کی ان سیاسی جماعتوں کے اعلان تھے جو اپنے اپنے علم اٹھائے میدان انتخاب کی طرف آگے بڑھ رہی ہیں۔ مگر تین سال سے جو آمریت پاکستان کے اقتدار پر براجمان ہے۔ اس نے بھی ''جمہوریت'' میں اپنا مقام بنانا ہے۔ لوگو! تم نے ہمیں تین سال تک دیکھا ہے ہم غیر سیاسی لوگ ہیں نہ کسی سے دھوکا کیا نہ کسی کو فریب دیا۔

صفائی'' کا ہمیں کریڈٹ ملنا چاہیے۔ ملکی خزانے لوٹنے والے ملک سے باہر چلے گئے ہیں۔ اب ہمارا خزانہ بھر گیا ہے۔ ڈالر جمع ہو گئے ہیں۔ ہماری سرکاری رپورٹیں دیکھو ہمارے پاس غیر ملکی سرمایہ قطار در قطار آ رہا ہے۔ اور ہم سابقہ حکومتوں کے قرضے لوٹا رہے ہیں۔ بنکوں کے ''ہارڈ سیف'' بھر رہے ہیں۔ نہ لوٹ نہ کھسوٹ نہ قرضہ نہ معافی نامہ ہاں ذرا ضروریات زندگی مہنگی ہو گئی ہیں۔ ہمارے اقتصادی اور معاشی ادارے پھل پھول رہے ہیں۔ ہم نے اپنے اقتصادی اور ''معاشی تسلسل'' کو قائم رکھنا ہے۔ اگر چہ ان معاشی اور اقتصادی مقاصد کے ثمرات ابھی تک عوام نہیں پہنچنے پائے۔ مگر آپ دیکھیں گے کہ ہمارے منصوبے دس سال کے بعد ایسے ثمرات لائیں گے کہ چودہ کروڑ عوام حیران رہ جائیں گے۔ اب ہم جمہوری دور کا آغاز کر رہے ہیں۔ آمریت کو خیر باد کہہ رہے ہیں۔ مستقبل میں جمہوریت کے میدان میں ہم وہ کارنامے سرانجام دیں گے۔ کہ پچھلے تین سالہ دور کو لوگ بھول جائیں گے۔ پھر آج دنیا کی سپر پاور امریکہ ہمارے ساتھ کھڑی ہے۔ اس کے وعدے ہماری راہنمائی کر رہے ہیں۔ وہ ہمیں اتنی امداد دے گا کہ سابقہ حکومتوں کے تمام قرضے بے باق ہو جائیں گے۔ لوگو! اگر چہ ہم فقیروں کی طرح ووٹ نہیں مانگا کرتے ووٹ خود بخود ہمارے بکسوں میں آ جاتے ہیں۔ ہماری ہم خیال سیاسی جماعتیں ہمارے سائبان کے سائے میں آ جاتی ہیں۔ مگر ''جمہوریت'' کی روایت ہے کہ لوگوں سے ووٹ مانگے جائیں ہم روایت کو برقرار رکھتے ہوئے آپ سے ووٹ مانگتے ہیں۔ آپ لوگ ہمیں بھاری اکثریت سے کامیاب بنائیں ہمارے وزیر، گورنر، جرنیل اور کچھ ساتھی میدان انتخاب میں نکلے ہیں۔ انہیں کامیاب بنائیں اور پھر دیکھیں کہ ہم آپ کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

لوگو! ہمارے ''جمہوری نمائندوں'' کو ووٹ دو ہمارے مستعفی وزیروں کو ووٹ دو۔ ہمارے وفادار گورنروں کو ووٹ دو، ہمارے سابقہ وزیروں کو منتخب کرو۔ وہ ہماری

پالیسیوں کا تسلسل قائم رکھیں گے۔ سابقہ تین سالوں کے تمام ریکارڈ توڑ دیں گے۔ ہم نے پاکستان کو جمہوریت کا گہوارہ بنانا ہے۔ اور سابقہ لیڈروں کو ملک میں گھسنے نہیں دینا یہ بد دیانت لیڈر، یہ قرضہ ریکارڈ کار جانے والے راہنما، یہ خزانہ لوٹ کر بھاگ جانے والے سیاست دان آپکے ہمدرد نہیں ہو سکتے۔ آپ ہمارے ساتھیوں کو ووٹ دیں پھر دیکھیں۔

ہم تم کو محل بنا دیں گے۔

ہم نے اوپر کے صفحات پر پاکستان کے سیاسی راہنماؤں کے اعلانات اور وعدوں پر روشنی ڈالی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی میدان میں انہی لوگوں سے رونق چمن ہے۔ اور انہی لوگوں نے زلف سیاست کو سنوارنا ہے۔ ہم بقول عرفان صدیقی کالم نویس نوائے وقت لاہور کے یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ، جب چمن بندی ایک سلیقے اور قرینے سے ہو تو ہر کیاری میں الگ الگ رنگ و بو کے لالہ و گل اپنی بہار دکھاتے ہیں اور ہر ایک کو اپنی رعنائی و زیبائی پر فخر ہوتا ہے۔ ایسا اسی وقت ہوتا ہے جب گلشن کا کاروبار کسی نظم کسی ضبط اور کسی قاعدے کا پابند ہو۔ جب مختلف بیل بوٹے بے ہنگم طریقے سے نکل آتے ہیں اور ساون بھادوں کی رت کی طرح در و دیوار سے بھی سبزہ اگنے لگتا ہے تو سب کچھ آپس میں گتھم گتھا ہو جاتا ہے۔ نہ کوئی کیاری دکھائی دیتی ہے۔ نہ روش ایک دوسرے سے لپٹی بیلیں اور اجنبی شاخوں سے گلے ملتی ٹہنیاں چمن کو خودرو جنگل بنا دیتی ہیں۔ جھار جھنگاڑ کے اس انبار میں نہ کسی پھول میں اپنا رنگ باقی رہتا ہے نہ خوشبو۔

کچھ ایسا سماں آج کل گلشن سیاست کا ہے۔ ۱۲۹ جماعتوں نے الیکشن کمیشن سے رجوع کیا۔ چند ایک فنی خرابیوں کی وجہ سے مردود ہوا باقی ہیں۔ مگر تمام کو انتخابی نشان الاٹ ہو گئے ہیں کچھ ان نشانات کو اپنے اعزازات کے توشہ خانہ میں ڈال کر

مطمئن ہو جائیں گی۔ ڈیڑھ دو درجن عملاً میدان میں رہ جائیں گی۔ بعض ایسی جماعتیں ہیں جو ایک دوسرے کو گلے لگانے کے لیے دن رات دوڑ دھوپ میں مصروف ہیں ان جماعتوں کے پاس کھڑے کرنے کے لیے گریجویٹ امیدوار بھی نہیں ہیں۔ مگر ہر ایک کہتی ہے مجھے زیادہ سے زیادہ سیٹیں دی جائیں۔ اس بار اندازہ نہیں ہو رہا کہ پارٹیوں کا ناک نقشہ کیا ہے۔ چہرے ہیں کہ منحوس لگنے کے باوجود پہچانے نہیں جاتے کئی ایک نے بالوں کا سٹائل بدل دیا ہے کئی ایک نے پلاسٹک سرجری کرالی۔ کچھ نے نام تبدیل کر لیا۔ کچھ نے حلیہ بدل لیا۔ عوام میں اچھی خاصی جڑیں رکھنے والی جماعتوں کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے ہیں۔ سب اپنی قوت بازو پر بھروسا کرنے کے بجائے الائنس کی راہیں تلاش کر رہی ہیں۔ اپنا اپنا دستور، اپنا اپنا منشور، اپنا اپنا پروگرام اور اپنا اپنا تصور حکمرانی رکھنے والوں کو کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس دہلیز پر کھڑے کس دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ سیاسی تجزیے، مبصرین کے جائزے، قیاس آرائیاں خبریں اور تصویریں عجب کہانیاں کہہ رہی ہیں۔ ان کہانیوں میں کوئی باہمی ربط اور تعلق دکھائی نہیں دیتا۔ ہمارے علم میں ابھی تک ایسی کوئی جماعت نہیں آئی۔ جس کے متعلق ہم دعویٰ سے کہہ سکیں کہ یہ کامیاب ہو کر ابھرے گی اور اکثریت لیکر اسمبلیوں میں جائے گی۔

ہمیں ایک اعزاز حاصل ہے کہ ملک کے صدر محترم، چیف ایگزیکٹو، آرمی چیف آف سٹاف کے علاوہ سب راہنماؤں سے نیاز مندی ہے۔ ہر ایک راہنما اور لیڈر کے ساتھ قربت نہیں تو چائے کی پیالی پینے کا شرف تو حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم پیالی کو بڑا مقام دیا جاتا ہے۔ ہماری یہ دلی تمنا ہے کہ ان جماعتوں کے سارے راہنما جھنڈے اٹھائے ہوئے اسمبلیوں میں پہنچیں اور ہم اپنے دوستوں میں کہہ سکیں کہ "شاہ سوار" ہم بھی ہیں۔

کھل گیا خورشید کا چہرہ کہ بادل چھٹ گیا

جلد نمبر ۱۱ اکتوبر نومبر ۲۰۰۲ء شمارہ نمبر ۱۰۶

پاکستان میں جمہوریت کے میدان میں انتخابی شہسواروں کے لشکر نبرد آزما ہونے سے تیغ آزمائی میں مصروف تھے۔ شور وغل، ڈھول، ڈھمکا، بیان وکلام اور پھر اپنی اپنی کامیابیوں پر فخر ومباہات کے دعوے پورے زور شور سے سامنے آتے تھے۔ اس بار جلسے اور جلوسوں کے بجائے اخبارات اور رسائل کے صفحات ٹی وی کی سکرینیں ملکی و غیر ملکی ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے تجزیہ نگاروں کی جو محفلیں جمیں اس کی مثال سابقہ انتخابی جلوسوں جلسوں اور دنگلوں میں نظر نہیں آتی تھی۔ جلوسوں کا اپنا جاہ وجلال ہوتا تھا نعرہ بازی کا ایک شور وغل تھا'' آوے ہی آوے'' ساڈا میاں آوے ہی آوے ساڈی پی پی آوے ہی آوے۔ وہ مزہ میڈیا کے تنگ صحنوں اور کمپیوٹروں سے سجے ہوئے خوبصورت کمروں میں کہاں۔ تاہم دنیا بھر کے کمنٹیٹروں نے اپنا کردار حسن وخوبی سے ادا کیا اس کا جواب نہیں اور ہم لوگ بھی دنیا کی مصروفیات سے دامن سمیٹ کر رات کے آغاز سے سحری تک انتخابی تجزیاتی محفلوں سے لطف اندوز ہوتے رہے اور کہتے رہے۔ یہ محفل جو آج سجی ہے کوئی اس کے سامنے آئے۔''

کا لطف اٹھاتے رہے۔ الیکشن کا دن آیا انتخاب کا معرکہ برپا ہوا۔ بڑے بڑے سیاسی جغادری میدان انتخاب میں نکلے۔ بڑی آب وتاب سے اپنے اپنے حریفوں

پرواز کرتے دکھائی دیے۔ تجربہ کار نبرد آزما اور آزمودہ کار ایک دوسرے کے سامنے آئے ان میں ''گرگ باراں دیدہ'' بھی تھے۔ شاہباز ان نادیدہ بھی تھے۔ سارا دن ''جمہوریت کی جنگ مغلوبہ'' برپا رہی شام ہوئی تو ہم نے ٹی وی پر دیکھا کہ بڑے بڑے سیاسی پہلوانوں کے لاشے بے گور و کفن پڑے ہیں۔ بڑے بڑے شہسواروں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ بعض کراہ رہے ہیں اور بعض خاک و خون میں بے حس پڑے ''چشمانش نگران است کہ ملکش بادگراں است'' کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ کئی اپنے دوست مارے گئے، اپنے یاران محفل لٹ گئے۔ کئی اپنے جانی اور دلدار کٹ گئے۔ کس کس کا نام لیں۔ کس کس کی شکست پر آنسو بہائیں کس کس کے زخموں پر مرہم رکھیں۔

؎ کس کس کی لیں خبر نہیں اپنی ہی جب خبر
دامن رفو کریں کہ گریباں رفو کریں

شام الم ڈھلی تو درد کی ہوا چلنے لگی میدان انتخاب سیاسی لاشوں سے اٹا پڑا تھا۔ یہ مناظر دیکھ کر ''شام غریباں'' بھی منانے کی ہمت نہ رہی۔

؎ اب ان کو دیکھنے کی بھی ہمت نہیں رہی
یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں

یہ تو شام غریباں تھی مگر دوسری صبح نمودار ہوئی تو آمریت کے سیاہ بادلوں سے جمہوریت کے سورج کا چہرہ درخشاں ہونے لگا۔ دل خوش ہو گیا گویا:

ع۔ کھل گیا خورشید کا چہرہ کہ بادل چھٹ گیا

کئی مسکراتے ہوئے چہرے کامیابی لے کر ابھرے۔ کئی درخشاں چہرے نور بکھیرتے ہوئے نظر آئے، کئی گلاب چہرے خوشبو بکھیرتے ہوئے دکھائی دیے۔

سیاسی لوگوں، سیاسی لوگوں کی اولاد اور سیاسی لوگوں کے حاشیہ بردار تو کبھی ہارتے جیتتے اقتدار کے ایوانوں میں آتے جاتے، اقتداری کرسیوں پر

بیٹھتے اور انہیں توڑتے دکھائی دیتے ہی رہتے ہیں۔ مگر آج ہمارے قائد اہل سنت امام انقلاب مولانا الشاہ احمد نورانی صدیقی مدظلہ العالی کی قیادت میں ''متحدہ مجلس عمل'' ایک ابھرتی ہوئی قوت بن کر سامنے آئی۔ ان ''مولویوں'' نے مسجدوں، حجروں، مدرسوں اور غاروں سے نکل کر تمام سیاسی تجزیہ نگاروں کو حیران کر دیا اور بقول ان کے وہ ''سرپرائز'' دیا جسے انہوں نے خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ پاکستان کے دو صوبوں سرحد اور بلوچستان میں بلا شرکت غیرے حکومتیں بنانے کا استحقاق حاصل کر لیا قومی اسمبلی میں اتنی قوت کے ساتھ آئے کہ حکومت سازی میں انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

دراصل ''متحدہ مجلس عمل'' کی کامیابی امریکہ کے ان مظالم کا جواب ہے جو وہ عالم اسلام پر توڑ رہا ہے۔ متحدہ مجلس عمل کا انتخاب پاکستان کے کروڑوں عوام کا امریکہ کے افغانستان پر مظالم ڈھانے کے خلاف مینڈیٹ ہے۔ پاکستان میں امریکہ کے حمایتیوں اور کاسہ لیسوں کے منہ پر ایک زبردست طمانچہ ہے۔ افغانستان کے مسلمانوں پر مظالم ڈھانے والوں کے خلاف نفرت کا اظہار ہے۔ افغانستان کے پہاڑوں اور بیابانوں میں شہید ہونے والوں کی روحوں کو خراج عقیدت ہے۔ ہم کامیاب ہونے والے لیڈروں کا استقبال کرتے ہیں اور انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔

ہمارے کئی علماء کرام جو سنیوں کی سربلندی دیکھنے کے لیے بے تاب تھے موجود وسیٹ اپ کو ''دیوبندیوں کی یلغار'' کہہ کر اپنی جبینوں پر سلوٹیں سجانے میں حق بجانب ہیں اور جب وہ مایوسی کا اظہار کرتے ہیں تو وہ سچے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے جب سنیوں کا گھر اجڑا ایک ایک سنی عالم دین اپنے گھر سے روٹھ کر اپنی اپنی قیادت کا علم اٹھائے باہر نکلا۔ ایک ایک سنی عالم دین گھر سے بھاگ کر سڑکوں پر نکل پڑا۔ کئی جماعتیں، کئی قیادتیں، کئی انجمنیں بنا بنا کر نکلے اور سیاست کے میدانوں میں گھوم گھوم کر اپنی قیادت کا اعلان کرتے گئے۔ یہ سادہ لوح لوگ اپنے گھر سے بھاگ کر روٹھ کر بے آسرا ہو گئے

بیابانوں اور صحراؤں میں بھوکے پیاسے گھومتے رہے کچھ دنوں بعد بعض دم توڑنے لگے بعض تھک ہار کر بیٹھنے لگے، ہمیں ان پر رونا آیا ان پر ترس آیا، پھر اپنے آپ پر ترس آیا مگر جو لوگ ''موت کو خالہ'' کہتے ہیں وہ اپنی ماں کے ہاتھوں کی بنی ہوئی چوری کب کھا سکتے ہیں۔

ع۔ میرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے زمانے کا

تاہم ہم امید رکھتے ہیں کہ ''متحدہ مجلس عمل'' کے جتنے راہنما اسمبلیوں میں پہنچے ہیں۔ وہ عالمانہ حکمت عملی سے کام لے کر قانون سازی کریں گے۔ ''نظام مصطفیٰ'' کے لئے اہم کردار ادا کرتے ہوئے قوانین شریعت کے نفاذ کے لیے دن رات ایک کر دیں گے۔ سیاسی جماعتوں کے ممبروں کو اپنے ذاتی مفاد کی فائلیں اٹھائے دیکھ کر اپنے مقاصد کو نظر انداز نہیں کریں گے۔ سیاسی لوگوں کی ایک روایت ہے کہ وہ اسمبلیوں میں پہنچ کر اپنی علیحدہ فائلیں بنا کر قرضے، الاٹمنٹیں مار دھاڑ کے طریقے اختیار کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ انہیں مصروف رہنے دیں۔ اگر علماء کرام چند برسوں میں اس پاکستان میں نظام مصطفیٰ کی بنیادیں رکھنے میں کامیاب ہو گئے تو مغربی ممالک اور امریکہ کے وظیفہ خوروں، ان کے حاشیہ برداروں کی گردنیں خود بخود جھک جائیں گی اور اس زمین کے لوگوں پر اللہ کی رحمتیں نازل ہونے لگیں گی۔

''متحدہ مجلس عمل'' سے ہٹ کر ہمارے کئی سنی علماء کرام بھی ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں کے ٹکٹ پر منتخب ہو کر اسمبلیوں میں جا پہنچے، انہیں بھی چاہیے کہ اپنی اپنی جماعتوں سے وابستہ رہ کر اسلام کے لیے کام کریں۔ وہ بھی قانون سازی میں بھرپور حصہ لیں۔ ایسی قوتوں سے تعاون کریں۔ جو نظام مصطفیٰ پر ایمان رکھتی ہیں۔ انہیں چاہیے کہ اپنی جماعت کے دین دار اراکین کو جمع کر کے نظام مصطفیٰ کے لیے کام کریں۔ یاد رکھیں اللہ انہیں سر بلندی بھی دے گا اور اپنی جماعتوں میں عزت بھی دے گا۔

انتخابات کے مراحل گزرنے کے بعد حکومت سازی کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے اور ہم محسوس کر رہے ہیں کہ ملک میں ''نظام مصطفیٰ'' کے نفاذ کے لیے آہستہ آہستہ راہیں ہموار ہو رہی ہیں۔ سابقہ روایات سے ہٹ کر اب بے دین قوتیں اسلام کو اس بیدردی سے نظر انداز نہیں کر سکیں گی جس بے دردی سے سابقہ ادوار میں کرتی رہی ہیں۔ اس بار علماء کرام کی ایک طاقتور اور اچھی ٹیم اسمبلیوں میں پہنچ چکی ہے۔ اب بے پناہ رکاوٹوں کے باوجود علماء کرام کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ جن لوگوں نے انہیں ووٹ دے کر اسمبلیوں میں پہنچایا ہے وہ اپنا حق مانگتے ہیں۔ وہ ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل چاہتے ہیں۔ وہ نہ امریکہ کی غلامی پسند کرتے ہیں نہ امریکہ کے ''گداگروں'' کے احکام کے پابند ہونا چاہتے ہیں۔ مگر جن لوگوں نے ووٹ نہیں دیے وہ بھی علماء کرام سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ لوٹ کھسوٹ کے بازار میں پہنچ کر اپنا دامن صاف رکھیں اور ملک کے دو صوبوں میں اسلامی اقدار کو عملی طور پر زندہ کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کریں۔ جن دینی اقدار کو وہ محراب و منبر میں کھڑے ہو کر زندہ کرنے کے لیے زور دیتے رہے ہیں اور ہر حکومت سے مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ انہیں وقت ضائع کیے بغیر مکمل کرنا چاہیے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ سندھ اور پنجاب کے مسلمان بھی سرحد اور بلوچستان سے آنے والی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے محسوس کریں گے پھر وفاقی حکومت بھی اتنی بے راہ روی نہیں کر سکے گی جس طرح وہ پہلے کیا کرتی تھی۔

اللہ کا شکر ہے کہ متحدہ مجلس عمل کی قیادت ایک ایسے سنی العقیدہ عالم دین کے ہاتھ میں ہے جو ساری زندگی ''نظام مصطفیٰ'' کا علم اٹھائے صبح و شام مصروف جدوجہد رہا ہے اگرچہ ہمارے بعض سنی ملاؤں کی تنگ نظری نے حالیہ انتخابی دور میں انہیں در خور اعتنا نہیں جانا پھر اس کے نتیجے میں جو ذلت اٹھائی ہے اس سے ان کی آنکھیں ابھی تک کھل نہیں سکیں۔ مگر ملک کے تمام دینی طبقوں نے مولانا شاہ احمد نورانی

قیادت سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اور آج ''تحریک نظام مصطفیٰ'' کی طرح تمام مسالک کے علماء کرام نے یکجا ہو کر ان کی صلاحیتوں کو تسلیم کیا ہے وہ قائد اہل سنت ہیں، وہ نظام مصطفیٰ کے داعی ہیں، وہ سواد اعظم کے راہنما ہیں۔ وہ امام احمد رضا کے نظریات کے ترجمان ہیں۔ ہم پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ان کی قیادت میں مختلف مسالک کے علماء کرام کی ٹیم قانون سازی میں بہت اہم کردار ادا کرے گی۔

ہم اپنے روٹھے ہوئے سنی علماء کرام اور مشائخ ذی شان سے بھی توقع رکھتے ہیں کہ حجروں اور خانقاہوں سے نکل کر رسم شبیری ادا کریں گے، تساہل اور مایوسیوں کے اندھیروں سے نکل کر عوام کی دینی راہنمائی کریں گے، ہم انہیں بتا دینا چاہتے ہیں۔

ع۔ یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

تیرے دیوانے اٹھے ''دار ورسن'' تک پہنچے!

جلد نمبر ۱۲ .... فروری ۲۰۰۳ء .... شمارہ نمبر ۱۰۸

آج دنیائے اسلام کفار کے نرغے میں ہے۔ یہود و نصاریٰ کی واحد سپر پاور اسلام کے نام لیواؤں کو مٹانے کے لیے برسرپیکار ہے اس کی انسانیت کو تباہ و برباد کرنے والی ساری عسکری قوتیں عالم اسلام میں بسنے والے فرزندان اسلام کو نشانہ بنارہی ہیں۔ ہمارے اپنے حکمران سب کچھ ہونے کے باوجود دہشت زدہ ہیں اور اس کے سامنے کانپتے ہوئے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں اور اپنے عوام کو سمجھانے میں کوشاں رہتے ہیں کہ لوگو! بڑوں سے لڑا نہیں کرتے۔ بڑوں کے سامنے آواز بلند کرنا دیوانگی ہے ان حکمرانوں کے درباروں کے حاشیہ نشین دانشور اور عقلمند بڑے بڑے فلسفیانہ بیانوں میں سمجھاتے ہیں کہ بڑوں کے سامنے سر اٹھا کر چلنا بہت بڑا جرم ہے۔

بایں ہمہ دنیا بھر کے عوام خواہ یورپ کے عوام ہوں خواہ ایشیا کے، خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، جارج بش کے جارحانہ اقدام پر احتجاج کرتے ہوئے ہر روز احتجاجی جلوس نکال رہے ہیں۔ آج دنیا بھر کے کروڑوں لوگ عراق پر امریکہ کے حالیہ جارحانہ اقدام پر احتجاج کررہے ہیں۔ آج امریکہ جیسی سپر پاور کو ڈر ہے کہ مسلمانوں کا عراق کسی خفیہ غار میں اپنے ہتھیار چھپائے بیٹھا ہے جو امریکہ اور اسرائیل کو ایک آن میں بھسم کردے گا۔ اس کا یہی ڈر افغانستان کی تباہی کا سبب بنا تھا۔ افغانستان

کے خشک پہاڑوں کی تاریک غاروں میں بیٹھے ہوئے ایک عرب مسلمان ''اسامہ بن لادن'' نے اس کے بلند و بالا مینار توڑ کے رکھ دیے تھے۔ وہ صدام حسین کو ''دوسرا اسامہ بن لادن'' قرار دے کر اعلان کر رہا ہے۔

اسلام کو عراق و یمن سے نکال دو......

تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے کہ کفری طاقتیں خواہ کتنی ہی زبردست ہوں وہ ایک مسلمان کے نعرۂ حق سے لرز جاتی ہیں۔ مسلمان خواہ کتنا ہی کمزور ہو بے سروسامان ہو کفر ہمیشہ اس سے ڈرتا رہتا ہے۔ آج مسلمانوں کی بے سروسامانی کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ مگر دنیا کے کسی خطے سے اگر ایک نوجوان مسلمان آواز اٹھاتا ہے تو کفر کے محلات میں زلزلہ برپا ہو جاتا ہے۔ افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے باوجود ''اسامہ بن لادن'' اور ''ملا عمر'' کے نام سے بش کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔ دنیا کے کسی کونے میں کوئی مجاہد سر اٹھاتا ہے تو اسے القاعدہ کا رکن کہہ کر گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج عالم اسلام کے دہشت زدہ مسلمان حکمران اپنی سیاسی حکمت عملی کے کتنے بھی گن گائے مگر وہ اسلامی ممالک کے مختلف گوشوں سے ابھرنے والے مجاہدین کو نہ دبا سکتے ہیں اور نہ ہی امریکہ ان سے خوش ہو سکتا ہے۔ یہ سارے مجاہدین امریکہ کے لیے خوف کی علامت بنے ہوئے ہیں۔

الحمد للہ! آج دنیا کے گوشے گوشے میں حضور ﷺ کے دامن سے وابستہ نوجوان کہیں آواز بلند کرتے ہیں تو کفر کے محلات کانپ جاتے ہیں۔ پاکستان اور افغانستان کو چھوڑیے، انڈونیشیا کے ایک عالم دین مولانا بشیر جو ایک دینی ادارے کے مدرس ہیں کی نحیف آواز سے کفر کے قلعے لرز رہے ہیں۔ ملائشیا کے ایک مسلمان حکمران ...... مہاتیر عبدالرحمن ...... کی ایک تقریر پر امریکہ اور برطانیہ کی وزارت خارجہ

فلسطینی مجاہد اپنے پیٹ پر بم باندھ کر نعرہ تکبیر بلند کرتا ہے تو اسرائیلی حکومت تو کیا امریکہ کی یہود نواز حکومت میں بھی کھلبلی مچ جاتی ہے۔ ہمارے پاکستان کے کسی گوشے میں اگر کوئی مجاہد بلند آواز کرتا ہے تو امریکہ کے کتے جناب مشرف صاحب کے شکاریوں کو لے کر سارے علاقے میں اودھم مچا دیتے ہیں۔ کشمیر کا ایک مجاہد جان دے کر بھی ایک کافر حکومت کو ہلا دیتا ہے۔ چیچنیا کے مجاہدین جب قدم بڑھاتے ہیں تو روس کے قلعے ہل جاتے ہیں۔ فلپائن کے جانباز مسلمان ایک نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہیں تو امریکہ کے محکمہ دفاع کی فائلیں کھل جاتی ہیں۔ عرب ممالک کا کوئی نوجوان اگر سر اٹھاتا ہے تو اسے ''اسامہ بن لادن کا بھتیجا'' کہہ کر گرفتار کر لیا جاتا ہے اور امریکہ کو یہ خدشہ ہوتا ہے کہ اب کی بار یہ نوجوان ''وائٹ ہاؤس'' کو برباد کر دے گا۔

آج کے دانش مند اخباری تجزیہ نگار خواہ کتنی ہی باتیں کریں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کے پروانے کفر کے محلات میں زلزلہ برپا کر رہے ہیں آج کا میڈیا اپنے فیصلے جس انداز سے کرے وہ اس کا حق ہے مگر مسلمان مجاہدین پروانہ وار دار و رسن کی طرف قدم بڑھاتے چلے جا رہے ہیں۔ آج کے مجاہدانہ اقدام سے کفر کی سنگین دیواروں میں دراڑیں پڑنے لگی ہیں۔ ہم عقل والے تجزیہ نگاروں کی لمبی لمبی باتوں کے سامنے دم نہیں مار سکتے مگر نبی کریم کے دیوانے جب دار و رسن کو چومنے کے لیے قدم بڑھاتے ہیں تو دنیا کی جبروتی طاقتیں ہل کر رہ جاتی ہیں۔

ہم اخباری تجزیہ نگاروں کی بات نہیں کرتے۔ وہ بیچارے رہین خانہ اخبارات ہیں انہوں نے مجاہدین اسلام کی ''آواز رحیل'' کو کبھی سنا ہی نہیں ان لوگوں کی زبانی باطل میڈیا کے خوش کن الفاظ سنا سنا کر اسلامی دنیا کا تجزیہ کرتی ہیں۔ مگر آج کا مسلمان مجاہد جب قدم اٹھاتا ہے تو یہ تجزیہ نگار اپنا منہ چھپا کر گردن جھکا لیتے ہیں۔ آج کے مسلمان عوام اور مصلحت [illegible]

نہیں کرتے وہ تو صرف اپنے دین اور اسلام پر جان دینا جانتے ہیں۔ دوسرے اسلامی ممالک سے ہٹ کر خود پاکستان میں جتنے مجاہدین کو امریکہ کے کتوں نے گرفتار کیا ہے ان میں ایک بھی ایسا سامنے نہیں آیا۔ جس نے دارورسن کے خوف سے سر جھکایا ہو۔ پاکستان کا ایک مجاہد بھی آج تک باطل قوتوں کے سامنے سرنگوں نہیں ہوا۔ پاکستان کا ایک سرفروش بھی اپنے مجاہدانہ اقدام پر نادم نہیں ہوا۔ یہ پاکستانی مجاہد کہاں سے آتے ہیں؟ کہاں پرورش پاتے ہیں؟ کس کے گھر جوان ہوتے ہیں؟ ان کا تو اسی وقت پتا چلتا ہے جب وہ کفر کی قوتوں کو للکارتے ہیں اور کفر کے نمائندے انہیں پکڑ کر لے جاتے ہیں۔

ہم ان دانشوران سیاست سے پوچھتے ہیں کہ آپ اتنے دانشور ہیں کبھی آپ نے غور کیا کہ پاکستان کی وہ کونسی مائیں ہیں جو ایسے مجاہدین کو جنم دیتی ہیں جو دارورسن کو لبیک کہتے ہیں؟ وہ کون سے خاندن ہیں جہاں سے یہ نوجوان جان ہو کر اپنے دین کی خاطر تختۂ دار پر کھڑے ہو کر مسکراتے ہیں؟ وہ کون سے مدرسے ہیں جن کی صفوں میں یہ لوگ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ''کیوبا'' کے قید خانوں میں پہنچ جاتے ہیں؟ وہ مجاہد کہاں سے برآمد ہوتے ہیں۔ جنہیں امریکہ کے کتے رات کے اندھیروں میں اٹھا کر اپنے عقوبت خانوں میں لے جاتے ہیں۔ مگر وہ کبھی سر نہیں جھکاتے، اے وقت کے اقتدار پسندو! تم اپنی زر پرستی کے خول میں بند رہو مگر ہم تمہیں بتائے دیتے کہ یہ لوگ رسول اللہ کے دیوانے ہیں! یہ ناموس مصطفیٰ کے پروانے ہیں، یہ اسلام کے جنگلوں کے شیر ہیں! یہ دین مصطفیٰ کی فضاؤں کے شاہین ہیں۔ یہ باطل قوتوں سے ٹکرانے والے ہیں! یہ آتش نمرود میں کود پڑنے والے ہیں، زمانہ انہیں مانے یا نہ مانے مگر کفر کی سپر دنیا ان کے مجاہدانہ عمل سے کانپ رہی ہے۔ وہ قدم اٹھاتے ہیں تو کفر کے قلعوں کی دیواریں ہلنے لگتی ہیں۔ ہم ان پر جتنا فخر کریں کم ہے جتنا ناز کریں تھوڑا ہے۔

؎ وہ کہ سوز غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرائے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

خون حسین سے ہوئی گلگوں قبا عراق کی

جلد نمبر۱۲..........مارچ ۲۰۰۳ء..........شمارہ نمبر۱۰۹

آج ساری دنیا کی نظریں عراق پر مرکوز ہیں امریکہ اپنی ساری عسکری قوت لے کر بغداد پر چڑھ دوڑا ہے نہ اس نے دنیا بھر کے انسانوں کے مظاہروں اور احتجاجوں کی پروا کی ہے نہ یواین او کے فیصلوں اور سیکورٹی کونسل کے انتباہ کو خاطر میں لایا۔ سیکڑوں بمبار جہاز۔ درجنوں بحری جنگی بیڑے، ہزاروں ٹینک اور میزائل بردار وارہیڈ سے لیس تین لاکھ فوج لے کر عراق کے اردگرد گھیرا ڈال کر حملہ آور ہو گیا ''جہان رضا'' کا یہ شمارہ پہنچنے تک خدا معلوم بغداد کے لوگوں پر کیا گزری ہو گی یا عراق کی سرزمین کو کن حالات کا سامنا پڑا ہو گا۔ دو سال پہلے یہی عفریت افغانستان کی سرزمین کو خاک وخون سے رنگین کر چکا ہے اور لاکھوں جانوں کا خون پی چکا ہے چونکہ دنیائے ارضی کی تمام حکومتیں، مسلمان حکومتوں سمیت کسی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ نہیں پکڑے اور چونکہ اس کو اب تک کسی نے انہیں للکارا، اس کی فرعونیت بڑھتی گئی اور اس کے ظلم وستم کے ہاتھ لمبے ہوتے گئے۔ آج وہ عراق کی سرزمین کو گھیرے میں لیے شہر بغداد پر آگ برسا رہا ہے۔ افغانستان کی تباہی کے وقت تو دنیا کے کئی ممالک خاموش رہے بہت سے اس کے ہم نوا بھی بن گئے مگر آج تو مشرق سے مغرب تک بچہ بچہ سراپا احتجاج بن کر اس کے جبر پر آواز بلند کر رہا ہے۔ آج بہت سی حکومتیں اور قوتیں اس کی

اس بربریت کے خلاف آواز بلند کر رہی ہیں۔

یہ تو بیدار انسانیت کی وہ آواز ہے جو ہمارے سامنے آئی ہے۔ مگر عراق کے مسلمانوں، بغداد کے شہریوں، بصرہ کے باشندوں، کربلا کے خاک نشینوں پر جو کچھ گزری ہے اور گزر رہی ہے اس پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے آج دنیا کی اسلحہ سے لیس قوتیں احتجاج تو کرتی ہیں مگر یہ سب دہشت زدہ ہیں آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کرتیں۔ عرب ممالک کی دولت اور امارات کے خزانے بھرے پڑے ہیں مگر آج جب وقت آیا ہے تو ان حکومتوں کی اربوں کے اسلحہ کی بھری ہوئی چھاؤنیاں خاموش تماشائی بنی ہوئی ہیں اور تو اور پاکستان کی ''اسلامی حکومت'' جسے اپنی ایٹمی طاقت پر بڑا ناز ہے اور اس کے بزدل حکمران قدم قدم پر اپنی ایٹمی قوت ہونے اور ''غوری'' اور ''حتف'' کے میزائلوں کے نشانوں کی ڈینگیں مارتے رہتے ہیں۔ آج سب کچھ ہونے کے باوجود چپ سادھے بیٹھے ہیں جیسے پاکستان کے پاس ایٹم بم نہیں۔ ''مرغی کے گندے انڈے ہیں۔''

قومیں جب بزدل ہو جاتی ہیں تو دولت اور اسلحہ ان کے کام نہیں آتا۔ قومیں جب زر پرست ہو جاتی ہیں تو ان کے بازو شل ہو جاتے ہیں۔ قومیں جب ''طاؤس ورباب'' کو اپنا کلچر بنا لیتی ہیں تو ''تیر وسناں'' سے لیس آج دنیا بھر کے مسلمان مجاہدین اسلام میدان جنگ میں کودنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے حکمرانوں کی مصلحتوں کی زنجیریں توڑ کر میدان جہاد میں پہنچنا چاہتے ہیں۔ مگر آج ان کے حکمران ان کے جذبے اور ان کے جوش کو دیکھ کر ڈرتے ہیں کہ

ع۔ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے !

آج عراق پر امریکہ اور برطانیہ کے بمبار جہازوں کو راکٹ اور میزائل برساتے سات دن ہو گئے۔ وہ سارا سارا دن بغداد شہر کو نشانہ بنا رہے ہیں شہر کی عمارتیں اور ان میں رہنے والے ہزاروں عراقی ان کی بربریت کا نشانہ بن چکے ہیں۔

بایں ہمہ عراقی مسلمان کے عزم و استقامت میں فرق نہیں آیا۔ آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ عراقی مسلمان تن تنہا جس ثابت قدمی سے سینہ سپر ہیں اس کی مثال نہیں ملتی، آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ دنیا بھر کے سارے حکمران امریکہ کی بربریت کے سامنے سہمے ہوئے ہیں۔ اور اس کے اس فعل کی مذمت کرنے کے باوجود اونچا سانس نہیں لے سکتے۔ ان حالات میں ہم عراقی مسلمانوں کی جرأت اور استقامت کو سلام کرتے ہیں۔ وہ پٹ رہے ہیں۔ مر رہے ہیں ان کے سامنے اپنے بچوں اور عزیزوں کے لاشے خاک وخون میں تڑپ رہے ہیں مگر وہ سر نہیں جھکاتے۔ ہم عراق کے ان مجاہدین اسلام کو ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہیں جو آگ کے طوفانوں کے سامنے ڈٹے ہوئے ہیں۔ ہم صدام حسین کو دل وجان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ جس نے اس گئے گزرے زمانے میں ایک مسلمان مجاہد کا کردار ادا کیا ہے۔

امریکہ کی اس بربریت کے سامنے اگرچہ دنیا کے حکمران دہشت زدہ اور لرزہ براندام ہیں مگر الحمدللہ مشرق ومغرب کا بچہ بچہ اس ظلم کے سامنے آواز بلند کر رہا ہے۔ احتجاج کر رہا ہے۔ مذمت کر رہا ہے، جاپان سے لیکر امریکہ کی مغربی دیواروں تک، مشرق سے مغرب تک، ہر شخص صدائے احتجاج بلند کر رہا ہے۔ خود ان ظلم وستم کے دیوتوں کے اپنے گھروں میں بھی عوام بازاروں اور سڑکوں پر نکل کر احتجاج کر رہے ہیں۔ آج دنیا کی اجتماعی آواز امریکہ اور برطانیہ کے ظلم کے خلاف ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اگرچہ امریکہ کے ہوائی جہاز عراق کے صحراؤں اور بیابانوں کو خون آلود کر رہے ہیں مگر مستقبل قریب میں ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ آگ برسانے والے خود عوامی نفرت کی آگ کے شعلوں میں جلتے ہوئے نظر آئیں گے۔

اگرچہ آج امریکہ کی بربریت عسکری اندازوں کے مطابق سارے عراق پر قابض ہونے کا عزم لے کر آئی ہے مگر ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی ''واحد سپر پاور'' اپنی

ساری قوت صرف کرنے کے باوجود بھی عراق کی سرزمین پر قبضہ نہیں کر سکے گی۔

۲۳ مارچ کو لاہور کی سرزمین میں ''ملین مارچ'' کا جو احتجاجی جلوس نکلا ہے اس کی مثال نہیں ملتی اس میں مسلمانان پاکستان نے لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو کر ''بش کا جو یار ہے غدار ہے غدار ہے'' کے نعرے لگائے ہیں پاکستانی عوام کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ حکومت کے وفاداروں، وزیروں اور پیپلز پارٹی کے ملت اسلامیہ سے کٹے ہوئے لیڈروں کے علاوہ تمام سیاسی جماعتوں کے راہنما موجود تھے۔ پھر مذہبی اور دینی جماعتوں کے راہنماؤں نے جس انداز میں ''ملین مارچ'' میں شرکت کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ

ع ۔اک جہان تازہ ہو گا تیری اس آواز سے

اور پاکستان کی سرزمین ''نظام مصطفیٰ'' کا گہوارہ بنے گی۔ اور حضور نبی کریم کے دین کا علم لاہور کی سرزمین پر لہرائے گا۔ آج پاکستان کا عوام بیدار ہے۔ زندہ ہے۔ عراقی مسلمانوں کے ساتھ ہے، جہاد کے جذبہ سے سرشار ہے۔ یہ افسوس کا مقام ہے کہ پاکستان کا حکمران طبقہ امریکہ کی حمایت میں ''دھوبی کا کتا'' بن کر رہ گیا ہے ''جو نہ گھر کا نہ گھاٹ کا'' مگر ایک وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ اپنی غداریوں اور مصلحت اندیشیوں کا حقیر معاوضہ لے کر گوشۂ گمنامی میں چلے جائیں گے۔ اور ان کا نام لینے والا بھی کوئی نہ ہو گا۔ ملت اسلامیہ کی غیرت کا سودا کرنے والے عنقریب اس کیمپ میں ''پناہ گیر'' بن کر امریکہ اور برطانیہ کے کیمپوں میں جا بسیں گے۔

اللہ تعالیٰ عراق کے مجاہدین اسلام کو زندہ رکھے! اللہ تعالیٰ بغداد کے شہر کو اپنی پناہ میں رکھے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کے مسلمانوں کو مجاہدانہ توانائیاں بخشے، اللہ تعالیٰ دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک کر دے۔ اللہ تعالیٰ اسلامی غیرت سے محروم مسلمان حکمرانوں کو صدام حسین نہیں تو محمد مہاتیر ہی بنا دے (آمین ثم آمین)

عراق کے بعد مسلم امہ کے لئے لمحہ فکریہ

جلد نمبر ۱۲............اپریل، مئی ۲۰۰۳ء...........شمارہ نمبر ۱۱۰

امریکہ اور برطانیہ کی فوجیں عراق پر قابض ہوگئی ہیں۔ اقوام عالم دیکھتی رہ گئیں۔ عالم اسلام کے مسلمان حکمران دم بخود بیٹھے رہے۔ اور عراق کے مسلمانوں کے کشت وخون کے مناظر دیکھنے کے باوجود کچھ نہ کر سکے۔ آج امریکہ اور برطانیہ عراق کے تیل، عراق کی دولت حتیٰ کہ عراق کے قیمتی تاریخی اثاثوں کی بندر بانٹ کر رہے ہیں۔ ان کے اپنے بنائے ہوئے ''انسانی حقوق'' عراق کی سرزمین میں پامال ہو رہے ہیں اور ان کی فوجیں عراقی مسلمانوں پر جو مظالم ڈھا رہی ہیں ان کی تفصیلات اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا میں ہر روز سامنے آتی ہیں۔

آج عراق پر قابض ہونے کے بعد امریکہ دنیا کے ہر ایک ملک کو آنکھیں دکھا رہا ہے۔ اور مسلمان ممالک تو اس خوف سے دہشت زدہ ہیں کہ شاید اب ان کی باری آئے گی۔ پھر کمزور قومیں وقت کے اس عفریت کے سامنے دم بخود ہیں۔ یو این او ''عضو معطل'' بن کر رہ گئی ہے۔ سیکورٹی کونسل ایک بے بس ادارہ بن گیا ہے۔ ان حالات میں مسلم امہ کو سوچنا چاہیے کہ ان کا مستقبل کیا ہے، بدقسمتی سے آج ساری دنیا کے مسلمان حکمرانوں میں ایک بھی ایسا مرد مجاہد نہیں جو جرأت کر کے کم از کم یہ سوچ ہی سکے کہ مستقبل میں عالم اسلام کو کس انداز میں کھڑا کرنا ہے۔ اور کس طرح اس کی صف بندی کرنی ہے۔

ملائیشیا کے عبدالرحمان مہاتیر نے سپر پاور کی یلغار کے دوران یہ نعرۂ حق بلند کیا تھا۔ کہ ''مسلم امہ'' کو اپنے تحفظ کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ پاکستان ایک نظریاتی اسلامی مملکت ہے اور اللہ کے فضل سے ایٹمی قوت بھی ہے۔ اس پر سارے عالم اسلام کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔ مگر اس کے حکمران اتنے دہشت زدہ ہیں کہ وہ خاموشی ہی نہیں بلکہ ایک جابر قوت کی خوشامد کو ہی حکمت عملی کا نام دے کر وقت گزار رہے ہیں۔ یہ بیچارے اقوام اسلام کے سامنے کیا کھڑے ہوں گے، ان کے ملک کے اندر ان کے عوام ان کا گریبان پکڑنے کو آئے دن اسمبلیوں اور سڑکوں پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ ان حالات میں ایک اسلامی سلطنت کا سربراہ عالمی تناظر میں کیا کریگا۔

مایوسیوں کے ان اندھیروں کے باوجود مسلم امہ کو باہمی اتحاد و اتفاق کے لیے عملی اقدام کرنے چاہئیں آج کی دنیا عسکری بربریت سے سہمی ہوئی ہے اور عسکری برتری ان قوموں کے پاس ہے جو اپنی سفا کی اور تشدد میں ضرب المثل ہیں تاریخ عالم میں ایسی سفاک قوتیں انسانی تہذیب کو تہ و بالا کرنے کیلئے آگے بڑھتی رہی ہیں۔ مگر کمزور قوتیں اپنی اخلاقی قوت اور اتحاد و اتفاق سے ایسی جابر قوتوں کو شکست بھی دیتی رہی ہیں۔ آج کے زمانہ میں مسلمان قوم ایک عظیم قوم بن کر ابھر رہی ہے۔ وہ دنیا کے گوشے گوشے میں اپنا مقام رکھتی ہے۔ وہ دشمنوں کے ترقی یافتہ ممالک کے اندر بیٹھ کر اپنے مستقبل کے متعلق سوچ رہی ہے وہ دنیا کے مختلف خطوں میں کفر کی بڑھتی ہوئی طاقتوں پر نظر رکھتی ہے۔ بعض مسلمان ممالک اپنی مالی کمزوری اور دوسرے وسائل کی کمی کی وجہ سے پریشان ہیں لیکن ہمارے بہت سے اسلامی ممالک مالی لحاظ سے اور دنیاوی وسائل کے لحاظ سے کسی سے کم نہیں ہیں۔ ان ممالک میں مسلمان نوجوانوں کا ایک ایسا طبقہ ابھر رہا ہے۔ جو جان قربان کرنے سے نہیں گھبراتا۔ مسلم امہ میں ایسے ایسے جانباز مجاہد ابھرتے نظر آتے ہیں جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

مسکراتے ہیں۔ آج کے سیاسی تجزیہ نگار اگر ایمانداری سے تجزیہ کریں تو مسلمانوں میں یہ معمولی قوت نہیں ہے۔ آپ عربوں کے نوجوانوں کے مجاہدانہ کارناموں کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے جو دنیا کے ہر گوشے میں جہادی تنظیموں کے شانہ بشانہ جانیں دے رہے ہیں آپ پاکستان کے ان مجاہدین کو یقیناً سلام کریں گے۔ جو اسلام کی برتری کے لیے اندھیری راتوں میں یلغار بولتے رہتے ہیں۔ اور مغربی طاقتیں انہیں دہشت گرد کہہ کر دنیا میں بدنام کرتی رہتی ہیں۔ آپ مسلم امہ کے ان ماؤں کے جگر بندوں کو ضرور ہدیہ تبرک پیش کریں گے جو اسلام کی عظمت کے لیے دن رات کام کر رہے ہیں۔ ان کو گرفتار کیا جاتا ہے اور لوہے کے پنجروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ تختۂ دار پر کھڑے ہوتے ہیں تو لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے ان کو گرفتار کرنے والے مغربی طاقتوں سے بڑے بڑے انعام حاصل کرتے ہیں۔ آپ انڈونیشیا کے ان مجاہدین کو کس طرح نظر انداز کر سکتے ہیں جو کفار کے کیمپوں پر حملے کر کے جانیں قربان کرتے ہیں۔ آپ افغانستان کے ان مجاہدین کو کس طرح سے دیکھیں گے۔ جو کفر کی یلغار کے سامنے سینہ سپر رہتے ہیں۔ آپ فلسطین کے ان مجاہدین کو کس انداز سے دیکھیں گے جو اپنے بدن پر بم باندھ کر دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ آپ کشمیر کے ان مجاہدین کو کیسے بھول سکتے ہیں جو اپنوں کے ہاتھوں جیلوں کی سنگلاخ دیواروں کے اندر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ ''اسامہ بن لادن'' اور ''صدام حسین'' کو کس نام سے پکاریں گے جنہوں نے غاروں سرنگوں میں رہ کر بھی امریکہ اور برطانیہ کے خداؤں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔ مسلم امہ کے یہ جانباز افراد اسلام کے روشن مستقبل کی علامت ہیں۔ آج کا دنیادار اور زر پرست مسلمان، بے شک انہیں پسند نہ کرے مگر عالم اسلام کا ایک ایک فرد ان کی جرات و بہادری کو سلام کرتا ہے ایک وقت آنے والا ہے۔ یہ جانباز تنہا قربانی نہیں دیں گے بلکہ مجاہدین کے کارواں در کارواں ان

کے ہم قدم چلیں گے۔ کفار کے مظالم کے طوفانوں کا مقابلہ کریں گے۔ اب عالم اسلام کے مختلف علاقوں سے مجاہدین کے قافلے تیار ہو رہے ہیں۔ عرب افریقہ اور ایشیا کے مسلمان جانباز ایک قوت بن کر آگے بڑھیں گے پھر یورپ اور امریکہ کے اندر بیٹھے ہوئے نوجوان اپنا کردار ادا کریں گے۔ ایک وقت آنے والا ہے کہ اللہ کے دین کی حفاظت کے لیے لوگ فوج در فوج اٹھیں گے۔ اور انہیں اللہ کے فرشتوں کی نصرت ملے گی۔

؎ اک جہاں پھر تازہ ہو گا نعرۂ تکبیر سے

آج کفر کی طاقتیں افغانستان اور عراق کو اپنے پنجے میں دبا کر کئی دوسرے مسلمان ممالک کو آنکھیں دکھا رہی ہیں مگر انہیں کیا خبر کہ اللہ کا ہاتھ کس انداز سے آگے بڑھنے والا ہے جو نمرودی اور فرعونی طاقتوں کو سرنگوں کر دیتا ہے۔

تو مشو مغرور بر حلم خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

ہم جس خدا پر ایمان رکھتے ہیں اس کی بے پناہ طاقت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ہم جس رسول پر ایمان رکھتے ہیں اس کی غیبی قوت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ہم "نان جویں" کھانے والوں میں قوت حیدری دیکھ رہے ہیں۔

ایک وقت آنے والا ہے اور یہ وقت عنقریب آنے والا ہے کہ عالم اسلام بیدار ہو گا متحد ہو گا۔ بزدلوں اور غداروں سے پاک ہو گا اور کفر کے طوفانوں کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو گا۔ آپ اپنے اردگرد نگاہ رکھیں۔ آپ کے اردگرد روشنیاں پھیل رہی ہیں۔ صبح کے اجالے بڑھ رہے ہیں۔ اپنے نوعمر بچوں پر نگاہ رکھیں یہ مستقبل کے مجاہدین کا لباس پہن رہے ہیں۔ آپ نے غور نہیں کیا کہ آپ کے شہروں اور قصبوں میں آپ کے مہمان آپ کے گھروں میں ٹھہرنے والے نوجوان، آپ کے ہوسٹلوں میں رہنے والے طالب علم، آپ کے دیہات اور شہروں میں گھومنے والے نوجوان، جب پکڑے جاتے ہیں تو پھر پتا چلتا ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟ یہ کس قوم سے تعلق رکھتے تھے؟ یہ کس خانوادے کے بچے

تھے آج کی غدار حکومتیں ان کی تلاش میں کتنے کتنے بھاری انعام لے کر گرفتار کراتی پھرتی ہیں مگر یہ چنگاریاں، یہ جانباز، یہ مجاہد، مسلم امہ کی جان ہیں، اور "مسلم امہ" زندہ ہو رہی ہے۔

منشی رحمت کا قلمدان اور وزیر دفاع میر علی احمد خاں ٹالپور

میر علی احمد خان ٹالپور مرحوم کسی زمانہ میں مغربی پاکستان کے وزیر خوراک تھے وہ "شملہ پہاڑی" کے دامن میں ایک شاندار کوٹھی "پام ویوز" میں رہتے تھے۔ اس جگہ آج کل تجارتی مرکز بن گئے ہیں وہ بڑے علم دوست، کتاب دوست اور سخن شناس وزیر تھے ۔ وہ عقیدۃً "آزاد منش" تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں کے گرویدہ تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی کو "شیخ الہند والعرب" کہا کرتے تھے۔ مولوی اشرف علی تھانوی کو "حکیمُ الامت" کہتے تھے شام کو ان کے ہاں ایک علمی محفل جمتی تو اس میں شورش کاشمیری، عبداللہ بٹ (جو مبارک مسجد کے وہابی خطیب کے بیٹے تھے اور ایڈیٹر ماہنامہ "احوال و آثار" تھے مولانا ابوالحسنات بہاری، کے علاوہ بہت سے وہابی، دیوبندی، اور احراری مولوی آبیٹھتے۔ میں ان دنوں میر علی احمد خاں ٹالپور کے بچوں کا اتالیق تھا۔ مجھے اس محفل میں بیٹھنے کا موقع بھی ملتا کو ان "فرزندان دیوبند" کے چٹکلے سنتا۔ "یبوست زدہ وہابیوں" کی خشک گفتگو سنتا۔ "احراریوں کی گپ بازیوں" سے محظوظ ہوتا۔ ایک دن سیاسی گفتگو کے دوران ایسا وقت آیا کہ "قلمدان وزارت" پر گفتگو ہونے لگی۔ فلاں وزیر کو 'فلاح قلمدان وزارت' ملا ہے۔ فلاں کو فلاں محکمہ ملا ہے۔ شورش کاشمیری اور عبداللہ بٹ اس لفظ پر ارباب مجلس کے لیے بڑے لطیف نکتے اٹھاتے اور میر علی احمد خاں ٹالپور سے داد پاتے۔ مجھے سیاسی گفتگو کرنے کا سلیقہ تو نہ تھا مگر میں نے اعلیٰ حضرت کا ایک شعر پڑھا۔

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی "منشیٔ رحمت کا قلمدان" گیا

میر صاحب شعر سن کر تڑپ اٹھے مجلس میں بیٹھے دوسرے حضرات نے بھی داد دی۔ میر علی احمد خاں ٹالپور نے شورش کاشمیری کو مخاطب کر کے کہا شورش! تم تو بڑے

شعر شناس ہو۔ اس شخص کو دیکھو یہ اللہ کی سلطنت میں نبی کریم ﷺ کو "قلمدانِ وزارت" کا مالک بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں اللہ کی سلطنت کے "محکمۂ رحمت کا قلمدان" جس کو عطا ہو۔ اس کی عطا اور بخشش کے ہاتھ کو کون روک سکتا ہے؟ مجھے پوچھا گیا مولانا! یہ کس کا شعر ہے؟ جب میں نے بتایا مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا تو میر صاحب اٹھے اور میرا ماتھا چوم لیا اور شعر کو بار بار سنا اور مجھے کہا مجھے "حضرت بریلوی" کا پورا دیوان لا کر دو۔ دیوان لا کر دیا۔ میر علی احمد خاں ٹالپور نے "حدائق بخشش" کو اپنے خصوصی مطالعہ کی ریک میں رکھا اور مجھے فرمایا "یہ شخص تو داغ اور غالب کا ہم پلہ ہے۔"

جن دنوں نواب مشتاق احمد خاں گورمانی مرحوم گورنر تھے تو مجھے ایک عالم کی وساطت سے کبھی کبھی گورنر ہاؤس جا کر ان سے ملنے کا موقع ملتا۔ نواب صاحب "تعویذات وعملیات" کے بڑے عامل تھے۔ اور ایسے لوگوں سے ان کا ملنا جلنا تھا۔ جو تعویذات کے عامل تھے۔ وہ تعویذات کو چاندی اور سونے کے پتروں میں جڑوا کر رکھتے۔ فیصل چوک لاہور میں "گولڈ سمتھ اینڈ کمپنی" کا مالک ان کے سیکڑوں تعویذات تیار کرتا اور نواب صاحب اپنے احباب کی مشکلات کو دور کرنے کے لیے ہدیہ کرتے۔ خود رات گئے تک وظائف پڑھتے تھے۔ وہ صاحب مطالعہ گورنر تھے۔ دانشور تھے اور دینی کتابوں سے محبت کرنے والے۔ ان کے کتابی کمرہ میں دیوبندی، مفسرین اور مترجمین کے قرآن رکھے رہتے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مجھے بڑا املال ہوتا مگر دم تک نہ مار سکتا۔ ان دنوں حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے نواب آف کالاباغ کے کزن ملک شیر محمد خان اعوان آف کالاباغ کی کتاب "محاسن کنز الایمان" شائع کی تھی۔ میں نے حکیم مرحوم کو نواب گورمانی کے ذوق مطالعہ کی طرف توجہ دلائی۔ اور دیوبندی تراجم کا ذکر کیا۔ آپ نے "محاسن کنز الایمان" کے چند نسخے پیک کیے اور نواب گورمانی کے ذاتی مطالعہ کے لیے' کا لیبل لگا کر ڈاک کے حوالے کر دیے۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے دیکھا کہ کنز الایمان کا نسخہ آپ کی میز پر تھا۔ اور ایک دوست کو فرما رہے تھے۔ "بھائی قرآن کا ترجمہ پڑھنا ہو تو صرف کنز الایمان پڑھا کرو۔"

پاکستان کے علماء کرام ''کنج خاموشاں'' میں

جلد نمبر ۱۲............اگست ۲۰۰۳ء........شمارہ نمبر ۱۱۲

ہم اپنے ''اداریہ'' کا عنوان ''پاکستان کے علماء کرام ''شہر خاموشاں میں'''' وادی خاموشاں'' میں ''گورغریباں میں'' رکھنا چاہتے تھے۔ مگر ہمارے ایک دانشور مشیر تحریر، عالم دین نے سختی سے روکتے ہوئے فرمایا کہ یہ سارے عنوان شاعروں کی زبان میں ''قبرستان'' کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس لیے میں یہ عنوان استعمال نہیں کرنے دوں گا۔ ہم نے دریافت کیا تو آپ کے نزدیک عنوان کیا ہونا چاہیے۔ فرمانے لگے میں ان دنوں ''کنج خاموشاں'' میں قیام پذیر ہوں۔ آپ اپنے ''اداریہ'' کا عنوان ''پاکستان کے علماء کرام ''کنج خاموشاں'' میں رکھ لیں تو مجھے اور میرے ہم مسلک علماء کرام کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

جب سے پاکستان میں ''آمریت اور جمہوریت'' کی جنگ ملک کی اسمبلیوں، اور ان کے اردگرد چیمبروں اور اخبارات کے صفحوں پر آ گئی ہے۔ اس دن سے پاکستان کے علماء کرام لب بند، زبان بند، بیاں بند، اور سخن بند...... کی تصویر بن کر رہ گئے ہیں۔ حالانکہ ہمارے ملک میں ماشاء اللہ بڑے بڑے بلند فکر علماء کرام موجود ہیں۔ بڑے بڑے شعلہ بیاں علماء عظام موجود ہیں۔ بڑے بڑے بیان باز اور زبان دراز علماء ذیشان موجود ہیں۔ مگر آج سارے ملک میں کہیں سے بھی کوئی آواز سنائی

نہیں دیتی۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی لیڈروں اور سیاسی مولویوں نے علماء دین کی زبانیں کھینچ لی ہیں۔اب ''نوبت بایں جار سیدہ است'' کہ نہ کوئی جلسہ، نہ جلوس، نہ کانفرنس، نہ مجمع جن پنڈالوں میں یہ حضرات کبھی چمکا اور گرجا کرتے تھے۔اور اپنے سامعین کو مسحور کر دیا کرتے تھے۔آج وہاں سناٹا ہے۔ہم کن کن علماء کرام کا نام لیں۔ آج بیان و کلام کے تمام شیر اپنی اپنی کچھاروں میں خاموش بیٹھ گئے ہیں۔ہم کن کن واعظوں کا نام لیں جو سامعین کے سامنے برق باراں بن کر گرجا کرتے تھے۔ہم کن کن مقرروں کا نام لیں، جو فصاحت و بلاغت کے پھول برسایا کرتے تھے۔ہم کن کن شیریں زبانوں کا نام لیں، جن کے دم قدم سے خیابان دین و سیاست آباد تھے مگر آج وہاں خاموشیوں کے پہرے ہیں۔

ع۔ اہل دل کے کارواں کن وادیوں میں کھو گئے

مشائخ کی کانفرنسیں ہوا کرتی تھیں۔علماء سے ہال بھر جایا کرتے تھے۔ واعظوں کی آمد سے مساجد معمور ہو جایا کرتی تھی۔بات بات پر جلسے جلوس اور محافل برپا رہتی تھیں۔بعض پیرزادوں کو تقاریر کرنا نہیں آتی تھیں۔مگر وہ ذکر و فکر کی محفلیں برپا کرلیا کرتے تھے۔بعض لیڈروں کو تقریر کرنا نہیں آتی تھی۔مگر وہ اخبارات میں اپنے فوٹو لگوالیتے تھے۔بعض گونگے بہرے سیاست دانوں کو دیکھا ہے کہ وہ اخبارات کو راضی کر کے اپنے جلسوں کی رنگیں تصویریں لگوایا کرتے تھے۔

مگر آج پاکستان میں ایسا کڑا وقت آیا ہے کہ ساری رونقیں ختم ہو کر رہ گئی ہیں۔اور رونقوں کے مالک ''کنج خاموشاں'' میں جا بیٹھے ہیں۔قاضی حسین احمد جماعت اسلامی کے سربراہ ہیں۔ان کی آواز کبھی کبھی سننے میں آتی ہے۔کبھی وہ شیر بن کر دھاڑا کرتے تھے کبھی وہ ظالموں کو للکارا کرتے تھے۔وہ آدھے عالم دین ہیں اور آدھے لیڈر۔اب ان کی تقریریں ٹی وی کی سکرین تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔مولانا

فضل الرحمٰن دیوبندی مکتب فکر کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ آج کوئی دیوبندی عالم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ مگر وہ بھی عام مجمعے میں تقریر کرنے کے بجائے کیمرے کی شعاعوں کے سامنے کھڑے نظر آتے ہیں۔ کبھی کبھی ہمارے قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کی فکر انگیز تقریر عام مجمعوں میں سنی جاتی تھی۔ مگر وہ بھی اب قاری زوار بہادر صاحب کے حجرے میں یا پیر اعجاز احمد ہاشمی کے گھر میں بیان دے کر لاہور کا دورہ مکمل کرلیتے ہیں۔ ہائے! کیسا زمانہ آیا ہے کیسی کیسی خوبصورت آوازیں، عوام کے مجمعوں سے نکل کر کیمروں اور ویڈیوز کے ڈبوں میں بند ہو کر رہ گئی ہیں۔

ایک وقت تھا کہ علماء کرام کے اپنے اپنے مراکز اور ادارے تھے۔ وہ اپنے بیان و کلام سے لوگوں کے دلوں کو دینی روشنیوں سے مستنیر کیا کرتے تھے۔ لاہور شہر میں لوہاری دروازے کے باہر مولانا محمد بخش مسلم بی اے کی خوش بیانی کس کو یاد نہیں۔ حضرت داتا گنج بخش کی جامع مسجد میں مولانا محمد عمر اچھروی کے خطابات کو کون بھول سکتا ہے۔ انجن شیڈ کی جامع مسجد میں مولانا غلام دین اشرفی کی تقریروں کا مزہ دماغ سے کب نکل سکتا ہے۔ سرائے رتن چند میں مولانا محمد شریف نوری کی خوش بیانی سے کون ناواقف ہے۔ چوک دالگراں، جامع مسجد دالگراں میں مفتی محمد حسین نعیمی کی تقریریں کس نے نہیں سنیں۔ جامع مسجد ٹی کوتوالی، دہلی دروازے کے باہر علامہ اقبال احمد فاروقی کی تقریروں کو کون بھول سکتا ہے۔ سیکرٹریٹ کی جامع مسجد میں مولانا غلام محمد ترنم کے انداز بیاں کی یادیں ابھی تک زندہ ہیں۔ مغل پورہ میں سید مراتب علی شاہ کی مثنوی کی لے آج تک دل و دماغ کو تازگی بخشتی ہے۔ وزیر خاں کی مسجد میں مولانا ابوالحسنات کے فاضلانہ بیان کو لوگ یاد کیا کرتیہیں۔ فیض باغ لاہور میں مولانا شمیم کی گونج کس کے کانوں تک نہیں پہنچتی تھی۔

لاہور سے نکل کر گوجرانوالہ کے مولانا عبدالعزیز چشتی مولانا محمد صادق رضوی

،کامونکی کے مولانا محمد اکرم رضوی، سیالکوٹ میں مولانا مختار احمد نعیمی، گجرات کی عیدگاہ میں قاری احمد حسن فیروز پوری، لالہ موسیٰ میں مولانا غلام قادر اشرفی، راولپنڈی کے مرکزی مسجد کے خطیب مولانا عارف اللہ شاہ قادری، سرگودھا میں پیر ولایت شاہ گجراتی کے بیٹے حامد شاہ گجراتی، لائل پور میں شیخ الحدیث کی جامع رضویہ، ملتان میں غزالی زماں کی عیدگاہ، کراچی میں محمد شفیع اوکاڑوی، اوکاڑہ میں مولانا غلام علی اوکاڑوی کراچی کی میمن مسجد آرام باغ کی رونقوں کو کون بھول سکتا ہے۔؟

ع۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

دیو بندی مکتب فکر کے علماء کرام غالباً اس لیے سہمے بیٹھے ہیں کہ انہیں ''طالبان'' کا ہم شکل جان کر'' کہ ایں ہم بچہ شتر است'' کے زمرے میں '' القاعدہ'' کا رکن نہ بنا دیا جائے۔ وہابی علماء کے توحید کے نعرے غالباً اس لیے خاموش ہو گئے ہیں کہ سعودیہ سے آنے والی تیل کی زکوٰۃ اب امریکیوں کی نگرانی میں تقسیم ہونے لگی ہے۔ ایران امریکہ کی خشمنا کی کا شکار ہے۔ وہ پاکستان کے مجتہدین اوران کے تربیت یافتہ ذاکرین کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ یہ وہ مشکلات ہیں جن میں ہماری دینی جماعتیں اور راہنما گزر رہے ہیں۔ مگر ہمیں حیرت ہے کہ پاکستان بھر میں '' من حیث الفرقہ'' سارے علماء کرام کے منہ پر چپ کیوں لگ گئی ہے۔ اور یہ منقار زیر پر کیوں ہو گئے ہیں۔ پاکستان بھر میں کسی صوبے سے ''کسی شہر'' سے کسی علاقہ سے علماء کرام کی آواز سنائی نہیں دیتی .... یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں؟

شکر ہے کہ علماء کرام۔ کے'' کنج خاموشاں'' میں قیام پذیر ہونے کے باوجود ہمارے ملک کے نعت خوانان خوشنوا، شہر بہ شہر، قصبہ بہ قصبہ، بلکہ خانہ بہ خانہ عاشقان رسول کی محفلیں سجا رہے ہیں۔ ان محفلوں میں ''عندلیبان ریاض رسول''، ''قمریان خوش نوا'' طوطیان شکر شکن'' [illegible] کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان

خوبصورت آوازوں کوزندہ وسلامت رکھے۔ ہمارے نعت خوانوں کی مجالس اب تو دف پرڈنکے کی چوٹ سے ہونے لگی ہیں۔اس ڈھول ڈھپے کے انداز نے'' عاشقان رسول'' کو وجد میں لانے کا سلیقہ دے دیا ہے۔عنقریب یہ محفلیں ، دف بجاتی ہوئی بچیوں سے پررونق ہونے لگیں گی۔ پاکستان کے'' عاشقان رسول'' کوکون روک سکے گا ۔وہ تو مدینہ پاک کی پہاڑیوں پر استقبال کرنے والی بچیوں کی روایات تازہ کرنے کی تیاریاں کررہے ہیں۔ جب انہیں کوئی روکے گا تو وہ مولویوں کے فتووں کے منہ بند کرنے کیلئے دف بجا کرکہیں گے۔

ع طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع

ہمارے سنی علماء پہلے ہی ان عاشقان رسول کی بالا دستیوں سے سہمے ہوئے ہیں۔ اللہ نعت خوانوں کی خوبصورت آوازوں کوزندہ سلامت رکھے۔انہوں نے علماء کرام کی خاموشیوں کانعم البدل عطا کیا ہے اور ہماری طبیعتوں کونکھار دیا ہے۔ ورنہ ہم تو خود'' کنج خاموشاں'' میں جانے کی تیاری کررہے تھے۔ملک کی اس فضا سے تنگ آ کربعض علماء بلند پروازکونجوں کی طرح'' دیار مغرب'' کا رخ کررہے ہیں اور وہاں'' تبلیغ اسلام'' کی روشنیاں پھیلانے میں مشغول ہیں۔

ع۔ خدا آبادرکھے یہ پرندے ہیں میرے گھر کے

ہم نے علماء پاکستان کی سنگین خاموشی پراگرچہ ہلکی پھلکی گفتگو کی ہے مگرحقیقت یہ ہے کہ ان علماءکرام کا خاموش ہو جانا ، ڈر جانا ، سہم جانا ، یا کنج نشین ہو جانا ، ملت اسلامیہ کے لیے بڑا نقصان دہ ہے۔علماء کرام ہی وہ لوگ ہیں جن کی آواز عوام تک اللہ اوراس کے رسول کا پیغام پہنچانے میں مددگار ہوتی ہے۔یہی وہ لوگ ہیں جو دین کی حرارت کومسلمانوں کے سینوں میں تازہ رکھتے ہیں۔انہی کے دم قدم سےعوام کے دل ودماغ دین کی خوشبوؤں سے آبادرہتے ہیں۔ان حضرات کے بیان وکلام سے ہی

ہمارے داغ ہائے سینہ تازہ رہتے ہیں۔

آج پاکستان کے چودہ کروڑ عوام جن مشکلات سے گزر رہے ہیں وہ راہنمایان قوم کے لیے لمحہ فکریہ ہیں۔ خصوصاً علماء کرام کے لیے نقطۂ غور ہیں۔ علماء اہل سنت کیلئے تو انتہائی قابل غور مسئلہ ہے۔ انہیں چاہیے کہ اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات بھلا دیں۔ آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے قریب آئیں، ایک دوسرے کو معاف کرنے کا سلیقہ اپنائیں۔ ایک دوسرے کی بات کو برداشت کریں۔ اور قومی مسائل پر غور کریں۔ مسلکی مسائل کو حل کریں۔ اعتقادی مشکلات کا حل پیش کریں۔ اور نظام مصطفیٰ کی روشنیوں کو پاکستان کی سرزمین میں پھیلائیں۔ اور گوشہ نشین ہونے کے بجائے اپنے بیان وکلام سے لوگوں کو زندگی کا پیغام دیں۔

ایک وقت تھا کہ سنی علماء کرام اپنے خطابات، تقریروں اور خوش بیانیوں کی وجہ سے لوگوں کے محبوب نظر تھے۔ کئی نعت خواں اپنی نعت خوانی کو چھوڑ کر مقررین اور واعظوں کی صفوں میں شامل ہو جایا کرتے تھے۔ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی ایک خوش نوا نعت خواں تھے مگر وہ ایک خوش بیاں مقرر بن کر چمکے۔ مولانا غلام حسین گوجروی، ایک مشہور نعت خواں تھے مگر وہ ایک واعظ خوشنوا بن کر چھائے رہے۔ مولانا محمد یوسف نگینہ خوش آواز نعت خواں تھے مگر وہ ایک زبردست مقرر کی حیثیت سے سامنے آئے قاری احمد حسن فیروز پوری ایک خوش نوا نعت خواں تھے اور اعلیٰ حضرت کے ''قصیدۂ نور'' سے دل موہ لیا کرتے تھے۔ مگر وہ ایک واعظ کی حیثیت سے جلسوں پر چھائے رہے۔ غرضیکہ سیکڑوں نعت خوان علماء کرام کی صفوں میں شامل ہوئے اور اپنے بیان وکلام کا سکہ بٹھاتے رہے۔

اب بساط الٹ گئی ہے۔ دور بدل گیا ہے۔ بعض علماء نے ''وعظ فروشی'' کا پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ اور جلسوں میں جانے سے پہلے اپنی تقریروں کا مول چکانے لگے ہیں۔ آنے جانے کے اخراجات، کھانے کے اہتمام حتیٰ کہ ڈرائیور اور گن مینوں کے الاؤنس وصول ہونے لگے ہیں۔ جو واعظ مجمع بازی کے فن میں ذرا کمزور ہوئے وہ

وعظ فروشوں کی منڈی سے دور ہوتے گئے۔ اس انداز سے لوگوں نے بھی علماء کے جلسوں میں آنے کے بجائے ''عاشقان رسول'' کی مجالس میں اکٹھا ہونا شروع کر دیا۔ عاشقان رسول کے مجمعے عشاء کی نماز سے سحری تک رواں دواں رہتے ہیں۔ جب نعت خوانوں پر نوٹوں کی بارش ہوتی ہے تو دل مچلنے لگتا ہے کاش ہم بھی نعت خواں ہوتے۔ جب پاکستان کے امیر زادے، اسٹیٹ بینک سے تازہ نوٹ لا کر عاشقان رسول کی مجالس میں ''نعت خوانوں'' پر نچھاور کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ عرش معلیٰ سے انوار کی بارش ہو رہی ہے۔ ایسے نورانی ماحول میں ہمارے نعت خوان بھی ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی'' کا یہ شعر جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں۔

کروں مدح ''اہل دول'' رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا ''میرا دین پارۂ ناں'' نہیں

اور جب زوردار نوٹوں کی بارش ہوتی تو نعت خوان ''میرا دین پارۂ ناں نہیں'' بار بار پڑھتے جاتے ہیں۔ اور داد پاتے ہیں اور نوٹ سمیٹتے جاتے ہیں۔ عاشقان رسول کے مجمع میں جب نور کی بارش ہوتی ہے تو دل خوش ہو جاتا ہے۔ یہ نعت کی مجالس، یہ عاشقان رسول کے مجمعے اور عندلیبان رسول کی محفلیں ہمارے دلوں کو تازہ زندگی بخشتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی نعتوں کے یہ مراکز اور ان میں ذکر کرنے والوں کو دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال رکھے۔ اب ہمارے کئی نوجوان علماء نعت خوانی کی مشق کرنے لگے ہیں۔ تھوڑا بہت ریاض کرنے کے بعد نعت خوانوں کے حلقے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ بعض نے نعت کی مجالس میں ''نقابت'' کے فرائض سنبھال کر آدھی ویلیں سمیٹنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ہمارے ملک کے ایک نامور خطیب اب اپنے جمعہ کے سامعین کو قصیدہ بردہ خاص طرز میں میں سناتے ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت کی ایک نعت پڑھتے ہیں اور اٹھ کر فرماتے ہیں اب سنتیں پڑھ لو اور صفیں سیدھی کر لو۔ ہائے کبھی نعت خوان مقرر بنا کرتا تھا، آج کا خطیب نعت خوان بن رہا ہے۔

ہم ''کنج خاموشاں'' میں قیام فرمانے والے علماء کرام کی بات کر رہے تھے۔ اب انہیں گوشہ نشینی چھوڑ کر عوام کی راہنمائی کے لیے باہر آنا چاہیے۔ وعظ و بیان کے حلقے قائم کرنا چاہیے۔ عام مسلمانوں کی دینی راہنمائی کرنی چاہیے اور نوجوان نسل کو بتانا چاہیے کہ وہ مسلمان ہیں، مجاہد ہیں، نظام مصطفیٰ کے علمبردار ہیں وہ انہیں بتائیں کہ وقت کی آندھیوں کی پرواکیے بغیر اپنے آپکو پاکستان کی حفاظت اور اس ملک میں نظام مصطفیٰ کیلئے صف بستہ ہونا چاہیے۔ علماء کرام باہر نکلیں اپنی مسجدوں اپنے مدرسوں، اپنے جلسوں میں عوام کو بیدار کرنے کی کوشش کریں۔ سرکاری اداروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں نہ سہی پرائیویٹ سکولوں، کالجوں کے سربراہوں سے مل کر نوجوان نسل کو اپنے خطابات سے نوازیں۔ آج پرائیویٹ درس گاہوں کی تعداد سرکاری درسگاہوں سے کہیں زیادہ ہے۔ ان درس گاہوں کے منتظمین کو آمادہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہر ہفتے میں ایک عالم دین کا بیان سنوانے پر آمادہ ہو جائیں۔

وکلاء کی بار کونسلیں دینی امور کے لیکچر کیلئے آمادہ ہو سکتی ہیں۔ بشرطیکہ ہمارے جید علماء کرام پوری تیاری کر کے اپنے لیکچروں کا اہتمام کریں۔ وکلاء کا ایک بڑا طبقہ دین سے محبت رکھتا ہے۔ ان سے رابطہ کرنے سے ان کو خوش آمدید کہا جائے گا۔ اور اس بات کے بڑے دوررس اثرات سامنے آئیں گے۔ علماء کرام جھجک محسوس نہ کریں۔ وکلاء اور قانون دان حضرات کے سامنے دینی موضوعات پر گفتگو کریں۔ یہ لوگ خوش بھی ہوں گے اور علماء کا احترام بھی کریں گے۔ ہم نے کئی جج کو علماء کرام کی اچھی تقریروں کی تعریف کرتے ہوئے سنا ہے۔

ہم اس اداریے میں علماء کرام کو کنج خاموشاں سے باہر آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ان کا مستقبل روشن ہوگا اور اقتدار میں بیٹھے ہوئے آج کے چند بے دین چند دنوں کے مہمان ہیں۔ ان کی کرسیاں ہلنے لگی ہیں۔ وہ عوام کی یلغار کے سامنے نہیں ٹھہر سکیں گے۔

ایک نایاب اور نادر کتاب کی اشاعت

جلد نمبر ۱۲ ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۳ء ...... شمارہ نمبر ۱۱۳

آج ہم اپنی دینی اور ملکی موضوعات سے قدرے ہٹ کر اپنا اداریہ ترتیب دے رہے ہیں جو حضرات ہمارے اداریہ کو محبت سے پڑھتے ہیں توجہ دیتے ہیں اور پسند کرتے ہیں ہم انہیں مایوس نہیں کریں گے۔ ہمارا مسلک اہل سنت و جماعت ہے ہمارے قائد ورہنما امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مجدد عصر سابقہ ہیں۔ ان کی دینی خدمات اور اعتقادی نظریات عالم اسلام میں مسلمہ ہیں۔ اپنے تو اپنے اب بیگانے بھی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ وہ نابغۂ روزگار تھے۔ اور علم وفن کی ضیا باریاں کرنے والے آفتاب تھے۔ وہ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء تک چاردانگ عالم میں علم وفن کی روشنیاں پھیلاتے رہے۔ ان کی علمی ٹیم نے ان کے تلمیذ رشید خلیفۂ مجاز، ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری نے ان کی رفاقت اور نگرانی میں زندگی کا طویل حصہ گزارا۔

مولانا ظفر الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت کی زندگی کے شب و روز پر ایک کتاب مرتب کی۔ جس کا نام ''حیات اعلیٰ حضرت'' تھا یہ کتاب ۱۹۳۸ء میں مکمل ہوئی۔ مگر پینسٹھ سال گزرنے کے باوجود نہ چھپ سکی۔ اعلیٰ حضرت کی تصانیف اور فتاوی کے منصرم سید محمد ایوب قادری رضوی کی کوششوں سے اس کتاب کی جلد اول

آج سے چالیس سال قبل ''مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی'' کے زیر اہتمام چھپی۔ پھر اسے آج سے پندرہ سال پہلے اسی جلد اول کو'' مرکزی مجلس رضا لاہور'' نے چھپوا کر مفت تقسیم کیا۔ ادھر ہندوستان کے علماء کرام اسی کتاب کی ترتیب واشاعت کے لیے کام کر رہے ہیں مگر تیس سال گزرنے کے باوجود یہ اہم کتاب زیور طباعت سے آراستہ نہ ہوسکی نہ ''تشنہ لبان رضویت'' اس سے بہرہ اندوز ہوسکے۔

کتاب کے مصنف ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی کے فرزند ارجمند ڈاکٹر مختار الدین احمد، ایم اے پی ایچ ڈی، سابق رئیس شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ انڈیا نے اپنے والد مکرم کا ایک خطی مسودہ عطا کیا اور حکم دیا کہ اسے پاکستان سے شائع کیا جائے۔ الحمدللہ یہ نایاب کتاب آج اعلیٰ معیار طباعت سے مزین ہوکر آپ کے سامنے آرہی ہے۔ یہ کتاب ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ نہایت اعلی کاغذ، نفیس طباعت اور خوبصورت جلد میں آپ تک پہنچ رہی ہے۔

اس کتاب کی تیاری، ترتیب اور طباعت کے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا جس کا اندازہ ان لوگوں کو ہوگا جو اس شعبہ سے واقف ہیں۔ ''علم الطیور'' سے تعلق رکھنے والے حضرات شہد کی مکھی کے متعلق یہ تجزیہ بیان کرتے ہیں کہ وہ تین سو ساٹھ پھولوں سے رس چوس کر سیکڑوں میل سفر کرنے کے بعد ایک قطرہ شہد تیار کرتی ہے پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کوثر و تسنیم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے مصنفین نے لکھا ہے کہ شہد کی یہ مکھیاں مل کر آقائے دو جہاں پر درود شریف پڑھتی ہیں تو شہد میں شفا اور شیرینی پیدا ہوجاتی ہے۔ آپ یقین جانیے کہ ہمیں اس کتاب کی طباعت کے لیے شہد کی مکھی کا کردار اپنانا پڑا۔ تاہم ہمیں اس کتاب کے چھپنے پر بے حد مسرت ہے اور ہم ''جہان رضا'' کے قارئین کو اس کامیاب کوشش میں شریک جانتے ہوئے اس مسرت میں شریک کرتے ہیں۔

قارئین ''جہان رضا'' خصوصی طور پر اس بات پر خوش ہوں گے کہ ستر سال سے لکھی جانے والی کتاب آج ان کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی تالیف و ترتیب کی تکمیل ایک ایسے شخص کے ہاتھوں ہوئی جو اعلیٰ حضرت کے ممتاز شاگردوں میں تھا۔ کئی سال آپ کے زیر تعلیم رہا، ''منظر اسلام بریلی'' کے اساتذہ میں سے تھا۔ کئی سال مسند تدریس پر رہا۔ اعلیٰ حضرت کے صبح و شام اس کے سامنے تھے۔ وہ مشاہداتی طور پر ان حالات کو بیان کر رہا ہے جس کی صداقت پر کوئی شک نہیں کر سکتا۔

ہم اس کتاب مستطاب کی ایک جلد جس میں اعلیٰ حضرت کی تصانیف، تالیفات اور کتابیات کی تفصیلات ہیں، علیحدہ شائع کر رہے ہیں۔ یہ جلد کتابی محققین علماء کے لیے بے حد مفید ہے اور اس کا اپنے کتب خانہ میں رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ہم اپنے اداریہ میں یہ اعلان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ ہم اس خوبصورت کتاب کو ''مرکزی مجلس رضا لاہور'' کے اراکین اور ماہنامہ ''جہان رضا'' کے معاونین کو نصف ہدیہ پر تقسیم کر رہے ہیں۔

بریلی سے چلی باد بہاری
میرے دل کی کرے ہے آبیاری

جلد نمبر۱۲.........دسمبر ۲۰۰۳ء.........شمارہ نمبر۱۱۴

تاجدار بریلی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ پر ملک العلماء محمد ظفر الدین بہاری کی کتاب ''حیات اعلیٰ حضرت'' کیا چھپی۔ دنیائے رضویت میں بہار آ گئی۔ ''فاضل بہاری'' کی یہ کتاب اپنی تالیف کے ستر سال گزارنے کے بعد زیور طباعت سے آراستہ ہو کر آئی تو یوں محسوس ہوا..... گویا دبستاں کھل گیا..... اعلیٰ حضرت کے شیدائی جو ایک عرصہ سے ''حیات اعلیٰ حضرت'' کے لیے چشم براہ تھے بڑھے اور اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ماشاء اللہ ہر طرف سے صدائے مرحبا اٹھی۔ کراچی سے ایک رضوی نے ایک سو سیٹ منگوائے۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے صدر ذی وقار سید وجاہت رسول قادری نے فون کیا مبارک باد دی اور پچاس سیٹ طلب کیے۔ اٹک سے ابوالحسن واحد رضوی نے ارشاد فرمایا بیس سیٹ میرے احباب کے لیے بھیجیں اور ایک سیٹ اپنے دستخطوں کے ساتھ مزین کر کے روانہ کریں۔ کنز الایمان سوسائٹی میر پور کے صدر بذات خود لاہور آئے تو بیس سیٹ اٹھا کر لے گئے۔ پشاور کے ایک محب اعلیٰ حضرت نے دس سیٹ طلب کیے۔

عزیزم محترم جناب سید منور شاہ بخاری نے امریکہ سے اور ''اسلامک ٹائمز'' برطانیہ کے چیف ایڈیٹر حاجی محمد الیاس صاحب نوشاہی نے ہوا کے دوش پر ''حیات اعلیٰ حضرت'' بھیجنے کی فرمائش کی۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور اور کراچی نے ایک سو سیٹ طلب کیے۔ شبیر برادرز لاہور نے پچاس سیٹ طلب کیے۔ انفرادی طور پر کئی احباب نے ڈاک کے ذریعہ ''حیات اعلیٰحضرت'' طلب کی۔ پھر ہم نے عید کی آمد پر پچاس علماء کرام کو ہدیہ پیش کیے جو ایک عرصہ سے ''اعلیٰ حضرت'' کے علمی اور اعتقادی میدان میں کام کر رہے ہیں۔

ہم ان اہل محبت کا کن الفاظ میں شکریہ ادا کریں جو ہمیں مبارک باد سے نواز رہے ہیں۔ ہم نے ''گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں'' کا منظر اپنی آنکھوں دیکھا ہے۔ پھر ''جہان رضا'' کے قارئین کے پاس ''حیات اعلیٰ حضرت'' پہنچی تو یوں محسوس کیا گیا کہ بریلی سے جو باد بہار چلی ہے اس نے خیابان رضویت کو لالہ زار بنا دیا ہے۔ ان حضرات کے اظہار خیال کے مختلف انداز ملاحظہ فرمائیں۔

؎ آمد سنی کسی کی تو واللہ رے اشتیاق
آنکھیں بچھائیں ہم نے جہاں تک نظر گئی

ایک صاحب نے ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی آمد کی خبر سنی تو امیر خسرو کی زبان سے یوں رقمطراز ہوئے۔

؎ خبرم رسیدہ امشب کہ نگار خواہی آمد
سر من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد

بلوچستان کی دور دراز وادی سے اعلیٰ حضرت کے ایک شیدائی نے اپنے خط میں اپنی بے تابی کا یوں اظہار کیا۔

ع۔ اے پیک خوش خرام بیا! تیز رو بیا!

ہندوستان کے علماء کرام کو جب کتاب پہنچی تو جھوم جھوم اٹھے اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔

؎ کس کی زلفوں کی مہک لائی ہے بطحا سے نسیم
دل و جاں وجد کناں جھک گئے بہر تعظیم

سندھ کے دور دراز گاؤں سے ایک رضوی عالم دین نے کراچی میں ''حیات اعلیٰ حضرت'' دیکھ کر لکھا:

ع۔کھل گیا گیسو تیرا رحمت کا بادل گھر گیا!

کراچی سے ایک برکاتی عالم دین نے پہلی بار کتاب کی خوبصورت جلد دیکھی اور پھر نفیس طباعت پر نظر ڈالی، پھر سفید براق اوراق پر اعلیٰ حضرت کے تذکار دیکھے تو انہیں یوں معلوم ہوا کہ دونوں جلدوں میں علم وفضل کے بہتے ہوئے دریا ہیں۔ وہ جھوم اٹھے اور کتاب کی خوبصورت جلدوں کو اپنے ہاتھ میں اٹھا کر ہمارے موبائل پر پیغام تہنیت دیا اور کہا:

؎ شقائق بر یکے پا ایستادہ
چو بر شاخِ زمرد جامِ بادہ

ایک اور عالم دین نے اسلام آباد سے لکھا کتاب کیا آئی

؎ نسیم خلد می وزد مگر ز جوئے بارہا
کہ بوئے مشک می دہد ہوائے لالہ زار ہا

اسلام آباد سے ایک اور صاحب نے لکھا کہ میں نے ''حیات اعلیٰ حضرت'' کو ہاتھوں میں اٹھایا تو مجھے یوں محسوس ہوا...... ''آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا''

''حیات اعلیٰ حضرت'' کے قارئین کے ان خوبصورت جذبات کے اظہار سے ہمیں بے پناہ مسرتوں نے اپنی گود میں لیا اور ہماری محنت کو وہ حوصلہ ملا جس سے ہماری

ساری تھکاوٹیں دور ہو گئیں۔

ہمارا یہ ''اداریہ'' جہاں ایک طرف اہل ذوق کے کلمات تحسین پر مشتمل ہے دوسری طرف ہماری کوششوں کو سراہنے کا ایک خوبصورت انداز ہے۔ ہم تحدیث نعمت کے طور پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ ہم ان کلمات تحسینیہ پر جس قدر خوشی کا اظہار کریں وہ بجا ہے مگر اس مقام پر ہم اپنے محسن گرامی ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ کو تمام تحسینی کلمات کا حقدار سمجھتے ہیں جن کی کوششوں سے یہ کتابت مستطاب منصہ شہود پر آئی۔

الحمدللہ! آج اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی روح ہماری اس کوشش پر خوش ہو گی۔ آج ملک العلماء ظفر الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ عالم ارواح میں مسرور ہوں گے کہ ان کی کئی سالوں کی کاوش بصد انداز رعنائی عوام تک پہنچی۔ ان دونوں بزرگوں کے روحانی تصرفات کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک طرف پاکستان میں ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی دو جلدیں چھپ کر سامنے آئیں دوسری طرف ہندوستان کے علماء اہل سنت کی مرتب کردہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' تین جلدوں میں چھپ کر جلوہ گر ہوئیں۔ ہندوستانی ایڈیشن کی طباعت کا سہرا محسن اہل سنت الحاج محمد سعید صاحب نوری کے سر ہے جنہوں نے زر کثیر خرچ کر کے ''رضا اکیڈمی بمبئی'' کی طرف سے یہ تاریخی کتاب ہندوستان بھر میں پھیلا دی۔

ع۔ گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں

آفتاب اہل سنت شد غروب!

جلد نمبر ۱۳.........جنوری ۲۰۰۴ء.........شمارہ نمبر ۱۱۵

الشاہ احمد نورانی چلے گئے۔ زندگی سے روٹھ گئے۔ وہ ایسے سفر پر روانہ ہوئے جہاں سے واپس کوئی نہیں آتا۔ وہ ہمیں اس حال میں چھوڑ کر چلے گئے جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔

وہ قائد اہل سنت تھے۔ وہ آفتاب اہل سنت تھے۔ وہ راہنمائے اہل سنت تھے۔ وہ جمعیت العلماء پاکستان کے سربراہ تھے۔ وہ ورلڈ اسلامک مشن کے چیئرمین تھے۔ وہ میدان سیاست میں متحدہ محاذ کے صدر تھے۔ وہ ملت اسلامیہ کے صدرنشین تھے۔

ان کی رحلت پر کون نہیں رویا۔ ان کی موت کا کسے صدمہ نہیں ہوا اور ان کے یوں چلے جانے پر کس کی آنکھیں اشک بار نہیں ہوئیں۔ ان کی موت پر ان کے ساتھ راہنما روئے، خادمین روئے، بیگانے روئے، سیاسی راہنما روئے، عقیدت مند روئے، اہل محبت روئے، ان کی موت کا جس نے سنا وہ بے اختیار رو دیا۔

بیا سوجہ دلاں باہم بنالیم
بہ ہجرانِ گل رعنا بنالیم

آج ان کے جانے کے بعد اہل سنت اداس ہیں۔ آج ان کی رحلت پر سارا پاکستان اداس ہے، آج ان کی موت پر ملت اسلامیہ اداس ہے۔ یہ ملت اسلامیہ کا اتنا

بڑا نقصان ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔ وہ اتنا عظیم انسان تھا۔ جس کی صدیوں مثال نہیں ملے گی اور اتنا عظیم راہنما تھا جس کے چلے جانے پر دینی اور سیاسی قافلے راہ بھٹک جائیں گے۔

مولانا الشاہ نورانی الصدیقی رحمۃ اللہ علیہ ایک دینی اور روحانی خاندان کے روشن دماغ فرزند تھے۔ ان کے دادا مولانا عبد الحکیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سارے برصغیر میں ایک برگزیدہ عالم دین کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے والد مکرم الشاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ مبلغ اسلام تھے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیائے ہوش و خرد میں قدم رکھا تو علم و فضل کے خزانوں نے ان کے دامن کو مالا مال کر دیا۔ جب وہ میدان عمل میں نکلے تو اہل علم و دانش نے ان کے قدم لیے۔ جب وہ میدان سیاست میں آئے تو تمام سیاسی راہنماؤں نے انہیں خراج تحسین پیش کیا۔

خوباں شکستہ رنگ خجل ایستادہ اند
در محفلے کہ تو بہ مقابلہ نشستہ

انہوں نے سنیوں کو متحد کیا۔ حجروں، مسجدوں اور خانقاہوں سے نکال کر میدان سیاست میں لا کھڑا کیا جنہیں زمانہ ختمی، درودی، حجرہ نشین اور خانقاہ نشینی کے طعنے دیا کرتے تھے۔ انہیں میدان عمل میں گامزن کر دیا۔ جن علماء و مشائخ کے متعلق یہ تاثر دیا جاتا تھا کہ وہ دنیاداروں اور حکمرانوں کے دروازوں پر کھڑے رہتے ہیں انہیں متحد کر کے اتنی توانائیاں دیں کہ وہ حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے لگے۔ جو مولوی ہمیشہ سہمے رہتے تھے۔ انہیں بادشاہوں اور سیاست دانوں کے ایوانوں میں کھڑا ہونے کا سلیقہ دیا۔ مولانا نورانی نے ملت اسلامیہ خصوصاً اہل سنت کو ایک قافلہ میں جمع کر کے سیاسی سفر کا آغاز کیا۔ جن علماء کو زمانے

نے حقیر سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا وہ شاہ احمد نورانی کی قیادت میں چراغ بن کر روشنی پھیلانے لگے۔

یہ آسان کام نہیں تھا۔ آج ان کے ساتھی موجود ہیں جنہوں نے دیکھا کہ مولانا نورانی نے صبح وشام ایک کر کے سنیوں کو بیدار کیا۔ متحد کیا، سیاسی قوت سے ہمکنار کیا، وہ ملک کے گوشے گوشے میں پہنچے انہوں نے ایک ایک مسجد، ایک ایک مدرسہ، ایک ایک خانقاہ اور ایک ایک حجرے پر دستک دی اور علماء کرام اور مشائخ عظام کو جمع کر کے ایک قوت بخشی، وہ ''نظام مصطفیٰ'' کے نفاذ کے لیے اسمبلیوں کے ایوانوں اور قانون ساز اداروں میں راہنمایانہ کردار ادا کرتے رہے۔ جاہ پسند حکمرانوں اور زر پرست سیاست دانوں کی اکثریت کے باوجود انہوں نے آئین میں ملک کا نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' رکھوایا۔ انہوں نے ''قادیانیوں کو مرتد قرار دینے'' میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے پاک سرزمین کو ''بے دین ریاست'' قرار دینے والوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ وہ ہر میدان میں کامیاب اور ثابت قدم رہے۔

انہوں نے ہر دور کی آمریت کا مقابلہ کیا۔ خصوصاً موجودہ آمریت کو للکارا اپنے تو اپنے بیگانوں کو بھی ایک پلیٹ فارم پر متحد کر کے اپنی قیادت میں ایک سیسہ پلائی دیوار بنا دیا۔ ایک طرف ملک کے تمام سنی ان کی قیادت پر متفق تھے۔ دوسری طرف انہوں نے تمام دینی جماعتوں کو یکجا کر کے آمریت کے ایوانوں میں تہلکہ مچا دیا ۔ وہ پورا سال آمریت کو للکارتے رہے۔ ایک وقت آیا کہ آمریت کے بت سرنگوں ہونے لگے۔ اور ایم ایم اے کی آواز سنی جانے لگی۔ آمریت کی قوتیں ٹھنڈی ہونے لگیں تو پارلیمانی ایوانوں کی بالا دستی کو تسلیم کرنے کے لیے آمریت کے سارے کل پرزے ڈھیلے پڑنے لگے۔

الشاہ احمد نورانی اس مقام پر پوری توانائیوں کے ساتھ ملک میں ''دین مصطفیٰ''

سے محبت رکھنے والوں کی قیادت کر رہے تھے کہ پیام اجل آ گیا۔ موت کا تیر قضا ایسے موقعہ پر جان لیوا ثابت ہوا جب آپ آخری گفتگو کے لیے تیار ہو رہے تھے..... موت نے کس کو رستگاری ہے! وہ کسی سے رورعایت نہیں کرتی کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔

ع۔ ہائے او موت تجھے موت ہی آتی ہوئی!

الحمد اللہ مولانا شاہ احمد نورانی اپنے مشن میں کامیاب ہو کر گئے۔ وہ اپنے مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر گئے۔ وہ برملا کہتے ہوئے گئے۔

ع۔ شادم از زندگی خویش کہ کارے کر دم!

میں اپنی زندگی پر خوش جا رہا ہوں میں نے کام کیا ہے۔ آج زمانہ گواہ ہے کہ شاہ احمد نورانی نے واقعی کام کیا ہے۔ آج اخبارات، رسائل اور دنیا بھر کے الیکٹرانک میڈیا اعتراف کر رہے ہیں کہ شاہ احمد نورانی نے کام کیا ہے۔

ہم ایک عرصہ سے الشاہ احمد نورانی کے قریب رہے۔ ہم نے آپ کی زندگی کے صبح و شام کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ ملک میں ''نظام مصطفیٰ'' کے نفاذ کے لئے جس تندہی سے کام کر رہے تھے۔ اس کی مثال نہیں ملتی وہ اپنوں کی بے اعتنائی کے باوجود ''نظام مصطفیٰ'' کے نفاذ کے لیے صبح و شام سفر میں رہتے تھے۔ کبرسنی اور کمزوری کے باوجود وہ ایک توانا شخص کی طرح کام کرتے تھے۔ لاہور آتے تو سیاسی اور دینی حلقوں میں رونقیں آ جاتیں۔ مجلس شوریٰ کے اجلاس، مجلس عاملہ کے جلسے منعقد ہوتے تو پنجاب کے سارے سنی راہنما کھنچے چلے آتے اجلاس ختم ہوتے تو پریس کانفرنس کا سامنا ہوتا۔ رات گئے تک سیاسی اور دینی راہنماؤں سے ملاقاتیں ہوتیں۔ رات ڈھلنے لگتی تو اپنے اللہ کے سامنے سر بسجود ہوتے۔ صبح طلوع ہوتی تو سفر پر روانہ ہوتے۔ پنجاب کے تمام شہروں میں جلسوں میں خطاب کرتے دینی مدارس میں اسناد فضیلت کے اجلاس میں شرکت کرتے۔ مایوس سنی علماء کا حوصلہ بڑھاتے اور اپنی عملی زندگی سے ہر ایک کو متاثر کرتے۔

ہم نے آپ کو کبھی وقت کا ضیاع کرتے نہیں دیکھا۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ آپ کی دینی مصروفیت کا گواہ رہا ہے۔ آپ کی زبان ملت اسلامیہ کی راہنمائی میں سرشار رہی ہے۔ آپ کی تقریریں مردہ دلوں کو بیدار کرتی رہی ہیں وہ دوستوں کے لیے شفیق دوست خادموں کے لیے سہارا۔ وہ اپنی با اصول زندگی میں خلل دینے کی اجازت نہ دیتے تھے اور نہ اس میں لچک پیدا کرتے تھے۔ ''نظام مصطفیٰ'' کے نفاذ میں اصولوں کے سامنے نہ کسی بیگانے کو خاطر میں لاتے تھے نہ کسی اپنے کی پرواہ کرتے تھے ، اپنے خفا ہو جاتے، پروانہ کرتے، بیگانے ناخوش رہتے، پروانہ کرتے تھے۔

؎ اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی نا خوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

آپ کے جنازے میں اپنے بیگانے شریک ہوئے آپ کے سوم کے ختم پر اپنے تو اپنے غیروں نے بھی آپ کی اسلامی خدمات کی گواہی دی۔ ان کی قیادت کا اعتراف کیا۔ ان کی سیاسی قائدانہ صلاحیتوں کو داد تحسین دی۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم اس المیہ کی روئیداد کو خون کے آنسوؤں سے قلمبند کریں۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم اپنے قائد کی رحلت پر خون جگر سے مرثیہ غم لکھیں۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم زور زور سے کہیں

ع۔ رو لے اے دل کھول کر با دیدہ خونبانہ بار!

اللہ تعالیٰ ہمارے نورانی کو اپنے دامن رحمت میں جگہ دے۔ اس کی قبر کو اپنے نور سے بھر دے۔...... نور اللہ مرقدہ ان کے مزار پر نبی کریم کی شفاعت کا سائبان سایہ فگن رہے......

ان کا مزار ''روضۃ من ریاض الجنۃ'' بنے

''جہان رضا کا یہ شمارہ'' جنوری ۲۰۰۴ء شاہ احمد نورانی نمبر ہے جس میں ملک

بھر کے اہل علم وفضل کے تاثرات پیش کئے گئے ہیں۔آپ کی علمی خدمات کو جس انداز میں سراہا گیا ہے۔وہ تحریریں لائی گئی ہیں۔آپ کی سیاسی اور علمی خدمات کو مختلف اہل قلم نے بیان کیا ہے۔وہ قارئین ''جہان رضا'' کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس رسالہ چھپنے کے ساتھ ساتھ بیشمار مضامین آئے ہیں۔علمائے کرام کے تاثرات جمع ہوئے ہیں۔''جہان رضا'' کے دفتر میں تعزیتی تاثرات کا ایک رجسٹر رکھا گیا ہے۔اس میں حضرت نورانی سے محبت کرنے والوں کے تاثرات ہیں۔پھر بیشمار اہل محبت دفتر میں'' فاتحہ خوانی'' کے لیے آتے رہے ہیں۔اظہار ملال کرتے ہوئے غمنامے پیش کرنے کے لیے تشریف لاتے رہے۔ہم ان کی اشاعت بھی نہیں کر سکے۔ان سے معذرت خواہ ہیں۔ہم ان اخبارات، رسائل اور جہاں جہاں تعزیتی اجلاس ہوئے ہیں۔ان کا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکے۔ہم ان دلفگار دلوں کے زخموں پر مرہم نہیں رکھ سکے جو الشاہ احمد نورانی کی رحلت پر خوں چکاں ہوئے ہیں۔

؎ کس کس کی لیں خبر نہیں اپنی ہی جب خبر
دامن رفو کریں کہ گریباں رفو کریں

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ''جہان رضا'' کا اداریہ نہ لکھ سکے

شمارہ نمبر ۱۳۔۔۔۔۔۔۔۔فروری مارچ ۲۰۰۴ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔شمارہ نمبر ۱۱۶

اگر لکھ سکتے تو سال نو کی آمد پر لکھتے کہ

ع۔آفتابِ تازہ نکلا خون برسا تا ہوا!

اگر لکھ سکتے تو:

امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر خاک کربلا کو بتاتے کہ

اے کربلا کی خاک تو اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ لاش جگر گوشۂ رسول

اگر وہ لکھ سکتے تو

محسن عالم اسلام، تقدیر پاکستان، ڈاکٹر قدیر خان کی قسمت پر نوحہ لکھتے۔اور کہتے نادانو!'' کہ تم نے ایسے جوان کا گلا گھونٹ دیا ہے جس نے تمہاری سرحدوں کو ناقابل تسخیر بنادیا تھا۔

قائداہل سنت الشاہ احمد نورانی کی رحلت پر لکھتے۔

ع۔پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی!

اگر وہ لکھ سکتے تو

واپنے علماء ومشائخ کی اسلام آباد کانفرنس پر''قدم بڑھاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔'' کے بناوٹی نعروں کی صدائے بازگشت لکھتے ۔

اگر وہ لکھ سکتے تو

امریکی شکاری ہمارے پاکستانی غازیوں کے گلوں میں پٹے ڈال کر''اسامہ بن لادن'' کے شکار میں افغانیوں کے کوہ ودمن میں دوڑنے کی داستان لکھتے۔

اگر وہ لکھ سکتے تو

تو صدام حسین کی گرفتاری کی غمناک کہانی لکھتے

مگر وہ علالت کی وجہ سے کچھ نہ لکھ سکے۔

سنیوں کے بھٹکتے ہوئے قافلے

جلد نمبر۱۳............اپریل۲۰۰۴ء............شمارہ نمبر۱۱۷،الف

آج پاکستان کا ہر فرد اس حقیقت کا برملا اعتراف کر رہا ہے کہ پاکستان ایک نہایت ہی سنگین بحران سے گزر رہا ہے۔ موجودہ حکومت کا فرد واحد جو اس سرزمین کا بلا شرکت غیرے ''مالک'' بن بیٹھا ہے اس کا ہر ذمہ دار فرد فریاد کناں ہے کہ پاکستان نہایت ہی مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ میں اگر چلا گیا تو پاکستان ختم ہو جائے گا ۔دوسری طرف اپوزیشن کی تمام جماعتیں ان بحرانوں کی نشاندہی کر رہی ہیں جس سے ہمارا ملک دو چار ہے خصوصی طور پر اقتدار کے ناخدا اور اقتدار سے محروم سیاسی رہنما موجودہ صورتحال پر اپنے خدشات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ملک کے اندر تمام دینی جماعتیں ملک کی سالمیت اور بقاء پر آئے دن اظہار خیال کرتی رہتی ہیں اور ان خطرات کا اظہار کرتی رہتی ہیں جن سے ملک دو چار ہے، آج پاکستان کی سرزمین جن مقاصد کے لیے حاصل کی گئی تھی ان کو تباہ و برباد کرنے میں کئی ملکی اور غیر ملکی عناصر کام کر رہے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ یہ پاک سرزمین نظام مصطفیٰ ﷺ کے لیے بے پناہ قربانیاں دے کر حاصل کی گئی تھی لیکن وقت کی رفتار دیکھیے کہ آج اس کی بیرونی اور اندرونی سرحدیں متزلزل ہو رہی ہیں۔

پاکستان کی سرزمین اہل سنت و جماعت کی اکثریت کی سرزمین ہے اور یہی ایک جماعت ہے جس نے تحریک پاکستان میں زبردست کردار ادا کیا، آزادی وطن اور قیام پاکستان کے لیے بے پناہ قربانیاں دیں۔ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح

کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ پاکستان بنانے کے لیے ۹۰ فیصد سنیوں نے ہی اپنے گھر بار چھوڑے اور لاکھوں جانوں کی قربانیاں دیں وہ آج بھی اس زمین کو نظام مصطفی ﷺ کے پرچم کے نیچے زندہ وتابندہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ آج ملک کی تمام دینی جماعتوں کو ایک طرف کھڑا کرلیں تو ان کی اجتماعی تعداد سے سنیوں کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے۔ مگر اس کثیر اکثریت، سواد اعظم اور نظام مصطفی ﷺ کے نفاذ کیلئے جدوجہد کرنے والے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ انہیں غیروں نے پارہ پارہ کر دیا ہے یا خود ان کی نادان دوستی نے ان کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ سنیوں کا یہ انتشار وافتراق غیروں کی سازش ہی سہی مگر ان کی خود فریبی دیکھیے کہ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے حضرت مسیح کی بھیڑوں کے ریوڑوں کی طرح بکھر کر رہ گئے ہیں۔

سنیوں کے اندر کئی طبقے، کئی جماعتیں، کئی تحریکیں، بن گئی ہیں۔ ان کے کئی لیڈر، کئی راہنما اور کئی قائد اپنے اپنے زور بیان کی چھڑیاں لے کر سنیوں کو ہانک رہے ہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان سارے ریوڑوں کو ہانکنے والے ''چشم بددور'' علماء کرام اور دینی راہنمایان قوم ہیں۔ ان میں علماء دین بھی ہیں اور مشائخ کرام بھی ہیں۔ یہ محراب ومنبر کے عالی قدر لوگ ہیں۔ علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ زبان وقلم کے بادشاہ ہیں۔ ان کمالات کے باوجود سنیوں کے مختلف طبقوں کو علیحدہ علیحدہ راستوں پر ہانکتے چلے جا رہے ہیں۔ ان حضرات کے قریب ہو کر بیٹھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ بایزید بسطامی کے حلقہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ انہیں محراب ومنبر کے اندر گفتگو کرتے سنیں تو غزالی ورازی کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ ان کو جلسوں میں گرجتے دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ

ع۔ انھیں تو بجلی پناہ مانگے، گریں تو خانہ خراب کر دیں

ان کے حسین چہرے ان کے جبہ و دستار، ان کی لذت گفتار کو دیکھیں تو کہنا پڑتا ہے۔

؎ آتی ہے ندی فراز کوہ سے گاتی ہوئی
کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی

ان کے چمکتے ہوئے حسین چہروں، ان کی لہکتی ہوئی سیاہ زلفوں کو دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ارواح قدسیہ کی ایک پاک جماعت جا رہی ہے۔ ان کو سورج سلام کرتا ہے۔ چاند جھک کر احترام کرتا ہے۔ ہمیں یہ بات کہنے کی اجازت دیں کہ جب اس مقدس طبقہ کے اکثر حضرات محراب و منبر سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ جب جلسوں سے جدا ہوتے ہیں۔ جب یہ بیان و کلام کی وادی سے نکل کر میدان عمل میں آتے ہیں تو پارہ پارہ ہو جاتے ہیں۔ جدا جدا چلتے ہیں۔ ان کے قافلے حضرت موسیٰ کی قوم کی طرح ''وادی کنعان'' میں بھٹک جاتے ہیں۔ ان کے کارواں سیاست کی ویران وادیوں میں کھو جاتے ہیں۔ یہ اپنے مقتدیوں اور ہم نواؤں کی ٹولیاں لے کر پاکستان کی کھلی سرزمین میں پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ کبھی اسلام آباد کی سرکاری دعوتوں کو مقصد حیات بنا لیتے ہیں۔ کبھی ابن زیاد کے جانشینوں کو ''قدم بڑھاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں'' کے منافقانہ نعروں سے خوش کر دیتے ہیں۔ ان کے ہونٹوں سے ''صلوٰۃ و سلام'' کی خوشبو آتی ہے ان کے نعروں میں ''یا رسول اللہ'' کی گونج ہوتی ہے ان کے نغموں میں ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی خوش آوازی ہوتی ہے۔

ہم ذاتی طور پر ایسے علماء کرام کے خادم رہے ہیں۔ صاحب زادگان عالی وقار کے قدموں میں بیٹھتے رہے ہیں۔ ہم نے انہیں اپنی آنکھوں سے فقر و فاقہ کی وادیوں سے نکل کر کاروں اور پجاروں پر فراٹے بھرتے دیکھا ہے۔ ان کے وعظ و کلام سے لطف اندوز ہوتے رہے ہیں۔ ہم ایک ایک کو جانتے ہیں کبھی یہ ہماری تلخ نوائی پر ناراض ہو جاتے ہیں، کبھی ہماری جبہہ سائی پر خوش ہو جاتے ہیں۔

ع۔ گاہے بسلامے برنجند و گاہے بہ حرفے انعام دہند!

''بایں ہمہ'' ہم ان کی انتشاری، افتراقی اور خود نمائی کی عادات کو پسند نہیں

کرتے۔ کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے پرانے تعلقات کا واسطہ دیتے ہیں۔ اور اتفاق و اتحاد کی بات کرتے ہیں تو وہ بڑی محبت سے کہتے ہیں۔ ''آپ تو ہمارے بزرگ ہیں'' ان حضرات نے ایسے کئی بزرگوں کو بزرگ کہہ کہہ کر اہل سنت کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ کئی صلح مندوں کی نصیحتوں کو سن سن کر سنیت کے اتحاد کے دامن کو تار تار کر دیا ہے۔ آج ان کے یکجا ہونے کا وقت ہے، آج ان کو ایک قافلہ ترتیب دینے کا وقت ہے آج ان کو سنی بن کر پاکستان کے سنیوں کی عظیم اکثریت کی راہنمائی کرنے کا وقت ہے۔ آج سنیت کے قلعے پر جو بدعقیدہ لوگ حملے کر رہے ہیں، ان کا منہ توڑنے کا وقت ہے۔ کاش سنیوں کے یہ بھٹکے ہوئے قافلے ایک منزل کی طرف گامزن ہو جائیں۔ کاش یہ علماء و مشائخ بے دین حکمرانوں کے ایوانوں کی دعوتوں کو خیر باد کہہ کر ملت سنیہ کا ایک قافلہ تیار کریں۔ کاش یہ اہل زر کے دروازوں سے اٹھ کر لوگوں کو در مصطفیٰ کی طرف لے چلیں۔ کاش یہ اپنے کریم کے گدا بن کر اپنے مسلک کو ''پارہ ناں'' نہ بنائیں۔ ہم بلا خوف تردید یہ بات کہتے ہیں کہ آج کے حکمرانوں کی دعوتوں سے ہمیں ''ختم کی باسی روٹیاں'' زیادہ اچھی ہیں۔ اہل زر کی دربانی کی نسبت آج بھی در مصطفیٰ کی غلامی بدرجہا اچھی ہے۔

ہم جب اپنی حالت زار پر غور کرتے ہیں تو دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ ہم جب اپنے دینی راہنماؤں کو دیکھتے ہیں تو گردنیں جھک جاتی ہیں۔ ہم جب انہیں علیحدہ علیحدہ ٹولیوں کو ہانکتے دیکھتے ہیں تو ہمیں حضرت مسیح کی بھیڑیں یاد آ جاتی ہیں۔ ہم جب ان کے علیحدہ علیحدہ جلسے دیکھتے ہیں تو ہمیں وہ قافلے یاد آ جاتے ہیں۔ جنہوں نے پاکستان بنایا تھا جو نظام مصطفیٰ ﷺ کا جھنڈا لے کر آگے بڑھے تھے۔ جو باطل قوتوں کے قلعوں پر دھاوا بولا کرتے تھے۔

لگاتا تھا تو جب نعرہ تو خیبر توڑ دیتا تھا
حکم دیتا سمندر کو وہ رستہ چھوڑ دیتا تھا

حکمرانوں پر پاکستان کی سرزمین تنگ ہوگئی

جلد نمبر ۱۴............مئی جون ۲۰۰۴ء............شمارہ ۱۱۷، ب

حکمران ملک کا بادشاہ ہوتا ہے اور بادشاہ اپنی مملکت کی ساری زمین کا مالک ہوتا ہے زمین کا چپہ چپہ اس کے پاؤں کے نیچے ہوتا ہے شخصی حکمرانوں کے برعکس جمہوری حکمران تو اپنے ملک کے ذرہ ذرہ فرد فرد کے نگران ہوتے ہیں اور ملک کی ساری رعایا ان کے لیے ''زندہ باد'' ''پائندہ باد'' کے نعرے لگاتی رہتی ہے۔ مگر آج ہمارے ملک پاکستان کی سرزمین اپنے حکمرانوں پر تنگ کردی گئی ہے۔ وہ اپنے محلات اور ہیڈ کوارٹرز سے باہر ایک قدم بھی نہیں رکھ سکتے۔ ان کی بے چارگی اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ بعض اوقات وہ اپنے شاندار گھر کی چار دیواری کے اندر بھی آزادی سے چل پھر نہیں سکتے۔ وہ گھر سے باہر نکلتے ہیں تو پہلے ان کی راہیں خالی کرالی جاتی ہیں۔ ان کے لیے سڑکیں ویران کردی جاتی ہیں۔ ان کی رعایا کو دور دور ہٹادیا جاتا ہے۔ حد نگاہ تک کوئی متنفس دم نہیں مارسکتا اور اس سرزمین کے حکمران آزادی سے اپنے ملک کی خاک پر قدم نہیں رکھ سکتے۔ آج دیکھیں پاکستان کے سابقہ حکمران کتنی بے بسی اور بیچارگی کی زندگی بسر کررہے ہیں وہ دیار غیر میں ایک جلاوطن بلکہ ''پناہ گیر'' کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان سے دوری رکھنے کے باوجود ہم یہ کہیں گے کہ وہ اپنے دور اقتدار میں ظلم وناانصافی کی تاریخ رقم کرتے رہے ہیں۔ وہ عوام کا روپیہ بے دریغ خرچ ہی نہیں کرتے

تھے بلکہ اسے ملک سے باہر لے جا کر برے دنوں کے لیے جمع کرتے رہے۔ تاکہ یہ روپیہ دیارِ غیر میں ان کا سہارا بن سکے۔ اور جب وہ تاج و تخت سے محروم ہوں تو یہ ٹوٹا ہوا روپیہ دیارِ غیر میں ان کا سہارا بن سکے۔ مگر زمانے نے دیکھا جونہی وہ تاج وتخت سے محروم ہوئے ہیں ان کے لیے اپنی ہی سرزمین تنگ کر دی گئی۔ وہ کبھی اس زمین پر سیاہ وسفید کے مالک تھے مگر انقلابات زمانہ نے انہیں سرزمین پر قدم رکھنے سے محروم کر دیا۔ یہ ''بیچارے حکمران'' ''یہ بدنصیب وزرائے اعظم'' اپنی زمین پر قدم تو کیا قبر کے لیے دو گز زمین بھی حاصل کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔

اگرچہ یہ لوگ عبرت ناک زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہمیں ان پر ترس بھی آتا ہے مگر ان بدقسمت حکمرانوں پر بھی پاک سرزمین تنگ ہوگئی ہے۔ ایک وقت تھا کہ ان کے اشارۂ ابرو پر پاکستان کا ذرہ ذرہ رقص کرتا تھا۔ ایک وقت تھا کہ ان کے رویوں اور حکموں سے ساری رعایا کانپ جاتی تھی مگر آج ان کی اپنی سرزمین، ان کی اپنی مادرِ وطن کی گود میں انہیں جگہ دینے کے لیے تیار نہیں۔ ابھی یہ لوگ زندہ ہیں مگر ہم مغلوں کے آخری بادشاہ ظفر کی زبان میں ان کی قسمت پر آنسو بہاتے ہوئے یہ الفاظ کہیں گے۔

کتنا ہے بد نصیب ''ظفر'' دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

زندگی چال چل رہی ہے۔ ''ان پناہ گیر حکمرانوں'' کی زندگی کا ایک ایک دن انہیں موت کے قریب لا رہا ہے مگر وہ اپنے وطن کی سرزمین پر قدم رکھنے کو ترس گئے ہیں۔ ایک حکمران اپنے پورے خاندان کے ساتھ جدہ میں پناہ گزین ہے۔ ایک حکمران دوبئی اور برطانیہ کے چکر لگا کر تھک گئی ہے۔ ایک حکمران ہوا کے دوش پر اڑتا ہوا آتا ہے مگر پاک سرزمین میں قدم نہیں رکھ سکتا تو کسے خبر کہ ان کا حشر شہنشاہ ایران کا

ہوگا یا سکندر مرزا جیسا ہوگا

ع۔ حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!

یہ لوگ کل کے بادشاہ تھے اور آج کے مظلوم ہیں انہیں دیکھ کر رونا آتا ہے ان لوگوں کو فطرت کی تدبیروں اور فطرت کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے۔ وہ بیچارے مختلف ملکوں میں ''پناہ گیر'' ہو گئے ہیں۔ ہمیں موجودہ حکمرانوں پر بھی ترس آتا ہے جو اس وقت سیاہ و سفید کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ بڑے بڑے محلات میں رہتے ہیں دولت سے کھیلتے ہیں غریبوں کی غربت کا مذاق اڑا کر اپنے کارنامے سناتے رہتے ہیں۔ انہیں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ وہ اللہ کے خوف سے عاری ہو کر شاہانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مگر اس جاہ و جلال کے باوجود ان کے لیے بھی پاک سرزمین تنگ کر دی گئی ہے۔ وہ آزادی سے اپنے زیر نگین ملک کی سرزمین پر قدم نہیں رکھ سکتے وہ اپنے گھروں سے باہر نکلتے ہوئے اتنے ڈرتے ہیں کہ شاید انہیں یہ پاک سرزمین ہڑپ کر لے گی، وہ موت کے خوف سے اتنے دہشت زدہ ہیں کہ شاید پاکستان کا ایک ایک فرد ان کے خون کا پیاسا ہے اور پاکستان کا ایک ایک شہری ان کے لیے ''ملک الموت'' ہے وہ اپنے گھر سے باہر جاتے ہیں تو سڑکیں سنسان کر دی جاتی ہیں۔ ان کے اپنے شہریوں کو راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے انہیں ''زندہ باد'' کہنے والے بھی اب ان کے نزدیک نہیں آ سکتے انہیں ویران راہیں اور ویران سڑکیں چاہئیں گھر سے نکلیں تو سیدھے دفتر یا اسمبلی، یہ بیچارگی، یہ بے بسی آج ہمارے با اقتدار حکمرانوں کا مقدر بن چکی ہے۔ حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ظالم اور نا انصاف بادشاہ کو دوپہر کے وقت سویا ہوا دیکھ کر کہا:

ظالمے را خفتہ دیدم نیم روز
گفتم ایں فتنہ است خوابش بردہ بہ
آنکہ خوابش بہتر از بیداریش
ایں چنیں بد زندگانی مردہ بہ!

(ترجمہ) میں نے ایک ظالم حکمران کو دوپہر کے وقت اپنے محل میں سوئے ہوئے دیکھا تو برملا کہا کہ یہ ایک فتنہ ہے مخلوق خدا کا دشمن ہے یہ سویا ہی اچھا لگتا ہے۔ جس کا سونا اس کے جاگنے سے بہتر ہو وہ اپنی بدزندگانی سے موت کی گود میں پڑا ہوا اچھا لگتا ہے۔

آج ہمارے حکمران بڑے طاقتور ہیں، بڑے زورآور ہیں، بڑے امیر ہیں۔ بڑے دولت مند ہیں مگر ہائے وہ اپنی پاک سرزمین پر قدم نہیں رکھ سکتے۔ وہ اپنے ملک کے شہروں میں آزاد نہیں پھر سکتے۔ اپنی گلیوں میں اکیلے نہیں جا سکتے۔ اپنے کوچہ و بازار میں آجا نہیں سکتے۔ اس ملک کے شہروں، قصبوں، اور قریوں کے در و دیوار انہیں کھانے کو آتے ہیں۔ یہ بیچارے پولیس، فوج اور خفیہ والوں کے حلقوں میں سہمے سہمے چلتے ہیں۔ انہوں نے عبادت کے لیے اگر مسجد میں بھی جانا ہوتا ہے تو پہلے تمام نمازیوں کو مسجد سے ہٹا کر خفیہ والوں کی صف بندی کی جاتی ہے۔ امام مسجد کو سونگھ لیا جاتا ہے کہ کہیں پیٹ پر بم باندھے ہوئے اللہ اکبر تو نہیں کہہ رہا کسی خانقاہ کی زیارت کو جاتے ہیں تو پہلے وہاں سے فقیروں، درویشوں اور عبادت گزاروں کو ہٹا دیا جاتا ہے۔ پھر خفیہ والے، کیمرے والے، ٹی وی والے، مصنوعی داڑھی والے محافظ انہیں گھیرے میں لیے رہتے ہیں۔ یہ حکمران یہ ارباب اختیار چودہ کروڑ عوام کے رہنما ہونے کے باوجود پاک سرزمین میں آزادانہ نہیں پھر سکتے۔

پاکستان کے یہ حکمران کسی کی آزادی کا کیا تحفظ کر سکتے ہیں جب قدرت نے انہیں اپنی آزادی سے محروم کر کے پابند خانہ یا ''رہین حلقہ حفاظتی گارڈ'' بنا دیا ہے۔ حالات وقت کی خواہ کچھ ہی تاویل کی جائے سیکورٹی کے انتظام کو خواہ کتنا ہی اہم قرار دیا جائے مگر اپنے عوام سے وہ اتنے خائف ہیں کہ باہر قدم نہیں رکھ سکتے۔

ان کا اپنا تو یہ حال ہے مگر دوسری طرف ان کے آقایان ولی نعمت جنہیں یہ اپنا''

خدا'' بنائے بیٹھے ہیں۔ان کے ممالک کا کوئی فرد پاکستان کی سرزمین پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ان مغربی آقاؤں کو جہاز میں بٹھا کر سیدھے اپنے محلات میں لے جاتے ہیں۔'' نشستند وگفتند و برخاستند'' کا مظاہرہ کر کے الوداعی سلام پیش کرتے ہیں۔مغربی قومیں اپنے مظالم کی وجہ سے کسی اسلامی ملک میں آزادانہ نہیں آجا سکتیں۔حکمرانوں کی بیچارگی کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی ہی مملکت میں آزادانہ نہیں پھر سکتے۔

یہ ساری قید ان کی '' حفاظت خود اختیاری'' ہے ان کے سیاہ کارنامے اتنے غلیظ ہیں کہ پاکستان کی سرزمین میں ان کا قدم منحوس دکھائی دیتا ہے۔ان کے ظلم وستم اوران کی لوٹ مار نے چودہ کروڑ عوام کو بھوک اور غربت کے حوالے کر دیا ہے اور وہ بجا طور پر محسوس کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے خون کے پیاسے ہیں۔ یہ سرزمین ہماری لاشوں کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتی۔حکومتی تجزیہ نگار خواہ کچھ کہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پاکستان کی سرزمین ان پر تنگ کر دی گئی ہے۔

سابقہ حکمرانوں کے ایک ثقہ راوی نے ہمیں بتایا تھا کہ فیلڈ مارشل ایوب خان اپنے دور اقتدار میں ذوالفقار علی بھٹو کو '' زلفی'' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔دوسری طرف بھٹو مرحوم ایوب خان کو '' ڈیڈی'' کہا کرتا تھا۔ ایک دن دونوں ڈیڈی اور زلفی راولپنڈی سے کراچی کیلئے ایک جہاز پر سفر کر رہے تھے۔ایوب خان کے ہاتھ سے پانچ روپے کا نوٹ جہاز سے گرا تو بھٹو نے اسے اٹھالیا۔فیلڈ مارشل نے پوچھا زلفی یہ بتاؤ کہ اگر پانچ روپے کا یہ نوٹ میں باہر پھینک دوں تو اس کا کیا فائدہ ہوگا۔بھٹو کہنے لگے۔یہ پانچ روپے کا نوٹ سکول جاتے ہوئے کسی بچے کے سر پر پڑے گا تو وہ خوش ہوکر آپ کو دعائیں دے گا۔ایوب خان نے کہا کہ اگر میں دس روپے کا نوٹ پھینک دوں تو پھر کیا ہوگا بھٹو کہنے لگے یہ نوٹ بکریاں چرانے والے کسی چرواہے کو ملے گا وہ

۔۔۔ں تو پھر کیا ہوگا بھٹو کہنے لگا اب ہم پنجاب سے نکل کر سندھ کی فضا میں داخل ہور ہے ہیں اگر آپ سو روپے کا نوٹ پھینک دیں تو صحرا میں کسی غریب بستی (گوٹھ) پر گرے گا۔ سارے گاؤں کے لوگ خوشیاں منائیں گے اور آپ کو دعائیں دیں گے۔ فیلڈ مارشل بھٹو کی خوش کن باتوں سے بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے زلفی! میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی ایسا کام کر جاؤں جس سے پاکستان کا بچہ بچہ اسی طرح خوش ہو جائے جس طرح سکول کا بچہ، بکریوں کا چرواہا، گوٹھ کے دیہاتی خوش ہوئے تھے۔ بھٹو نے فوراً جواب دیا ڈیڈی حضور! آپ اسی وقت جہاز سے چھلانگ لگا دیں پاکستان کا بچہ بچہ خوش ہو جائے گا اور لوگ اپنے گھروں میں چراغاں کریں گے۔

آج کے حکمران خدا معلوم پاکستان کے چودہ کروڑ عوام کو کب خوش ہونے کا موقع دیتے ہیں اور کب چراغاں کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں نے اپنے اردگرد جو حصار قائم کر لیے ہیں اور جان کے ڈر سے قلعوں کو تعمیر کر لیا ہے یہ دراصل اللہ کے عذاب کی علامتیں ہیں سابق حکمران تو اپنے لیے خود پردیس میں رہنے کے لیے معاہدے کر کے گئے تھے مگر ہمارے ارباب اختیار نے اپنے آپ کو جس قید میں ڈال رکھا ہے۔ اس سے انہیں کب نجات ہوگی۔ یہ لوگ کل تک جن سڑکوں پر سائیکلیں چلاتے پھرتے تھے سیٹیاں بجاتے پھرتے تھے آج ان سڑکوں پر پاؤں نہیں رکھ سکتے۔ یہ لوگ جن شہروں جن گلیوں میں گدا گر بن کر ووٹ مانگا کرتے تھے اب وہی گلیاں ان کے لیے تنگ ہوگئی ہیں۔ وہی بازار وہی کوچے ان کے لیے دہشت کدے بن گئے ہیں شاید انہوں نے کبھی غور نہیں کیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ شاید انہوں نے کبھی سوچا ہو کہ ان کی اپنی سرزمین ان کے لیے کیوں تنگ ہوگئی ہے۔ شاید انہوں نے کبھی غور کیا ہو کہ ان کے اپنے چودہ کروڑ عوام انہیں کیوں بیگانے نظر آنے لگے ہیں۔

بھی کئی حکمران گزرے ہیں۔جن پر اللہ نے اس سرزمین کو تنگ نہیں کیا تھا۔ہم نے اپنی آنکھوں سے کئی گورنروں کو اندھیروں میں گورنر ہاؤس سے نکل کر پیدل داتا گنج بخش کی مسجد اور مزار پر آتے دیکھا ہے۔ہم نے اس ملک کے کئی وزیروں کو اکیلے گھومتے پھرتے دیکھا ہے۔ہم نے سردار عبدالرب نشتر جیسے گورنر کئی بار اکیلے شاہ محمد غوث کے مزار پر آتے دیکھا ہے ہم نے جنرل ضیاء الحق جیسے آمر کو آدھی رات کے اندھیروں میں داتا گنج بخش اور میاں میر کے مزار پر حاضری دیتے ہوئے سنا ہے۔آج کے حکمرانوں کو کونسے سرخاب کے پر لگ گئے ہیں کہ وہ عوام سے چھپتے پھرتے ہیں اور اپنی ہی بادشاہت میں آزاد فضا میں قدم نہیں رکھ سکتے۔

یہ دراصل عبرت کی تصویریں ہیں یہ اپنی بداعمالیوں سے خائف ہیں۔ یہ ملک و قوم کے ساتھ جو کچھ کر رہے ہیں۔اس کی وجہ سے ان کی آزادی سلب ہوگئی ہے۔ہم اگر ان حکمرانوں کی بے بسی اور بیچارگی کے واقعات بیان کرنے لگیں تو لوگ حیرت زدہ ہو جائیں اور کہیں کہ یا اللہ یہ لوگ اس قدر بے یار و مددگار ہیں کہ اپنی سرزمین پر قدم نہیں رکھ سکتے۔ہم ان ظلم ڈھانے والے ''مظلوم'' حکمرانوں کو اپنے پاک باز مسلمان حکمرانوں کی مثالیں تو نہیں دے سکتے۔جو رات کے اندھیروں میں مدینے کی گلیوں میں پھرا کرتے تھے جو رعایا کے حالات معلوم کرنے کے لیے دور دراز بستیوں میں چلے جایا کرتے تھے جو خود موقع پر پہنچ کر لوگوں کی دادرسی کرتے تھے جو بیچاروں، لاچاروں کی مدد کیا کرتے تھے جو بھوکے لوگوں کے لیے اپنے کندھوں پر آٹا اٹھا کر ان کے گھروں تک لے جایا کرتے تھے جو بھی انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر دعائیں کیا کرتے تھے اور دن کی روشنی میں ان کا مداوا کیا کرتے تھے۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

آج کے حکمران کس جنس سے بنے ہوئے آ گئے ہیں۔ آج کے حکمران کس خانوادے سے نکل کر حکمران بن گئے ہیں۔ آج کے حکمران کن وحشی قبیلوں سے اٹھ کر تاج وتخت کے مالک بن گئے ہیں! جنہیں نہ عوام کے دکھ درد کا احساس ہے نہ عوام کے مصائب کا مداوا کرنا آتا ہے۔ یہ اقتدار میں ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے واقعی ان کی آزادی سلب کر لی ہے۔ ان پر پاکستان کی سرزمین تنگ کر دی گئی ہے۔ ان پر اپنے وطن کے کوچہ و بازار خوف کی وادیاں بن گئی ہیں۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے اپنے ضمیر اور اپنے جسم کے قیدی ہیں۔ اقتدار میں رہ کر ان کا یہ حال ہے جب یہ اقتدار سے محروم ہو کر مغربی ملکوں میں ''پناہ گیر'' ہوں گے تو ان کا کیا حشر ہوگا!

تلوار پاس رکھتے بھی باہر نہ آ سکو
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں گے کیسے لگو گے یار

تلواریں اور بندوقیں پاس ہوتے بھی یہ سرزمین پاکستان میں آزادانہ باہر نہیں آ سکتے۔ جب ان کے ہاتھ ٹوٹ جائیں گے تاج وتخت الٹ جائیں گے تو پھر یہ کیا کریں گے۔

اے اللہ اپنے مظلوم بندوں پر رحم فرما۔ ان بیچاروں، ان کے خوبصورت قید خانوں کی خیر ہو ان سے انہیں باہر نکلنے کی توفیق عطا فرما۔ یا الٰہی ان دہشت زدہ بادشاہوں کے لیے پاکستان کی سرزمین کو کشادہ فرما دے۔ اگر ان کے مقدر میں ایسا نہیں تو اے اللہ! انہیں اس سرزمین سے اٹھا لے۔ ان کے بوجھ سے پاکستان کی سرزمین عاجز آ چکی ہے۔ یا اللہ! ان کے ناپاک وجودوں سے اپنے ضعیف بندوں کو نجات عطا فرما۔

پاکستان میں علمائے دین کے دو اہم مسئلے

جلد نمبر ۱۳..................جولائی ۲۰۰۴ء......شمارہ نمبر ۱۱۸

ان دنوں پاکستان مختلف مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ سیاسی تجزیہ نگاروں نے اسے سیاسی بحران کا نام دیا ہے۔ سیاسی اور معاشی مسائل سے ہٹ کر پاکستان، علمائے دین کے لیے دو نہایت اہم مسئلے لیکر کھڑا ہے۔ جن میں قوموں کی راہنمائی کے لیے علمائے کرام کو اپنا کردار ادا کرنے کے لیے روایتی بے اعتنائیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھنا ہوگا۔ پہلا مسئلہ ''ناموس رسالت'' کا ہے۔ اگر چہ یہ مسئلہ ساری امت کا ہے مگر علمائے کرام کو اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر خصوصی طور پر عوام کی رہنمائی کے لیے شب و روز کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر چہ ناموس رسالت پر ابتدائے اسلام سے ہی کئی بدنہاد افراد نے بدزبانی کی تھی اور تاریخ ایسے بدزبانوں کے منحوس ناموں سے بھری پڑی ہے مگر ہر دور میں علمائے کرام نے ایسے افراد کی بدزبانی کا منہ توڑ جواب دیا ہے اور ناموس رسالت ﷺ پر دریدہ دہن لوگوں کی زبانیں بند کرنے کے لیے انہیں علمی ذرائع استعمال کرنے پڑے اور اگر علمی بات ان بدبختوں کے ذہن میں نہ آتی تو علمائے کرام نے دوسرے اقدام بھی کیے تھے۔

پاکستان میں جب سے بھی بے دین حکومتوں کو بیرونی کافرانہ طاقتوں سے شہ ملی ہے ان کی زبانیں بھی کھل گئی ہیں۔ وہ ہر موقع پر ناموس رسالت پر ست گفتگو

کرتے ہیں حملے کرتے ہیں اور بعض اوقات بد زبانی سے بھی باز نہیں آتے۔ اب نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ ان بد باطن قوتوں نے پاکستان کے اندر قانون سازی کے لیے ایوان اقتدار کو بھی آمادہ کرلیا ہے۔ ان کی یہ خواہش ہے کہ ملک کے اندر بدزبان افراد کو کھلی چھٹی مل جائے اور اسلام نے ایسے لوگوں کے لیے جو سزائیں مقرر کی ہیں، ملکی قانون سے خارج کردی جائیں۔ جن مسلمانوں نے بڑی جدوجہد کے بعد ''تحفظ ناموس رسالت'' کا قانون بنانے میں حصہ لیا تھا ان میں علمائے کرام کو خصوصی طور پر آگے بڑھنا پڑا اور ناموس مصطفیٰ کی حفاظت کے لیے عوام کو تیار کرنا پڑا۔ عوام کے جذبات کو زندہ رکھنا پڑا۔ دراصل ناموس مصطفیٰ ہی ایک ایسی شمع ہے جس کی روشنی میں ہمارے ایمان جگمگاتے نظر آرہے ہیں۔ اگر ناموس رسول کو نظر انداز کردیا جائے تو ہزاروں نمازیں، لاکھوں زکوتیں اور کروڑوں جانی قربانیاں ہیچ ہوکر رہ جاتی ہیں۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے ایماں میرا کامل ہو نہیں سکتا!

اگرچہ آج بیرونی قوتیں اور اسلام کا نام لینے والی اندرونی حکومتیں،، ناموس مصطفیٰ کے حفاظتی حصار میں نقب زنی کے لیے کوشاں ہیں اور آئے دن کئی قسم کے اعلانات کیے جاتے ہیں۔ اندریں حالات علمائے کرام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بلا امتیاز مذہب و مسلک متحد ہوکر اس مسئلے کو اٹھائیں اور ہر عالم دین اسے اپنا مسئلہ جانتے ہوئے میدان میں نکلے۔ ناموس رسالت کے دشمنوں کا مقابلہ کرے اور حضور کے نام لیواؤں کی رہنمائی کرتے ہوئے انہیں اس مسئلہ کی اہمیت سے آگاہ کرے۔

دوسرا نہایت ہی اہم مسئلہ ''جہاد'' ہے جس کے خلاف آج دنیا بھر میں کفر کی ساری قوتیں جمع ہوگئی ہیں اور انہوں نے پاکستان کے حکمرانوں کو ڈرا دھمکا کر دہشت زدہ کرلیا ہے اور اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اب پاکستان میں جو شخص جہاد کا نام لیتا ہے

اسے ''دہشت گرد'' قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جہاد پر گفتگو کرنے والے علماء کرام کو ''فرقہ واریت اور دہشت گردی'' کا مجرم قرار دیا جاتا ہے۔

آج سے کئی سو سال پہلے برصغیر میں انگریز کی حکومت تھی۔ مسلمان غلامی اور تنگ دستی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ انگریز کا ''خود کاشتہ پودا'' قادیان سے نبوت کے جھوٹے دعوے کے ساتھ اعلان کر رہا تھا۔

اے دوستو اب چھوڑ دو جہاد کا خیال

دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور جدال

اس وقت کے علماء کرام گرفتار بلا تھے مگر باغیرت تھے۔ غلامی کے باوجود سارے برصغیر میں علمائے کرام اٹھ کھڑے ہوئے اور جہاد کے خلاف اٹھنے والی آواز پر زبردست احتجاج کرنے لگے۔ ان علمائے کرام نے مسلمانوں کے دلوں میں جذبۂ جہاد کو کم تر نہیں ہونے دیا یہ درست ہے کہ علمائے کرام اور مسلمانان برصغیر تلواریں لے کر سرحدوں پر نہیں پہنچے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان علمائے کرام نے لوگوں کے دلوں میں جذبۂ جہاد برقرار رکھا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب غلامی کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں تو برصغیر کے عوام مسلسل جہاد کر کے قائداعظم کی قیادت میں پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس جہادی جدوجہد میں لاکھوں جانیں قربان کرنا پڑیں۔ مال و اسباب چھوڑنے پڑے، خون کے دریاؤں سے گزرنا پڑا اور جذبۂ جہاد کی بدولت انہوں نے صرف آزادی ہی حاصل نہیں کی بلکہ ایک نظریاتی مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

آج مرزا قادیانی تو موجود نہیں جو یہ کہے ''اے دوستو اب چھوڑ دو جہاد کا خیال'' اور نہ انگریز موجود ہے جو اس کی پیٹھ ٹھونک کر جہاد کے خلاف پشت پناہی

جہاد کو دہشت گردی کا نام دیا جا رہا ہے۔ جہاد پر تقاریر کرنے سے روکا جا رہا ہے۔ جہاد کی آیات کی تلاوت کرنے سے ہٹایا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ جہاد کے واقعات بیان کرنے سے علمائے کرام کو منع کیا جا رہا ہے۔ اس مہم میں بعض نام نہاد علمائے کرام حکومت کے اشارے پر وہی کردار ادا کر رہے ہیں جس طرح پاکستان کی تشکیل کے وقت جبہ و دستار پہنے ہوئے بعض علماء نے نظریہ پاکستان کے خلاف جدوجہد کی تقریریں کیں اور مسلمانوں کے ایک طبقے کو آزادی کا نام لینے سے بھی روک دیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جہاد کا نام لے کر مسلمان بندوقیں لے کر گھروں سے نکل آئیں مگر اس جذبہ کو مٹانے میں جو قوتیں کام کر رہی ہیں ان کے خلاف آواز اٹھانے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ مساجد، دینی مدارس، دینی اجتماعات، مسلمانوں کے اخبارات، رسائل اور ملک کے دوسرے ذرائع ابلاغ میں پوری حکمت عملی سے جذبہ جہاد بیدار کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ آج کی بے دین قوتیں عنقریب اپنی موت خود مرنے والی ہیں۔ وہ قدم قدم پر شکست کھا رہی ہیں اگر علمائے کرام اس فریضہ کو انجام دینے سے پہلو تہی کرتے رہے تو تاریخ میں ان کا نام سیاہ حروف سے لکھا جائے گا۔

جہاد در اصل بے سر و سامان اہل ایمان کا راستہ ہے وہ مصائب اور بے سرو سامانی کے باوجود جہادی راہوں پر چلتے رہے ہیں۔ تاریخ ایسے مسلمان مجاہدین اسلام کے ناموں کو سنہری حروف میں محفوظ کرتی ہے جن لوگوں نے جہاد کے علم کو بلند رکھا۔ ہم اگر قرآن و حدیث پر نگاہ ڈالیں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان کہلا ہی نہیں سکتا جب تک وہ مجاہد نہ ہو۔ آج جو لوگ مجاہد کے نام سے گھبراتے ہیں اور وہ اسے "دہشت گرد" قرار دیتے ہیں اور اسلام کے اس اہم فریضہ جہاد کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہیں وہ اپنے دنیاوی مستقبل کو ہی تاریک نہیں کرتے بلکہ اپنے نام "بدترین مخلوق" میں لکھوانے کی کوشش

آج دنیا کی زبردست کافرانہ طاقتیں دنیا کے گوشے گوشے میں مجاہدین اسلام پر تابڑتوڑ حملے کر رہی ہیں اور ان کو تباہ کرنے کے لیے دن رات کوشاں ہیں مگر اس کے باوجود باطل قوتیں ان مجاہدین اسلام کے کارناموں کو تسلیم کرتی ہیں جو اپنے بدنوں پر بم باندھ کر کفر کے قلعوں کو مسمار کر رہے ہیں۔ یہ مجاہدین "آتش نمرود" میں کود کر مسلمانوں کے مستقبل کو گلزار بنا رہے ہیں۔ مسلمان ماؤں کے جگر گوشے دنیا کے گوشے گوشے میں جہاد سے سرشار ہو کر کفری طاقتوں کو للکار رہے ہیں۔ ہم ایسے مجاہدین اسلام کو سلام کرتے ہیں دنیائے کفر کی سب سے بڑی جنگ افغانستان کے بعد عراق کی سرزمین میں لڑی جا رہی ہے۔ وہاں کے مجاہدین بھی بے سروسامان ہیں مگر اس بے سروسامانی کے عالم میں وہ کفر کی سپر پاور کو للکار رہے ہیں۔ اسلام دشمن قوتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے قدم آگے بڑھا رہے ہیں۔

ہمارے پاکستان میں باطل قوتوں کے گماشتے مجاہدین کو پکڑ پکڑ کر فروخت کر رہے ہیں اور انعام حاصل کر رہے ہیں۔ انہیں دہشت گرد قرار دے کر قتل کر رہے ہیں۔ ان کے اہل وعیال اور گھر بار کو نیست و نابود کر رہے ہیں مگر ان لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ آج تک کسی مجاہد اسلام نے سر نہیں جھکایا۔

ع۔ کٹ سکتا ہے سر خوددار کا پر جھک نہیں سکتا!

ان حالات میں جو علمائے کرام سرکار کا دانہ دنکا کھا کر منقار زیر پر ہو چکے ہیں اور ظلم کی ہمنوائی کو اپنی کامرانی گردان رہے ہیں۔ ہم ان کو تو کسی شمار قطار میں نہیں لاتے مگر ہم ان علمائے کرام خصوصاً علمائے اہل سنت کو توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ وہ جہاد کے جذبے کو قوم کے دلوں سے ٹھنڈا نہ پڑنے دیں۔ جذبہ جہاد بیدار رکھیں اور "اپنے گھوڑے تیار رکھیں" اور جو مولوی "اے دوستو اب چھوڑ دو جہاد کا خیال" کا ترانہ گاتا ہے اس کی پروانہ کریں۔ اپنی مساجد، اپنے مدارس میں کھڑے ہو کر اپنی قوم کے

ساتھ جہاد کا جذبہ زندہ رکھنے کے لیے جدوجہد میں مصروف رہیں۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ مجاہدین اسلام کو دہشت گرد قرار دینے والے اللہ کی پاک سرزمین سے بھاگتے ہوئے نظر آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ان گمراہ لوگوں کو مجاہدین کے ہاتھوں غضب کی زد میں لائے گا۔ عنقریب ان لوگوں کا وہ حشر ہونے والا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے لیے اگرچہ پاکستان کی سرزمین آج بھی تنگ کر دی گئی ہے مگر اب یہ سرزمین ان کو قبروں کے لیے بھی جگہ نہ دے گی۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ جن لوگوں نے پاکستان کی سرزمین سے غداری کی وہ کتنے رسوا اور خوار ہو رہے ہیں۔

ہوئے اس قدر جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا

نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

جلد نمبر ۱۳ .... اگست، ستمبر ۲۰۰۴ء .... شمارہ نمبر ۱۱۹

ان دنوں ہمارا ملک عزیز، پاکستان جن حالات سے گزر رہا ہے وہ کسی تفصیل کا محتاج نہیں۔ اور نہ ہی یہ حالات کسی سے پوشیدہ ہیں۔ ہم اگست ۱۹۴۷ء میں آزادی کا ایک قافلہ لے کر ہندوستان کے مختلف علاقوں سے اٹھ کر ایک ایسے خطے میں جمع ہوئے تھے جو اللہ اور رسول کے نام پر ایک نظریاتی مملکت کی شکل میں حاصل کیا گیا تھا۔ اس نظریاتی مملکت (پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ) کو حاصل کرنے کے لیے فرزندان توحید کو خون کی ندیوں سے گزرنا پڑا تھا۔ لاکھوں جانوں کے نذرانہ دینے پڑے تھے۔ گھر بار، کاروبار، شہر و دیہات چھوڑ کر مسلمانوں کے کٹے پھٹے قافلے اس سرزمین میں پہنچے جو فرزندان توحید کے لیے امن کا گہوارہ قرار دی گئی تھی۔ یہ آزادی، یہ قافلے، یہ خون کی ندیاں، یہ سب کچھ لٹا کر آنے والے لوگوں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ ماہ اگست تھا۔ یہ ماہ آزادی تھا۔ یہ ماہ قیام پاکستان تھا۔ ہم نے اس ماہ اگست، ماہ آزادی اور ماہ پاکستان کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ایک بکھری ہوئی قوم، ایک لٹا ہوا کارواں، ایک بے سر و ساماں قافلہ، سرزمین پاکستان میں آ کر آباد ہونے لگا۔ مسلمانوں کی باہمی اخوت و محبت کا دور دورہ تھا، آنے والے آباد ہوتے گئے۔ پاکستان میں بسنے والے اپنے بازو پھیلاتے گئے اور آنے والوں کو گلے لگاتے گئے۔

پیدا ہوئے۔ بستیاں بسانے لگے۔ یہ بڑا عجیب وقت تھا۔ اتنی بے سروسامان قوم اتنی بے یارو مددگار مخلوق پاکستان کی سرزمین میں خوش حالی کی طرف بڑھنے لگی۔

اب پاکستان میں حکمرانوں کا ایک طبقہ اٹھا۔ جمہوریت کے نام پر حکمرانی کرنے لگا۔ سیاست کے زور پر اقتدار کی کرسیوں پر براجمان ہونے لگا۔ جمہوریت کے نعرے لگانے والے ان حکمرانوں کے قدم ابھی جمنے نہ پائے تھے کہ جرنیلوں نے سرحدیں چھوڑ کر جمہوریت پر چھاپہ مارا اور جمہوریت کو ایک ٹھوکر سے گرا دیا۔ جب جرنیل تھک گئے تو جمہوریت پھر آگے بڑھی۔ ابھی اس بیچاری نے دم نہ لیا تھا کہ آمریت کے علاج آزماؤں نے اس جمہوریت پر فوجی یلغار کر دی اور جمہوریت ملک کے اندر ہی اندر دم توڑنے لگی۔ ہمارے پاکستان میں سیاست اور فوج کی باہمی جنگ نصف صدی سے بھی زیادہ لڑی جاتی رہی ہے۔ اس میں عوام پستے رہے۔ غریب نظر انداز ہوتے رہے۔ جنہوں نے پاکستان بنایا تھا وہ زندہ در گور ہوتے گئے۔ جس مقصد کے لیے پاکستان بنایا تھا۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوتا گیا۔ جس نام پر پاکستان بنایا گیا تھا اسے بھلا دیا گیا۔ اللہ و رسول کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا گیا بلکہ اسلام کے پاکیزہ قوانین سے بغاوت کر کے شیطانی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ اس پاک سرزمین میں اسلام کی بیچارگی اور دین کی بے بسی کے اظہار پر ہمارے ایک مرحوم عالم دین اپنی تقاریر میں بڑے دردناک انداز میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

اج دین نبی والا کم تھیاں رووے تے ترلاوے
کتھے میرا عمر بہادر (جیہڑا) سینوں لے لاوے!

عمر بہادر تو کوئی نہ آیا اس کی جگہ کئی شمر بہادر آگے بڑھے اور ملک میں دندنانے لگے۔ ان حالات میں ہمارے علماء دین کا ایک طبقہ آگے بڑھا وہ اسلام کے لانے کے لیے میدان سیاست میں اترا۔ بعض علماء تو اقتدار پسندوں نے

دھتکار دیا اور بعض کو ''حکمرانوں کی ساحری'' کھا گئی۔ ''نظام مصطفیٰ'' کے لیے جدوجہد نے اگرچہ کئی تاج وتخت الٹے مگر بات وہیں کی وہیں رہی۔ پاکستان کے مقاصد پورے نہ ہو سکے۔ پاکستان کو اللہ اور رسول کی سرزمین بنانے کے خواب ادھورے رہ گئے۔ ''نظام مصطفیٰ'' کے لئے بڑھنے والے قدم کبھی جمہوریت کے ایوانوں کے دروازوں پر آ کے رک جاتے کبھی آمریت کے قدموں میں کچلے جاتے۔

آج ہمارا دور سابقہ تمام جمہوری اور غیر جمہوری ادوار سے مختلف ہے۔ اس دور میں علماء دین کو ''سر بہ مہر'' کر کے ایک دیوار کے ساتھ لگا دیا گیا ہے۔ بعض کو ''دہشت گرد'' قرار دے کر قید و بند میں پھینک دیا گیا ہے۔ بعض کو ''القاعدہ'' کے نام پر موت کی وادی میں دھکیل دیا گیا ہے۔ علماء دین کے مدرسے، مسجدیں، دہشت گردی کے اڈے، قرار دیے گئے ہیں۔ بعض سہمے سہمے علمائے دین کو ''ایوان صدر'' میں بلا کر حقیر سا دانہ دنکا ڈالا جاتا ہے اور ''قدم بڑھاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں'' کے نعرے لگوا کر انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ جاؤ اپنی مسجدوں اپنے گھروں اور اپنی خانقاہوں میں ''امن وامان'' کے ساتھ بیٹھے رہو اور اللہ اللہ کرتے جاؤ۔

اوروں کو چھوڑیے غیروں کی بات نہ کیجیے ہمارا سنیوں کا باغ سب سے زیادہ اجڑا ہے۔ ہماری زبانیں سب سے زیادہ بند کر دی گئیں۔ ہماری مسجدیں سب سے زیادہ مقفل ہوئیں۔ ہماری خانقاہیں سب سے زیادہ ''اللہ ہو'' کی مہر سے سیل کر دی گئیں۔ آج اگر آپ سارے پاکستان پر نظر دوڑائیں اور سارے معاشرے کو دیکھیں تو آپ محسوس کریں گے کہ:

ع۔ چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری!

سنیوں کی مظلومیت کی داستان ہر طرف بکھری پڑی ہے۔ جنہوں نے پاکستان بنایا تھا۔ ان کی زبانیں گنگ ہوگئی ہیں۔ جنہوں نے پاکستان کے لیے

قربانیاں دی تھیں ان کی داستان ہر طرف بے بسی کا مرقع بنی ہوئی ہے۔

ہم اپنے علمائے کرام کے جلسوں میں جاتے ہیں۔ ان کی تقریریں سنتے ہیں۔ ان کا وعظ سنتے ہیں اور ان کے حالات سنتے ہیں تو دامن جھاڑ کر گھر چلے آتے ہیں۔ پھر ان کی مجالس میں حاضری دیتے ہیں۔ قومی مسائل پر بات کرتے ہیں تو سر جھکا کر چلے آتے ہیں۔ ہم خانقاہوں میں حاضری دیتے ہیں تو تبرک کھا کر واپس آجاتے ہیں۔

ع۔ نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے!

ہائے وہ ہمارے علمائے کرام، ہائے وہ ہمارے پیران عظام، ہائے وہ ہمارے خطیبان شیریں بیاں کہاں چلے گئے۔ ''اہل دل کے کارواں کن وادیوں میں کھو گئے!'' آج کے علماء کرام کا اور پیران عظام کا اپنا اپنا مقام ہے۔ مگر وہ پھولوں کی طرح ہزاروں زبانیں رکھنے کے باوجود خاموش ہیں۔ وہ قوت بیان رکھنے کے باوجود چپ ہیں۔

جب ہمیں اہل دل کے پرانے قافلے یاد آتے ہیں تو ہمیں آزادی کے لیے جانیں قربان کرنے والے بھی یاد آتے ہیں۔ پھر آزادی کے وہ پروانے یاد آتے ہیں جو پاکستان کی تشکیل کے لیے جانیں قربان کرتے رہے ہیں۔ ہمیں وہ مخلص رہنما یاد آتے ہیں جو آزادی کا کاروان لے کر ہندوستان کے مختلف گوشوں سے اٹھ اٹھ کر پاکستان کی وادی کو آباد کرنے پہنچے تھے۔ ہمیں اگست کا وہ مہینہ یاد آتا ہے جب ایک قوم علامہ اقبال کے تخیل کو عملی رنگ دیتے ہوئے ایک قائد کے پیچھے چلی آئی تھی۔ اس قائد نے مساکین مسلمانوں کا ایک قافلہ لے کر پاکستان بنایا تھا یہی لوگ ہیں جنہیں ہم ''اہل دل'' کہتے ہیں اور یہی وہ وادیاں ہیں جہاں یہ اہل دل کے قافلے کھو گئے ہیں۔ ہم علامہ اقبال کے تخیل اور قائد اعظم کے تدبر کو سلام کرتے ہیں۔ ہم ان علماء کرام کی روحوں کو علیین کی بلندیوں پر کھڑا دیکھتے ہیں۔ جنہوں نے پاکستان میں ''نظام مصطفیٰ'' قائم کرنے کے لیے جدوجہد کی۔ قید و بند کی تکلیفیں برداشت کیں۔

جانوں کے نذرانے پیش کیے تھے۔ ہم ان علمائے کرام کو بھی سلام کرتے ہیں جنہوں نے قوم کو ''نظام مصطفیٰ'' کے لیے ایک قطار میں کھڑا کیا اور باطل قوتوں سے ٹکراتے رہے۔ آج ہم آزادی کے ماہ اگست کی نسبت سے ابھرنے والے راہنماؤں علماء و مشائخ اور جانبازوں کو یاد کرتے ہیں۔

ہم نے آج کے جن ''ظلمات فروش علماء'' کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کسی شمار قطار میں نہیں ہیں۔ یہ چند ٹکے کے بھکاری ہوتے ہیں۔ یہ چڑھتے سورج کے پجاری ہوتے ہیں۔ یہ اقتدار پر آنے والوں کے درباری ہوتے ہیں۔ ہم تو ان علمائے کرام کی بات کرتے ہیں۔ جنہوں نے اللہ و رسول کے جھنڈے اٹھا کر دن رات ایک کر دیا تھا۔ ہم تو ان علمائے کرام کی بات کرتے ہیں۔ جو نان جویں کھا کر قوت حیدری کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں لوگ آج کل بعض علماء کا کردار دیکھ کر گردن جھکا دیتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ شاید سارے علماء کرام ایسے ہی ہوتے تھے مگر ہم نے ان ساٹھ سالوں کے دوران ایسے علمائے کرام بھی دیکھے ہیں، جو اللہ کا نام بلند کرنے اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے لیے جانیں قربان کرتے رہے ہیں۔ جانے والے چلے گئے مگر آج بھی ہمارے اردگرد ایسے علمائے کرام موجود ہیں۔ جنہوں نے ہر دور میں قربانیاں دیں۔ ہم نے ایک ایک عالم دین کی زیارت کی ہے۔ جو جیلوں میں رہے۔ لاٹھیاں کھائیں، مشقتیں برداشت کیں، مگر غیر کے سامنے سر نہیں جھکایا، آج ہمارا قافلہ بکھر چکا ہے۔ ورنہ ہمیں وہ روشن چہرے ابھی تک جیتے جاگتے نظر آتے ہیں۔ جنہوں نے ''نظام مصطفیٰ'' کے لیے دن رات ایک کر دیا تھا۔ ہم کس کس کا نام لیں، کس کس کا ذکر کریں۔ آج حالات نے ان بلند فکر علماء اور جانباز نوجوانوں کو بکھیر دیا ہے۔ ورنہ ہمارے لیے ایک ایک فرد مجاہد اسلام ہے۔ یہ ''مجاہدین نظام مصطفیٰ'' آج سوکھے پتوں کی طرح منتشر ہو گئے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کے سینوں میں اب تک حضور

ں محبت کی شمعیں روشن ہیں۔ ہمارے پاس اکثر ایسے علمائے کرام آتے ہیں جن کا
ماضی شاندار ہے۔ ہم ایسے علمائے کرام کے پاس خود بھی حاضر ہوتے ہیں جو نظام
مصطفی کے قافلے میں شامل ہو کر بڑھتے رہے ہیں۔ ہمارے بعض دوست چند خیمہ
فروشوں کو دیکھ کر بددل ہو جاتے ہیں۔ ہم ان کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس
آئیں اور ہم انہیں دکھائیں گے کہ یہ ہیں وہ علمائے دین جو قوم کے لیے قربانیاں
دیتے رہے ہیں۔ آج لوگ چمکتے ہوئے ستاروں کی پوجا کرتے ہیں۔ مگر ہم انہیں بتا
سکتے ہیں۔ آج بھی ہمارے علمائے کرام اپنی گود میں روشنیاں لیے ہوئے موجود ہیں۔

سابقہ ادوار میں اسلام پر کیا گذری اس سے بچہ بچہ واقف ہے۔ یہ جمہوری
دور تھا مگر موجودہ دور میں اسلام پر کیا گزر رہی ہے اس سے بھی آج پاکستان کا بچہ بچہ
واقف ہے مگر ہم اسلام کو دبانے والی قوتوں کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ وہ جو بھی کریں مگر
اسلام اس ملک میں ابھی تک قائم ہے قائم رہے گا اور عنقریب اپنی رحمتوں سے
پندرہ کروڑ عوام کو نئی زندگی بخشے گا۔ ہمارے ملک کے ایک دینی تجزیہ نگار نے "میں
فیٹ اینڈ فگرز" کی روشنی میں بتایا تھا کہ جس دن سے ہمارے ملک میں تاریک دور کا
آغاز ہوا ہے اور اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ نے جانے کے منصوبے بنائے جا رہے
ہے۔ "دینی مدارس کو دہشت گردوں کے اڈے" بتایا جا رہا ہے مساجد کو "این او سی"
کے دروازوں سے مقفل کیا جا رہا ہے۔ محراب و منبر کو آیات جہاد سے محروم کیا جا رہا ہے
اسی تاریک دور میں مسلمانوں نے پاکستان کی سرزمین پر ایک لاکھ نئی مساجد تعمیر کی ہیں
۔ پابندیوں کے باوجود چالیس ہزار نئے دینی مدارس قائم ہوئے ہیں۔ "تنظیم
المدارس" کی ایک رپورٹ کے مطابق آج بیس لاکھ طالب علم پاکستان کے دینی
مدارس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جن کے تمام اخراجات وہ قوم برداشت کر رہی
ہے جو سنی العقیدہ ہے اور جسے "بریلوی" کہا جاتا ہے۔

پاکستان کے موجودہ ناخدا بار بار اعلان کرتے ہیں کہ ہم پر حملہ کرنے والے، ہم پر بم برسانے والے، ہم پر دھماکے کرنے والے سارے کے سارے ''مولوی'' ہیں۔قلعہ بند کمانڈروں، وزیروں اور جرنیلوں پر آج جو قہر خداوندی نازل ہو رہا ہے وہ ''مولویوں'' کے کھاتے میں ڈالا جا رہا ہے۔''دروغ برگردن وزیر اطلاعات'' یہ مولوی سارے دہشت گرد ہیں۔خدا یہ معلوم کہاں سے نکل آئے ہیں جو ''ملک الموت'' کی شکل میں ان قلعہ بند حکمرانوں کو موت کا پیغام دے رہے ہیں۔ہم ان مولویوں سے واقف نہیں ہیں اور نہ ہم نے کبھی ملک الموت کو دیکھا ہے مگر جو لوگ اپنے پیٹ پر پتھر نہیں بلکہ بم باندھتے ہیں اور طوفان برپا کر دیتے ہیں وہ ہمارے مولوی نہیں، ہمارے مولوی تو وہ ہیں جو اللہ اللہ کرتے ہیں سب کے لیے دعا کرتے ہیں، صلوۃ وسلام پڑھتے ہیں اور لوگوں کی جانوں اور زندگیوں کے لیے اللہ کا فضل مانگتے ہیں۔ہم ایسے مولویوں کو پسند نہیں کرتے جو مسجدوں، امام بارگاہوں حتی کہ ہوٹلوں اور کلبوں پر دھماکے کر کے بے گناہ لوگوں کو موت کی وادی میں دھکیل دیتے ہیں۔ہم ایسے مولویوں کو پسند نہیں کرتے جو ''مسکین حکمرانوں'' کو موت کا مزہ چکھاتے پھرتے ہیں۔ہم ان جنگجو جوانوں کو جنہوں نے حکمرانوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں بھی پسند نہیں کرتے ہم ان دنوں اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ سارے وزیر موت سے ڈر کر گھر سے باہر نہیں نکلتے اور اگر باہر نکلتے ہیں تو کوئی ایک ہزار فوجی اور رینجر کے جوانوں کو لے کر دفتر جاتے ہیں۔عام وزیر کہتے ہیں کہ ہم اپنے ''وزیر اعظم'' کی گاڑی میں نہیں بیٹھیں گے۔ان کے پیچھے تو موت کے فرشتے لگے ہوئے ہیں۔ہمیں ایسے خوشامدی وزیروں پر حیرت ہوتی ہے جو کہتے ہیں ''حضور آپ اپنے گھر ہی بیٹھے رہیں۔ہم اکیلے ہی آپ کی انتخابی مہم چلا لیں گے۔'' ہائے ایسے بھی ''وفادار'' ہوتے ہیں اور ایسے بھی جاں نثار ہوتے ہیں۔

چہ حاجت تیغ شاہی را بخون ہر کس آلودن
تو بنشین و اشارت کن بہ چشمے یا بہ ابروئے

ان وزیروں کے ذکر کو چھوڑیں ہم ان اہل دل حضرات کا ذکر کر رہے تھے جن کے کارواں مختلف وادیوں میں گم ہو گئے ہیں۔ ہم خواہ مخواہ "مظلومان اقتدار" کا ذکر درمیان میں لے آئے ہیں۔ ہم سلام کرتے ہیں ان علمائے کرام کو جو ان حالات میں بھی اسلام کا جھنڈا اٹھائے اللہ اور رسول کا نام بلند کر رہے ہیں۔ ہم سلام کرتے ہیں ان جانبازوں کو (جنہیں مجاہد کہنے سے ڈر لگتا ہے) جو پیٹ پر بم باندھ کر کشمیر، چیچنیا، فلسطین، افغانستان اور عراق میں بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود پڑتے ہیں۔ ہم سلام کرتے ہیں ان اہل مدرسہ کو، اہل مساجد کو، اہل ذکر کو، اہل فکر کو جو آج کے ظلمت کدوں میں اذانیں دے رہے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ پاکستان کے پندرہ کروڑ لوگوں کا مستقبل تابناک ہے عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب "دہشت گردوں" کا دور ختم ہو جائے گا۔ جب "نظام مصطفیٰ" کے جھنڈے لہرائیں گے اور ہم اس مقام پر کھڑے ہوں گے۔ جس کے لیے ہمارے بزرگوں نے بیشمار قربانیاں دی تھیں۔ ہم آج اس یوم آزادی کی یاد کو تازہ کر رہے ہیں۔ جس دن ہمیں پاکستان کی سرزمین ملی اور ہم نے "نظام مصطفیٰ" قائم کرنے کے لیے عہد کیا تھا۔

چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے

جلد نمبر ۱۳ .... نومبر، دسمبر ۲۰۰۴ء .... شمارہ نمبر ۱۲۱

آج عالم اسلام یہود و نصاریٰ کے لشکروں کی زد میں ہے۔ دنیا کے کسی بھی خطے میں جہاں جہاں فرزندان اسلام بستے ہیں وہاں کسی نہ کسی انداز سے مظالم توڑے جا رہے ہیں افغانستان کی تباہی کے بعد عراق کی سرزمین خون آشام بن چکی ہے۔ ایک عرصہ سے اس مقدس سرزمین پر آتش بازی ہو رہی ہے۔ ایک لاکھ سے زیادہ شہری شہید ہو چکے ہیں۔ شہروں، قصبوں، حتیٰ کہ صحرائی دیہات کے در و دیوار پیوست زمین کر دیے گئے ہیں۔

رمضان المبارک کے دوران بغداد کے قریب شہر فلوجہ پر جس انداز سے گولہ باری کی گئی ہے اس کی مثال نہیں ملتی اور جتنی تباہ کاری اس شہر کے نصیب بنی ہے اتنی بغداد کے دوسرے شہروں کی نہیں ہوئی لاکھوں لوگ بے گھر ہوئے، سیکڑوں مکان تہ و بالا کر دیے گئے۔ ہزاروں لاشیں خاک و خون میں تڑپا دی گئیں۔ اس شہر کا قصور یہ تھا کہ اس میں بسنے والے مسلمانوں نے باطل قوتوں کے سامنے سرنگوں ہونا قبول نہیں کیا توپوں اور ٹینکوں کے سامنے سینہ سپر رہے اور اس طرح فلوجہ کا بچہ بچہ کٹ گیا۔ شہر کے گلی کوچوں میں بے گور و کفن لاشے تڑپنے لگے ان کا قصور کیا تھا؟

ع۔ چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے

آج باطل قوتوں کو گوارا نہیں کہ کوئی ان کے سامنے سر اٹھا کے چلے۔ اس کے برعکس دور میں جب کہ اپنے بھی تماشائی بن گئے ہیں اور دنیا بھر کے مسلمان حکمران بھی دم بخود ہو گئے ہیں۔ فلوجہ کے سرفروشوں نے ایمان اور جرأت کی ایک تاریخ مرتب کی ہے۔ جانوں کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے شہادت کے پیالے نوش کیے ہیں۔

چہ خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

فرزندان اسلام نے اگرچہ ہر دور میں مصائب کو لبیک کہا ہے اور بدر و حنین کے شہیدوں کی راہ پر چل کر اسلام کے پرچم کو بلند رکھا ہے۔ مگر جس زمانے میں ہم بس رہے ہیں یہ مسلمانوں کے زوال کا زمانہ ہے یہ بزدلوں کا دور ہے۔ یہ "دہشت زدہ" مسلمان حکمرانوں کا دور ہے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے سہمے ہوئے مسلمانوں کا دور ہے۔ یہ اتنی قوت کے مالک ہوتے ہوئے کانپنے والے حکمرانوں کا دور ہے۔ یہ کاسہ لیس بادشاہوں کا دور ہے۔ ہائے وہ زمانہ کہاں سے لائیں۔

ٹکراتا تھا تو جب نعرہ تو زنجیر توڑ دیتا تھا

حکم دیتا سمندر کو وہ رستہ چھوڑ دیتا تھا

ایران و شام و روما کو جھکایا تھا میدانوں میں

ہو کا لا الٰہ کا دے دیا تھا سب جہانوں میں

اس انحطاط اور بزدلی کے زمانے میں بھی فرزندان اسلام اپنے خون سے تاریخ کا سنہری باب رقم کرتے نظر آتے ہیں۔ افغانستان کے بعد عراق، عراق کے بعد نجف اشرف کے بعد فلوجہ کے مجاہدین اپنے خون سے ایک شاندار تاریخ رقم کر رہے ہیں آج کی دنیا ان کی قربانیوں کو شاید محسوس نہ کرے مگر ایک وقت

آئے گا کہ آنے والے لوگ ان شہداء کو سلام کریں گے۔

شام کربلا میں خاک وخون میں لپٹے ہوئے لاشوں اور اہل بیت کے لٹے ہوئے قافلے کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ یہ مقدس لاشے یہ پابجولاں فرزندان رسول کبھی اسلام کا مایۂ افتخار بنیں گے۔ مگر دنیا کی تاریخ نے لکھا کہ

؎ قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے!

آج عالم کا جریدہ گواہی دے رہا ہے کہ شام غریباں کے شہداء ہی اسلام کے علم کو بلند کیے ہوئے ہیں۔ آج دنیا تسلیم کر رہی ہے کہ کربلا میں سر کٹانے والوں نے ہی اسلام کے پرچم بلند کیے ہیں۔ بدر وحنین اور احد وکربلا کی مثالیں ہم اس لیے دے رہے ہیں کہ اسلام کی تاریخ انہی جاں نثاروں سے درخشاں ہیں۔ سر کٹانے والے ہی سر بلند ہوتے ہیں۔ آج افغانیوں پر کوہ غم ٹوٹا ہے تو کیا غم ہے؟ آج فلسطینیوں پر ظلم وستم ہو رہا ہے تو کیا ڈر ہے؟ آج عراقیوں پر آتشی اسلحہ برسایا جا رہا ہے تو کیا فکر ہے۔ آج فلوجہ پر ظلم وستم کے پہاڑ گرائے جا رہے ہیں تو کیا بات ہے؟

؎ کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

ہم پاکستان میں یہود ونصاریٰ کے خوف سے سہمے بیٹھے ہیں اونچی سانس لینا بھی روا نہیں رکھتے۔ کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر ان مجاہدین اسلام کے بے گور وکفن لاشوں کو دیکھنے کی بھی جرأت نہیں کرتے بلکہ ہماری زبانوں، ہماری قلموں میں یہ ہمت بھی نہیں رہی کہ ہم ''مجاہدین اسلام'' کو ''مجاہدین اسلام'' ہی کہہ سکیں۔

؎ چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے

مگر ایک وقت آنے والا ہے جب ظلم وستم کے بادل چھٹ جائیں گے، مغربی قوتوں کی اندھیر گردی ختم ہو جائے گی۔ بزدل مسلمان حکمرانوں کے تاج وتخت الٹ جائیں گے۔ ظلم وستم کی آندھیاں تھم جائیں گی اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

ع۔ آفتاب قدس نکلا نور برساتا ہوا!

آج دنیا میں پاکستان کی سرزمین حکمرانوں کی مملکت کہلاتی ہے۔ آج پاکستان کو "دہشت زدہ" سپہ سالاروں کی حکومت کہا جاتا ہے۔ آج پاکستان کی سرزمین کو غداروں اور کاسہ لیسوں کی آرام گاہ سمجھا جا رہا ہے۔ دنیا کے اس تجزیے کے باوجود ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ اب بھی فرزندان پاکستان جرات اور جاں نثاری کی مثالیں قائم کر رہے ہیں۔ آج بھی پاکستانی مائیں ایسے بہادر فرزندوں کو جنم دے رہی ہیں جو جان کے نذرانے پیش کرنے میں پیش پیش دکھائی دیتے ہیں۔ آج بھی پاکستان کی سرزمین ایسے بہادر فرزندوں سے خالی نہیں ہے جو پیٹ پر پتھر نہیں بلکہ پیٹ پر بم باندھ کر بے خطر آتش نمرود میں کودتے نظر آتے ہیں۔ آپ انہیں "دہشت گرد" کہیں یا "شدت پسند" "انتہا پسند" کہیں یا جو کچھ چاہیں کہیں مگر وہ اسی سرزمین کے بیٹے ہیں۔ آپ انہیں "مجاہد" نہ کہیں "غازی" نہ کہیں "جاں نثار" نہ کہیں مگر پاکستان کے یہ فرزند وہی ہیں جہاں جہاں جان بازی اور جاں نثاری کے میدان سجے ہیں وہاں پہنچے ہیں داد شجاعت دیتے ہیں ان کی لاشوں کے نذرانے میدان جنگ کی زینت بنتے ہیں۔ ورنہ جائیں آپ بھی اپنی جیلوں کا معائنہ کریں۔ اپنے ملک کے عقوبت خانوں میں چلے جائیں اپنے شکنجہ گھروں میں جائیں، آپ کو وہاں بھی فرزندان پاکستان دہشت گرد، شدت پسند اور مذہبی جنونی کے ناموں سے ساتھ نظر آئیں گے۔ آپ اپنے حکمرانوں سے ڈرتے اپنے سیاسی راہنماؤں کی تقریروں کے خوف سے انہیں "مجاہد نہ کہیں" جان باز نہ کہیں آپ ک نام سے چاہیں انہیں پکاریں مگر ایک وقت آئے گا اور آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

آج ہمارے وطن عزیز کے سیاسی راہنما آج ہمارے پاکستان سے دینی راہنما

آج ہمارے ملک کے صف اول کے دانشور آہوئے صیاد دیدہ ہیں۔ وہ منقار زیر پر ہیں وہ ''بازان شکستہ بال'' ہیں۔ وہ ''دانشوران خم نشیں'' ہیں۔ وہ ''فریب خوردہ شاہین'' ہیں۔ وہ ''شیران قالین'' ہیں۔ پھر کچھ زاہدان'' خلوت نشیں'' ہیں اور کچھ ''واعظان شہر'' ہیں ہائے ہماری بدنصیبی ہم نے انہیں کی اقتداء کرنی ہے ہم نے انہیں ہی قیادت میں چننا ہے ہم نے انہیں کے کارواں کی گرد بننا ہے۔ ہم نے انہیں کے نعرے لگانے ہیں۔ ہم نے انہیں کو زندہ باد کہنا ہے ہم نے انہیں کے ساتھ قدم بڑھانے ہیں کیونکہ

ع۔ چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے!

رمضان المبارک میں الیکٹرانک میڈیا پرسنی چھائے رہے

رمضان المبارک کا مہینہ رحمتیں لے کر آیا اور مغفرت کے خزانے لٹاتا گیا۔ روزے لیکر آیا اور ایمان تازہ کرتا گیا۔ قرآن لے کر آیا، شب بیداریاں دے کر گیا۔ ہمارے ملک کی مسجدیں اہل ایمان سے بھری بھری نظر آئیں، ہمارے تراویح قرآن کی دل نواز تلاوت سے معمور رہیں۔ ہمارے جمعہ کے اجتماع مساجد سے نکل کر کوچہ و بازار تک پھیلتے گئے۔ ہماری اعتکاف کی راتیں روحانیت کے نور سے ڈوبی ہوئی دکھائی دیں۔ ہماری افطاریاں، ہماری سحریاں اور ہماری مجالس نعت کس شان سے سارا مہینہ ہمارے ایمان کو تازہ کرتی رہی ہیں۔ یہ سارے روحانی نظارے بلاتفریق مذہب وملت دل وجاں کی زینت بنے رہے ہیں ہم نے لیلۃ القدر سے گزر کر الوداع اے ماہ رمضان الوداع کے نغمے سنے ہیں۔

رمضان المبارک میں الیکٹرانک میڈیا (ٹی وی چینلز) بھی اپنی رونقوں سے معمور رہے۔ بعض چینلز پاکستان کے خوش آواز نعت خوانوں کی نعتوں سے گونجتے

رہے۔ ملک کے معروف نعت خواں بڑے والہانہ انداز میں نعتیں سناتے رہے نعت کی
محفلوں کے نظارے دیدنی تھے اور نعتیہ کلام شنیدنی تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ
میں نعتوں کے یہ تحفے پاکستان ہی میں نہیں ساری دنیا میں تقسیم ہوتے رہے اور اہل
محبت گھر بیٹھے محظوظ ہوتے رہے۔ یہ سارے چینلز ان کی نعت خوانوں جنہیں ہم "
بریلوی" کہتے ہیں سے معمور تھے ایسی ایسی نعتیں پڑھی گئیں جن سے ایمان تازہ ہو گیا
نعت دراصل ذکر حبیب کی مختلف اداؤں کی ترجمانی ہوتی ہے اور یہ ترجمانی بریلوی
مکتب فکر کا حصہ ہے۔ نعت کی مجالس سے ثابت ہو گیا کہ نعت سے ۔۔۔ بعض چینلز پر بعض
ایک دیوبندی عالم دین نے "بریلوی مولویوں کا قبضہ رہا" درحقیقت یہ ہے کہ ماہ
رمضان بریلوی مولویوں نے حق ادا کر دیا ہے۔ دینی مسائل، نبی کریم کے فضائل
صلوٰۃ و سلام کے فوائد پھر اعتقادی سوالات کے جس عمدہ انداز میں جوابات دیے
جاتے رہے ہیں وہ انہی کا حصہ ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک سے ٹیلیفون سوالات
آتے رہے اور ان علماء کرام نے بڑے خوشگوار انداز میں جواب دینے کی کوشش کی۔
حتیٰ کہ ایک چینل پر ہمارے دیرینہ دوست مولانا غلام عباس رضوی نے مختلف
سوالات کے جوابات جس خوش اسلوبی سے دیے اور دے رہے ہیں انہیں ہم سب
تحسین و داد دیتے ہیں۔ ہمارے ایک اور فاضل دوست علامہ ۔۔۔ نورانی
نے ایک چینل پر مستقل قبضہ جمائے رکھا اور قرآن کی تدریس کا سلسلہ پیارے انداز
میں مسلسل جاری رکھا۔ آپ نے چند پارے علامہ صاحب نورانی صاحب درس قرآن
دیتے اور اپنے خصوصی چینل سے جب دوسرے چینل پر نشر ہوتے تو ناظرین
ناظرین داد تحسین دیے بغیر نہ رہتے تھے۔ ۔۔۔ صاحب ۔۔۔ کا
۔۔۔ روانی پر بڑا خوشگوار قبضہ رہا اور پھر ٹیلیویژن پر بھی نہایت خوشگوار انداز میں حصہ لیتے
رہے۔ یہ کراچی کے سیاسی علاقوں میں جو ایم کیو ایم کے ٹکٹ پر نیشنل اسمبلی میں گئے۔

وہاں سے وزیر مملکت بن کر ٹیلی ویژن چینل پر چھائے رہے۔ انہوں نے اپنی گفتگو اپنی نقابت، اپنی نعتوں خصوصاً عالم آن لائن سے سارے عالم اسلام کو متاثر کیا وہ تقریر کرتے وقت اپنے سامعین کے کانوں میں رس گھولتے جاتے تھے بعض نرم دل سامعین کو رلاتے جاتے۔ جب وہ خود نعت پڑھتے تو یوں محسوس ہوتا کہ وہ فوجی حکومت کے وزیر نہیں بلکہ بلبل رنگین نوا بن کر بریلی کے بازاروں میں پھر رہے ہیں۔ وہ جامی رومی، سعدی اور حافظ شیرازی کے اشعار پڑھ کر اہل علم کو خوش کر دیتے اور وہ امام احمد رضا بریلوی کا نعتیہ کلام سناتے تو یوں معلوم ہوتا کہ

ع۔ بلبل باغ مدینہ تیرا کہنا کیا ہے !

اور لوگ جھوم جھوم جاتے۔ ہم ان سے ذاتی طور پر واقف نہیں مگر یوں معلوم ہوتا کہ وہ اپنے ہی خیابان کے مہکتے ہوئے پھول ہیں۔ جسے ایم کیو ایم کے شوریدہ سر لڑکوں نے اٹھا کر وزیر مملکت بنا دیا۔ انہوں نے ایم آر وائی پر اس انداز سے گفتگو کی

ع جیسے باد نو بہار چلے!

اس سال ٹی وی پر حضرت علامہ صابری صاحب نے جو محفل برپا کی اس کا تو جواب نہیں۔ ان کے سامنے مفتی محمد اکمل قادری ان کے "میر محفل" بن کر بیٹھتے تھے ساتھ ہی ملک کا کوئی نہ کوئی معروف نعت خوان رونق محفل ہوتا تھا۔ سامعین کے سوالات کو جس انداز میں وصول کرتے مفتی محمد اکمل قادری اسے بڑے اچھے جوابات سجا کر بیان کرتے ان کے اس انداز کو لوگوں نے بہت پسند کیا۔ اس محفل میں جو نعت خوان اپنی خوش آوازی سے سامعین کی فرمائش کو پورا کرتے ان میں ۸۰ فیصد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام ہوتا اور لوگ بھی جب فرمائش کرتے تو وہ کلام رضا کے لالہ زاروں میں کھڑے ہو کر جھوم جھوم کر نعت سناتے اور سامعین سے داد پاتے

ہم نے اپنے کئی نعت خوانوں کو ٹی وی چینل پر چھائے ہوئے دیکھا ان پر نوٹوں کی بارش برستے دیکھی۔ اہل دول جب نئے نوٹوں کی بارش برساتے تو ہمیں دیکھ کر رشک آتا ہمارے ایک عزیز نعت خواں نے ٹی وی چینل پر بڑے بڑے امیر لوگوں کو حضور کی نعت سنا کر لوٹ لیا۔ صبح ہم نے فون کیا اور اپنا حصہ طلب کیا تو نہایت دھیمی آواز میں بتانے لگے۔ یہ نعت تو پانچ سال پہلے ریکارڈ کروائی تھی۔ آپ آج حصہ مانگنے آئے ہیں۔

رمضان المبارک کے دوران پاکستانی علماء کرام اور نعت خوانوں کا مختلف چینلز پر قبضہ رہا اگرچہ ہندوستان کے بعض نعت خوان بڑی میٹھی آواز سے نعت پڑھتے ہیں مگر یا تو ان کی ہندوستانی ٹی وی چینلز تک رسائی نہیں یا ہمیں ان ٹی وی چینلز تک پہنچنے کا موقع نہیں ملا، جہاں وہ گلہائے رنگارنگ نچھاور کرتے رہتے ہیں۔

ہمارے ایک دوست ہیں نام اکرم رضا، گوجرانوالہ میں رہتے ہیں۔ پروفیسر ہیں۔ کالج کے بچوں کو پڑھاتے ہیں۔ پڑھاتے پڑھاتے محبت رسول کی باتیں کر جاتے ہیں نعت کی مجالس کی رونق بنتے ہیں۔ دل آئے تو نقیب مجلس بن جاتے ہیں۔ کبھی کبھی "جہان رضا" کے صفحات پر بھی آجاتے ہیں۔ فاضل بریلوی کے نعتیہ کلام پر بات کرتے جاتے ہیں۔ ماہ رمضان آیا وہ ہماری طرح شکستہ پا رہے۔ دیار حبیب نہ جا سکے۔ ٹی وی پر دربار مصطفیٰ کے نظارے دیکھے تو دل کو تھام کر رونے لگے۔ ہمارے دل کی دھڑکن بن کر اپنی محرومی کی بات کرنے لگے۔

خلق ساری جانب بطحا رواں ہو، میں نہ ہوں
وادیٔ طیبہ میں ہجوم عاشقاں ہو، میں نہ ہوں
گنبد و مینار شہر مصطفیٰ ہوں سامنے

ہو رہی ہوں رفعتیں افلاک کی پابوس خاک
ہر طرف بکھری ہوئی اک کہکشاں ہو میں نہ ہوں
شہر انور کے در و دیوار ہوں مہکے ہوئے
وادیٔ بطحا پہ جنت کا گماں ہو، میں نہ ہوں
کر رہے ہوں سجدہ ہائے شوق سب زائر ادا
نور برساتا نبی کا آستاں ہو میں نہ ہوں
ہو رہی ہوں زائروں پہ بارشیں انوار کی
شہر نبوی کی ہوا عنبر فشاں ہو، میں نہ ہوں
پھوٹتا ہو ذرے ذرے سے پیام زندگی
مطمئن دلشاد ہر پیر و جواں ہو، میں نہ ہوں
ہس حبیب رب عالم مظہر انوار کی
چار جانب شان محبوبی عیاں ہو، میں نہ ہوں
بھر رہی ہوں زائروں کی جھولیاں انوار سے
روح ارضی بامراد و کامراں ہو، میں نہ ہوں
دے رہے ہوں شاہ دو عالم شفاعت کی نوید
جوش پر رحمت کا سیل بے کراں ہو میں نہ ہوں
وائے محرومی شہ ہر دوسرا کے شہر میں
اے رضا سارا زمانہ مہماں ہو، میں نہ ہوں

مرکزی مجلس رضا کی خدمات پر ایک نظر

جلد ۱۴   جنوری ۲۰۰۵ء   شمارہ نمبر ۱۲۲

آج سے پینتیس سال قبل لاہور میں مرکزی مجلس رضا کی بنیاد رکھی گئی اس کے بانی حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم تھے۔ انہوں نے چند احباب کو ساتھ ملا کر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا کی تصانیف کی اشاعت کا پروگرام بنایا اور افکار رضا کی روشنی میں فاضل بریلوی کی شخصیت کو متعارف کروانے کا تہیہ کیا۔ آپ نے سب سے پہلے اعلیٰ حضرت کے عرس کے موقع پر یوم رضا منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ ان دنوں لاہور میں "برکت علی محمڈن ہال" کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ مساجد اور مدارس سے ہٹ کر "یوم رضا" اسی ہال میں منایا جانے لگا۔ مقصد یہ تھا کہ جو لوگ مساجد میں جانے سے ہچکچاتے تھے انہیں ایک ایسی جگہ مہیا کی جائے جہاں ہر شخص بلا تکلف آسکے۔ دوسری طرف "یوم رضا" کے منتظمین نے اس وقت سے نامور علماء اہل سنت کے علاوہ ایسے دانشوروں کو دعوت خطاب دی جو اعلیٰ حضرت کی علمی خدمات کے کسی نہ کسی پہلو پر اظہار کی اہلیت رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ علماء اور دانشوروں میں سے مسلکی لحاظ سے بعض اختلاف رکھنے والے مشہور علماء کرام کو دعوت خطاب دی جاتی تھی تاکہ وہ اپنے الفاظ میں اعلیٰ حضرت پر بات کریں۔ یوم رضا میں پڑھے جانے والے مقالات اور تقاریر کو مرتب کرنے کے بعد پاکستان کے اہل علم میں تقسیم

کیا جاتا۔ اس طرح ہزاروں لوگ گھر بیٹھے اعلیٰ حضرت کی شخصیت سے متعارف ہونے لگے۔ ان حالات میں فاضل بریلوی کی تعلیمات پڑھی لکھی دنیا میں پہنچنے لگیں جو لوگ ''یوم رضا'' کی تقریبات میں شرکت نہیں کر سکتے تھے وہ بھی ''مقالات رضا'' سے آگاہ ہونے لگے۔ ''مقالات یوم رضا'' کے علاوہ مرکزی مجلس رضا کتابیں مرتب کرتی، چھپواتی اور سارے ملک میں تقسیم کرتی۔ مرکزی مجلس رضا کی یہ ابتدائی کوشش تھی جس سے عوام کو اعلیٰ حضرت کے نام سے روشناس کیا گیا اور ملک کے مختلف گوشوں میں اپنوں اور بیگانوں میں اعلیٰ حضرت کے نام سے چرچے ہونے لگے اور گراں خواب سنی بیدار ہونے لگے!

یہ وہ زمانہ تھا جب اخبارات، ریڈیو اور دوسرے ذرائع ابلاغ پر اعلیٰ حضرت کے مخالفین چھائے ہوئے تھے اور ان شعبہ ہائے ابلاغ میں اعلیٰ حضرت کا نام لینا بھی ممنوع تھا اگر کبھی ریڈیو پر اعلیٰ حضرت کی نعت پڑھی جاتی تو نعت خواں کو ہدایت کی جاتی تھی کہ نعت کے آخر میں مقطع نہ پڑھا جائے۔ جس میں امام احمد رضا کا نام آتا ہو۔ مرکزی مجلس رضا کے منتظمین کے لیے یہ بات بڑی پریشان کن تھی کہ اخبارات، ریڈیو، کالجوں اور یونیورسٹیوں پر ان لوگوں کا قبضہ ہو جو نظریہ پاکستان کے خلاف تھے اور جن لوگوں نے پاکستان بنانے میں بھرپور حصہ لیا تھا ان کے قائد اور ان کے امام کا نام لینا بھی گوارا نہ تھا۔ ''مرکزی مجلس رضا'' کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ اس نے اعلیٰ حضرت کے رسالے اور کتابیں شائع کر کے تقسیم کرنا شروع کیں۔ آپ کے عقائد اور نظریات کو گھر گھر پہنچانے کا اہتمام کیا۔ آپ کی اپنی تصانیف کے علاوہ آپ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر کتابیں چھپوا کر گھر گھر پہنچائی جانے لگیں۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی قیادت میں ایک ٹیم تیار ہوئی جس نے چند سالوں میں اعلیٰ حضرت کے کلام کو ملک کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ پاکستان ہی نہیں

ہندوستان کے شہروں اور دور دراز قصبوں میں بھی آپ کی کتابیں ہر عالم دین اور پڑھے لکھے فرد کے پاس پہنچنے لگیں۔ دس سال کے اندر "مرکزی مجلس رضا" نے بیس لاکھ سے زیادہ کتابیں چھپوا کر عوام میں تقسیم کیں جس سے لوگوں میں اعتقادی بیداری پیدا ہوئی اور اعلیٰ حضرت کا نام نامی ہر مجلس میں احترام سے لیا جانے لگا علماء کرام اپنی جگہ اعلیٰ حضرت کے نام سے ناآشنا لوگوں تک بھی رسالے پہنچنے لگے:

ع۔ گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں

آپ کی دینی اور اعتقادی خدمات کو عام کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے سیاسی نظریات کو بھی سامنے لایا گیا اور اسے سیاسی راہنمایان قوم تک پہنچایا گیا۔ دو قومی نظریہ تحریک ترک موالات، تحریک خلافت اور اس وقت کے ہندو نواز علماء کے خلاف لٹریچر چھپنے لگا۔ ہندو کے اسلام دشمن رویے پر اعلیٰ حضرت کی تحریریں سامنے آنے لگیں۔ سیاسی ذہن رکھنے والا طبقہ پہلی بار اعلیٰ حضرت کے سیاسی نظریات سے واقف ہوا۔ "مرکزی مجلس رضا" نے مختلف انداز میں کام کرنا شروع کیا۔ کتابوں کے علاوہ ایسے سکالرز تیار کیے گئے جو عالم اسلام کے گوشے گوشے میں جا کر اعلیٰ حضرت کے نظریات کو پھیلا سکیں۔ ایسے ایسے اہل قلم تیار کیے گئے جو فاضل بریلوی کی تعلیمات کو اپنے اپنے انداز میں عوام تک پہنچانے لگے۔ ایسے ایسے ادارے قائم کیے گئے جن سے اعلیٰ حضرت کی علمی اور اعتقادی کتابیں شائع ہونے لگیں۔

آج سے چودہ سال پیشتر مرکزی مجلس نے ایک ماہنامہ جاری کیا جو "جہان رضا" کے نام سے دنیائے صحافت پر فاضل بریلوی کے افکار کا ایک روشن ستارہ بن کر چمکا "جہان رضا" کے صفحات سے ملک کے بلند پایہ اہل علم وقلم کے وہ مقالات چھپنے لگے جو اعلیٰ حضرت کی علمی اور فقہی خدمات کو نمایاں کرتے تھے۔ "جہان رضا" کے علمی ترجمان کی حیثیت سے دنیا بھر کے اداروں میں ہونے والی ان کوششوں کو ان قارئین

تک پہنچایا گیا جو افکار رضا کو نمایاں حیثیت سے شائع کر رہے تھے۔ دنیا کے کسی گوشے میں جہاں جہاں کوئی کام ہوتا اس کی خبر جہان رضا میں چھپتی۔ الحمدللہ آج دنیا کے گوشے گوشے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا نام گونج رہا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا پر آپ کا کلام دنیا کے گوشے گوشے میں پڑھا جا رہا ہے۔ واعظوں کی تقریریں اعلیٰ حضرت کے افکار سے معمور ہوتی ہیں۔ نعت کی مجالس کلام رضا سے مزین ہوتی ہیں۔ پھر اخبارات و رسائل بھرپور طریقے سے فاضل بریلوی کے خیالات کو پھیلاتے ہیں اس طرح برصغیر کے سنی اس کے مطالعہ سے اپنے اعتقاد کو مضبوط بناتے ہیں۔ ''مرکزی مجلس رضا'' کی ان کوششوں سے الحمدللہ دین اسلام کی حقیقی روشنیاں پھیل رہی ہیں۔ اب ناہموار زبانیں گستاخی رسول سے رکنے لگی ہیں۔ غیر ذمہ دار تحریروں کا رخ بدل گیا ہے۔ گستاخی رسول کرنے والوں کے خلاف قانون سازی ہو رہی ہے۔ مرتدین واجب القتل قرار دیئے گئے ہیں۔ اب گستاخانہ تحریریں، عامیانہ گفتگو اور مناظرین کی بے لگام تقریروں میں اعتدال آ گیا ہے۔ آج بدعقیدہ سکالرز اور بدزبان مصنف بھی اپنی کتابوں کو عظمت مصطفی اور مقام رسول سے مزین کرنے لگے ہیں اور بڑی اعتدال زبان استعمال کر رہے ہیں اور سابقہ رویوں کو چھوڑ کر آداب رسول کا خیال رکھا جانے لگا ہے۔

ع۔ بڑھ چلی تیری ضیاء اندھیر عالم سے گھٹا!

ہم ''مرکزی مجلس رضا'' کے بانی مرکزی مجلس رضا کے ابتدائی کارکنوں، ''مرکزی مجلس رضا'' میں دن رات کام کرنے والے ورکروں کو سلام پیش کرتے ہیں جن کی شبانہ روز کوششوں سے دین کا بول بالا ہوا اور افکار رضا دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچنے لگے ہیں۔ ہزاروں ادارے قائم ہونے لگے ہیں۔ سیکڑوں ناشران کتب اپنے طور پر اعلیٰ حضرت کی کتابیں چھاپنے لگے ہیں ہم ان علمائے اہل سنت کو ہدیہ

گوشے میں اسلام کی حقانیت پھیلاتے وقت اعلیٰ حضرت کا نام لیتے ہیں۔ حضور کی شان بیان کرتے وقت اعلیٰ حضرت کی نعتوں کے اشعار پڑھتے ہیں۔ ان کے افکار کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ یہ سارا کریڈٹ ''مرکزی مجلس رضا'' کو جاتا ہے جس نے ایک نابغۂ روزگار شخصیت کا تعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا اور اس کی تعلیمات کو عام کرنے میں دن رات ایک کر دیا۔ مرکزی مجلس رضا کا ترجمان ''جہان رضا'' آج بھی ہر ماہ افکار رضا لے کر دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ رہا ہے۔

بایں ہمہ ہم علمائے اہل سنت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ روایتی انداز سے بالا تر ہو کر تندہی سے افکار رضا کو عوام تک پہنچانے میں حصہ لیں۔ ائمہ مساجد اپنی اپنی جگہ مساجد میں ''کنز الایمان'' کی روشنی میں ''درس قرآن'' کے حلقے قائم کریں۔ نعت خوان حضرات ''حدائق بخشش'' سے نعتوں کا انتخاب کر کے صحیح تلفظ اور باوقار انداز میں حضور کی بارگاہ میں ہدیۂ تکریم کریں۔ مقرر حضرات اعلیٰ حضرت کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد لوگوں کو خطاب کریں۔ دینی جرائد اور رسائل کے مدیران گرامی ہر شمارے میں اعلیٰ حضرت کی علمی اور فقہی خدمات پر کم از کم ایک مضمون شائع کریں۔ مفتیان کرام فتویٰ دینے سے پہلے ''فتاوی رضویہ'' سے مدد حاصل کریں۔ مدرس حضرات اپنے طلباء کو اعلیٰ حضرت کی شخصیت سے آگاہ کرتے رہا کریں۔ اساتذہ کرام ''جہان رضا'' کے مطالعہ کرنے کے لیے اپنے حلقۂ اثر کو آمادہ کریں۔ اس طرح افکار رضا کا ایک ایسا کارواں تیار ہوگا جس کا رخ سوئے مدینہ ہوگا اور ہر فرد پکار اٹھے گا۔

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہنچے
تم نہیں چلتے ''رضا'' سارا تو سامان گیا

الشاہ احمد نورانی کے جانشینوں سے!

جلد۱۴.........مارچ ۲۰۰۵ء.........شمارہ نمبر ۱۲۴

پاکستان کا قیام ایک نظریاتی مملکت کی حیثیت سے عمل میں آیا تھا آزادی کی جدو جہد میں برصغیر کے مسلمانوں نے اسے دین اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کا عہد کیا تھا اس کے لیے پاک و ہند کے مسلمانوں نے بے پناہ قربانیاں دیں۔ سب کچھ لٹا کر ایک ایسا ملک حاصل کیا جہاں ''نظام مصطفی'' کی حکمرانی کا خواب پورا ہوگا۔ مگر نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ بے دین قوتیں ملک پر مسلط ہوتی گئیں اور اپنے مذموم مقاصد کے لیے اس پاک سرزمین کو استعمال کیا گیا۔ یہ قوتیں خواہ سیاست کے لباس میں آتی رہیں خواہ آمریت کی وردی میں مگر ہر قوت نے ملک کو ان مقاصد سے دور رکھا جس کے لیے بے شمار مسلمانوں نے قربانیاں دی تھیں۔

بایں ہمہ پاکستان میں دین سے محبت رکھنے والے لوگوں نے مسلسل جدو جہد جاری رکھی اور نظام مصطفی کے نفاذ کیلئے کام کرتے رہے۔ ملک کی ہر دینی جماعت اپنے اپنے دائرہ کار میں اپنے اپنے انداز میں نفاذ اسلام کے لیے کوشاں رہی مگر جس جماعت نے بڑھ چڑھ کر نظام مصطفی کے نفاذ کے لیے اہم کردار ادا کیا وہ جمعیۃ العلماء پاکستان تھی۔ یہ جماعت ان علمائے کرام کی آواز تھی جنہوں نے تحریک پاکستان کے

بیش بہا قیمتی قربانیاں دیں۔ بانی پاکستان قائد اعظم کی رفاقت میں تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ ایک وقت آیا۔ جمعیۃ العلماء پاکستان کی قیادت قائد اہل سنت الشاہ احمد نورانی صدیقی کے سپرد کی گئی۔ قائد اہل سنت نے جمعیۃ العلماء پاکستان کو اتنا منظم کیا کہ پاکستان کے کونے کونے میں نظام مصطفیٰ کے جھنڈے لہرانے لگے۔ انتخابی میدان میں اس جماعت کے قائدین نے بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ قومی اسمبلی میں اقلیت کے باوجود انہوں نے اسلام کو آئینی تحفظ فراہم کیا۔ آئین کو اسلام کے تابع بنایا۔ ایک وقت آیا کہ مرزائیوں کو مرتد قرار دینے کے لیے جمعیۃ العلماء پاکستان نے دوسری دینی اور سیاسی جماعتوں سے مل کر نہایت اہم کردار ادا کیا۔

قائد اہل سنت الشاہ احمد نورانی صدیقی نے جمعیت العلماء پاکستان کو ملکی سیاست میں ایک بلند مقام پر لا کھڑا کیا۔ آمریت کے ادوار میں اسے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر اس جماعت کے بعض اہم افراد آمریت کی سازشوں کا شکار ہو گئے۔ جمعیۃ العلماء پاکستان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس جماعت کے بلند و بالا درخت کے پتے سیاسی خزاں کی زد میں آ کر ایک ایک کر کے گرنے لگے۔ ایسے ایسے نامور فرزندان جمعیۃ خزاں دیدہ ہو کر جدا ہوئے جو کبھی آسمان جمعیۃ کے آفتاب و ماہتاب تھے مگر آج جدا جدا ہو کر خس و خاشاک کے ڈھیر بن کر رہ گئے ہیں۔

یہ ایک نہایت افسوس ناک المیہ تھا جس نے جمعیۃ العلماء پاکستان کے بنتے سنورتے گھر کو ویران کر کے رکھ دیا۔ وہ علمائے کرام جو کبھی جمعیۃ کی شان ہوا کرتے تھے آج مارے مارے پھر رہے ہیں۔ آج انہیں جہاں جہاں دیکھیں اجڑے دیار کے باسی نظر آتے ہیں۔

قائد اہل سنت شاہ احمد نورانی صدیقی ان خزاں زدہ ساتھیوں کو ارباب اقتدار کے ہاتھوں میں کھیلتے دیکھ کر رنجیدہ خاطر ہو جاتے۔ انہیں پاس بلاتے تو وہ بگڑ

ہوئے شہزادوں کی طرح منہ پھیر لیتے۔ یہ ایک ایسی داستان ہے جو خونچکاں بھی ہے اور عبرت کا نشان بھی۔

ن۔ جو میں بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری!

الشاہ احمد نورانی اس دنیا سے رخصت ہوئے آج علمائے اہل سنت کا ... ہوا کاروان سیاست کے صحراؤں میں بھٹک رہا ہے۔ اپنے ہم عصر بیگانوں نے بھی انہیں اپنے پاس نہ بیٹھنے دیا۔ جب تک ... رہتے ہیں ان کی شان ... میں ... رہتے ہیں جب وقت ... اپنے ... نکل جاتے ہیں تو وہ ظالموں کے گھروں کی زینت بن جاتے ہیں۔ جو اپنے قائد سے جدا ہو جاتے ہیں وہ غیروں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آج ان علماء و سیاسی گروہوں نے جو چار دہائیوں ... پاکستان کا شہرہ آفاق تحریک کی قیادت قائد اہل سنت الشاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ سے لی ... شیخ الحدیث ... رشید ... کے ہاتھ میں ہے۔ جنہوں نے قائد اہل سنت کے ساتھ بیعت کی ... یہ لوگ قابل تاکید ہیں جنہوں نے ہر قسم کے حالات میں اپنے قائد کا ساتھ دیا تھا۔ وہ قید و بند کی صعوبتوں کے علاوہ ہر ... کے بیابانوں سے ... میں بھی اپنے قائد کے ساتھ رہے۔ ہم انہیں سلام کرتے ہیں ہم ان کی وفاداریوں، ریاضتوں اور محبتوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ وہ عظمت کے نشان ہیں۔ وہ نبی مصطفی کی آواز ہیں اور اپنے قائد کی نشانیاں ہیں۔

قائد اہل سنت کی رحلت کے بعد سنیوں کی جماعت ... قیادت کے سامنے ایک خونی میدان تھا جس میں انہوں نے ... ہوتا ہے جو ... کا ... اپنا کردار ادا کرنا تھا۔ ... نہایت ... تھے ... سنی جماعت کی قیادت ... روکی اور انتشار کا شکار ...

خدا معلوم کن خلاؤں میں گم ہو گئے ہیں آج انہیں قریب ہو کر اہل سنت کے پلیٹ فارم پر اکٹھے ہونا چاہیے تھا۔ انہیں کاروان نظام مصطفیٰ ترتیب دینا چاہیے تھا۔ بھولے بسرے علماء کرام آج بھی واپس آ جائیں اور یکجان ہو جائیں تو ان کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ جمعیۃ کا شیرازہ مربوط ہو جائے گا۔ روٹھے ہوؤں کو منائیں گرتے ہوؤں کو سہارا دیں۔ مایوس علمائے کرام کو آواز دیں، تو بات بگڑی ہوئی بن جائے گی ورنہ زمانہ کہے گا۔

شب ہجراں کے جاگنے والو
کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی ؟

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج اقتداری قوتیں آمریت کے زیر سایہ اسلام کو ''روشن خیالی'' میں تبدیل کر رہی ہیں اور حکومت کا ہر ڈھنڈورچی اسلامی اقدار کے خلاف ہرزہ سرائی کر رہا ہے۔ مساجد سے اٹھتی ہوئی آوازوں کو دبایا جا رہا ہے۔ مدارس کے ابھرتے ہوئے نوجوان کو ''دہشت گرد'' قرار دیا جا رہا ہے۔ دین کا نام لینے والے افراد کو ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے۔ حق گو علمائے کرام خصوصیت کے ساتھ زیر عتاب ہیں مگر اس کے باوجود ملت کے اولوالعزم افراد کو یکجہتی کے ساتھ اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ بکھری ہوئی دینی جماعتیں یکجا ہونی چاہئیں۔ ملک کی سنی اکثریت کے ٹولے اکٹھے ہونے چاہیں علماء کرام اور مشائخ عظام کے انتشار زدہ خانوادے یک جان ہونے چاہئیں۔ آج عوام کی نگاہیں اپنے دینی راہنماؤں پر لگی ہوئی ہیں۔ آج لوگ علماء و مشائخ کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ کب ان کی قیادت کو سنبھالتے ہیں۔ آج لاکھوں آنکھیں اس صبح کی منتظر ہیں جو ''نظام مصطفیٰ'' کا پیغام لیکر آئے گی۔ آج لاکھوں نگاہیں پاکستان کی سرزمین پر نظام مصطفیٰ کا لہراتا ہوا پرچم دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں۔ آج پاکستان کا ہر فرد ان اندھیروں کو چیرتا ہوا نظام مصطفیٰ کا سورج ابھرتا دیکھنے

مندرجہ بالا سطور میں ہمارا روئے سخن اپنے گھر کی طرف رہا ہے عین ممکن ہے کہ ہماری تحریر پڑھ کر بعض اپنے بزرگوں کی پیشانیاں شکن آلود ہو جائیں۔ اور ان کے نازک جذبات کے آئینوں کو ٹھیس لگے۔ لیکن ہم تو ان کے نیاز مندوں میں سے ہیں اور ان کی بے اعتنائیوں میں ہم خود بھی شریک ہیں۔ ہم جب "جہان رضا" کے صفحات پر اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہیں تو "قلم اپنا ہوتا ہے مگر بات ان کی ہوتی ہے" اور "انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ اپنا ہے رات ان کی" ہم اپنے گھر کی بات کرتے ہیں۔ ہم اپنے خانوادے کی بات کرتے ہیں۔ ہم اپنے علماء کی بات کرتے ہیں ہم اپنے مشائخ کی بات کرتے ہیں ہم اپنی جمعیۃ کی بات کرتے ہیں ہم اپنی "جمعیۃ العلماء پاکستان" کی بات کرتے ہیں۔ ہم اپنے قائد کے جانشینوں کی بات کرتے ہیں۔

"اپنے دامن کو سی رہا ہوں میں
ورنہ ان سے تو کوئی بات نہیں"

خدا کرے ہم کروٹ لیں۔ خدا کرے ہم بیدار ہو جائیں۔ خدا کرے ہم ایک ہو جائیں۔ خدا کرے ہم "جادو پیا" ہو جائیں۔

"آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے
بادلو ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے"

پاکستان میں ''روشن خیالی'' کے اندھیرے

جلد نمبر ۱۳ ۔۔۔ اپریل مئی ۲۰۰۵ء ۔۔۔۔۔۔۔ شمارہ نمبر ۱۲۵

پاکستان کی سرزمین آج ''روشن خیالی'' کے اندھیروں میں ڈوب گئی ہے۔ جمہوری سیاست اور فوجی آمریت تو نصف صدی سے زیادہ اپنے اپنے کھیل کھیلتی چلی آ رہی ہیں مگر اب مسلم امہ کی نظریاتی اور اعتقادی اکھاڑ پچھاڑ جس انداز سے کی جا رہی ہے اس کی مثال سابقہ ادوار میں نہیں ملتی۔ گو یہ ساری صورت حال ہماری گذشتہ کئی سالوں کی سیاسی ناہمواریوں اور دینی بے اعتنائیوں کا نتیجہ ہے۔ مگر اب سارا پاکستان جن اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے۔ اس پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔

کتنے غضب کی بات ہے کہ جو ملک اللہ و رسول کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اس میں آج ''روشن خیالی'' کے نعروں کے درمیان، مسلمان بچیوں کو نکریں پہنا کر کوچہ بازار میں رسوا کیا جا رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ کو حیا باختہ رنڈیوں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ ہوٹلوں اور ریسٹورنٹس کو نیم عریاں لڑکیوں کی آماجگاہ بنا دیا گیا ہے تفریح کے نام پر حیاء سوز محفلیں برپا کی جا رہی ہیں۔ شراب و کباب کی کھلی منڈیاں سجائی جا رہی ہیں۔ اخبارات کے صفحات کو نیم عریاں عورتوں کی تصاویر سے سجا کر عوام میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ ملک میں آئے دن ریپ کے واقعات کو ''روزمرہ'' معمولات میں شمار کیا جا رہا ہے۔

''روشن خیالوں'' کی یہ دنیا اس پاک سرزمین میں آباد کی جا رہی ہے جو اللہ و رسول کے نام پر حاصل کی گئی تھی اور جس کے لیے بے شمار جانوں کی قربانی دی گئی تھی

جس ملک کو دین اسلام کی تجربہ گاہ بننا تھا اسے بے دینی اور سیکولر خیالات کی لیبارٹری بنا دیا گیا ہے۔ روشن خیالی کے اندھیروں میں ملک کے اکثر قومی نمائندے اسمبلیوں میں بیٹھ کر سارا تماشا دیکھتے رہتے ہیں اور ملک کی بگڑتی ہوئی اخلاقی اور تمدنی صورت حال پر خوش ہو کر ڈیسک بجاتے رہتے ہیں۔ قانون ساز اداروں میں جس طرح اسلامی قوانین کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اس کی مثال ماضی میں شاید ہی ملتی ہو۔ اسلام کا نام لینے والے راہنمایان قوم یا تو مرغان منقار زیر پر ہو کر گردنیں جھکا کر بیٹھے رہتے ہیں یا ''واک آؤٹ'' کر کے اسمبلیوں کو ''روشن خیالوں'' کے حوالے کر دیتے ہیں۔ آج ساری قوم روشن خیالی کے گھپ اندھیروں میں بے بس ہو کر رہ گئی ہے پندرہ کروڑ عوام کی سسکیاں اور آہوں کو سننے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ اگرچہ یہ کیفیت سارے عالم اسلام پر چھائی ہوئی ہے مگر وطن عزیز کی حالت دیکھ کر جو رونا آتا ہے تو اس کا کوئی حل نظر نہیں آتا ہمیں ملک کی سیاسی جماعتوں سے تو کوئی سروکار نہیں۔ یہ اپنے اپنے راہنماؤں کی ملک بدری کا رونا روتی رہتی ہیں۔ ہم تو ملک میں اسلام کے نفاذ کے لیے جدو جہد کرنے والی دینی جماعتوں کو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ آگے بڑھیں۔ اٹھیں یکجان ہو کر ان اندھیروں میں کہیں سے چراغ لا کر اپنے سفر کی راہیں تلاش کریں۔ آج ان کے سامنے سیاسی اور آمریت کی سنگین دیواریں کھڑی ہیں اس کے باوجود ان کا فرض ہے کہ وہ ان اندھیروں کو دور کرنے کے لیے اپنی جدو جہد تیز کریں۔ ہم اپنے دینی راہنماؤں علماء کرام اور پیران عظام سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ دہشت زدہ ہو کر حجروں اور خانقاہوں میں نہ بیٹھ جائیں بلکہ اپنے دینی فرائض سرانجام دیں اور چراغ مصطفوی سے ''روشن خیالی'' کے اندھیروں کو دور کرنے کی کوشش کریں وہ موجودہ دور کے ظلمات فروشوں کو بتا دیں کہ عنقریب ان کا حشر نشر ہونے والا ہے۔ اور نظام مصطفیٰ کی صبح درخشاں طلوع ہونے والی ہے۔ پاکستان کی سرزمین اسلام کا گہوارہ بنے گی اور دنیا دیکھے گی کہ

ع۔ آفتاب قدس نکلا نور برساتا ہوا

دامن رفو کریں کہ گریباں رفو کریں

جلد نمبر ۱۳............جون ۲۰۰۵ء.........شمارہ نمبر ۱۲۶

''جہان رضا'' کے پچھلے شمارے میں ہم نے ''پاکستان میں روشن خیالی کے اندھیرے'' پر اداریہ سپرد قلم کیا تھا۔ جسے قارئین ''جہان رضا'' نے بڑا پسند کیا۔ یہ قارئین کے دل کی آواز تھی جسے ہم نے نوک قلم سے قلمبند کیا تھا۔ دور دراز کے رہنے والے قارئین ''جہان رضا'' نے فون پر اپنے تاثرات سے آگاہ کیا۔ بعض نے زبانی طور پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا بعض نے مختلف مجالس میں ہماری آہ وفغان کا تذکرہ کیا۔ ہمیں حوصلہ ہوا کہ ابھی تک ہمارے درد و کرب کے ہمنوا موجود ہیں اور ہمارے احساس زیاں کو محسوس کرنے والے دنیا میں موجود ہیں۔

سابقہ دنوں میں ملکی اور غیری ملکی فضا میں بہت سے ایسے واقعات سامنے آئے جن پر لکھنے کو جی چاہتا ہے اور ''اداریہ'' کا موضوع بنا کر ''جہان رضا'' کے اوراق پر اپنی آواز بلند کرنے کو دل چاہتا ہے مگر کیا کریں ''دامن رفو کریں کہ گریباں رفو کریں'' کس کس موضوع پر لکھا جائے اور کس کس موضوع کو اداراتی صفحات پر لایا جائے۔ آج امریکہ کی طاغوتی قوت نے ظلم وستم کی انتہائی کر دی ہے اور اپنے قید خانوں کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے مسلمان مجاہدین کے سامنے قرآن پاک کی بے حرمتی کا ریکارڈ توڑ دیا ہے کراہتے ہوئے مجاہدین کی آواز جب اذیت کدوں سے نکل کر آئی تو سارا عالم اسلام بلبلا اٹھا۔ ہر مسلمان کا دل تڑپ اٹھا۔ ساری دنیا میں کہرام مچ گیا۔

پاکستان میں مظاہرے ہوئے پھر ساری دنیا میں مظاہرے ہوئے، جلسے

ہوئے اور امریکی فوجیوں کی ناپاک حرکت پر مذمت کی گئی۔ ہمارا دل چاہتا تھا کہ اس پر ''اداریہ'' لکھا جاتا مگر جب ہم نے اپنے اخبارات میں وہ کارٹون دیکھا جس میں ''واشنگٹن ٹائم'' نے ایک کتے کو دکھایا جو پاکستان کی سرزمین سے ایک گرفتار ''مجاہد ابوالفراج'' کو منہ میں ڈالے کھڑا ہے۔ پاکستان کے حاکم اعلیٰ نے اپنے آقا بش کی خدمت میں جب یہ نذرانہ پیش کیا تو بش اچھل پڑا اور کہا شاباش۔ امریکہ کے ایک اور نمائندہ اخبار نے ایک کارٹون شائع جس میں ایک شکاری کتے کو ''پاکستان'' کا نام دے کر امریکی فوجی پچکار رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ شاباش میرے کتے! ابوالفراج کو دبوچنے کے بعد ''اسامہ بن لادن'' کا شکار کر کے لاؤ تو تمہیں انعام بھی ملے گا اور شاباش بھی۔ اگرچہ ہمارے حکمرانوں نے اس بے غیرتی کے اعزاز کو اپنی خدمات کا صلہ قرار دیا ہے۔ مگر پاکستان بھر میں زبردست احتجاج کیا گیا۔ اخبارات کے کالموں میں اپنے حکمرانوں کی اس بے غیرتی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہمارے وطن عزیز کو ایک ''شکاری کتے'' سے تشبیہ دی گئی ہے اس پر کچھ لکھا جائے مگر

مجاہدین اسلام کے ''خودکش حملوں'' پر ہمارے وطن عزیز کے ۵۸ علمائے کرام نے ایک فتویٰ جاری کیا ہے کہ اپنی جان پر کھیل کر ''خودکش'' حملے حرام ہیں۔ شریعت میں ایسا کام ''کفر ہے'' جان دینے اور لینے والے سب حرام کی موت مر رہے ہیں۔ آج فرزندان اسلام کو جس اذیت ناک طریقوں سے مارا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کے گھروں کو جلایا جا رہا ہے اور مزاحمت کے سارے راستے بند ہونے کے بعد جب چند مجاہدین ہتھیلی پر جان رکھ کر آتش نمرود میں کود پڑتے ہیں تو انہیں ہمارے علمائے کرام کے فتوے ''حرام کی موت'' قرار دے رہے ہیں ان فتویٰ باز علمائے کرام میں ۲۸ مفتیان کرام اپنے مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہمارے سران کے فتوؤں کے سامنے جھکے رہتے ہیں اور ہمارے سجدے ان کی امامت کے مرہون منت ہوتے ہیں یہ ''مفتیان اہل سنت'' بڑے فقہی مسائل میں بڑے ''باریک بین'' اور تاویلات کے

ماہر ہیں۔ہم نے کئی دفعہ اپنی کم فہمی کو دور کرنے کی کوشش ہیں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے بتایا کہ یہ تو ملکی خودکش حملوں کے خلاف فتوی ہے کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق کے ''خودکش حملے'' ہمارے فتوی کی حدود میں نہیں آتے۔اس فتوی کے خلاف ایک سو سے زیادہ مفتیان اہل سنت نے فتوی جاری کیا ہے، دوسری طرف اخبارات کے بعض کالم نویسوں نے ''اپنی گستاخ قلموں'' سے فتوی دینے والے مفتیان کرام کے عماموں کے بل کھولنے کی جسارت کی ہے۔ہم ان مفتیان کرام کے فتوی کے سامنے ''قلم بند ولب بہ بندو، گوش بند ہیں'' ورنہ ہم لکھتے کہ اس فتوی کی حیثیت آج سے پچیس سال پہلے مولانا مودودی کے فتوی کی سی ہے جس میں موصوف نے جہاد کشمیر میں جان دینے والے مجاہدین کو ''حرام کی موت'' کا فتوی دے دیا تھا۔دل چاہتا ہے کہ ان ''مقدس فتوؤں'' پر ''اداریہ'' لکھا جائے مگر.........

ہم نے لاہور میں ''ہندوستان کے فن کاروں'' کے ایک وفد کو یہاں کے حکمرانوں کو قربان جاؤں کہتے دیکھا۔تو حیرت زدہ ہو گئے۔یہ لوگ ''محبت کا پیغام'' لے کر آئے۔نہیں خیر سگالی کے جذبات لے کر آئے ہیں۔''روشن خیالی'' کی مہکار لے کر پہنچے ہیں۔واہگہ سے لاہور اور لاہور کے ''شباب خانے'' ہندوستان کے فن کاروں کی پذیرائی سے آباد ہو گئے۔وزیروں، امیروں، اور پاکستانی مشیروں کے گھروں میں پذیرائی ہونے لگی اور آوازیں آنے لگیں پاکستانیو! نفرت کی پرانی لکیر مٹا دو! قتل و غارت کی پرانی باتیں بھلا دو! دوقومی نظریہ کی دیواریں گرا دو! تم نے ہمیں پیار دیا تم نے ہمیں محبت دی ہے، تم نے ہمیں جیت لیا ہے۔جب تم ہمارے گھروں میں ہندوستان میں آؤ گے تو ہم تمہارے ماتھوں پر تلک لگائیں گے۔اپنے مندروں میں لے جائیں گے۔گھنٹیاں بجائیں گے۔گاندھی کی سمادھی پر ماتھا ٹکوائیں گے، ہم تمہیں جمنا کے کنارے پر ''مورتیاں'' دکھائیں گے۔تاج محل کے صحن میں اپنی ''دیویاں'' نچائیں گے۔تم ان دیویوں کو ایک نظر دیکھو گے تو جہاد، دوقومی نظریہ، شمشیر د

سنان، کشمیر و جناں جیسے ''فرسودہ الفاظ'' بھول جاؤ گے اگر چہ آج تمہارے دل و دماغ پاکستانی ''روشن خیالی'' سے مالا مال ہو رہے ہیں مگر ہم تمہیں وہ ''روشن خیالیاں'' دیں گے کہ تم بے تاب ہو کر پکار اٹھو گے۔

ع۔ ہندو مسلم سکھ عیسائی آپس میں ہیں بھائی بھائی

ہم اپنی قومی بے غیرتی اور دینی بے حسی پر ''اداریہ'' لکھنا چاہتے تھے اور سوچ رہے تھے کہ

؎ کس کس کی لیں خبر نہیں اپنی ہی جب خبر
دامن رفو کریں کہ گریباں رفو کریں ؟

مگر ''اداریہ'' نہ لکھ سکے۔ صاحبزادہ محب اللہ نوری صاحب بصیر پوری آ گئے اور ہمیں مایوسیوں میں گھرا ہوا پا کر ''عاصی کرنالی'' کی ایک نظم سنانے لگے۔

اے امت رسول ! کبھی غور بھی کیا
کیا کچھ ہمیں حضور کے صدقے میں مل گیا
ہم راستوں میں گم تھے ہمیں رہنما ملا
اپنی ہوئی شناخت خدا کا پتا ملا
قرآں ملا ، شعور ملا ، آگہی ملی
انسان مر گیا تھا اسے زندگی ملی
تہذیب نو تمدن نو، انقلابِ نو
کونین پر طلوع ہوا آفتاب نو
دین ہدیٰ ، کلام خدا ، شرعِ مصطفیٰ
خلق عظیم ، اسوۂ کامل ، نقوشِ پا
جب ہم پہ التفاتِ رسول خدا ہوا
اقدار کا نظام مکمل عطا ہوا

تہذیب جاں، شرافتِ دل ، حرمتِ نظر
تطہیر فکر ، حسن عمل ، فرق خیرو شر
طبع سلیم ، حسِ لطافت ، مذاقِ فن
جذبے کا نور ، ذہن کی ضو ، ندرت سخن
تقویٰ ، یقیں ، راست روی ، فقر ، سادگی
ایمان ، علم ، خود نگری ، وحدت آ گہی
تسلیم ، صبر ، شکر ، رضا، عفو ، درِ گزر
احسان ، عدل ، رحم دلی ، معرفت، خبر
ایقان و استقامت و حق گوئی و سخا
صدق و صفا ، خلوص و وفا ، عفت و حیا
نظم عمل ،توازن و ترتیب و اعتدال
عکسِ ضمیر ، لطفِ بیاں ، رفعتِ ، خیال
نصرت ، ظفر ، فتوحِ مبیں ، غلبہ و وقار
اقلیم و تاج ، طبل و علم ، حکم و اختیار
خیر الامم شرف ترا ، اے امتِ رسول
اے امت رسول ! اس احسان کو نہ بھول
اے قوم ! اٹھ کہ آج کی قدریں ہیں بے شرف
اقوام مضطرب کی نظر ہے تری طرف
تو ہے ! امیں پیامِ رسالت مآب کی
ایک اک کرن ہے پاس ترے ، آفتاب کی
ہر حلِ مشکلات بشر تیرے پاس ہے
دنیا اسیر شب ہے سحر تیرے پاس ہے

علمائے کرام مایوس نہ ہوں

جلد نمبر ۱۳.......... اگست ستمبر ۲۰۰۵ء.......... شمارہ نمبر ۱۲۸

یہ اور بات ہے تم آج بن گئے ساقی
وگرنہ یاد رہے میکدہ ہمارا ہے

پچھلے چند ماہ سے پاکستان کے علمائے کرام پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ دینی مدارس پر چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ مدارس میں پڑھنے والے بیرونی طلباء کو باہر نکالا جا رہا ہے۔ مدارس سے تعاون کرنے والوں کو ہراساں کیا جا رہا ہے۔ مساجد کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ مساجد سے بلند ہونے والی آوازوں پر پابندیاں لگائی جا رہی ہیں۔ کئی علماء کرام کو پکڑا جا رہا ہے۔ انہیں ''دہشت گرد'' قرار دیا جا رہا ہے۔ ملکی اور غیر ملکی ایجنسیاں ان سے ناکردہ گناہوں پر باز پرس کر رہی ہیں۔ لاؤڈ سپیکرز پر جمعہ کے خطاب پر ایف آئی آر درج کی جا رہی ہیں۔

دوسری طرف ذرائع ابلاغ، اخبارات اور ٹی وی پر علمائے کرام کی تذلیل و تحقیر کی جا رہی ہے۔ انہیں ''دقیانوسی'' کہہ کر نفرت آمیز الفاظ میں یاد کیا جا رہا ہے۔ انہیں ''رجعت پسند'' اور ''مذہبی جنونی'' کہہ کر زندگی کے تمام شعبوں سے مسترد کر دینے کے مشورے دیے جا رہے ہیں۔ ان کو انتہا پسند کہہ کر پکارا جا رہا ہے۔ ان میں سے اکثر علمائے کرام کو ''دہشت گرد'' قرار دے کر امریکہ کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا

گیا ہے۔ یہ انداز حکمرانی، یہ نگاہ قہرمانی۔ اگرچہ وقت کی ضرورت قرار دی جارہی ہے مگر ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہ تمام ترتگ ودو اقتدار کی بجھتی ہوئی شمع کی آخری ہچکیاں ہیں اس کی حفاظت کے لیے سارے کھیل، کھیلے جارہے ہیں۔

یہ وقت کے ہیں شعبدے جو اَب نہیں تو کل مٹے
یہ تیری زد میں آئیں گے اور تجھ سے منہ کی کھائیں گے
اٹھا تو علم مصطفیٰ گرا کفر کا بت کدہ!

ہمارے علمائے کرام کے لیے اگرچہ یہ صورت حال پریشان کن ہے مگر انہیں اس ابتلائی دور کو صبر وتحمل سے برداشت کرنا چاہیے۔ حالات کی سنگینی کو حالات کا تقاضا جان کر قبول کرنا چاہیے۔ اگرچہ انتخابات میں انہیں مسترد کرنے کے پروگرام بنائے جارہے ہیں مگر وہ پروا نہ کریں۔ وہ اپنے مقام کو پہچانیں۔ وہ جن مساجد میں امامت اور خطابات کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ کسی انتخابی معرکے سے کم نہیں۔ وہ کسی ناظم اور نائب ناظم کے منصب سے کم نہیں۔ وہ اللہ اور رسول کے نام کو بلند کرنے کے منصب پر قائم ہیں۔ وہ اللہ ورسول کے پیغام کو عوام تک پہنچانے پر مامور ہیں۔ وہ امت رسول کے راہنما ہیں اور عوام کی دینی راہنمائی کا عظیم کام ان کے سپرد ہے۔ وہ موجودہ انتخابی ہمہ ہمی، سے دور رہ کر اپنے مقام پر ثابت قدم رہیں۔ آج بھی ان کے سامنے پاکستانی سقوم کے نیک دل مسلمان صف بستہ بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کے سامنے اللہ ورسول کے غلام گوش برآواز ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں ان علمائے کرام کے لیے محبت ہے عقیدت ہے۔

الحمدللہ یہ ملک اللہ ورسول کے نام پر حاصل کیا گیا ہے۔ یہ ملک اللہ ورسول کا ہے۔ یہ سرزمین نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے منتخب ہو چکی ہے۔ یہ ملک ہمارے اللہ کا ہے۔ یہ ملک ہمارے نبی کریم ﷺ کا ہے۔ یہ ملک ہمارا ہے۔ ہمیں جان سے پیارا

ہے۔اس ملک پر غیر اسلامی نظریات کا اقتدار اور حکمرانی ایک وقتی چیز ہے۔

ع یہ اور بات ہے تم آج بن گئے ساقی

وگرنہ یاد رہے میکدہ ہمارا ہے

ہر حکمران کو یہ گمان ہوتا ہے کہ اللہ و رسول سے جنگ کر کے اقتدار پر ہمیشہ براجمان رہے گا۔ ہر بادشاہ کو یہ زعم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ تخت نشین رہے گا۔مگر پاکستان کی تاریخ دیکھیں تو پاکستانی حکمرانوں کی کیسی کیسی تصویریں سامنے آتی ہیں۔ جو حکمران اللہ کے قوانین کو توڑتے ہوئے اپنی حکمرانی کے دف بجایا کرتے تھے۔وہ کہاں ہیں؟

ع۔مٹے ناميوں کے نشان کیسے کیسے!

ان کی کیسی کیسی عبرتناک تصویریں سامنے آتی ہیں۔ ملک کو دو ٹکڑے کرنے والے مجیب الرحمن کا کیا حشر ہوا۔ہمارے گورنر جنرل غلام محمد اور سکندر مرزا کی قبریں کہاں ہیں؟ ہمارے جنرل ایوب اور جنرل یحییٰ کدھر گئے؟ ہمارے بھٹو کہاں گئے؟ ہمارے ضیاء الحق کدھر گئے۔پھر ہمارے کل کے بادشاہ کن کن ممالک میں یوسف بے کارواں بن کر پھر رہے ہیں۔ یہ عبرتناک سزائیں ہیں۔ یہ اللہ و رسول سے منہ موڑ کر پاک سرزمین پر گرجنے والے بادل کدھر گئے۔عوام پر شعلے برسانے والے کہاں گئے؟

ع۔عبرت سرائے دہر ہے اور ہم ہیں دوستو!

علمائے کرام آج بھی اسی محراب و منبر کے مالک ہیں جہاں پہلے تھے۔ علمائے کرام آج بھی دینی فرائض سرانجام دے رہے ہیں جو دیا کرتے تھے۔علمائے کرام کے آج بھی مدارس موجود ہیں۔علمائے کرام کی مسجدیں اہل اللہ کی جائے امن ہیں۔علمائے کرام کی مجلسیں اپنے اپنے مقام پر اب بھی قائم و دائم ہیں۔ یہ سختیاں، یہ

قہر مانیاں، یہ پکڑ دھکڑ۔ یہ پرچے، یہ ایف آئی آر، یہ پابندیاں، یہ ناکہ بندیاں، یہ بریک ڈاؤن وقتی چیزیں ہیں۔ یہ کمزور زنجیریں اب ٹوٹنے والی ہیں۔ یہ تاریکیاں اب چھٹنے والی ہیں۔ یہ سختیاں اب ختم ہونے والی ہیں۔ یہ ڈراؤنے اعلان عنقریب ہوا میں اڑنے والے ہیں۔

علمائے کرام اپنا مقام پہچانیں۔ انہوں نے اپنی قربانیوں سے اپنی شاندار تاریخ مرتب کی ہے۔ انگریز کی جابرانہ حکومت کے دوران دار ورسن کی عظمتوں کو چوما ہے۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ گھربار لٹا کر اپنے دین کو سربلند رکھا ہے۔ کالے پانی کی سزائیں کالی کوٹھریوں کی قیدیں انہیں کبھی ڈرا نہیں سکیں۔ پاکستان بنتے وقت ان اللہ والوں نے کہاں کہاں قربانیاں نہیں دیں۔ انگریزوں اور ہندوؤں کے مظالم کے سامنے یہ کس طرح سینہ سپر رہے۔ الحمدللہ علمائے کرام بڑی عظمتوں کے مالک ہیں۔

کسی کو دشت نوردی کسی کو دار ورسن
یہ عظمتیں ہیں مقدر کسی کسی کے لیے!

موجودہ حالات میں علمائے کرام کو بددل نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں ہراساں نہیں ہونا چاہیے۔ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں مسترد کرنے والے عنقریب قوم کے غیظ و غضب کا شکار بنیں گے اور پندرہ کروڑ مسلمان انہیں ایسے مسترد کریں گے کہ "ان کی داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں!"

اس نازک وقت میں علماء کرام کو متحد ہونا چاہیے۔ آج چھوٹے چھوٹے اختلافات بھلا کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کا وقت ہے۔ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے علماء کو ایک قافلہ کی راہ پر آنا چاہیے۔ خصوصاً علمائے اہلسنت کے لیے دار و گیر کا یہ وقت نہایت ہی موزوں ہے۔ وہ یکجان ہو کر لوگوں کو دینی قیادت مہیا کریں۔ انہیں

مسجدوں، اپنے مدرسوں، اپنی خانقاہوں، اپنی مجلسوں، اپنے حجروں کے دروازے کھلے رکھیں اور مصیبت زدہ عوام کے زخموں پر دین مصطفیٰ کی برکات کی مرہم رکھیں۔ آج پاکستان کے عوام دکھی ہیں۔ دردمند ہیں، ان کی بات سننے والا کوئی نہیں۔ مصیبت زدہ ہیں۔ وہ دہشت زدہ ہیں۔ علمائے کرام آگے بڑھیں، ان کے دل کی دھڑکنوں کو محسوس کریں اور اپنے دروازے ان کے لیے کھول دیں۔ جب حکمران قاہر ہوجاتے ہیں اوران کے ظلم کی تلواریں عوام کی گردنیں کاٹنے لگتی ہیں تو عوام کو اولیاء اللہ اور علمائے کرام کی مجلسوں میں پناہ ملتی ہے۔ جب کوچہ و بازار شوروغل اور قتل و غارت گری سے بھر جاتے ہیں تو اہل اللہ کی مجالس ہی سکوں کا ماحول میسر کرتی ہیں۔

جب ظلم وستم کی آندھیاں چلتی ہیں تو اولیاء اللہ اور علمائے کرام کی مجالس پناہ گائیں بن جاتی ہیں۔ جب بھوک و پیاس عام ہوجاتی ہے تو اللہ والوں کی خانقاہیں عوام کے لنگر خانے بن جاتے ہیں۔ آج علماء کرام کو اپنا مقام پہچاننا چاہیے۔ سیاست دانوں اور حکمرانوں کی روندھی ہوئی مخلوق کو اپنے دامن میں جگہ دینی چاہیے اور اپنے دروازے کھول کر اپنا کام کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نیکیوں کو ضائع نہیں کرتا۔

ہم بار بار کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نیکیاں ضائع نہیں کرتا۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی فریاد سنتا ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ اللہ کے گنہگار بندے جب اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاتے ہیں تو صدا آتی ہے۔

ع۔ بادلو! ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے!

اندھیرے چھٹنے والے ہیں۔ صبح نمودار ہونے والی ہے۔ سورج طلوع ہونے والا ہے۔ ظلمات فروش اور ظالموں کے لشکر بھاگنے والے ہیں۔

آج دنیائے کفر ''سپر پاور'' بن کر اللہ کی مخلوق پر قہر وغضب بن کر ٹوٹ پڑی ہے۔ ضعیفوں، کمزوروں، ناتوانوں خاص کر مسلمانوں کو مارا جارہا ہے۔ ان کے گھر

جلائے جا رہے ہیں۔ ان کے شہروں پر بمباری کی جا رہی ہے ان کے بچوں کو خاک و خون میں تڑپایا جا رہا ہے۔ ان کے نوجوانوں کو خون میں نہلایا جا رہا ہے۔

ظلم و بربریت کے طوفان کے سامنے جب کوئی نوجوان سینے پر بم باندھ کر ٹکراتا ہے تو یہ ''سپر پاور'' چیخ اٹھتی ہے۔ اگر کوئی نوجوان آتش نمرود میں کودتا ہے تو اسے ''دہشت گرد'' کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتا ہے تو سپر پاور کو ''القاعدہ'' یاد آ جاتا ہے۔ جب لندن کی گلیوں میں دھماکہ ہوتا ہے تو پاکستان کے مجاہدین کے نام سامنے آتے ہیں۔ جب کوئی ظلم کو للکارتا ہے تو پاکستان کے جانبازوں کے نام سامنے آتے ہیں۔ یہ ہمارے لیے کم اعزاز نہیں۔

اگرچہ آج کی مصلحت اندیش دنیا اس بات کو تسلیم نہیں کرتی مگر حقیقت یہ ہے کہ آج پاکستان کے جانبازوں کا دبدبہ ''سپر پاور'' کے ایوانوں میں ہے۔ پاکستانی نوجوانوں کی ہیبت لندن کے لشکرگاہوں میں ہے۔ پاکستانی سپوتوں کا خوف مغرب کی وادیوں میں ہے۔ آج مغربی قوتیں ظلم و ستم کے طوفان بن کر عالم اسلام پر آگ برسا رہی ہیں۔ مگر جب کبھی امریکہ کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہوتا ہے تو انہیں پاکستان یاد آتا ہے جب کبھی کسی ظالم کے منہ پر طمانچہ پڑتا ہے اسے پاکستان یاد آتا ہے۔ جب کہیں آگ میں کودنے کا واقعہ سامنے آتا ہے تو پاکستان یاد آتا ہے۔ پاکستان کے لوگ غریب سہی، بے سروسامان سہی، تہی دست سہی۔ ان کے حکمران کاسہ لیس سہی مگر غلط ہو یا صحیح جب ظلم کے مقابلہ میں کوئی دھماکا ہوتا ہے تو پاکستان کا مجاہد کھڑا نظر آتا ہے۔ واقعہ سچ ہو یا جھوٹ مگر پاکستان کے نوجوانوں کے نام سے کفر کے قلعے لرزاں ہیں۔

ہم بزدلوں کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ جنہیں تم ''دقیانوسی'' کہتے ہو وہ ہماری تاریخ کے روشن مینار ہیں۔ جنہیں تم ''دہشت گرد'' کہتے ہو وہ ہمارے ملک کی آبرو

ہیں ،جنہیں تم ''رجعت پسند'' قرار دیتے ہو وہ ہمارے دین کی اساس ہیں۔ جن بہادروں کو پکڑ پکڑ کر تم دشمنوں کے حوالے کرتے ہو وہی تو ہمارا ''سرمایۂ افتخار'' ہیں۔ جنہیں تم فروخت کر کے انعام حاصل کرتے ہو وہی تو ہماری ''آن'' ہیں۔

زمانہ بدل رہا ہے، وقت بدل رہا ہے، حالات بدل رہے ہیں۔ دن بدل رہے ہیں، راتیں بدل رہی ہیں، دنیا بدل رہی ہے، شب و روز بدل رہے ہیں۔ ماہ و سال بدل رہے ہیں۔ علمائے کرام ان بدلتے ہوئے ایام میں اپنا کردار ادا کریں، آگے بڑھیں۔ قوم کی راہنمائی کریں۔ قوم کا سہارا بنیں۔ قوم کی پریشانیوں میں شریک ہو جائیں، ظلمت کدوں کو روشن کریں اور دین متین کی راہوں کو آباد کریں۔

ع۔ چراغ طور جلاؤ بڑا اندھیرا ہے!

زلزلہ............ایک وارننگ

جلد نمبر ۱۳............اکتوبر ۲۰۰۵ء............شمارہ نمبر ۱۲۹

خوار ہیں بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں
کچھ بھی ہیں لیکن تیرے محبوب کی امت میں ہیں

۸ اکتوبر کا سورج طلوع ہوا، لوگ اپنے گھروں سے نکلنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ بچے سکولوں میں جا چکے تھے کہ زلزلے کے ایک جھٹکے نے سارے پاکستان کو ہلا کر رکھ دیا۔ کراچی سے لیکر کوہ قرام تک ساری زمین ہل گئی۔ قدرت کو شاید رحم آ گیا کہ وسیع تر پاکستان بچ گیا۔ صرف اس کے شمالی علاقے اس عذاب الٰہی کی زد میں آ گئے۔ جو سرکش اور باغی قوموں کا مقدر ہوا کرتا ہے۔ ہزاروں جانیں ایک لمحہ میں لقمہ اجل بن گئیں۔ سیکڑوں شہر اور بستیاں پیوست زمین ہو گئیں۔ وہ لوگ جو چند لمحے پہلے خواب غفلت سے بیدار ہو رہے تھے ایک آن میں موت کی وادی میں چلے گئے ان لوگوں پر کیا گزری، ان کے شہروں کا کیا حال ہوا، ان کی بستیوں کو کس طرح الٹ دیا گیا۔ ان کے جان سے عزیز رشتے داروں، بیٹے، بیٹیوں، جگر کے ٹکڑوں کو خاک و خون میں نہلا دیا گیا، جو بچ گئے وہ اپنے عزیزوں کو بے بسی کے عالم میں تڑپتا دیکھتے رہے۔ جو زندہ رہے وہ مرنے والوں کو سہارا نہ دے سکے جو خاک و خون میں تڑپ گئے انہیں کوئی کفنانے دفنانے والا نہ رہا۔

یہ قیامت خیز زلزلہ سارے پاکستان میں ہی نہیں ساری دنیا کے لیے باعث تصویر عبرت بن گیا ہے۔ مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک بسنے والے اربوں لوگ پاکستانیوں کی اس تباہی پر تڑپ تڑپ گئے۔ مگر قدرت کے سنگین فیصلوں کے سامنے کون دم مار سکتا ہے۔ انسانی ہمدردی کے پیش نظر مختلف ممالک نے زلزلہ زدہ لوگوں کی ضروریات زندگی مہیا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ پاکستان کے اندر، حکومت پاکستان، سیاسی جماعتوں، سماجی اداروں، دینی اور مذہبی جمعیتوں کے علاوہ لوگوں نے مصیبت کی اس گھڑی میں اپنے بھائیوں کی امداد کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

ماہرین ارضیات نے اس تباہ کن زلزلہ کی وجہ پر اپنے اپنے انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ محکمہ موسمیات کے سربراہوں نے اپنے اپنے تجربات کی روشنی میں تبصرے کیے ہیں۔ اخباری تجزیہ نگاروں نے اپنی اپنی تحقیق کی روشنی میں اظہار خیال کیا ہے مگر ہمارے دینی راہنماؤں نے اس زلزلہ کو انسان غفلتوں اور اللہ و رسول کی راہوں سے دوری کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں سرکش اور نافرمان قوموں پر عذاب الٰہی کی بے شمار علامتوں میں زلزلہ کو ایک سزا کی علامت قرار دیا ہے۔ انہوں نے قوم ثمود، قوم عاد اور قوم لوط کی زلزلہ میں تباہی ان کی سرکشی اللہ اور اس کے رسولوں کی احکام سے نافرمانی کا تسلسل بتایا ہے۔ تاریخ عالم میں مختلف اقوام کا عذاب الٰہی کا نشانہ بننا، اللہ کے احکامات کو نظر انداز کر کے باغیانہ رویہ اختیار کرنا بیان کیا ہے۔

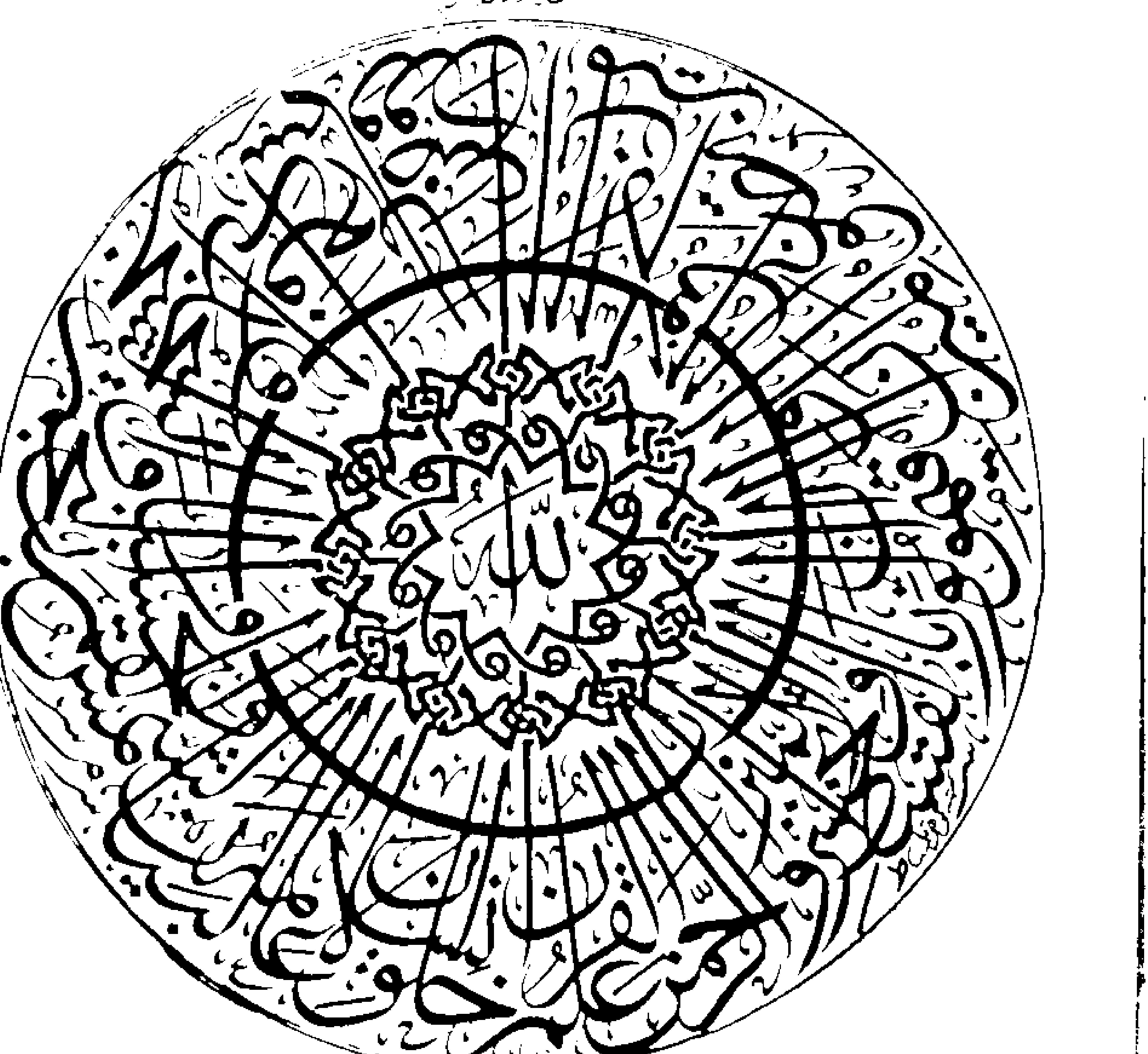
آج پاکستانی قوم کا ایک حصہ زلزلہ کی تباہ کاری کا نشانہ بنا ہے، بے گور و کفن لاشیں، پیوست زمین ہونے والی بستیاں، ہنستے کھیلتے لوگوں کی تباہی، مضبوط اور سر بفلک عمارتوں کی سرنگونی عذاب الٰہی کی علامت ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ صرف یہی لوگ سرکش، باغی اور نافرمان تھے تو انہیں نیست و نابود کر دیا گیا بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ عمل بچ جانے والوں کے لیے سامان عبرت بنا کر پیش کیا گیا ہے تاکہ وہ نیک

انسانوں کی موت کروڑوں بچ جانے والوں کے لیے عبرت کا مقام ہے جس سرزمین کو ہم نے اللہ و رسول کے نام پر حاصل کیا تھا اس پر سابقہ ساٹھ سال سے کون سی بغاوت اور نافرمانی ہے جس کو رواج نہیں دیا گیا۔ اللہ اور رسول کے نام پر قائم ہونے والا ملک کس انداز سے ظلم و بربریت، اور شیطانی کھیلوں کی تجربہ گاہ نہیں بنایا گیا۔ ماضی کے تسلسل کی نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ ظلم و بربریت، بغاوت اور سرکشی سیاہ کاری اور بدکاری مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہوگئی ہے پھر ان تمام اعمال کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔ قانون ساز اداروں کی اشیرباد حاصل ہے عدل و انصاف کے ادارے ان سرکشوں کی حمایت کے لیے آئے دن فیصلے دیتے ہیں۔ دنیا داروں کے علاوہ اب تو ہمارے مذہبی اور دینی راہنما بھی سیاست دانوں، حکمرانوں، دولت مندوں اور زر پرستوں کے دیکھا دیکھی ان جرائم کے حصہ دار بنتے جا رہے ہیں۔ جو اللہ کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔ کس کس جرم کی بات کی جائے، کس کس بغاوت کا ذکر کیا جائے، کس کس روگردانی کا تذکرہ کیا جائے، کس کس میدان میں اللہ و رسول کے فرامین کو پامال نہیں کیا جاتا، کس کس کوچہ و بازار میں اللہ سے جنگ نہیں کی جا رہی۔ دنیا کی سرکشی اور باغی اقوام کی نقل کرتے ہوئے اس پاک سرزمین کو کس بے دردی سے ناپاک کیا جا رہا ہے۔ یہ زلزلہ یہ زمین بوس محلات، یہ تہ و بالا ہونے والے شہر اور بستیاں، یہ بے گور و کفن لاشیں، یہ کراہتے ہوئے زخمی، یہ دم توڑتے ہوئے انسان در اصل ہم بچ جانے والوں کے لیے عبرت کی نشانیاں ہیں۔ ہم بچ جانے والے پاک باز ہیں نہ مرنے والے ہم سے زیادہ گناہگار ہیں یہ ایک اجتماعی عبرت کا سامان ہے جو ہم سب کو سبق سکھانے کے لیے ہمارے سامنے لایا گیا ہے۔

خدا معلوم یہ زلزلہ، یہ قیامت، یہ آفت، یہ مصیبت ہمیں اللہ و رسول کی طرف راغب ہونے کے لیے کافی ہے یا ابھی کچھ اور جھٹکوں کی ضرورت ہے۔ ہم بے بس

انسان ہیں۔ ہم گناہگار ہیں۔ ہم اللہ و رسول کی نافرمانی کے عادی ہو چکے ہیں حالانکہ ہم ایک جھٹکے کی مار ہیں۔ اے اللہ ہم پر رحم فرما! اے اللہ تو نے ہمیں موقع دیا۔ ہمیں اپنی راہ پر چلنے کی توفیق دے! اے اللہ تو نے ہمیں مہلت دی ہے اپنی پناہ میں رکھا ہے ہم پر کرم فرما! ہم جو کچھ ہیں تیرے بندے ہیں تیرے رسول کے امتی ہیں تیرے محبوب کے دامن سے وابستہ ہیں تیرے محبوب کے نام لیوا ہیں ہم پر اپنی رحمت کی نظر فرما!

خوار ہیں بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں
کچھ بھی ہیں لیکن تیرے محبوب کی امت میں ہیں



زلزلہ سے بچ جانے والے

جلد نمبر ۱۳..........نومبر، دسمبر ۲۰۰۵ء..........شمارہ نمبر ۱۳۰

۱۸ اکتوبر کے زلزلے نے کتنی جانیں لیں۔ کتنی بستیوں کو پیوست زمین کر دیا۔ کتنے شہروں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ کتنے محلات کو زمین بوس کر دیا۔ کروڑوں کے مالک آن واحد میں فقیر بن گئے۔ کوٹھیوں والے ایک لمحہ میں خیمہ نشین ہو گئے۔ بھرے گھروں والے بے خانمان بر باد ہو گئے۔ یہ ساری خونچکاں داستانیں ہمارے اخبارات کے صفحات پر بکھری پڑی ہیں۔ ٹی وی کی سکرینوں پر آئے روز سامنے آتی رہتی ہیں۔ جرنیلوں، وزیروں، قومی راہنماؤں اور متاثرین زلزلہ کو سہارا دینے والی انجمنوں کے بیانات آتے رہتے ہیں۔ کس کا دل ہے جو اس سانحے کو دیکھ کر تڑپا نہ ہو۔ کون سی آنکھ ہے جو اس قیامت کو دیکھ کر روئی نہ ہو۔ کون سا انسان ہے جو اس عذاب الٰہی کی ایک ادنی سی جھلک دیکھ کر دلگرفتہ نہ ہوا ہو۔ یہ سارے مناظر اپنی جگہ، مگر آج ہم زلزلہ کی تباہ کاریوں کی بات نہیں کریں گے اور زلزلہ کی زد میں آنے والوں کی داستان نہیں سنائیں گے۔ زلزلہ کی وجہ سے بے گور وکفن لاشوں کا ذکر نہیں کریں گے۔ ان ”خاک میں لتھڑے ہوئے اور خون میں نہلائے ہوئے“ جسموں کی بات نہیں کریں گے، ہم نے ان جانوں کا ذکر کرنا ہے جو زلزلہ سے بچ گئیں۔ ان بچوں کی بات کرنی ہے جو نہیں والدین کے پیار سے محروم ہو کر سہاروں کی تلاش میں مارے مارے پھر

رہے ہیں۔ ہم ان ضعیفوں، بیماروں، زخمیوں اور بے سہارا لوگوں کی بات کرنا چاہتے ہیں جو موت سے تو بچ گئے مگر زندگی کی راہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔

پاکستانی قوم ایک غریب قوم ہے۔ مہنگائی کی ماری ہوئی قوم ہے۔ بیروزگاری کی ستائی ہوئی قوم ہے۔ اپنے سیاسی راہنماؤں کی ٹھکرائی ہوئی قوم ہے۔ سرمایہ داروں اور دولت مندوں کی لوٹی ہوئی قوم ہے۔ اس قوم پر زلزلہ کی جو آفت آن پڑی ہے۔ اس نے ہر شخص کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ہم اس قوم کی بات کریں گے۔ اس پریشان حال قوم کے ہر فرد نے جس جذبے سے متاثرین زلزلہ کے لئے اپنے بازوؤں کو کھول دیا ہے۔ اس کی صدیوں سے مثال نہیں ملتی۔ پاکستان کے لوگوں نے اپنے تباہ حال بھائیوں کیلئے جس انداز سے مدد کی ہے اس کی مثال تاریخ میں شاید ہی نظر آئے۔ فوج، حکومت، مالدار، سرمایہ دار، بیرونی ممالک کے دردمند لوگ، سیاسی جماعتوں کے کارکن، این جی اوز اور دنیا بھر کے ممالک کے مخیر حضرات اپنی جگہ، ہم نے پاکستان کے غریب عوام کو اپنے بھائیوں کے لئے تڑپتے دیکھا ہے۔ ان کے لئے امدادی کیمپوں میں دن رات اپنی بساط سے بڑھ کر امداد کرتے دیکھا ہے۔ امداد کا یہ انداز کسی گنتی اور شمار وقطار میں نہیں آتا اور نہ ہی حساب کے رجسٹر تیار ہوتے ہیں۔ یہ ایک جذبہ ہے جو ایک غریب ملک کے ہر غریب شہری کے سینہ میں موجزن ہے۔

آج بے شمار لوگ زلزلہ زدہ شہروں، قصبوں، وادیوں، پہاڑوں، اور برفانی چوٹیوں میں دور جا کر کام کر رہے ہیں۔ ہم ان کی تفصیلات میں بھی نہیں جائیں گے۔ ہم اپنے قارئین کو چند ایسے واقعات کی طرف توجہ دلائیں گے۔ جو نہایت چھوٹے ہیں۔ کسی اخبار، کسی میڈیا، کسی سیاسی جماعت کے بیانات میں نہیں آتے مگر قیامت خیزی کے بعد ایسے مسائل کا سامنا بھی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جو دنیا میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ پھر طوفانوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کئی کرشمے اور اس کے

کمالات کے کئی مناظر جب سامنے آتے ہیں تو دل کی گہرائیوں سے یہ بات ماننا پڑتی ہے۔ کہ جہاں عذاب الٰہی ٹوٹتا ہے وہاں قدرت کے ہاتھ اپنی قدرت کا مظاہرہ بھی کراتے ہیں۔ ہم جیسے غافل انسانوں کیلئے قدرت کے یہ مظاہر ہدایت کی علامات پیش کرتے ہیں۔ اور ایک حجت سامنے لاتے ہیں۔

ہمارے ایک مخلص دوست پیر سید غلام یسٰین صاحب چشتی، دیرکوٹ، ضلع باغ، آزاد کشمیر کے طوفانوں سے بچ کر پچھلے دنوں ہمارے پاس آپہنچے۔ ہم نے انہیں اچانک دیکھا تو بے خود رہ گئے۔ پھر زلزلہ والے کے قہر سے بچانے والے کی رحمت کا نظارہ سامنے آ گیا۔ ہم اٹھے انہیں دیکھا۔ گلے لگایا اور اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ وہ اپنے گھر بار کی تباہی پر گفتگو کرنے لگے۔ اپنے عزیزوں کی جدائی پر آنسو کی جھڑیاں برسانے لگے۔ اپنے علاقے کی تباہی کا نقشہ پیش کرنے لگے۔ فرمانے لگے۔ فاروقی صاحب! میں نے زلزلے کی تباہیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ پہاڑوں کو ہلتے دیکھا ہے۔ وادیوں کو کانپتے دیکھا ہے۔ اپنے گاؤں کے سو فیصد مکانوں کو پیوست زمین ہوتے دیکھا ہے۔ ہمارے گاؤں کے چار سو افراد کی آبادی تہس نہس ہوگئی ہے۔ میں نے ایک دن میں ساٹھ جنازے پڑھائے اور بے گور و کفن لاشے دفنائے۔

مولانا غلام یسٰین چشتی صاحب ''جہان رضا'' کے ان قارئین میں سے ہیں جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ایک ایک سطر پڑھتے ہیں۔ وہ ایک سنی عالم دین ہیں۔ خطیب ہیں۔ پیر طریقت ہیں۔ دارالعلوم نعمانیہ لاہور کے سند یافتہ ہیں۔ فرمانے لگے میرا علاقہ، دیرکوٹ، تحصیل باغ ہے اور اس کے ارد گرد کے کئی شہر زلزلے کی تباہ کاریوں کی تصویر بن گئے ہیں۔ شاید ہی کوئی مکان بچا ہو۔ شاید ہی کوئی بازار یا کوچہ بچا ہو۔ شاید ہی کوئی محل بچا ہو۔ زلزلے نے ہر چیز کو ہلا کر رکھ دیا۔ مگر میرے گاؤں میں ایک بزرگ پیر سید فضل شاہ بخاری کا مزار ہے جس پر ایک بلند و بالا گنبد ہے۔ ارد گرد

ان کی اولاد اور ان کے خلفاء کی قبریں ہیں۔ تمام کے تمام محفوظ رہے۔

میں ''باغ'' شہر میں گیا۔ مکانات، بازار، سرکاری دفاتر کا نشان نہیں ملتا۔ مگر میں حیران ہو گیا کہ باغ شہر کے درمیان ایک ولی اللہ ''ولی نبی شریف'' اور ان کی اولاد کے مزارات محفوظ ہیں۔ اور اسلام آباد سے جانے والے اخباری لوگ ان مزارات کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ ''چکار'' ایک قصبہ ہے جو باغ سے ہٹیاں جانے والی شاہراہ پر واقع ہے سارا شہر تباہ ہو گیا وہاں سید سکندر شاہ اور سید محمد اشرف شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہما کے مزارات ابھی تک محفوظ ہیں۔ انہوں نے بتایا آج مظفر آباد کا عظیم شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے۔ محلات زمین بوس ہو گئے ہیں۔ کوچہ و بازار تہہ و بالا ہو گئے ہیں۔ سرکاری بلڈنگیں زمین دوز ہو گئی ہیں۔ وزراء کے محلات، کوٹھیاں، سرکاری عمارتیں، کئی کئی منزلہ ہوٹل، پیوست زمین ہو چکے ہیں۔ آزاد کشمیر کے وزراء اپنے محلات چھوڑ کر خیمہ بستیوں میں رہ رہے ہیں۔ سرکاری افسر اپنے اپنے دفاتر کی بجائے امدادی خیموں میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مگر آپ اگر مظفر آباد کے تباہ شدہ سیکرٹریٹ میں جائیں۔ تو اس کے عین درمیان سید علاء الدین گیلانی کا مزار ہے۔ وہ اپنے شان دار گنبد کے نیچے آب و تاب سے کھڑا ہے۔ یہ سید علاء الدین گیلانی حضرت شاہ محمد غوث، لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ ان دنوں ان کے پڑپوتے سجادہ نشین ہیں۔ ان کا نام سید سلیم گیلانی ہے۔ سید سلیم گیلانی، سید امیر شاہ گیلانی قادری پشاوری مرحوم کے داماد ہیں۔ ان کا سارا محلہ تباہ ہو گیا ہے۔ ان کے سارے مکانات گر چکے ہیں مگر حضرت سید علاء الدین گیلانی کا مزار اب تک موجود ہے۔ جسے ہزاروں کیمرے اپنی آنکھوں میں بند کر کے شائع کر رہے ہیں۔

مظفر آباد سے چند میلوں کے فاصلے پر سید عنایت شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ بالکل محفوظ ہے۔ جب کہ اس مزار کے ارد گرد سارا قبرستان، سارے مکانات

اور سارے گھر اینٹوں کا ڈھیر بن گئے۔ دنیا بھر کے لوگ مظفر آباد آتے جاتے ہیں، وہاں ایک بسوں کا اڈہ ہے جسے ''اپر اڈا'' کہتے ہیں۔ جانے والے تمام لوگ اسی اڈے پر جاتے ہیں سواریوں سے اترتے ہیں اور شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ وہاں ایک ولی اللہ کا مزار نظر آتا ہے اس مزار کے گنبد کو دیکھ کر آنے جانے والے حیران رہ جاتے ہیں۔

میں دریائے نیلم کے کنارے پر چلتا ہوا، مظفر آباد کی سڑک پر آ رہا تھا راستے میں دریائے نیلم کے کنارے شاہ سلطان ولی کا مزار اسی طرح کھڑا ہے جیسے یہاں زلزلہ آیا مگر دبے پاؤں گزر گیا ہو۔ حالانکہ اردگرد کا پہاڑی علاقہ تباہ ہو چکا ہے۔ شہر مظفر آباد کا سیکرٹریٹ آزاد کشمیر کا شاہی دارالخلافہ ہے۔ اس میں سرکاری دفاتر تھے۔ اس کے درمیان مظفر آباد کے مشہور ولی اللہ سید سہیلی سرکار رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ ہزاروں لوگ دور دور سے آتے ہیں سیکرٹریٹ کا گیسٹ ہاؤس، سرکاری عمارات، وزراء کے ایوان، اور افسروں کے دفاتر تباہ ہو چکے ہیں۔ مگر ولی اللہ سید سہیلی سرکار کا مزار ابھی تک قائم ہے۔ مجھے بی بی سی کا ایک انگریز نمائندہ ملا جس کے ساتھ مقامی ترجمان تھے۔ میں انہیں مزار کے اندر لے گیا چائے پیش کی اور سہیلی سرکار کا تعارف کروایا۔ اور انہیں کہا کہ آپ اس دربار کے ہر طرف سے فوٹو لیں اور دیکھیں کہ مزار کے درودیوار پر ایک دراڑ تک نہیں آئی۔ میں نے اکثر اخباری نمائندوں کو وہاں آتے جاتے دیکھا اور مزار کے فوٹو لیتے ہوئے پایا۔

اس زلزلہ میں ہمارے کئی احباب مارے گئے۔ کئی ابتلاء سے دوچار ہوئے۔ ہزاروں اس امتحان سے گزرے، اخبارات کے نمائندوں نے ان کے کالم نگاروں نے اپنے اپنے انداز میں واقعات لکھے۔ قلم کاروں نے اپنے تاثرات لکھے۔ کئی حضرات نے اسے عذاب الٰہی قرار دیا۔ کئی حضرات نے اسے شامت اعمال قرار دیا۔ کئی حضرات نے اسے ہمارے حکمرانوں کی بے راہ روی کا نتیجہ قرار دیا۔ اپنے اپنے

انداز میں ہر شخص لکھتا گیا۔ اور خون کے آنسو رولاتا گیا۔

سید یلیین شاہ فرمانے لگے ان کی باتیں کسی حد تک درست ہیں ان کے اپنے اپنے انداز ہیں مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ آج امت رسول ایک امتحان سے گزر رہی ہے۔ ایک ابتلاء سے دوچار ہے۔ خواہ اس کے اپنے اعمال ہوں یا ان کے حکمرانوں کی بداعمالیوں کی سزا ہو لیکن یہ ایک زبردست وارننگ ہے۔ الائی کی چوٹیوں سے لیکر نارہ کوٹہ تک قیامت برپا ہے۔ سارے پاکستان کے لئے یہ علاقہ عبرت کا نشان بن گیا ہے مگر جہاں جہاں اللہ والے آرام فرما ہیں وہ مقامات اب تک محفوظ ہیں۔ ضلع باغ میں ''سوباوہ شریف'' میں ایک حسنی بزرگ کا مزار ہے۔ یہ مزار دوسرے بزرگان دین کے مزارات کی طرح محفوظ ہے۔ میں سارے تباہ شدہ سوباوہ شہر کا فوٹو لایا ہوں مگر مزار کا گنبد نمایاں نظر آتا ہے۔ میرے پاس ان مزارات کی پوری فائل موجود ہے جہاں اللہ والے آرام فرما ہیں۔

زلزلہ کی تباہ کاریوں کے درمیان ہم نے قدرت کے یہ کرشمے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات ہماری عقلوں کے دائرے میں نہیں آسکتی کہ زلزلہ برپا کرنے والے فرشتوں کو ان مزارات پر کیا دلچسپی تھی اور انہیں کیوں چھوڑ گئے۔ مولانا غلام یلیین چشتی تباہ شدہ بستیوں کا حال سناتے گئے اور ہم دل پر ہاتھ رکھ کر ان کی باتیں سنتے گئے اور بزرگان دین کے مزارات کے محفوظ رہنے پر حیرت کا اظہار کرتے گئے اور کہتے گئے۔

گرچہ شدیم خاک ولیکن ز بوئے تربت ما
تواں شناخت کہ زیں خاک مرد می خیزد

آزاد کشمیر کے وزیر اوقاف، حافظ حامد رضا صاحب ایک شام ہمارے پاس آ پہنچے وہ شیخ القرآن حافظ محمد عالم سیالکوٹی کے فرزند ارجمند ہیں۔ عالم دین ہیں۔ لاہور

آتے ہیں تو ''جہان رضا'' کے دفتر میں چند لمحے بیٹھ کر ہماری مزاج پرسی کرتے ہیں۔ وہ آئے، بیٹھے، اور درویشوں کی چائے کی پیالی اٹھائی اور پینے لگے۔ وہ وزیر اوقاف نہ تھے۔ وہ وزیر امور مذہبی نہ تھے بلکہ ایک درویش کی حیثیت سے ہم جیسے خاک نشینوں کے پاس چند لمحے بیٹھے۔ وہ زلزلہ کے مارے ہوئے شہروں، قصبوں، وادیوں، بیانوں، پہاڑویوں کی آنکھوں دیکھی داستان سناتے گئے۔ وہ فوج کے کور کمانڈر سے لیکر عام آدمی کی خدمات پر روشنی ڈالتے گئے۔ وہ بے گور و کفن لاشوں کی باتیں کرتے گئے۔ ہسپتالوں میں کراہتے ہوئے زخمیوں کی کیفیت بیان کرتے گئے۔ مکانوں کے ملبے کے نیچے دبی ہوئی لاشوں کا ذکر کرتے گئے۔ اور نظیری نیشاپوری کا ایک شعر پڑھ کر ہمیں آزاد کشمیر آنے کی دعوت دیتے گئے۔

؎ بیا بگور عزیزانِ خویش نظرے کن
بہ بیں کہ نقش املہا چہ باطل افتاد است!

(فاروقی صاحب! آزاد کشمیر کے عزیزوں کی قبریں آکر دیکھو آج زندگی کے روشن نقوش حرف غلط کی طرح مٹ گئے ہیں۔)

وہ فوج، حکومت، آزاد کشمیر کی اپنی حکومت، کی خدمات کا تذکرہ کرتے رہے۔ مختلف ممالک سے آنے والے امدادی قافلے، خیمہ ہسپتالوں، اور خیمہ بستیوں کا ذکر کرتے گئے۔ سیاسی جماعتوں، دینی جماعتوں، اور مخیّر حضرات کی خدمات پر روشنی ڈالتے گئے۔ انہوں نے بتایا کہ الدعوۃ، الرشید ٹرسٹ، لشکر طیبہ، جماعت اسلامی، ایم کیو ایم، کے کیمپ اپنی جگہ مگر الحمد للہ سنیوں کے خدمت گار حضرات کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ ''دعوت اسلامی'' کے سبز عمامہ رضا کار گلی گلی کوچے کوچے میں جا کر مردوں کو دفناتے ہیں۔ اور زندوں کی خدمت کر رہے ہیں۔ برطانیہ کے مسلم ہینڈز، جمعیت علماء پاکستان، جماعت اہل سنت، المصطفیٰ ٹرسٹ کے علاوہ سنیوں کی مختلف جماعتوں کے

کیمپ دن رات خدمت خلق میں مصروف ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اگرچہ "الدعوۃ" نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم اس وادی میں چار سو مساجد کی تعمیر کرائیں گے مگر سنی مخیر حضرات نے ایک ہزار مساجد کی تعمیر کیلئے فنڈ جمع کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ اور اس کام پر سیکڑوں مقامی اور غیر مقامی معمار اور مزدور مصروف ہو گئے ہیں۔ آپ نے بتایا ہمارے چار ہزار دینی مدارس تباہ ہو گئے ہیں۔ ہم ایک سال کے اندر اندر چار ہزار دینی مدارس کو از سر نو تعمیر کریں گے اور دینی تعلیم کا آغاز کریں گے۔ ہماری مساجد از سر نو اپنے بلند و بالا میناروں کے ساتھ ابھریں گی اور صلوٰۃ و اسلام کی دلنواز آوازوں سے وادیاں گونج اٹھیں گی۔

انہوں نے بتایا اگرچہ اس تباہی نے کئی بدعقیدہ جماعتوں کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کا موقع دیا ہے۔ مگر سنی علماء کرام اپنے اعتقادی مراکز کو از سر نو تعمیر کریں گے اور یہاں کی سنی العقیدہ اکثریت کو دینی علوم اور اعتقادی رہنمائی باہم پہنچائیں گے۔ یہ لوگ از سر نو کھڑے ہوں گے اور اس علاقے میں بد مذہبوں کے مقاصد پورے نہیں ہونے دیں گے۔ مرزائی، عیسائی، یہود و نصاریٰ کے علاوہ بے دین جماعتیں اپنا کھیل کھیل رہی ہیں۔ مگر ہر جگہ ان کا مقابلہ کیا جائے گا۔

زلزلے کی تباہ کاریوں نے جہاں لاکھوں انسانوں کو موت کی وادیوں میں دھکیل دیا ہے وہاں بچ جانے والوں کی دینی اور اعتقادی دیواروں کو بڑا نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ آج امداد کے نام پر کئی قسم کے دینی فتنے آگے بڑھ رہے ہیں اور ہماری اعتقادی اور ایمانی عمارتوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ آج کے روشن خیال اور بے دین ادارے اپنا عجیب فلسفہ لیکر میدان میں اتر آئے ہیں۔ وہ مظلوموں کی وادی میں نیم عریاں عورتوں کو خیمہ بستیوں میں لا کر گشت کرا رہے ہیں۔ اور اسلامی غیرت کا منہ چڑا رہے ہیں۔ آج زلزلہ کے متاثرین کی امداد کے نام پر ناچنے والیوں اور گانے والیوں

کے میلے لگائے جارہے ہیں۔آج غیر ملکی طائفے پاکستان میں رقص وسرور کی محفلیں سجا رہے ہیں۔آج عذاب الٰہی سے بچے کھچے مسلمانوں کی غیرت ایمانی کو للکارا جارہا ہے ۔آج فلمی دنیا کی بدقماش فنکارائیں ٹھمریوں کی آواز سے زخمیوں کے زخموں پر نمک پاشی کررہی ہیں۔اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والے طائفے رقص وسرور کی محفلیں برپا کرکے فنڈ جمع کررہے ہیں۔اورزخمیوں کا ''علاج'' کررہے ہیں۔زلزلے سے بچ جانے والے آج ثقافتی اور روشن خیالی کے زلزلے سے دوچار ہیں۔کیا شباب وکباب کی کمائی سے خیمہ بستیوں کو آباد کیا جائے گا؟ کیا گناہ کی راہوں پر چل کر بچے کھچے مسلمانوں کو آباد کیا جائے گا؟ہائے!جن گناہوں کے نتیجے میں اتنا بڑا عذاب آیا وہی علاج کا ذریعہ بتائے جارہے ہیں۔کیا عذاب الٰہی کو دعوت دینے والے ہمارے مسیحا بنیں گے؟۔

آج ہماری گردنیں اللہ کی بارگاہ میں کیوں نہیں جھک جاتیں آج ہماری زبانیں ''استغفر اللہ ربی'' کیوں نہیں پکارتیں۔آج ہم اپنے اندر تبدیلی کیوں نہیں لاتے۔آج ہمارے کوچہ وبازار لوٹ کھسوٹ سے کیوں نہیں روکتے۔آج ہمارے تاجر اور کارخانہ دار اپنا زراندوزی سے ہاتھ کیوں نہیں روکتے آج ہمارے ارباب اختیار زراندوزی سے کیوں ہاتھ نہیں کھینچتے۔آج ہمارے سرمایہ دار رزق حلال کا اہتمام کیوں نہیں کرتے۔آج ہمارے پیرانِ طریقت اپنی خانقاہوں سے نکل کر مخلوق خدا کے دکھوں میں کیوں شریک نہیں ہوتے؟ آج ہمارے علمائے کرام اپنے حجروں کو چھوڑ کر زلزلے سے بچ جانے والوں کی مزاج پرسی کیوں نہیں کرتے؟ آج سیاسی راہنماء اللہ اور رسول کے احکام کیوں نافذ نہیں کرتے۔؟

اے اللہ! جن کو تو نے محفوظ رکھا ہے انہیں اپنی ہدایت کی رحمتوں سے نواز۔

تباہ کاریوں سے بچایا ہے اسے اپنی پناہ میں جگہ دے۔ اے اللہ! پاکستان کی سرزمین کو اپنی محبت کا گہوارہ بنادے۔ اے اللہ! اس میں بسنے والوں کو فسق و فجور سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! پاکستان میں بسنے والوں کو ثقافتی فتنوں اور بداعتقادی سے بچا ہم کچھ بھی ہیں، تیرے محبوب کے دامن سے وابستہ ہیں۔ ہم کچھ بھی ہیں، تیرے نام لیوا ہیں۔ ہم کچھ بھی ہیں، تیرے ہیں۔ تیرے محبوب کے غلام ہیں۔ تیرے محبوب کے غلاموں کے غلام ہیں۔

خوار ہیں، بدکار ہیں، ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں
کچھ بھی ہیں، لیکن تیرے محبوب کی امت میں ہیں

بادشاہا ! جرم مارا در گزار ‏ ‏ ما گنہگاریم تو آمرزگار
تو نکوکاری و ما بدکردہ ایم ‏ ‏ جرم بے اندازہ، بے حد کردہ ایم
بے گناہ نگذشت بر ما ساعتے ‏ ‏ با حضور دل نکردم طاعتے
بردر آمد بندۂ بگریختہ ‏ ‏ آبروئے خود زعصیاں ریختہ
مغفرت دارد امید از لطف تو ‏ ‏ زانکہ خود فرمودۂ لا تقنطوا

(خواجہ فریدالدین عطار کی دعا)

حضورِ رسالتؐ

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

دل بہ محبوبِ حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

ہم نے اپنے دلوں کو محبوبِ حجازی (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے وابستہ کرلیا ہے۔ اس وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ قریب تر ہوگئے ہیں۔

رشتۂ ما یک تولّایش بس است
چشمِ ما را کیفِ صہبایش بس است

ہمارے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا تعلق ہی کافی ہے۔ ہماری آنکھوں کی جِلا کے لیے آپ کے حُسن لازوال کا نشہ ہی کافی ہے۔

مستیٔ اُو تا بخونِ ما دوید
کہنہ را آتش زد و نو آفرید

آپ کے حُسنِ بے کراں کی مستی ہماری خون کی رگوں میں سرایت کرگئی ہے آپ کے خداداد کرشمہ نے فرسودہ باتوں کو خاکستر کرکے نئی روح پیدا کردی ہے۔

عشق او سرمایۂ جمعیت است
ہمچو خوں اندر عروقِ ملّت است

آپ کا عشق دلوں کے سکون کا بہترین سرمایہ ہے اور آپ کا عشق مانندِ خون تمام ملّتِ اسلامیہ کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔

عشق در جان و نسب در پیکر است
رشتۂ عشق از نسب محکم تر است

چونکہ عشق کا تعلق جان سے اور نسب کا تعلق وجود سے ہے۔ بایں سبب عشق کا رشتۂ محبت نسب سے مضبوط تر ہے۔

عشق ورزی از نسب باید گذشت
ہم ز ایران و عرب باید گذشت

لہذا عشق سے وابستہ ہو اور نسب کے بندھوں سے گذر جا۔
ایران و عرب کے خیال کو بھی دل سے نکال دے۔

اُمّت او مثل او نورِ حق است
هستیٔ ما از وجودش مشتق است

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت بھی آپکی طرح نورِ حق سے مزین ہے۔
اور ہمارا وجود بھی آپ ہی سے مشتق ہے۔

نورِ حق را کس نجوید زاد و بود
خلعتِ حق را چہ حاجت تار و پود

نورِ حق کو کوئی شخص کسی خاص مقام سے تخصیص نہیں کرسکتا۔ بعینہٖ حق تعالیٰ کے انعام کے لیے بھی کسی تانے اور بانے کی ضرورت نہیں۔
اس شخص کو کامل الایمان ہرگز نہیں کہہ سکتے جس کے دل میں آپ ؐ کی محبت موجزن نہ ہو۔

اَغِثْنِی یَارَسُولَ اللہ صَلّی اللہ تعالیٰ عَلَیہ وسلّم

از اعلیٰ حضرت احمد رَضا خان صاحب بریلوی رَحمۃُ اللہ عَلَیہِ

بکارِ خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ
پریشانم پریشانم اغثنی یا رسول اللہ

میں اپنے کام کے ضمن میں حیران ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فریاد رسی فرمائیے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں سخت پریشان ہوں کرم فرمائیے۔

ندارم جز تو ملجائے ندانم جز تو ماوائے
توئی خود ساز و سامانم اغثنی یارسول اللہ

میں آپ کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں رکھتا۔ میرے لئے آپ کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ آپ ہی میری جملہ کائنات ہیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فریادرسی فرمائیے

شہا بیکس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن
مریضِ دردِ عصیانم اَغثنی یارسول اللہ

اے میرے بادشاہ مجھ غریب پر مہربانی فرمائیے۔ اے میرے طبیب میری فکر کیجئے گناہوں کے دکھ کا مریض ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فریادرسی فرمائیے

زفتم راہِ بینایاں فتادم در تہِ عصیاں
بیا اے حبلِ رحمانم اغثنی یارسول اللہ

عارفوں کے راستے پر نہ چل سکا۔ گناہوں کے غار میں جا پڑا۔ اس غار سے نکالنے کے لئے آپ میری مضبوط رسی ہیں۔ آیئے یارسول اللہ میری فریاد رسی فرمایئے۔

گنہ برسر بلا بارد دلم دردِ ہوا دارد
کہ داند جز تو درمانم اغثنی یارسول اللہ

گناہ سر پر بلا کی بارش برسا رہا ہے۔ میرا دل خواہشات کی طرف مائل ہے ایسی حالت میں آپ کے سوا میرا کوئی علاج نہیں کرسکتا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری فریاد رسی فرمایئے۔

اگر رانی و گر خوانی غلامم اَنتَ سلطانی
دگر چیزے نمی دانم اغثنی یارسول اللہ

چاہے آپ مجھ کو اپنے دروازے سے بھگادیں خواہ اپنی جانب آنے کی اجازت مرحمت فرمادیں۔ میں آپ کا غلام ہوں اور آپ میرے بادشاہ ہیں اسکے سوا میں اور کوئی بات نہیں جانتا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری فریاد رسی فرمایئے۔

بکہفِ رحمتم پرور ز قطمیرم منہ کمتر
سگِ درگاہِ سلطانم اغثنی یارسول اللہ

مجھ کو اپنی رحمت کی پناہ گاہ میں ٹھکانہ عنایت فرمایئے اور قطمیر کتے سے مجھ کو کم نہ سمجھئے۔ میں آپ جیسے بادشاہ کے در کا کتا ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری فریاد رسی فرمایئے۔

گنہ در جانم آتش زد قیامت شعلہ می خیزد
مدد اے آبِ حیوانم اغثنی یا رسول اللہ

گناہوں نے میری جان میں آگ لگا دی۔ قیامت آگ برسا رہی ہے۔ اے میرے آبحیات آپ کی مدد درکار ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میری فریادرسی فرمائیے

چو مرگم نخل جاں سوزد بہارم را خزاں سوزد
نہ ریزد برگِ ایمانم اغثنی یا رسول اللہ

جس وقت موت میری جان کے درخت کو جلا ڈالے اور میری بہار کو خزاں لوٹ لے اس پریشانی میں میرے ایمان کا پتہ برباد نہ ہو۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میری فریادرسی فرمائیے۔

چو محشر فتنہ انگیزد بلائے بے اماں خیزد
بجویم از تو درمانم اغثنی یا رسول اللہ

جب یومِ محشر اپنی فتنہ انگیزی دکھلائے اور بلاؤں کا ہجوم ہو جائے۔ میں آپ ہی سے اپنا علاج تلاش کروں گا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری فریادرسی فرمائیے

گدائے آمد اے سلطان باُمیدِ کرم نالاں
تہی داماں مگر دانم اغثنی یا رسول اللہ

اے میرے بادشاہ آپ کے در پر گدا کھڑا ہے آپ کے لُطف و کرم کی اُمید لیکر آیا ہے ایسی حالت میں دامن خالی نہ لوٹائیے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میری فریادرسی فرمائیے۔